JAMIA FAROOQIA KARACHI
فتاویٰ محمودیہ
فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ
تبویب، تخریج اور تعلیق
زیر سرپرستی
شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم
زیر نگرانی
دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست عنوانات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
	الفصل الرابع فی حمل الجنازة	
	(جنازہ اٹھانے کا بیان)	

الفصل الخامس فيما يتعلق بالقبر والدفن

(قبر اور دفن کا بیان)

الفصل السادس فی البناء علی القبور

(قبر پکی کرنے اور اس پر قبہ بنانے کا بیان)

الفصل السابع فی إلقاء الریاحین وغیرها علی القبور

(قبروں پر پھول، چادر ڈالنے اور روشنی کا بیان)

باب زيارة القبور

(زیارتِ قبور کا بیان)

باب إهداء الثواب للميت

(میت کے ایصالِ ثواب کا بیان)

فصل فی التلاوة عند القبر

(قبر پر تلاوت کا بیان)

فصل فی أطعمة الأسبوع والأربعين وغيرها

(میت کے سوئم، چہلم وغیرہ کے کھانوں کا بیان)

باب المتفرقات

باب أحكام الشهيد

(شہید کے احکام کا بیان)

کتاب الزکوۃ

باب وجوبِ الزکاۃ

(وجوبِ زکوۃ کا بیان)

باب الزكاة فى الذهب والفضة والفلوس الرائجة

(سونے، چاندی اور نوٹ پر زکوۃ کا بیان)

باب زکاة العروض

(سامانِ تجارت پر زکوۃ واجب ہونے کا بیان)

باب زکاۃ المواشی

(جانوروں کی زکوۃ کا بیان)

باب العشر والخراج

(عشر اور خراج کا بیان)

فصل فی أراضی الهند

(ہندوستان کی زمینوں میں عشر کا بیان)

باب أداء الزكاة

(زکوۃ کی ادائیگی کا بیان)

باب مصارف الزکاۃ

(زکوۃ کے مصارف کا بیان)

فصل فی صرف الزکوۃ فی المدارس

(مدارس میں زکوۃ دینے کا بیان)

باب صدقة الفطر ومصارفها

(صدقۂ فطر اور اس کے مصارف کا بیان)

باب الصدقات النافلة

(صدقاتِ نافلہ کا بیان)

9

باب المتفرقات

☆.....☆.....☆

الفصل الرابع فی حمل الجنازة

(جنازہ اٹھانے اور لے جانے کا بیان)

جنازہ کوکس رفتار سے لیکر چلنا چاہیے؟

سوال[۴۱۵۵]: جنازہ لے کرکس رفتار سے چلنا چاہیے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جنازہ لے کر پوری رفتار سے چلنا چاہیے، لیکن دوڑنا نہیں چاہیے جس سے جنازہ منتشر ہو جائے (جیسا کہ غیر مسلم لے جاتے ہیں)، نہ اتنا آہستہ لیجائیں جیسا کہ یہاں دستور ہے کہ بہت آہستہ آہستہ چلتے ہیں، جہاں کسی نے پورا قدم اٹھایا سب نے منع کرنا شروع کردیا کہ آہستہ چلو، گویا کہ جنازہ کو بیمار تصور کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس کو اسپتال لے جارہے ہیں، حدیثِ پاک میں جنازہ کو تیز لے کر چلنے کا حکم ہے، یہی حکم فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه: قال سألنا نبينا صلى الله تعالیٰ عليه وسلم عن المشی مع الجنازة؟ فقال: "ما دون الخبب، إن يكن خيراً نعجّل إليه، وإن يكن غير ذلک، فبُعداً لأهل النار، والجنازة متبوعة ولا تتبع، ليس معها من تقدمها". (سنن أبی داؤد، كتاب الجنائز، باب الإسراع بالجنازة: ۹۷/۲، امداديه ملتان)

"(ويسرع بها بلا خبب): أی عدو سريع". (الدرالمختار). "(قوله: بلا خبب) و حد التعجيل المسنون أن يسرع به بحيث لا يضطرب الميت على الجنازة للحديث: "أسرعوا بالجنازة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۳۱/۲، سعيد)

" والإسراع بالجنازة أفضل من الإبطاء .... لكن ينبغی أن يكون الإسراع دون الخبب".

(بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: والكلام فی حمله على الجنازة الخ: ۴۳/۲، رشيديه)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۳۵/۲، رشيديه)

جنازہ کتنے قدم لیکر چلے

سوال[۴۱۵۶]: جنازہ لے جاتے وقت یہاں پر ایک عمل ہے کہ چارپائی کو چار آدمی پکڑے ہوئے لے جاتے ہیں اور دس دس قدم کے بعد گردن بدلتے ہیں، آخر ایک جگہ کے بعد جب پہلا آدمی پہلی جگہ پر آجاتا ہے یعنی چالیس قدم ہوجاتے تب قبرستان لے جاتے ہیں۔ اس کی کیا اصل ہے؟ یہاں اس کا کافی زور چل رہا ہے اور بعض لوگ اتنا تشدد کرتے ہیں کہ اس کے خلاف کرنے والوں سے جھگڑا کرتے ہیں، اس لئے آپ کے فتویٰ کی سخت ضرورت ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جنازہ کو چار آدمی اٹھائیں اور ہر اٹھانے والا چالیس قدم لے کر چلے، باقی دس دس قدم پر منزل کرنا شرعی حکم نہیں ہے، رسمِ محدث ہے، اس کی اصلاح کی جائے، "ویسن لحملها أربعة رجال، وينبغي لكل واحد حملها أربعين خطوةً، اه". مراقی الفلاح(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۳ھ۔

میت کو کندھا دینا چالیس قدم

سوال[۴۱۵۷]: یہ دستور ہے کہ مردے کو قبر میں لے جاتے وقت قدم شمار کئے جاتے ہیں یعنی گھر

---

(۱) (مراقي الفلاح، كتاب الصلوٰة، باب أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ص: ۲۰۳، قديمي)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوٰة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الرابع في حمل الجنازة: ۱/۱۶۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، باب صلوٰة الجنازة، مطلب في حمل الميت: ۲/۲۳۱، سعيد)

"وينبغي أن يحمل من كل جانب عشر خطوات لما روي في الحديث: "من حمل جنازة أربعين خطوةً، كفرت أربعين كبيرةً". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة الجنائز، فصل: والكلام في حمله على الجنازة: ۲/۴۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشيديه)

سے قبر تک چالیس قدم گنے جاتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

میت کو چالیس قدم کندھا دینا بعض روایات میں منقول ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنازہ کا ہلکا بھاری ہونا

سوال[۴۱۵۸]: بعض جنازہ جب اٹھاتے ہیں تو ہلکا ہوتا ہے، کچھ دور چلنے کے بعد کافی بھاری ہو جاتا ہے اور بعض جنازے بالکل ہلکے پھلکے ہوتے ہیں، اس میں کوئی وجہ ہو تو جواب سے نوازیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

بعض جنازے میں ملائکہ شرکت فرماتے ہیں اور اس کو اٹھاتے ہیں اتنا تو حدیث میں ہے، ممکن ہے اس میں غور کرنے سے آپ کا مسئلہ بھی کچھ حل ہو جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱/۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "(وإذا حمل الجنازة وضع) ندباً (مقدمها) .... عشر خطوات لحديث: "من حمل جنازةً أربعين خطوة، كفرت عنه أربعين كبيرةً". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۱، سعيد)

"و ينبغي أن يحمل من كل جانب عشر خطوات، لما روى في الحديث: "من حمل جنازةً أربعين خطوةً، كفرت أربعين كبيرةً". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: والكلام في حمله على الجنازة: ۲/۴۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الرابع في حمل الجنازة: ۱/۱۶۲، رشيديه)

(۲) "لما مات سعد بن معاذ رضي الله تعالىٰ عنه و كان رجلاً جسيماً جزلاً ...... فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "والذي نفسي بيده! لقد كانت الملائكة تحمل سريره". عن نافع قال: بلغني أنه شهد سعد بن معاذ سبعون ألف ملك، لم ينزلوا إلى الأرض قبل ذلك". الحديث. (الطبقات الكبرى لابن سعد، طبقات البدريين من الأنصار، مناقب سعد بن معاذ: ۳/۴۳۰، دار صادر، بيروت) ....=

....

= "عن ثوبان رضی الله تعالیٰ عنه قال: خرجنا مع النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی جنازة فرآی ناساً رکباناً فقال: "لا تستحیون أن ملائکة الله علی أقدامهم وأنتم علی ظهور الدواب"؟ (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی کراهية الرکوب خلف الجنازة: ۱/۱۹۶، سعید)

قال الملا علی القاری تحت هذا الحدیث: "حدیث ثوبان یدل علی أن الملائکة تحضر الجنازة، والظاهر أن ذلک عام مع المسلمین بالرحمة و مع الکفار باللعنة، قال أنس رضی الله تعالیٰ عنه: مرت جنازة برسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فقام، فقیل: إنها جنازة یهودی؟ فقال: "إنا قمنا للملائکة". (مرقاة المفاتیح، کتاب الجنائز، باب المشی بالجنازة والصلاة علیها، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۱۶۷۲): ۴/۱۶۰، رشیدیه)

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس طرح ایک متقی شخص اپنی حیات میں بندوں کے لئے راحت وآرام کا باعث تھا اسی طرح موت کے بعد بھی ہو، اور جس طرح ایک فاسق وفاجر شخص اپنی زندگی میں لوگوں کے لئے ایذاء رسانی اور تکلیف کا باعث تھا اسی طرح بعد الوفات بھی وہ اپنی حیات کی ایک جھلک کے طور پر لوگوں پر بوجھ بن رہا ہو، جیسا کہ ذیل کی حدیث اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

"عن أبی قتادة بن ربعی الأنصاری رضی الله تعالیٰ عنه أنه کان یحدّث أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم مُرّ علیه بجنازة قال: "مستریح أو مستراح منه" قالوا: یا رسول الله! ما المستریح والمستراح منه؟ قال: "العبد المؤمن یستریح من نُصب الدنیا وأذاها إلی رحمة الله، والعبد الفاجر یستریح منه العباد والبلاد والشجر و الدواب". (صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب سکرات الموت: ۲/۹۶۴، قدیمی)

قال الحافظ ابن حجرؒ: "أن یکون المراد براحة العباد منه لِمَا یقع لهم من ظلم و راحة الأرض منه لما یقع علیها من غضبها و منعها من حقها و صرفه فی غیر وجهه وراحة الدواب ممالایجوز من اتعابها. والله أعلم". (فتح الباری، کتاب الرقاق، باب سکرات الموت: ۱۱/۴۴۴، قدیمی)

(وکذا فی مرقات المفاتیح، کتاب الجنائز، باب تمنی الموت، (رقم الحدیث: ۱۶۰۳): ۴/۶۹، ۷۰، رشیدیه)

جنازہ اٹھانے سے گناہوں کی معافی

سوال[۴۱۵۹]: حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو آدمی جنازہ لے کر چالیس قدم چلے اس کے چالیس کبیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں، کتبِ فقہ میں اس کی صورت لکھی ہے۔ اب اگر جتنے آدمی جنازہ کے اندر گئے ہیں سب یکے بعد دیگرے جنازہ لے کر چالیس قدم چلے، اب ہر ایک آدمی کے چالیس چالیس گناہ معاف ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ویستحب أن یحملها من کل جانب عشر خطوات لما روی عنه علیه الصلاة والسلام أنه قال: "من حمل جنازةً أربعین خطوةً، کفرت عنه أربعین کبیرةً" رواه أبوبکر التجار". کبیری، ص: ۵۸٤(۱)۔ اس عبارت کا مقتضی یہی ہے کہ ہر وہ شخص جو کہ ۴۰/قدم جنازہ اٹھا کر چلے گا اس کے ۴۰/......گناہ معاف ہوں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنازہ لیجاتے وقت رخ کس طرف ہو؟

سوال[۴۱۶۰]: میت کو غسل دے کر گورستان کی طرف جو مشرق کی جانب ہے اٹھا کر جب جنازہ لے جاتے ہیں تو پاؤں میت کے کس طرف کریں؟ اگر خلافِ معتاد آگے کو کریں تو رخ میت کا قبلہ کے مخالف جانب ہوگا، اگر سر آگے حسبِ معتاد کریں تو رخ میت کا قبلہ کو ہوگا۔ میت کو کس طرح لے جانا چاہیے؟

---

(۱) (الحلبی الکبیر، فصل فی الجنائز، الخامس فی الحمل: ۵۹۲، سهیل اکیڈمی لاهور)

"و ینبغی أن یحمل من کل جانب عشر خطوات لما روی فی الحدیث: "من حمل جنازةً أربعین خطوةً، کفرت أربعین کبیرةً". (بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، الجنائز، فصل: والکلام فی حمله علی الجنازة: ۴۳/۲، رشیدیه)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲۳۱/۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۳۸/۲، رشیدیه)

الجواب حامداًومصلیاً:

معتادصورت بلاتر ددجائز ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

میت کوقبرستان لیجاتے وقت پیر آگے کرنا

سوال[۴۱۶۱]: اگرکسی مقام پرقبرستان آبادی سے بطرف قبلہ ہو،تو میت کولیجاتے وقت پیرآگے رکھنے کی طرف رکھنے میں شریعت کا کیاحکم ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

پیرآگے کرنا خلافِ سنت ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ،مظاہر علوم سہارنپور۔

عورت کی میت کوگھر سے کس رخ سے نکالی جائے؟

سوال[۴۱۶۲]: کسی عورت کی میت کوگھر سے پیروں کی جانب سے نکالیں یاسر کی جانب سے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

سر کی جانب سے(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وفی حال المشی بالجنازة یقدم الرأس". (التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل فی حمل الجنازة: ۲/۱۵۱، إدارة القرآن کراچی)

"و فی حالة المشی بالجنازة یقدم الرأس، کذا فی المضمرات". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الرابع فی حمل الجنازة: ۱/۱۶۲، رشیدیه)

(۲) (راجع الحاشیة المتقدمة)

(۳) "وفی حال المشی بالجنازة یقدم الرأس". (التاتارخانیة، کتاب الصلاة، الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل فی حمل الجنازة: ۲/۱۵۱، إدارة القرآن کراچی)

"و فی حالة المشی بالجنازة یقدم الرأس، کذا فی المضمرات". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب =

عورت کے جنازہ کو نامحرم چھوسکتا ہے یا نہیں؟

سوال[۴۱۶۳]: کیا عورت کے جنازہ کو غیر محرم چھوسکتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

چھوسکتا ہے: "لأن یده ماوصل إلیٰ بدنها فلا مانع بأخذ السریر"(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

جنازہ کے ساتھ ننگے سر چلنا

سوال[۴۱۶۴]: جنازہ کے ساتھ ننگے سر چلنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جنازے کے ساتھ ننگے سر نہیں جانا چاہیے کہ یہ غیر مسلموں کا طریقہ ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الرابع فی حمل الجنازة: ۱/۱۶۲، رشیدیه)

(۱) چونکہ ہر مسلمان (خواہ مرد ہو یا عورت) کی تجہیز وتکفین، صلوۃ جنازہ، دفن وغیرہ تمام مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔اور جنازہ کے اٹھانے کے لئے اس کو چھونا پڑتا ہے، لہٰذا شرعاً یہ جائز ہے:

"(والصلاة علیه) صفتها (فرض کفایة) بالإجماع .... (کدفنه) و غسله وتجهیزه، فإنها فرض کفایة". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعید)

"(الصلاة علیه) کـکـفـنـه و دفنه و تجهیزه (فرض کفایة) مع عدم الانفراد بالخطاب بها".

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، أحکام الجنائز، فصل: الصلاة علیه، ص: ۵۸۰، قدیمی)

(۲) "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم:" من تشبه بقوم فهو منهم". (سنن أبی داؤد، کتاب اللباس، باب ما جاء فی الأقبیة: ۲/۲۰۳، امدادیه ملتان)

"ویکره کشف رأسه بین الناس و ما لیس بعورة و ما جرت العادة بستره". (غنیة الطالبین للشیخ عبد القادر جیلانی رحمه الله تعالیٰ: ۱/۱۳)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحظر والاباحۃ، لباس زینت، کھلے سر پھرنا کیسا ہے؟: ۱۰/۱۵۵، دارالاشاعت کراچی)

جنازہ کودیکھ کرکھڑاہونا

سوال[۴۱۶۵]: نماز جنازہ پڑھنے کے بعد جب جنازہ قبرستان جاتا ہے اس وقت بازار میں لوگ ملتے ہیں، بعض دوکاندار کام میں لگے ہوتے ہیں وہ نعش کودیکھ کرکھڑے ہوجاتے ہیں، کچھ دورتک جنازہ کے ساتھ چلتے ہیں پھرواپس ہوجاتے ہیں۔ یہ طریقہ جائز ہے یانہیں؟ اگرکوئی ایسا کرتا ہے تو وہ گنہ گارقرار پائے گا یا نہیں؟ اپنی ضرورتِ شدیدہ کی بناپرواپس ہوسکتا ہے یانہیں؟ یاقبرستان تک جانا ضروری ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مسلم میت کوغسل کفن دینا، جنازہ کی نماز پڑھنا، اس کوقبرستان پہنچانا، دفن کرنا یہ سب چیزیں میت کے حقوق ہیں جومسلمانوں پرلازم ہیں، مگران کالزوم ایسانہیں جیسافرض نمازوں کالزوم ہے کہ ہرشخص پرفرضِ عین ہے، بلکہ جولوگ میت کے گھروالے ہیں ان پرلزوم ہے، پھرپڑوس والوں پرہے، پھردیگراہلِ محلّہ پراوراہلِ بستی پرہے پھراَورسب پرہے، جہاں تک علم وقدرت ہو۔ اگرگھروالوں نے ان سب چیزوں کوپوراکردیاتوسب کے ذمہ سےلزوم ساقط ہوجائے گا، اگراہلِ محلّہ اوراہلِ بستی نے پوراکردیاتوگھروالوں سے ساقط ہوجائے گا، اگرکسی نےنہیں کیاتوسب گنہ گاررہوں گے، تاہم محض گھروالوں کے کرنے پردوسرےلوگ بھروسہ اورکفایت نہ کریں بلکہ ان کی ہمدردی اوراعانت حسبِ وسعت لازم ہے۔

اگرجنازہ لےجایاجارہاہواورکوئی شخص اپنے کام میں مشغول ہواس کومناسب ہے کہ کام چھوڑکرجنازہ کےاہتمام کے لئے کھڑاہوجائے اورقبرستان تک جائے، دفن وغیرہ میں شرکت کرے(۱)، لیکن اگرکام ضروری ہےجس کوپھرنہیں کرسکتاتونماز جنازہ پڑھ کرجنازہ کے ولی سےاجازت لےکرواپس آجائے، اگرنماز کے لئے جانے کوبھی وقت میں گنجائش نہیں مشغولی زیادہ ہےتب بھی یہ ترک فرض کامجرم نہیں، البتہ یہ طریقہ بنالینامکروہ ہے کہ جنازہ کےساتھ چل کراس کی نماز پڑھ کرواپس چلاآئےاوردفن کے لئے قبرستان نہ جائے، اگرایسی ضرورت پیش آئےتوجنازہ کےولی سےمعذرت کرکے چلاآئےتومضائقہ نہیں(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۳/۲۷ھ۔

---

(۱) "عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: أمرنا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بسبع و نہانا عن سبع: أمرنا باتباع الجنائز وعیادۃ المریض". الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الامر =

....

= باتباع الجنائز: ۱/۱۶۲، قدیمی)

"(والصلاة علیه) صفتها (فرض کفایة) بالإجماع، فیکفر منکرها؛ لأنه أنکر الإجماع (کدفنه) وغسله و تجهیزه، فإنها فرض کفایة". (الدرالمختار، کتاب الصلاة باب الجنائز: ۲/۲۰۷، سعید)

"(الصلاة علیه) ککفنه و دفنه و تجهیزه (فرض کفایة) مع عدم الانفراد بالخطاب". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، أحکام الجنائز، فصل: الصلاة علیه: ۵۷۰، قدیمی)

"قال: (وهی فرض کفایة): أی الصلاة علیه .... و کذا تکفینه فرض علی الکفایة .... و کذا غسله و دفنه فرض علی الکفایة". (تبیین الحقائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۷۱، سعید)

واضح رہے کہ اگر میت کے تجہیز وتکفین میں شرکت کا ارادہ نہیں، محض میت کے لئے احتراماً کھڑے ہوتے ہیں تو اس کی اجازت نہیں ہے:

"أنه سمع علی ابن أبی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنه برحبة الکوفة و هو یقول: کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أمرنا بالقیام فی الجنازة، ثم جلس بعد ذلک وأمرنا بالجلوس" (مسند أحمد، مسند علی بن أبی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنه، رقم الحدیث: ۶۲۴، ۱/۱۳۳، دار احیاء التراث العربی)

"و لا یقوم أحد للجنازة إذا مرت به، إلا إذا أراد أن یتبعها، وعلیه الجمهور. وما ورد فی الأحادیث الصحیحة من القیام لها منسوخٌ بما رُوی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أمرنا بالقیام". الحدیث. (الحلبی الکبیر، فصل فی الجنائز، الخامس فی الحمل، ص: ۵۹۳، سهیل اکیڈمی لاهور)

"وأما القاعد علی الطریق إذا مرت به أو القاعد علی القبر، فلا یقوم لها". (تبیین الحقائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۸۳، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع، الجنائز، فصل: والکلام فی حمله علی الجنازة: ۲/۴۵، رشیدیه)

(۲) "قال: (وله أن یأذن لغیره) .... یأذن للناس بالانصراف بعد الصلوة قبل الدفن؛ لأنه لا ینبغی لهم أن ینصرفوا إلا بإذنه". (تبیین الحقائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۷۳، سعید)

"و هو أن یأذن للناس فی الانصراف بعد الصلوة قبل الدفن؛ لأنه لا ینبغی لهم أن ینصرفوا إلا بإذنه". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب: تعظیم أُولی الأمر واجب: ۲/۲۲۲، سعید)

کافر کا مسلم اور مسلم کا کافر کے جنازہ کے ساتھ چلنا

سوال[۴۱۶۶]: آج دنیا میں رواج ہے کہ کافر مسلمانوں کے جنازہ کے ساتھ قبرستان جاتے ہیں بلکہ پایہ بھی پکڑ لیتے ہیں، اسی طرح مسلمان کافر کے جنازہ کے ساتھ جاتے ہیں اور ارتھی بھی پکڑتے ہیں (۱)۔ تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پڑوسی کافر بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنا اور اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا تو ثابت ہے (۲)، لیکن ارتھی پکڑنا اور اس کو جلانے کے لئے مرگھٹ جانا ثابت نہیں (۳)، اس سے بچنا لازم ہے، اسی طرح سے برعکس (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۷/ ۹۳ھ۔

---

(۱) ''ارتھی: ہندوؤں کا جنازہ''۔ (فیروز اللغات تحت لفظ: ا، ر، ص: ۸۲، فیروز سنز لاہور)

(۲) "عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ أن غلاماً لیھود کان یخدم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فمرض، فأتاہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعودہ، فقال: "أسلم" فأسلم. و قال سعید بن المسیّب عن أبیہ: لما حضر أبو طالب، جاءہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم". (صحیح البخاری، باب عیادۃ المشرک، کتاب المرضی. ۲/ ۸۴۴، قدیمی)

قال الملا علی القاری تحت ھذا الحدیث: "فیہ دلالۃ علی جواز عیادۃ الذمی. فی الخزانۃ: لابأس بعیادۃ الیھودی، واختلفوا فی عیادۃ المجوسی و عیادۃ الفاسق، والأصح أنہ لا بأس بہ". (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الجنائز، باب عیادۃ المریض و ثواب المرض، (رقم الحدیث: ۱۵۷۴): ۴/ ۴۸، رشیدیہ)

"(قولہ: وجاز عیادتہ): أی عیادۃ مسلم ذمیاً نصرانیاً أو یھودیاً .... وصح أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عاد یھودیاً مرض بجوارہ". (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل فی البیع: ۶/ ۳۸۸، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الکراھیۃ، الباب الرابع عشر فی أھل الذمۃ: ۵/ ۳۴۸، رشیدیہ)

(۳) ''مرگھٹ: ہندوؤں کے مردے جلانے کی جگہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۳۲، فیروز سنز، لاہور)

(۴) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما "عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ لما مات =

غیر مسلم کی تجہیز و تکفین میں شرکت

سوال[۴۱۶۷] : ۱...... ہمارے یہاں مسلم آبادی بہت کم ہے جس کی وجہ سے ہم لوگوں کو ہندوؤں کے ساتھ تعلقات رکھنے پڑتے ہیں۔ اب عرض یہ ہے کہ ہم لوگوں میں سے کسی کی موت ہو جاتی ہے تب ہمارے دوست ہندو لوگ قبر پر جاتے ہیں اور ہمارے ساتھ مٹی وغیرہ میت کو دیتے ہیں، اسی لئے اگر کسی ہندو بھائی کی موت ہو جاتی ہے تب ہم کو بھی ان کے ساتھ مردہ گھاٹ جانا پڑتا ہے اور لکڑی وغیرہ دینی پڑتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان کے مردہ کے ساتھ ہمارا جانا جائز ہے یا نہیں اور ہے تو کہاں تک؟

ایضاً

سوال[۴۱۶۸] : ۲...... اب ہم اپنی میت کے لئے بھی معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ہندو لوگ جو کہ ہمارے مردے کے ساتھ قبر پر جاتے ہیں اور مٹی دیتے ہیں، ان کے لئے بھی اور ہمارے لئے بھی علمائے دین کیا فرماتے ہیں اور کیا حکم ہے؟

= عبدالله بن أبیّ ابن سلول دُعی له رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لیصلی علیه، فلما قام رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و ثبت إلیه، فقلت: یا رسول الله! أتصلی علی ابن أبیّ؟ و قد قال یوم کذا و کذا کذا و کذا، أعدّد علیه قوله، فتبسم رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فقال: "أخّر عنی یا عمر"! فلما أکثرتُ علیه، قال: "إنی خُیّرت، فأخترت لو أعلم أنی إن زدت علی السبعین یغفر له، لزدت علیها". قال فصلی علیه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، ثم انصرف فلم یمکث إلا یسیراً حتی نزلت الآیتان من برآءة ﴿ولا تصل علی أحد منهم مات أبداً و لا تقم علی قبره﴾ .... ﴿وهم فاسقون﴾ .... قال: فعجبت بعدُ من جرأتی علی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یومئذ. والله و رسوله أعلم". (صحیح البخاری. کتاب الجنائز. باب ما یکره من الصلاة علی المنافقین: ۱/۱۸۲. قدیمی)

"و یغسل المسلم و یکفن قریبه) کخاله (الکافر الأصلی .... عند الاحتیاج) فلو له قریب فالأولی ترکه لهم .... و لیس للکافر غسل قریبه المسلم".

"(لیس للکافر): أی إذا لم یکن للمسلم قریب مسلم، فیتولی تجهیزه المسلم، ویکره أن یدخل الکافر فی قبر قریبه المسلم لیدفنه". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۰، ۲۳۱، سعید)

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......اگر بغیراس کے گزارہ نہیں حالات سے مجبور ہیں تو کم سے کم شرکت پر کفایت کریں اور جن جن چیزوں سے بچ سکتے ہیں بچنے کی کوشش کرتے رہیں اور توبہ واستغفار کرتے رہیں (۱)۔

۲......ان کو منع نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و لا تصل علی أحد منهم مات أبداً و لا تقم علی قبره﴾. (سورة التوبة: ۸۴)

"والمراد من الصلاة المنهیّ عنها صلاة المیت المعروفة، و هی متضمنة للدعاء والاستغفار والاستشفاع، الخ.......... وقوله: ﴿و لا تقم علی قبره﴾ والمراد لا تقف عندقبره للدفن أو للزیارة والقبر فی المشهور مدفن المیت، ویکون بمعنی الدفن، وجوزوا إرادته هنا أیضاً" (روح المعانی: ۱۰/۱۵۴، ۱۵۵، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: "عن عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه أنه لما مات عبد الله بن أبیّ ابن سلول دُعی له رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم .... قال فصلی علیه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، ثم انصرف، فلم یمکث إلا یسیراً حتی نزلت الآیتان من برآء ة ﴿ولا تصل علی أحد منهم مات أبداً و لا تقم علی قبره﴾ .... ﴿و هم فاسقون﴾ .... قال: فعجبت بعد من جرأتی علی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یومئذ، والله و رسوله أعلم". (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکره من الصلاة علی المنافقین: ۱/۱۸۲، قدیمی)

"(و یغسل المسلم و یکفن قریبه) کخاله (الکافر الأصلی .... عند الاحتیاج) فلو له قریب، فالأولی ترکه لهم .... و لیس للکافر غسل قریبه المسلم". (الدر المختار).

"(لیس للکافر): أی إذا لم یکن للمسلم قریب مسلم، فیتولی تجهیزه المسلم، ویکره أن یدخل الکافر فی قبر قریبه المسلم لیدفنه". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۰، ۲۳۱، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۴، ۳۳۵، رشیدیه)

جنازہ کے ساتھ رفعِ صوت بالذکر کی کراہت کی وجہ

سوال[۴۱۶۹]: ہر کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کے ساتھ چلنے والوں کو رفعِ صوت بالذکر مکروہ ہے، اس کی کراہت کی وجہ کیا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

شامی نے ملتقیٰ سے روایت نقل کی ہے:" عن النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم أنه كره رفع الصوت عند قرأة القرآن والجنازة والزحف والتذكير، اهـ". ردالمحتار(۱)۔

اس کی تصریح کے بعد کسی علت کو معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۸۹ھ۔

جنازہ کے ساتھ زور سے کلمہ پڑھتے ہوئے چلنا

سوال[۴۱۷۰]: جنازہ کے ساتھ بلند آواز کے کلمہ شریف یا قرآن پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مکروہ ہے، فتاویٰ عالمگیری: ۱/۱۰٤(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل فى البيع: ۳۹۸/٦، سعيد)

"و يكره رفع الصوت بالذكر لما روى عن قيس بن عبادة رضى الله تعالىٰ عنه أنه قال: كان أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يكرهون الصوت عند القتال و عند الجنازة والذكر، ولأنه تشبهٌ بأهل الكتاب، فكان مكروهاً". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: الكلام فى حمله: ۴٦/۲، رشيديه)

"و يكره رفع الصوت بالذكر وقرأة القرآن و غيرهما فى الجنازة". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۳٦/۲، رشيديه)

(۲) "وعلى متبعى الجنازة الصمتُ، و يكره لهم رفع الصوت بالذكر وقراء ة القرآن". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل الرابع فى حمل الجنازة: ۱۶۲/۱، رشيديه)

"و يكره رفع الصوت بالذكر لما روى عن قيس بن عبادة رضى الله تعالىٰ عنه أنه قال: كان=

جنازہ سامنے رکھ کراس پر سلام پڑھنا

سوال[۴۱۷۱]: جنازہ رکھ کراس کے پاس کھڑے ہوکر سلام پڑھنا شرعاً جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جنازہ رکھ کراس کے گرد کھڑا ہوکر سلام پڑھنا ثابت نہیں نہ قرآن پاک میں ہے نہ حدیث شریف میں نہ کتبِ فقہ میں، اس لئے یہ طریقہ قابلِ ترک ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۸۶ھ۔

= أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يكرهون الصوت عند القتال و عند الجنازة والذكر، و لأنه تشبهٌ بأهل الكتاب، فكان مكروها". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنازة، فصل: والكلام في حمله: ۲/۴۲، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۳، سعيد)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهورد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، بابٌ: إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة و رد محدثات الأمور ۲/۷۷، قديمي)

قال الملا على القاري رحمه الله تعالىٰ تحته: "من أحدث": أي جدّد وابتدع وأظهر واخترع "في أمرنا هذا": أي في دين الإسلام .... "فهو": أي الذي أحدثه "ردّ": أي مردودٌ عليه .... قال القاضي: المعنى: من أحدث في الإسلام رأياً لم يكن له من الكتاب أو السنة سندٌ ظاهرٌ أو خفيٌّ، ملفوظٌ أو مستنبطٌ، فهو مردودٌ عليه. قيل: في وصف الأمر "بهذا" إشارةٌ إلى أن أمر الإسلام كمل وانتهى، وشاع وظهر ظهور المحسوس بحيث لايخفى على كل ذي بصرٍ وبصيرةٍ، فمن حاول الزيادة فقد حاول أمراً غير مرضيٍ؛ لأنه من قصور فهمه رآه ناقصاً". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳۶۵، ۳۶۶، (رقم الحديث: ۱۴۰)، رشيديه)

شروع میں جنازہ اٹھانے والے کو کھانا کھلانا

سوال[۴۱۷۲]: ہمارے یہاں یہ بات ضروری سمجھتے ہیں کہ جو شخص میت کے اہلِ خانہ کے علاوہ جنازہ کو شروع میں اٹھاتا ہے تو پھر اس کو کھانا کھلانا ضروری سمجھتے ہیں اور اگر وہ شخص کھانا نہ کھائے تو اس کو گناہ سمجھتے ہیں، اور یہاں پر یہ بات بھی ہے کہ جب کسی کے یہاں میت ہوجاتی ہے تو محلّہ کی عورتیں اس کے یہاں تھوڑا تھوڑا اناج لیکر آتی ہیں جس کو پھر شیخ یا کوئی فقیر اٹھا کر لے جاتا ہے۔ یہ بات شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بالکل بے بنیاد اور غلط چیز ہے، شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

میت کو باجہ اور ناچ کے ساتھ قبرستان لے جانا اور قبر میں شجرہ رکھنا

سوال[۴۱۷۳]: زید کی ماں جس کی عمر ۸۰/ سال ہوگئی، وہ انتقال کرگئی، ان کا جنازہ پیر بھائیوں کے انتظار ۲۴/ گھنٹے روکا گیا، اس کے بعد اس میت کو گھر سے قبرستان تک انگریزی باجوں کے ساتھ ناچ کراتے ہوئے منزل دے کر لے جایا گیا، زید کا قول ہے کہ یہ ہر وقت میں جائز ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قبر میں شجرہ رکھنا مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پیر بھائیوں کے انتظار میں ۲۴/ گھنٹے نعش روکنا (۲) اور ناچ باجے کے ساتھ قبر تک لے جانا شرعاً غلط

---

(۱) "بدعة: وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ...... بنوع شبهة" (الدرالمختار، باب الإمامة: ۱/ ۵۶۰، سعید)

(وأیضاً راجع المسئلة المتقدمة آنفاً)

(۲) " عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إذا مات أحدكم، فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره". الحديث. رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثالث، ص: ۱۴۹، قديمي)

قال القاري: "فلا تحبسوه": أي لا تؤخر دفنه من غير عذر. قال ابن الهمام: يستحب =

ہے اور معصیتِ کبیرہ ہے(۱) اس کو علی الاعلان توبہ واستغفار کرنا ضروری ہے(۲)۔

قبر میں میت کے ساتھ شجرہ رکھنا ثابت نہیں، اس میں مظنہ ہے کہ میت کے جسم سے کچھ مواد نکلے جس سے وہ شجرہ بھی ملوث ہو جائے اس لئے شجرہ بھی نہیں رکھنا چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۴ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆
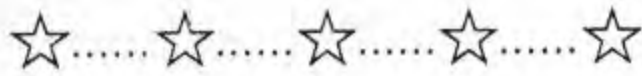
= الإسراع بتجهيزه كله من حين يموت "(و أسرعوا به إلى قبره)" هو تأكيدٌ و إشارةٌ إلى سنة الإسراع في الجنازة". (مرقاة المفاتيح، باب دفن الميت: ۱۹۷/۴، رقم الحديث: ۱۷۱۷، رشيديه)

(۱) "و أما الرقص والتصفيق والصريخ و ضرب الأوتار والصنج والبوق الذى يفعل بعض من يدعى التصوف، فإنه حرام بالإجماع؛ لأنها ذىّ الكفار، كما فى سكب الأنهر". (حاشية الطحطاى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوة، قبيل باب ما يفسد الصلوة، ص: ۳۱۹، قديمى)

(وكذا فى ملتقى الأبحر، كتاب الكراهية، فصل فى المتفرقات: ۲۲۳/۴، غفاريه كوئٹه)

(وكذا فى الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، قبيل فصل فى اللبس: ۳۴۹/۶، سعيد كراچى)

(۲) ناچ، مزامیر وغیرہ حرام اور معصیت ہیں اور یہ کہنا کہ: ''ہر وقت میں جائز ہے'' ایسے الفاظ گناہ کو خفیف سمجھ کر کہنے کو فقہائے کرام نے الفاظِ کفر میں شمار کیا ہے: "و منها أن استحلال المعصية صغيرةً كانت أو كبيرةً كفرٌ، إذا ثبت كونها معصيةً بدلالة قطعية، و كذا الاستهانة بها كفرٌ، بأن يعدها هيّنةً سهلةً، و يرتكبها من غير مبالاةٍ بها، و يجريها مجرى المباحات فى ارتكابها". (شرح الفقه الأكبر للقارى، مطلب: استحلال المعصية اهـ: ص: ۱۵۲، قديمى)

اور ایسے الفاظ کے ارتکاب سے سلبِ ایمان کا خطرہ ہونے کی بنا پر توبہ واستغفار اور احتیاطاً تجدید نکاح ضروری ہے:
"ثم ان كانت نية القائل ...... الوجه الذى يوجب التكفير، لا ينفعه فتوى المفتى، و يؤمر بالتوبة و الرجوع عن ذلك و بتجديد النكاح بينه و بين امرأته". (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فى إجراء كلمة الكفر: ۴۵۸/۵، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، قبيل الباب العاشر فى البغاة: ۲۸۳/۲، رشيديه)

الفصل الخامس فيما يتعلق بالقبر والدفن

(قبراوردفن کابیان)

قبر کھودنے کامشروع طریقہ

سوال[۴۱۷۴]: قبر کھودنے کامسنون طریقہ کون سا ہے؟ ایک صورت یہ ہے کہ میت کی مقدار یااس سے کچھ زائد حساب سے قبر تخمیناً............کھود کر پھراس کے درمیان میں اَور ایک حفیرہ نصف قد یازائد کھودتے ہیں اوراس میں نعش رکھ کر حصۂ اُولیٰ میں بانس رکھ کرمٹی ڈالتے ہیں اور یہ طریقہ ہمارے دیس میں صدیوں سے چلاآرہاہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اولاً نصف قد یااس سے زائد قبر کھودے اور پھر نیچے ایک حفیرہ تنگ کھودے جس میں مردہ کورکھ دیا جائے اور بانس ایک دم متصل ڈالے کہ میت کو نہ لگے، معمولی فاصلہ پر بانس ڈالے، یہ دونوں صورتیں جولکھی گئی ہیں............صندوقی قبروں کی ہے، کیونکہ ہمارے ملک میں مٹی اکثر نرم ہوتی ہے، بغلی قبرنہیں کھودی جاتی۔ اب سوال یہ ہے کہ شریعت میں قبر صندوقی کی کون سی صورت مسنون ہے؟ برائے کرم تفصیل سے جواب مدلل دے کرمشکور فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

دوسری صورت سنت ہے، یعنی قبر کے اوپر کا حصہ ایک قامت یا نصف قامت ہواس کے بعد پھرایک حفیرہ ہوجس میں میت کوبسہولت لٹادیاجائے اور جوتختہ یابانس وغیرہ اس پررکھا جائے جومیت کے حق میں چھت کے درجہ میں ہے وہ میت کے جسم سے مس نہ کرے، پھر جب مٹی ڈالی جائے گی وہ مٹی اوپر کے حصہ میں آجائے گی اور جومٹی حفیرہ سے نکلی تھی وہ زمین سے اوپر بشکلِ قبر رہے گی جس سے قبر ڈیڑھ دو بالشت اونچی رہے گی، زیادہ اونچی نہیں رہے گی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۶/ ۱۴۰۱ھ۔

---

(۱) "(وحفر قبره) في غير دارٍ (مقدار نصف قامة)، فإن زاد فحَسنٌ (ويلحد ولايشق)". (الدرالمختار). =

قبر کا مسنون طریقہ اور اس کی شکلیں

سوال[۴۱۷۵]: قبر کھودنے کی کتنی شکلیں ہیں؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلی قبر ہے؟ آیا بغلی قبر اس طرح سے ہوتی ہے کہ مردہ کی لمبائی کے مطابق قبر کھودی جاتی ہے اور اس قبر کی بغل میں ایک گڈھا کھود دیا جاتا ہے اور مردہ کو اس میں رکھنے کے بعد اس طرح سے اس کو بند کردیتے ہیں کہ مردہ نہ تو اس میں بیٹھ سکتا ہے اور نہ کروٹ ہی لے سکتا ہے۔ تو کیا اس طرح سے مردہ کو دفن کرنا درست ہے؟ میں نے ایک حدیث میں دیکھا ہے کہ ''مردہ کو جب قبر میں دفن کردیا جاتا ہے تو اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب قریبِ غروب ہے، پس مردہ بیٹھتا ہے اور اپنی دونوں آنکھیں مَلتا ہے گویا کہ ابھی خواب سے اٹھا ہے، الخ''۔ تو اس صورت میں حدیث کا کیا مطلب ہے؟ مدلل مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر کا یہ طریقہ اعلیٰ طریقہ ہے اور جہاں بغلی نہ بن سکتی ہو، شق بھی درست ہے، وہ اس طرح کہ قد کے برابر گہری قبر کھود کر کچھ حصہ اس میں ایسا بنایا جائے جس میں میت کو رکھا جائے اور اس پر تختی یا بانس رکھ کر بوریہ وغیرہ ڈال کر مٹی ڈال دی جائے، میت کا جسم بانس اور تختوں کو نہ لگے(۱)۔ یہ بات صحیح ہے کہ قبروں پر فرشتے آکر

= ''(قوله: ويلحد)؛ لأنه السنة، وصفته أن يحفر القبر، ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة، فيوضع فيهاالميت، ويجعل ذلک كالبيت المسقف''. (ردالمحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/ ۲۳۴، سعيد)

''والسنة هو اللحد دون الشق، وصفة اللحد أن يحفر القبر بتمامه، ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة، فيوضع فيه الميت...... وروىٰ الحسن بن زياد عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: طول القبر على قدر طول الإنسان وعرضه قدر نصف قامته، كذافي المضمرات''. (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل السادس في القبر والدفن والنقل من مكان إلى آخر: ۱/ ۱۶۵، ۱۶۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۳۸، رشيديه)

(۱) ''وحفر قبره في غير دار مقدار نصف قامة، فإن زاد فحَسنٌ، (ويلحد ولايشق) إلا في أرض رخوة''. (الدرالمختار). ''قوله: مقدار نصف قامة'': أو إلى حد الصدر وإن زاد إلى مقدار قامة، فهو أحسن ...... قوله: ويلحد؛ لأنه السنة وصفته أن يحفر القبر، ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة، فيوضع =

میت کے اندر روح داخل کر کے اس کو بٹھاتے ہیں، مگر وہاں کی مٹی وغیرہ اس کے حق میں ایسی ہوجاتی ہے جیسا پانی کہ آدمی حوض میں اپنا ہاتھ داخل کرتا ہے، پانی ہونے کے باوجود ہاتھ اس میں سہولت سے پہونچ جاتا ہے، کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، اسی طرح مردہ بھی سہولت کے ساتھ بیٹھ جاتا ہے، کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، جیسا کہ ''حادی الارواح'' میں لکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۹۹ھ۔

قبر کی گہرائی

سوال [۴۱۷۲]: قبر میت کے بارے میں اختلاف ہورہا ہے، کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ اس قدر گہری ہونی چاہئے کہ مردہ بیٹھ سکے، کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ تختے سے نیچے ایک فٹ ہو یا اس سے بھی کم؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس جگہ میت کو رکھا جائے وہ تو اتنی گہری کافی ہے کہ تختہ کو نہ لگے، البتہ اوپر کا حصہ ایک قد یا نصف قد کے برابر ہونا چاہئیے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۸۹ھ۔

= فيها الميت، ويجعل ذلك كالبيت المسقف، حلية: (قوله: ولا يشق)، وصفته: أن يحفر في وسط القبر حفيرة، فيوضع فيها الميت". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۴، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل: ۱/۱۶۵، ۱۶۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشيديه)

(۱) "وينبغي أن يكون مقدار عمق القبر إلى صدر الرجل وسط القامة و ما زاد فهو أفضل .... طول القبر على قدر الإنسان وعرضه قدر نصف قامته". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

"(وحفر قبره) في غير دارٍ (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسنٌ" (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشيديه)

قبر کتنی گہری ہونی چاہیئے؟

سوال[۴۱۷۷]: بعض ملکوں میں قبر اس طرح سے کھودی جاتی ہے کہ اس کی گہرائی ڈیڑھ یا دو گز ہوتی ہے اور اگر اس کی سیڑھی دو یا تین انچ زمین کے بالائی حصہ سے نیچے بنائی جاتی ہے تاکہ اس پر رکھ کر مٹی سے قبر برابر کردی جائے۔ اب جواب طلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت شق میں داخل ہوگی یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو اس قسم کی قبر شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ لحد اور شق کے علاوہ بھی کوئی صورت شریعت میں بتائی گئی ہے؟ نیز شق کی تعریف کیا ہے؟ اور قبر شرعی کتنی کھودی جائے اور شق کی صورت پر تختہ یا بانس میت سے کتنا اوپر رکھا جائے؟ بینوا بالکتاب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح قبر بنانا خلافِ سنت ہے، یا میت کیلئے لحد بنائی جائے یعنی قبر کھود کر جانبِ قبلہ میں ایک دوسرا گڈھا جسمِ میت کے مناسب بنایا جائے کہ اس میں میت کو داخل کر کے کچی اینٹیں اس پر لگادی جائیں، اگر زمین نرم ہو تو پھر شق بنادی جائے اس طرح کہ قبر کھود کر درمیانِ قبر میں ایک اور گڈھا جسمِ میت کے مناسب بنا کر اس میں میت کو رکھ کر اس پر بانس وغیرہ رکھدیا جائے اور مٹی کے ڈھیلوں سے کچی اینٹوں اور بانس کے ذریعہ سوراخوں کو بند کردیا جائے، یا اس پر بوریا ڈالدیا جائے۔

قبر قد کے برابر گہری ہونی چاہئے یا سینہ تک یا کم از کم نصفِ قد تک ہو، اس سے کم نہ ہو اور بانس وغیرہ میت سے صرف اس قدر اوپر ہو کہ جسم میت سے الگ رہے متصل نہ ہوجائے، زیادہ اونچائی کی ضرورت نہیں جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، زمین کے نرم اور تر ہونے کے وقت تابوت بھی درست ہے، اگر بستی وغیرہ میں کسی کا انتقال ہوجائے اور خشکی قریب نہ ہو تو غسل، کفن اور صلوٰۃ کے بعد دریا میں غرق کردیا جائے۔ بعض صحابہ نے بغیر شق اور لحد کے بھی اپنے دفن کی وصیت فرمائی ہے:

"یحفر القبر نصف قامة أو إلیٰ الصدر ولمن یزد کان حسناً، اھـ. فی الحجة: روی الحسن بن زیاد عن الإمام رحمه الله تعالیٰ: قال: طول القبر علیٰ قدر طول الإنسان وعرضه قدر نصف قامة؛ لأنه أبلغ فی حفظ المیت من السباع وحفظ الرائحة من الظهور. ویلحد فی أرض صلبة، وهو حفیرةٌ تُجعل فی جانب القبلة من القبر یوضع فیها المیت، وینصب علیها اللبن.

ولایشق بحفیرۃ فی وسط القبر یوضع فیھاالمیت بعد أن یبنی حافتاہ باللبن أوغیرہ، ثم یوضع المیت بینھما، ویسقف علیہ باللبن أوالخشب، ولایمس السقف المیت إلافی أرض رخوۃ، فلابأس بہ فیھا، ولاباتخاذ التابوت، وأوصی کثیر من الصحابۃ أن یرموا فی التراب من غیر لحد ولاشق. وقال: لیس أحد جَنبیَّ أولی بالتراب من الآخر–بتغیرات– مات فی سفینۃٍ، غسل وکفن وصلی علیہ وألقی فی البحر إن لم یکن قریب من البر"۔ مراقی الفلاح مع الطحطاوی، ص: ۳۸۴(۱)۔ درمختار: ۱/۹۳۴(۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۴/محرم/۶۰ھ۔

---

(۱) (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب أحکام الجنائز، فصل فی حملھاو دفنھا، ص: ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۱۳ قدیمی)

"عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما قال: قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "اللحد لناوالشق لغیرنا"۔ (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "اللحد لناالخ": ۱/۲۰۲، سعید)

(۲) "(وحفر قبر) فی غیر دارٍ (مقدار نصف قامۃ) فإن زاد فحسن، (ویلحد ولایشق) إلافی أرض رخوۃ .... (ولابأس باتخاذالتابوت) ولومن حجر أوحدید (لہ عند الحاجۃ) کرخاوۃ الأرض ویسنّ أن (یفرش فیھا التراب. مات فی سفینۃ، غسل وکفن وصلی علیہ وألقی فی البحر، الخ"۔ (الدرالمختار)۔

"(قولہ: مقدار نصف قامۃ) أو إلی حدّ صدر، وإن زاد إلی مقدار (قامۃ فھو أحسن) ....

(قولہ: ویلحد)؛ لأنہ السنۃ، وصفتہ أن یحفر القبر، ثم یحفر فی جانب القبلۃ منہ حفیرۃ، فیوضع فیھاالمیت، ویجعل ذلک کالبیت المسقف، حلیۃ. (قولہ: ولایشق) وصفتہ أن یحفر فی وسط القبر حفیرۃ، فیوضع فیھاالمیت"۔ (ردالمحتار، باب صلوۃ الجنائز، مطلب فی دفن المیت، ۲/۲۳۳، سعید)

(کذا فی الفتاوی العالمکیریۃ، کتاب الصلاۃ، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ، ۱/۱۶۵، ۱۶۶، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاتہ، ۲/۳۳۸، رشیدیہ)

کیا قبر کی گہرائی اتنی ہونی چاہیے کہ اس میں میت بیٹھ سکے؟

سوال[۴۱۷۸]: یہ جو مشہور ہے کہ قبر اس قدر گہری ہونی چاہیئے کہ فرشتہ جب سوال کرنے کیلئے آئیں تو مردہ بیٹھ سکے اس کے سر پر نہ لگے۔ اس کی کیا اصلیت ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قبر کا اوپر کا حصہ تو سینے کے برابر یا پورے قد کے برابر ہونا چاہیئے اور جس جگہ میت کو رکھا جاتا ہے وہ جگہ اتنی گہری ہو کہ قبر کا تختہ اس کے جسم سے نہ لگے، تقریباً دو بالشت کے قدر گہری ہو تو تختہ میت کے جسم سے نہیں لگے گا۔ میت کو قبر میں دفن کرتے وقت نہ فرشتوں کے آنے کی جگہ رکھنے کی ضرورت ہے نہ میت کے بیٹھنے کی ضرورت ہے، جب فرشتے آئیں گے وہ خود بٹھانے کی جگہ کر لیں گے اور قبر کی مٹی میت کے حق میں پانی کی طرح نرم ہوجائے گی جیسا کہ حادی الارواح میں درج ہے:

"ويحفر القبر نصف قامة أو إلى الصدر، وإن زاد كان حسناًاهـ. فى الحجة: روى الحسن ابن زيادعن الإمام أنه قال: طول القبر على قدر طول الإنسان وعرضه قدر نصف قامة، اه. يوضع الميت فيها، ويسقف عليه باللبن أوالخشب، ولا يمس سقف الميت". طحطاوى، ص:۳۳۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل فى حملها ودفنها، ص:۶۰۷، قديمى)

"(وحفر قبره) فى غير دار (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسن". (الدرالمختار). وفى ردالمحتار: (قوله: مقدار نصف قامة) أو إلى حد الصدر، إن زاد إلى مقدار قامة فهو أحسن .... وطوله على قدر طول الميت، وعرضه على قدر نصف طوله". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب فى دفن الميت، ۲/۲۳۴، سعيد)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۳۸، رشيديه)

قبر کے صندوق کی گہرائی

سوال[۴۱۷۹]: قبر کے صندوق کی گہرائی کتنی ہونی چاہیئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ويحفر القبر نصف قامة أو إلى الصدر ولمن يزد كان أحسن؛ لأنه أبلغ في الحفظ، اهـ". مراقي الفلاح: ۱/۳۳۳(۱)۔ قبر کا صندوق کم از کم نصف قبر کے برابر گہرا ہونا چاہیئے، سینہ کے برابر گہرا ہوتو بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبر میں لحد کی جہت

سوال[۴۱۸۰]: قبروں میں جوعموماً لحد قبلہ کے اقرب جانب کھودی جاتی ہے بضرورت یا بلاضرورت اَبعد جانب کھودنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مستحب یہ ہے کہ لحد جانبِ قبلہ میں ہو:"وصفته أن يحفر القبر، ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة، فيوضع فيها الميت". شامی(۲)۔ لیکن اگر میت کو جانبِ قبلہ کے خلاف میں (غفلت یا کسی عذر

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل في دفنها وحملها، ص: ۶۰۷، قديمي)

"(وحفر قبره) في غير دار (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسنٌ". (الدرالمختار). (كتاب الصلاة، باب الجنائز، ۲/۲۳۴ سعيد)

"واختلفوا في عمق القبر: فقيل: قدر نصف القامة، وقيل: إلى الصدر، وإن زادوا فحسنٌ". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ، ۱/۱۶۶، رشيديه)

(۲) (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/ ۲۳۴، سعيد)

"وهو أن يحفر بتمامه، ثم يحفر في جانب القبلة منه حفيرة، يوضع فيها الميت، ويجعل ذلك =

سے) رکھدیا اور مٹی ڈالدی گئی تو پھر قبر کھود کر اصلاح کی ضرورت نہیں: "ولو وضع الميت لغير القبلة أو على شقه الأيسر أوجعل رأسه موضع رجليه، وأهيل عليه التراب، لم ينبش". عالمگیری (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۸/ ذی قعدہ/۵۳ھ۔

بغلی قبر کھودنا افضل ہے یا درمیانی؟

سوال [۴۱۸۱]: بغلی قبر کھودنا اچھا ہے یا درمیانی؟ ہم لوگ اکثر درمیانی قبر کھودتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغلی قبر بنانا افضل ہے درمیانی بنانا بھی جائز ہے، کذا فی الدر المختار (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۹۳ھ۔

= كالبيت المسقف". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته الخ: ۳۳۸/۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۵، رشيديه)

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

"وإذا دفن الميت مستدبر القبلة وأهالوا التراب عليه، فإنه لاينبش ليجعل مستقبل القبلة". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۳۳۹/۲، رشيديه)

"(قوله لاينبش ليوجه إليها): أي لو دفن مستدبراً لها وأهالوا التراب، لاينبش؛ لأن التوجه إلى القبلة سنة والنبش حرام". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/ ۲۳۶، سعيد)

(۲) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "اللحد لنا، والشق لغيرنا". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ماجاء في قول النبي صلى الله عليه وسلم: "اللحد لنا" الخ: ۱/۲۰۲، سعيد)...... =

میت کوتابوت میں رکھنا

سوال[۴۱۸۲]: قبر میں پانی آجانے یا مٹی کے خراب ہونے کی وجہ سے تختے کسی طرح نہیں رکتے، ایسی حالت میں اندر کی دیوار پختہ اینٹ سے بنائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر ایسا نہیں کرسکتا تو پھر کیا شکل کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لکڑی کا صندوق بنوا کر اس میں میت کو رکھ کر قبر میں رکھ دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

میت کوتابوت میں بند کر کے دفن کرنا

سوال[۴۱۸۳]: یہاں انگلستان میں حکومت کا قانون ہے کہ میت کو صندوق میں بند کر کے دفن کیا جائے، تو کیا ہم مسلمانوں کیلئے بھی ایسا کرنا جائز ہوگا اور اگر حکومت کی اجازت نہ ہو تو کیا کرنا چاہیئے؟

= "(ویلحد و لا یشق) إلا فی رخوة". (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۴، سعید)

"(ویحفر القبر ویلحد) لحدیث صاحب السنن .... واستحسنوا الشق فیما إذا کانت الأرض رخوةً لتعذر اللحد". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۵، رشیدیه)

(۱) "ولا بأس باتخاذ تابوت له عند الحاجة کرَخَاوة الأرض". (الدر المختار، کتاب الصلاه، باب الجنائز: ۲/۲۳۴، ۲۳۵، سعید)

"وحکی عن الشیخ الإمام أبی بکر بن محمد بن الفضل رحمه الله تعالیٰ: "أنه جوز اتخاذ التابوت فی بلادنا لرخاوة الأرض، الخ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

"وإن تعذر اللحد، فلابأس بتابوت یتخذ للمیت، لکن السنة أن یفرش فیه التراب". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۸، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبر کی زمین نرم یا تر ہوتو صندوق میں میت کو رکھ کر دفن کرنا درست ہے بلاضرورت مکروہ ہے:

''ولا بأس باتخاذ تابوت وعند الحاجة لرخاوة الأرض: أی یرخص ذلک عند الحاجة، وإلا کره''. درمختار (۱)۔ قانون کی مجبوری معذوری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

میت کو قبر میں رکھنے کی صورت

سوال[۴۱۸۴]: مندرجہ ذیل مسائل میں علماء کی کیا رائے ہے، مع دلائل بیان فرمائیں:

(الف): "إذا احتضر الرجل وجّه إلی القبلة علی شقه الأیمن اعتباراً بحال الوضع فی القبر؛ لأنه أشرف علیه، والمختار فی بلادناالاستلقاء؛ لأنه أیسر لخروج الروح، والأول هوالسنة، کذافی الهداية". (۲)۔

(ب): "یوجّه المحتضر إلی القبلة علی یمینه، وهوالسنة، وجازالاستلقاء علی ظهره وقد ماه إلیها، وهوالمعتاد فی زماننا، لکن یر فع رأسه قلیلاً لیتوجّه إلی القبلة". کذا فی الدرالمختار، باب صلوة الجنائز(۳)۔

۱......عبارتِ مذکورہ بالا میں معنی اور مطلب کی رو سے کوئی فرق وتدافع ہے یا نہیں آیا، ہر دو عبارت کا مطلب ایک ہی ہے یا کچھ فرق ہے؟ اگر فرق ہوتو اس کی توضیح کر کے بیان فرمائیں۔

---

(۱)(الدرالمختار مع رد المحتار، باب الجنائز: ۲/۲۳۴، سعید)

"وإن تعذرالـلحد، فلابأس بتابوت یتخذ للمیت، لکن السنة أن یفرش فیه التراب". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ۲/۳۳۸، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی القبر والدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(۲) (الهدایة، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۱۷۸، مکتبه شرکة علمیه، ملتان)

(۳) (الدر المختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۱۸۹، سعید)

۲......عبارتِ درمختار'' ینبغی کونه علی شقه الأیمن'' میں لفظ''ینبغی'' سے کیا ثابت ہوتا ہے وجوب یا سنت یا ندب، اور جو کچھ بھی ثابت ہوتو وہ متفق علیہ یا مختلف فیہ؟ اور اس کے خلاف عمل کرنے سے کیا وعید لازم آئے گی اور''وضع علی شقه الأیمن''کی کیا صورت ہے، آیا شقِ اَیمن زمین کے متصل ہو اور شقِ اَیسر آسمان کی طرف اٹھا ہوا ہو، مثل دیوار کے، کیسی صورت ہونی چاہیئے؟

۳......جب مردہ کو علی شقه الأیمن رکھنا سنت ہے تو ہندوستان وغیرہ کے بعض بلاد میں زمین نرم ہونے کی وجہ سے یا جواز کی بناء پر میدانی قبر کھودی جاتی ہے اور اس کے درمیان میں میت کو رکھنے کیلئے ہاتھ بھر یا اس سے چوڑا اس کیلئے کھودا جاتا ہے۔ اس کی کیا ضرورت ہے؟ جب چھوٹی سی نالی کھود کر سنت کی بناء پر کروٹ پر مردہ کو رکھ سکتے ہیں تو کیوں یہ چوڑا گڑھا کھود کر تکلیف اٹھائی اور سنت چھوڑ کر جہل کی طرف چلے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......کوئی تدافع نہیں ہے، علامہ شامی نے درمختار کی تائید میں ہدایہ کی عبارت پیش کی ہے(۱)۔

۲......سنت ہے:''وذكر في المحيط: الاضطجاعُ للمريض أنواع: أحدها في حالة الصلاة، وهو أن يستلقي على قفاه. والثاني: إذا قرب من الموت أن يضطجع على الأيمن، واختير الاستلقاء. والثالث في حالة الصلوة على الميت تضجع على قفاة معترضاًللقبلة. والرابع في اللحد يضطجع على شقه الأيمن، ووجه إلى القبلة، هكذاتوارث السنة''(۲)۔

اور اس میں کسی کا اختلاف نظر سے نہیں گذرا، بلا عذر قصداً خلافِ سنت کرنا موجبِ حرمانِ شفاعت

---

(۱) ''(قوله: وجاز الاستلقاء) اختاره مشايخنابماوراء النهر؛ لأنه أيسر لخروج الروح''. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ۲/۱۸۹، سعيد)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ۲/۲۹۹، رشيديه)

'' قال محمد رحمه الله تعالىٰ في الجامع الصغير أيضاً: ويوجه المريض القبلة كمايوجه القبلة في اللحد، وأراد به المريض الذي قرب موته حيث أمر أن يفعل به مايفعل بالميت، وهذا لأنه في معنى تلقين الميت، قال عليه السلام: ''لقنوا موتاكم''، وأراد به الذي قرب موته. واختار أهل بلادناالاستلقاء، فإنه أسهل لخروج الروح''. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني، كتاب الصلاة، الفصل الحادي والثلاثون في صلاة المريض، ۲/۲۶۹، مكتبه غفاريه)

وباعثِ عتاب ہے(۱)۔

''وضع علی شقه الأیمن'' کی صورت یہ ہے کہ شقِ ایسر زمین سے متصل رہے اور شقِ ایمن آسمان کی طرف مائل بمشرق رہے اور میت کو مشرقی حصہ لحد سے سہارا دیا جائے اور چہرہ قبلہ کی جانب ہوجائے:

''ویوضع فی القبر علی شقه الأیمن مستقبل القبلة، کذافی الخلاصة''. عالمگیریة(۲)، هکذافی الخانیة(۳) وغیرها من کتب الفقه۔

۳......جسم سے جو کچھ زائد عرض میں قبر کھودی جاتی ہے اور بالکل جسم کے مساوی نہیں کھودی جاتی وہ اس وجہ سے کہ میت کو اس میں رکھنے میں سہولت رہے کیونکہ دو تین آدمی قبر میں اولاً اترتے ہیں ان کے کھڑے ہونے کیلئے بھی جگہ کی ضرورت ہے، اگر وہ جگہ زائد نہ رکھی جائے تو بجز اس کے کہ میت کو اوپر ہی سے چھوڑ

---

(۱) ''ترک السنة المؤکدة قریبٌ من الحرام، ویستحق حرمان الشفاعة، لقوله علیه السلام: ''من ترک سنتی لم ینل شفاعتی''. (ردالمحتار، کتاب الطهارة، أرکان الوضوء، مطلب فی السنة وتعریفها: ۱/۱۰۴، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الطهارة، فصل فی سنن الوضوء، ص: ۶۴،قدیمی)

(۲) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس، فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(۳)''ویوضع فی القبر علی جنبه الأیمن مستقبل القبلة''. (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، باب فی غسل المیت ومایتعلق به الخ: ۱/۱۹۴، رشیدیه)

''وضع علی شقه الأیمن'' میں کروٹ دینے کا جو طریقہ ذکر کیا گیا ہے، خطائے کاتب- کہ کاتب نے بجائے ''أیمن'' کے ''أیسر'' اور بجائے ''أیسر'' کے ''أیمن'' لکھا ہے- کی بناء پر بظاہر عام عبارات کے خلاف ہے، کیونکہ اگر میت کو شقِ الیسر پر رکھ کر شقِ ایمن آسمان کی طرف مائل کیا جائے تو اس صورت میں استقبالِ قبلہ ممکن معلوم نہیں ہوتا۔ اور خطائے کاتب پر حضرت مفتی صاحب کے دو جملے دلالت کرتے ہیں: ایک جواب نمبر:۲، میں جملہ: ''اور میت کو مشرقی حصہ لحد سے سہارا دیا جائے اور چہرہ قبلہ جانب ہوجائے'' اور دوسرا جواب نمبر:۳، میں جملہ: ''اس لئے قبر میں داخل کرنے سے پہلے ہی اس کی شقِ ایسر کو آسمان کی طرف کردینا اور شقِ ایمن کو ارض کی جانب کردینا............اھ''۔

لہٰذا میت کی شقِ ایمن کو زمین کے ساتھ لگا کر شقِ ایسر کو آسمان کی طرف مائل کردیا جائے۔

دیا جائے، بلکہ اس نالی میں ٹھوس دیا جائے، کوئی صورت نہ ہوگی، اور ظاہر ہے کہ میت کو قبر میں رکھنے سے قبل بحالتِ استلقاء ہوتی ہے اس لیے قبر میں داخل کرنے سے پہلے ہی اس کی شقِ ایسر کو آسمان کی طرف کر دینا اور شقِ ایمن کو عرض کی جانب کرنا ہاتھ میں لئے ہوئے مشکل ہے۔

پھر اوپر سے چھوڑنے اور ٹھونسنے میں احترام باقی نہیں رہتا بلکہ بے حرمتی ہوتی ہے، اس لیے کچھ زائد قبر چوڑی بنائی جاتی ہے تاکہ اتارنے اور رکھنے میں سہولت رہے، بخلافِ لحد کے کہ زائد کی ضرورت پیش نہیں آتی بلکہ جس وقت جانبِ قبلہ لحد میں داخل کیا جاتا ہے اس وقت ہی خود بخود اس کی ہیئتِ مسنونہ ہو جاتی ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، ۱۱/۱/۶۰ھ۔

جوابات صحیح ہیں۔

حدیث میں: "أوسعوا واعمروا" بھی آیا ہے (۲) اس لئے چھوٹی نالی کھودنا خلافِ سنتِ متوارثہ اور حدیث "أوسعوا" کے خلاف ہوگی۔

سعید احمد غفرلہ، ۱۲/محرم/۶۰ھ، صحیح: عبد اللطیف۔

---

(۱) الحدیث بتمامه: "عن هشام بن عامر قال: جاء ت الأنصار إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم أحد فقالوا: أصابنا قرح وجهد فكيف تأمر نا؟ قال: "احفروا، وأوسعوا". الحديث. (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في تعميق القبر، ۲/ ۱۰۲، ۱۰۳، امداديه، ملتان)

"(وحفر قبره) في غير دارٍ (مقدار نصف قامة) فإن زاد فحسن الخ". (الدر المختار، باب صلاة الجنائز، ۲/ ۲۳۳، سعيد)

"ومقدار عمق القبر قدر نصف قامة .... إلى صدر الر جل أووسط القامة، فإن زاد وا فهو أفضل، وإن عمقوا مقدار قامة، فهوأحسن الخ". (الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، السادس في الد فن الخ، ص: ۵۹۶) سهيل اكيڈمی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/ ۱۶۶، رشيديه)

(۲) (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في تعميق القبر: ۲/ ۱۰۲، ۱۰۳، امداديه، ملتان)

میت کوقبر میں رکھنے کا طریقہ

سوال[۴۱۸۵]: میت کوقبر میں رکھنے کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

شمال کی طرف سر، جنوب کی طرف پیر، داہنی کروٹ قبلہ کی طرف چہرہ ہو(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۱/۶/۹۰ھ۔

طریقِ مشروع کے خلاف میت کوقبر میں رکھ کراس کے اوپر مٹی ڈالنا

سوال[۴۱۸۶]: مندرجہ ذیل مسئلہ میں علمائے کرام کی کیارائے ہے؟

مشہورودیگر چندمقامات پرعرصۂ داز سے یہ رواج ہے کہ میت کوقبر میں اتار کراس کے کفن اورجسم پرہی مٹی ڈال دی جاتی ہے، اس کا پوراامکان ہے کہ...... مٹی کے نیچے دب کر چنددن میں ہی نعش بگڑ جاتی ہےاورعوام دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ انسان مٹی سے بنا ہےاور مٹی ہی میں مل جاتا ہےاس لئے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، مگر بہت سے حضرات کومیت کے ساتھ اس سلوک میں احترام میت کے خلاف ایک انسانیت سوز حرکت نظر آتی ہے۔ اس بارے میں شریعت حقہ کی کیاہدایت ہے؟ امید ہے کہ جلد سے جلد سے جواب باصواب سے نوازیں گے۔

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ طریقہ خلافِ شریعت بھی ہے(۲)، میت کودفن کرنے کی صورت حدیث، فقہ سے جوثابت ہے وہ یہ

---

(۱) "(ویوجه إلیها) وجوباً، وینبغي کونه علی شقه الأیمن، ولاینبش لیوجه إلیها". (الدرالمختار، باب الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۵، ۲۳۶، سعید)

"(ووجه إلی القبلة) بذلک أمر رسول الله صلی الله علیه وسلم ویکون علی شقه الأیمن الخ".

(البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته علیه: ۲/ ۳۳۹، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(۲) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال النبی صلی الله علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هذا =

ہے کہ قبر بنا کر اس میں میت کو رکھا جائے اور اس طرح مٹی ڈالی جائے کہ میت پر نہ پڑے، اس کی دوصورتیں ہیں: ایک یہ ہے کہ لحد بنا کر اس میں میت کو رکھا جائے اور کچی اینٹیں لگادی جائیں تا کہ میت لحد میں محفوظ ہوجائے، پھر مٹی ڈال دی جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شق بنا کر اس میں میت کو رکھ کر اس پر تختہ رکھ کر میت کو محفوظ کر دیا جائے پھر مٹی ڈالی جائے، غرض میت پر مٹی نہ ڈالی جائے۔ مسئلہ جب شریعت میں منصوص ہو تو پھر اس کے مقابلہ میں قیاس کرنا اور ایسی علت تجویز کرنا جس سے نص ہی بے عمل رہ جائے جائز نہیں، غلط ہے خلافِ اصول ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲ھ۔

قبر میں کفن کے تینوں بند کھولنا اور میت کو قبلہ کی طرف کروٹ دینا

سوال[۴۱۸۷]: جنازہ قبر میں رکھنے کے بعد بند تینوں کھولدیئے جائیں، نیز میت کا چہرہ بطرف قبلہ

= ماليس منه، فهورد". (صحيح البخاری، كتاب الصلح، بابٌ: إذا اصطلحوا على صلح جور، فهومردود: ۱/ ۳۷۰، قديمی)

"وعرّفها الشمنی بأنها(أی البدعة) ما أحدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى عليه وسلم من علم أوعمل أوحال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة ۱/ ۵۶۰ سعيد)

(۱) "والسنة هواللحد دون الشقِ، كذافی محيط السرخسیَ. وصفة اللحد أن يحفر القبر بتمامهِ ثم يحفر فی جانب القبلة منه حفيرةِ، فيوضع فيه الميتِ، كذافی المحيط، ويجعل ذلک كالبيت المسقفِ، كذافی البحر الرائقَ. فإن كانت الأرض رخوةً، فلابأس بالشقِ، كذافی فتاوی قاضی خان. صفة الشق أن تحفر حفيرة كالنهر وسط القبر، ويُبنى جانباه باللبن وغيره، ويوضع الميت فيه ويسقف.......... ويوضع فی القبر على جنبه الأيمن مستقبل القبلةِ، كذافی الخلاصة. وتحلّ العقدة، ويسوى اللبن والقصب لا الآجرّ والخشب، ويسجى قبرهالاقبره، ويهال التراب". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۵، ۱۶۶ رشيديه)

(وكذا فی الدر المختار مع رد المحتار، باب الجنائز، مطلب فی دفن الميت: ۲/۲۳۳، سعيد)

کردینا بس ہے یا تمام جسم کی کروٹ دلا دی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تینوں بند کھول دیئے جائیں، تمام جسم قبلہ کی طرف کروٹ دیدیا جائے (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قبر میں میت کو کروٹ دینا

سوال[۴۱۸۸]: قبر میں مردہ کو چت لٹا کر صرف چہرہ قبلہ کی طرف کردیا جائے یا اس کو قدرے دہنی کروٹ پر کردیا جائے کہ پورا رخ قبلہ کی طرف ہوجائے، کونسی صورت بہتر ہے؟

قدرت اللہ، امکانی انڈونیشیا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اس کو کروٹ دے کر قبلہ رخ کیا جائے، صرف چہرہ قبلہ کی طرف پھرانے پر کفایت نہ کی جائے (۲)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

قبر میں میت کو قبلہ رو کرنا

سوال[۴۱۸۹]: قبر میں بائیں طرف مٹی ڈال کر میت کو ایک طرف اٹھایا جائے تا کہ رخ قبلہ کی طرف ہوجائے، یہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر میں میت کو دائیں کروٹ کچھ دے دی جائے کہ جس سے چہرہ قبلہ کی طرف ہوجائے خواہ مٹی کا سہارا

---

(۱) "ویوضع فی القبر علی جنبه الأیمن مستقبل القبلة، وتحل العقدة الخ". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

"(و) یستحب، أن (یدخل من قبل القبلة .... ویوجه إلیها) وجوباً، وینبغی کونه علی شقه الأیمن، ولاینبش لیوجه إلیها(وتحل العقدة) الخ". (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۶، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشیدیه)

(۲) (راجع، ص: ۶۱، رقم الحاشیة: ۱)

دے کر خواہ قبر ہی کی دیوار سے سہارا دے کر، اور یہی صورت بہتر ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

قبر میں میت کا سر کدھر ہو اور پاؤں کدھر؟

سوال [۴۱۹۰]: میت کو کس طرح لٹایا جائے اور پاؤں کی سمت کونسی ہو؟

الجواب حامداً و مصلياً:

قبر میں میت کو اس طرح لٹایا جائے کہ سر شمال کی طرف ہو اور پیر جنوب کی طرف ہو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

میت کو قبر میں رکھتے وقت کی دعاء

سوال [۴۱۹۱]: مٹی دیتے وقت کوئی مسنون دعاء ہو تو تحریر فرمادیجئے۔

---

(۱) "ويوجه إليها وجوباً، وينبغي كونه على شقة الأيمن". (الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۶، سعيد)

"ويوضع في القبر على جنبه الأيمن مستقبل القبلة". (كتاب الصلوة، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشيديه)

(۲) جب کہ میت کو قبر میں رکھ کر دایاں کروٹ دیا جاتا ہے کہ شقِ اَیمن زمین سے لگی ہو اور شقِ اَیسر آسمان کی طرف ہو کر قبلہ رُو کیا جاتا ہے، اسی صورت میں لازمی طور پر سر شمال کی طرف اور پَیر جنوب کی طرف ہوتے ہیں: "ويوجه إليها وجوباً وينبغي كونه على شقه الأيمن". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلوٰة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۶، سعيد)

"ويوضع في القبر على جنبه الأيمن مستقبل القبلة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶ رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

﴿منها خلقناکم، وفیها نعیدکم، ومنها نخرجکم تارةً أخریٰ﴾(۱)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عورت کو اس کا شوہر قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں؟

سوال[۴۱۹۲]: شوہر کی حیات میں اگر عورت کا انتقال ہو جائے تو مرحومہ حلقۂ شوہریت سے نکل جاتی ہے یا نہیں اور مرد کا بحیثیتِ نامحرم ہونا درست ہے یا نہیں؟ نیز حقیقی محرم جیسے باپ، بھائی، بیٹا وغیرہ کی موجودگی میں شوہر مذکور مرحومہ کو قبر میں اتار سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انتقال سے نکاح ختم ہو جاتا ہے(۲) ہاتھ نہیں لگا سکتا، البتہ دیکھنا درست ہے(۳)۔ جب محرم باپ

---

(۱) "قال في الجوهرة: ويقول في الحثية الأولىٰ ﴿منها خلقناكم﴾ وفي الثانية ﴿وفيها نعيدكم﴾ وفي الثالثة ﴿ومنها نخرجكم تارةً أخرى﴾. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲/ ۲۳۷، سعيد)

"ويستحب لمن شهد دفن الميت أن يحثوا في قبره ثلاث...... ويقول: في الحثية الأولى: ﴿منها خلقناكم﴾ وفي الثانية: ﴿وفيها نعيدكم﴾ وفي الثالثة: ﴿ومنها نخرجكم تارةً أخرىٰ﴾. (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/ ۱۶۶، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، فصل في حملها ودفنها، ص: ۶۱۱، قديمي)

(۲) "إذا ماتت، فلا يغسلها لانتهاء ملك النكاح لعدم المحل، فصار أجنبياً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/ ۱۹۹، سعيد)

"إذا ماتت المرأة حيث لايغسلها الزوج؛ لأن هناك انتهى ملك النكاح لانعدام المحل، فصار الزوج أجنبياً الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأما بيان فيمن يغسل: ۲/ ۳۳، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، فصل في الجنائز، ص: ۶۰۴، سهيل اكيڈمی)

(۳) "ويمنع زوجها من غسلها ومسها، لامن النظر إليها على الأصح". (الدر المختار، باب الجنائز: ۲/ ۱۹۸، سعيد)

بھائی وغیرہ موجود ہوں تو وہ مقدم ہیں، وہی قبر میں اتاریں، شوہر کو بھی اتارنا اور جنازہ کو ہاتھ لگانا درست ہے(۱)۔

عورت کی قبر میں غیر محرم کا اتارنا

سوال[۴۱۹۳]: عورت کی قبر میں غیر محرم مرد دفنانے اتر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ محرم قبر میں میت کو رکھنے کیلئے اترے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ رکھتے وقت کفن کا کچھ حصہ کھل جاتا ہے اور میت کے جسم پر ہاتھ لگ جاتا ہے، اگر محرم نہ ہوتو پھر دوسرے اہلِ دیانت وتقوی اس کو قبر میں رکھیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۱۳۹۹ھ۔

میت کو قبر میں اتارتے وقت لانگ باندھنا

سوال[۴۱۹۴]: میت کو قبر اتارتے وقت لانگ باندھنا ضروری سمجھتے ہیں، زنانی میت کیلئے اس کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں، تہبند باندھے ہوئے میت کو قبر میں اتارنے کو بے پردہ سمجھ کر ناجائز کہتے ہیں، موافقِ شرع شریف خلاصہ تحریر فرمایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناف سے گھٹنوں کا حصہ تک چھپانا ضروری ہے، اس کو کسی کے سامنے کھولنا منع ہے، جو کپڑا اتنا حصہ (ناف سے گھٹنوں تک) چھپالے اس کو باندھ کر میت کو قبر میں رکھنا بالکل درست ہے، لانگ (۳) باندھنے میں کچھ حصہ

---

(۱) "وذوالرحم المحرم أولیٰ بإدخال المرأة من غيرهم، كذا في الجوهرة النيّرة. وكذا ذوالرحم غير المحرم أولیٰ من الأجنبي، فإن لم يكن فلا بأس للأجانب وضعها، كذا في البحر الرائق". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر والدفن اهـ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، فصل: السلطان أحق بصلاته، تحت قول الكنز: ويقول واضعه باسم الله اهـ: ۲/۳۳۹، رشيديه)

(۲) (راجع الحاشية السابقة)

(۳) "لانگ: دھوتی کا وہ حصہ جو آگے لٹکتا رہتا ہے اور جسے پیچھے کی طرف اُڑس لیتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، اردو تحت لفظ "ل" ص: ۱۱۴۵، فیروز سنز لاہور)

گھٹنوں یاران کا کھل ہی جاتا ہے، اس لئے خیالِ مذکورہ کی اصلاح کی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

لنگی پہن کر میت کو قبر میں اتارنا

سوال [۴۱۹۵]: اپنے رواج کے مطابق زید لنگی پہن کر میت قبر میں اتارتا ہے اور اس کو مباح جانتا ہے، وجہ مباح جاننے کی یہ پیش کرتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر لنگی پہنتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل کو اپناتے تھے، پس اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لنگی کا استعمال کرتے اور قبر میں اترتے تھے۔ ایسی صورت میں لنگی پہن کر قبر میں اترنا کیسا ہے؟ نیز یہ عقیدۂ تسنن صحیح ہے یا باطل؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید اپنے اس عمل اور ماخذ کی وجہ سے مستحقِ اعتراض نہیں اور نیتِ صحیح ہونے کی وجہ سے مستحقِ اجر ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۵/۱۱/۱۹ھ۔

---

(۱) "عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنه أن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: "لاتبرز فخذک، ولاتنظر إلی فخذ حیّ ولامیت". (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی ستر المیت عند غسله، (رقم الحدیث: ۳۱۴۰): ۲/۹۲، امدادیه ملتان)

"والرابع (ستر عورته) ووجوبه عام فی الخلوة علی الصحیح .... (وهی للرجل ماتحت سرته إلی ماتحت رکبتیه)". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۰۴، سعید)

"واعلم أن ستر العورة خارج الصلاة بحضرة الناس واجب إجماعاً .... وهی من تحت سرته إلی تحت رکبته الخ". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۶۸، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الثالث فی شروط الصلاة، الفصل الأول فی الطهارة وستر العورة، ۱/۵۸، رشیدیه)

(۲) اسلئے کہ ازار پہننا سنت ہے: "عن أبی بردة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: أخرجت إلینا عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها کساءً ملبّداً وإزاراً غلیظاً، فقالت: قبض رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فی هذین". (شمائل الترمذی، باب ماجاء فی صفة إزار رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، ص:۸، سیعد) .... =

عورت کیلئے دفن کے وقت پردہ

سوال[۴۱۹۶]: عورت کی قبر پر پردہ کرنا رات اور دن کو کسی وقت شرعاً کیسا ہے اور کیوں کیا جاتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جنازہ کے ساتھ نامحرم بھی ہوتے ہیں اس لئے پردہ کیا جاتا ہے تاکہ قبر میں رکھتے وقت بدن کے جثہ کو نامحرم نہ دیکھیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۲/۷/۵۶ھ۔

صحیح:عبداللطیف، ۸/صفر/۵۶ھ، جواب صحیح ہے:سعید احمد غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۴۱۹۷]: اگر عورت کا جنازہ ہو تو قبر میں اتارتے وقت کیا پردہ ضروری ہوگا؟

= "ولبس الإزار والرداء، قال الواقدي: كان رداءه وبرده طول ستة أذرع في ثلاثة وشبر، وإزاره من نسج عمان طول أربعة أذرع الخ". (زاد المعاد لابن قيم الجوزية، فصل في ملابسه صلى الله عليه وسلم، ص: ۳۵، دار الفكر، بيروت)

(وكذا في جمع الوسائل في شرح الشمائل للملاعلي القاري رحمه الله تعالىٰ، باب ماجاء في صفة إزار رسول الله صلى الله عليه وسلم: ۱/۲۱۰، ادارة تاليفات اشرفية)

(۱) "وقد رويت أنها(أي فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم) اغتسلت لماحضرهاالموت وتكفنت وأمرت عليّاً أن لايكشفها إذا توفيت وأن يدرجهافي ثيابهاكماهي ويد فنهاليلاً". (أسد الغابة في معرفة الصحابة لابن الأثير الجزري،رقم: ۷۱۷۵، مناقب فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم،۶/۲۲۹، دارالفكر، بيروت)

"(قوله: ويسجى قبر ها): أي بثوب ونحوه استحباباً حال إدخالهاالقبر حتى يسوى اللبن على اللحد". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۶، سعيد)

" (ويسجى قبرها، لاقبره)؛ لأن مبنى حالهن على الستر والرجال على الكشف الخ". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۰، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب الجنائز: ۱/۲۷۵، مكتبه غفاريه)

الجواب حامداًومصلياً:

جی ہاں، کمایشعر بہ التعلیل: "بأن مبنى حالهن على الاستتار، اهـ" مجمع الأنهر، وهوحاصل بالتابوت(١)۔

حررہ العبدمحمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

قبر پراذان دینا

سوال[۴۱۹۸]: ہمارے یہاں مردے دفن کرنے کے بعد قبر پراذان دیجاتی ہے، یہاں کے امام نے بہشتی زیور، شامی وغیرہ کتب کے حوالہ سے بتایا کہ قبر پر اذان دینا درست نہیں، لیکن بعض لوگوں نے دفتر آستانہ دہلی سے اس بارے میں فتویٰ منگایا، اس میں درمختار اور فتاویٰ رضویہ کے حوالہ سے قبر پراذان دینے کو جائز لکھا ہے۔ صحیح کیا ہے؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ مسئلہ کتبِ احناف میں کتبِ شافعیہ سے نقل کر کے لکھا ہے اور کتبِ شافعیہ میں اس کی تردید بھی لکھی ہے(٢)، براہ راست کتبِ احناف اس سے ساکت ہیں۔

---

(١) "(ويسجى قبر المرأة) بثوب حتى يسوى اللبن؛ لأن مبنى حالهن على الاستتار". (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ١/٢٧٥، مكتبه غفاريه)

"ويسجى قبرها، لاقبره؛ لأن مبنى حالهن على الستر والرجال على الكشف، إلا أن يكون المطر أوثلج". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ٢/٣٤٠، رشيديه)

"(قوله: ويسجى قبرها): أى بثوب ونحوه استحباباً حال إدخالها القبر حتى يسوى اللبن على اللحد الخ". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب فى دفن الميت: ٢/٢٣٦، سعيد)

(٢) "وفى حاشية البحر للرملى: رأيت فى كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلوة، كما فى أذن المولود، والمهموم، والمصروع والغضبان ...... قيل: وعند إنزال الميت القبر قياساً على أول خروجه للدنيا، لكن رده ابن حجر فى شرح العباب". (ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب الأذان، مطلب فى المواضع التى يندب لها الأذان الخ: ١/٣٨٥، سعيد)

مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اس پر مستقل ایک رسالہ لکھا، مگر کوئی دلیلِ صریح اس کے ثبوت میں نقل نہیں کی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال[۴۱۹۹]: از تاج الدین صاحب ٹال والے۔ قصبہ مودہا کے لوگ حنفی ہیں بروقت دفنِ میت قبر پر اذان دیتے ہیں، یہ طریقہ حال ہی میں لوگوں نے ایجاد کیا ہے، کہتے ہیں کہ ہمارے پیر کا حکم ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟ پیر صاحب بھی حنفی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر پر اذان دینا ثابت نہیں، فقہ حنفی کی معتبر کتاب ردالمحتار: ۱/ ۲۵۸ میں اس کو بعض شافعیہ سے نقل کر کے خود شافعیہ سے اس کی تردید نقل کی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال[۴۲۰۰]: ہمارے یہاں مردے دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دیجاتی ہے، یہاں کے امام نے بہشتی زیور، شامی وغیرہ کتب کے حوالہ سے بتایا کہ قبر پر اذان دینا درست نہیں، لیکن بعض لوگوں نے دفتر آستانہ دہلی سے اس بارے میں فتوی منگایا، اس میں درمختار اور فتاوی رضویہ کے حوالہ سے قبر پر اذان دینے کو جائز لکھا ہے۔ صحیح کیا ہے؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ مسئلہ کتبِ احناف میں کتبِ شافعیہ سے نقل کر کے لکھا ہے اور کتبِ شافعیہ میں اس کی تردید بھی لکھی

---

(۱) "رأیت فی کتب الشافعیة أنه قد یسن الأذان لغیر الصلاة .... قیل: وعند إنزال المیت القبر قیاساً علی أول خروجه للدنیا، لکن رده ابن حجر فی شرح العباب". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/ ۳۸۵، سعید)

"فلاآذان للوتر ولاللجنائز الخ". (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/ ۴۴۵، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الثانی فی الأذان: ۱/ ۵۳، رشیدیه)

ہے، براہ راست کتبِ احناف اس سے ساکت ہیں (۱)۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب نے اس پر مستقل ایک رسالہ لکھا مگر کوئی دلیل صریح اس کے ثبوت میں نقل نہیں کی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تلقین کی قسمیں اور کونسی قسم جائز ہے؟

سوال[۴۲۰۱]: تلقین کی کتنی قسمیں ہیں؟ قرآن اور حدیث کی رو سے کون سی تلقین جائز ہے؟ ہمارے یہاں یہ بھی رواج ہے کہ دفن وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد قبر ہی کے نزدیک جشن وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں اور کچھ قرآن کی آیتیں پڑھ کر بخش دیتے ہیں۔ اس کا کیا حکم ہے؟ غزالی ملیشیاوی

الجواب حامداًومصلیاً:

تلقین اس وقت کرنا جبکہ مرض الموت میں مبتلا ہو، آثار سے معلوم ہوتا ہو کہ عنقریب انتقال ہونے والا ہے، حدیث شریف سے ثابت ہے (۲)، وہ اس طرح کہ مریض محتضر کے نزدیک کلمہ شریف پڑھا جائے تاکہ وہ بھی پڑھ لے اور اس دنیا سے جاتے وقت سب سے آخری بات "لا إلــه إلا الله محمد رسول الله" ہو، کذافی رد المحتار (۳)۔ پھر جس وقت بعد انتقال، غسل، کفن، نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد اس

---

(۱) "رأيت في كتب الشافعية أنه قد يسن الأذان لغير الصلاة .... قيل: وعند إنزال الميت القبر قياساً على أول خروجه للدنيا، لكن رده ابن حجر في شرح العباب". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۳۸۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الثاني في الأذان: ۱/ ۵۳، رشيديه)

(۲)"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لقنوا موتاكم لاإله إلاالله". (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، باب في تلقين المحتضر بلاإله إلاالله، ۱/ ۳۰۰، قديمي)

"عن معاذبن جبل رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى عليه وسلم:" من كان آخر كلامه لاإله إلاالله، دخل الجنة". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في التلقين: ۲/۸۸، إمداديه)

(۳) "(يلقن) ندباً، وقيل: وجوباً(بذكر الشهادتين الخ)". (الدرالمختار). "(قوله: ويلقن الخ) لقوله صلى الله عليه وسلم: "لقنوا". الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ۲/۱۹۰، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ۲ / ۲۹۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية ، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الأول في المحتضر، ۱/۱۵۷، رشيديه)

کولحد میں رکھا جائے تو رکھتے وقت پڑھے:"بسم اللّٰہ وباللّٰہ و علی ملة رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم". یہ دونوں تلقین تو ثابت ہیں(۱)، پھر دفن کرنے (مٹی ڈالنے) کے بعد بھی بعض روایات میں تلقین کا ذکر ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"یافلان بن فلان! اذکر دینك الذی کنت علیه من شهادة أن لااله إلا اللّٰه وأن محمداً رسول اللّٰه، وأن الجنة حق، والنار حق، وأن البعث حق، وأن الساعة اٰتیة لاریب فیها، وأن اللّٰه یبعث من فی القبور، وأنك رضیت باللّٰه رباً وبالإسلام دیناً وبمحمد صلی اللّٰه علیه وسلم نبیاً وبالقراٰن إماماً وبالکعبة قبلةً وبالمؤمنین إخواناً". ردالمحتار(۲)۔ سورۂ بقرہ کا اول وآخر پڑھنا بھی

---

(۱) "عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "إذاأدخل المیت القبر" قال: وقال أبوخالد: "إذاوضع المیت فی لحده" قال مرةً: "بسم الله و بالله وعلی ملة رسول الله" وقال مرةً: "بسم الله و بالله وعلی سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم". (جامع التر مذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء مایقول إذا أدخل المیت قبره: ۱/۲۰۲، سعید)

"وأن یقول واضعه بسم الله وبالله وعلی ملة رسول الله صلی الله علیه وسلم ویوجه إلیها". (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۵، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشیدیه)

(۲) (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فی التلقین بعد الموت: ۲/۱۹۱، سعید)

"وأماالتلقین بعد الدفن .... والذی علیه الجمهور أن المرادمن الحدیث مجازه کما ذکرنا، حتی إن من استحب التلقین بعد الموت لم یستدل به إلاعلی تلقینه عند الاحتضار .... وإنمالاینهی عن التلقین بعد الدفن؛ لأنه لاضر رفیه بل فیه نفع، فإن المیت یستأنس بالذکر". (الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی الجنائز، ص: ۵۷۲، سهیل اکیڈمی، لاهور)

"واضح رہے کہ تلقین بعدالموت کے بارے میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، بعض جواز اور بعض عدم جواز کے قائل ہیں، اس دورفساد میں اعتقادی خرابی کی وجہ سے احتراز اولی اور افضل ہے"۔ (احسن الفتاوی، باب الجنائز، ۴/۲۵۳، سعید)

(فتاوی رحیمیه، کتاب الجنائز، باب مایتعلق بالدفن: ۷/۶۸، دار الاشاعت)

اس وقت مروی ہے (۱)۔

جشن وغیرہ کا انتظام اور میلہ لگانا ہرگز ثابت نہیں (۲)، اس سے پورا پرہیز کیا جائے، دعائے مغفرت ودعائے تثبیت فی الجواب کر کے وہاں سے رخصت ہوجائیں (۳)، ہاں ایصالِ ثواب کرتے رہا کریں مگر اس

= "وأماالتلقين بعد الموت، فلايلقن عندنافي ظاهر الرواية". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل الأول فى المحتضر: ۱/۱۵۷، رشيديه)

"فإن حقيقته التلقين بعد الموت، وقد اختلفوافيه. وقولهم: إنه مجازتسمية الشئ باسم مايؤول إليه قول لادليل عليه؛ لأن الأصل الحقيقة. وقد أطال المحقق فى فتح القدير فى رده. وفى المجتبى: وإذاقالها مرةً كفاه، ولايكثر عليه مالم يتكلم بعد ذلك، الخ". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، ۲/ ۲۹۹، رشيديه)

وانظر للتفصيل: (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۱۰۴، ۱۰۵ مصطفى البابى الحلبى، مصر)

(۱) "عن عبد الله ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنه قال: سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول: "إذامات أحد كم فلاتحبسوه، وأسرعوابه إلى قبره، وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجليه بخاتمة البقرة". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت: ۱/۱۴۹، قديمى)

"وكان ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنه يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها .... فقد ثبت أنه عليه الصلوة والسلام قرأ أول سورة البقر ة عند رأس الميت وآخر هاعند رجليه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازه: ۲/۲۳۷، ۲۴۲، سعيد)

(۲) "ويكر ه عند القبر كل مالم يعهد من السنة، والمعهود منها ليس إلازيارتها، الخ". (البحرالرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، قبيل باب الشهيد: ۲/۳۴۳، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشر ون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن الخ: ۱/۱۶۶ : رشيديه)

(وكذا فى فتح القد ير، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل فى الد فن، قبيل باب الشهيد: ۲/۱۴۲، مصطفى البابى الحلبى، مصر)

(۳) "عن عثمان بن عفان رضى الله تعالىٰ عنه قال: كان النبى صلى الله عليه وسلم إذا فر غ من دفن الميت وقف عليه فقال: "استغفروا لأخيكم واسألوا له بالتثبيت، فإنه الآن يسأل". (سنن أبى داود، كتاب=

میں غیر ثابت امور کے اختلاط سے بچتے رہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۳ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۵/۹۳ھ۔

تلقین بعد الدفن

سوال [۴۲۰۲]: تلقین بعد دفنِ میت کے صحابہ وتابعین سے ثابت ہے یا نہیں؟ اکثر فقہاء نے اس کے پڑھنے کی یعنی اس کے عمل کی اجازت دی ہے جیسا کہ مظاہر حق، مأۃ مسائل، اربعین وغیرہ (مظاہر حق: ۱، کتاب الایمان، باب اثبات عذاب قبر) (۲)۔ تلقین بعد دفن میت کے اکثر حنفی مذھب سے ثابت نہیں ہے لیکن

= الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت فی وقت الانصر اف، ۲/۱۰۳، إمداديه)

"وجلوس ساعةً بعد دفنه لدعاء وقراء ة بقدر ما ينحر الجزور و يفرق لحمه". (الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۷، سعيد)

(وكذا فی الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، ، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ، ۱/۱۶۶، رشيديه)

(۱) "يقول: أنبأناابن عباس رضی الله تعالىٰ عنهما أن سعد ابن عبادة أخابنی ساعدة توفيت أمه وهوغائب عنها، فأتی النبی صلی الله عليه وسلم فقال: يارسول الله! إن أمی توفيت وأناغائب عنها، فهل ينفعهاشئی إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم" قال: فإنی أشهدک أن حائطی المخراف صد قة عليها". (صحيح البخاری، كتاب الوصايا، باب الإشهادفی الوقف والوصية والصدقة: ۱/۳۸۷، قديمی)

"صرح علمائنافی باب الحج عن الغير: بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أوصوماً أوصد قةً أوغيرها.......... الأفضل أن يتصد ق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولاينقص من أجره شئ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب فی القراء ة للميت واهداء الخ، ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ۳/۱۰۵، رشيديه)

(۲) (مظاهر حق، كتاب الإيمان، باب إثبات عذاب القبر: ۱/۷۳، دار الإشاعت كراچی)

اکثر شافعیہ وحنفیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ایک حدیث حضرت ابوامامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی سے ذکر کی ہے۔ سیوطی سے جمع الجوامع میں حدیث طبرانی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''کھڑا ہوا ایک شخص سرہانے اور کہے کہ فلاں بن فلاں اور کہا جائے کہ پروردگار تیرا خدا تعالیٰ ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر تیرے ہیں، اوراسلام دین تیرا ہے اور قرآن امام تیرا ہے، جب یہ کہتا ہے تو پکڑ لیتا ہے منکر نکیر ایک دوسرے کا ہاتھ اور کہتا ہے کہ باہر نکل کیونکہ حق تعالیٰ نے اسے تلقین کی ہے''۔اگر میت کا نام نہ معلوم ہو اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''بنت حواء یا بن آدم کہو''۔عمل وجواز کس پر ہے، محدث دہلویؒ نے کیا تحریر کیا ہے سب آدمی جانے کے بعد کرے یا دوچار آدمی کی موجودگی میں کرے۔

الجواب حامداًومصلياً:

یہ مسئلہ فرع ہے مسئلہ سماع موتی کی، جن حضرات کے نزدیک ثابت ہے وہ تلقین بعد دفن کے قائل ہیں، جن کے نزدیک ثابت نہیں وہ قائل نہیں۔سماع موتی کے متعلق صحابہ میں بھی اختلاف تھا اور بعد میں بھی اختلاف رہا۔حنفیہ کے دوقسم کے اقوال موجود ہیں: قاضی خان ظہیر الدین صاحب الغیاث، صاحب الحقائق صغاریہ، سب فقہاء حنفی ہیں تلقین بعد دفن کے قائل ہے۔ جوروایت آپ نے لکھی ہے اس سے اور اس قسم کی دوسری روایات سے استدلال کرتے ہیں، كما في الشلبي هامش الزيلعي: ۱/۲۳٤ (۱) اورطریقہ تلقین کا وہی

(۱) "قوله: (يلقن لظاهر مارويناالخ) ونسب إلى السنة والجماعة وخلافه إلى المعتزلة، كماقال قاضي خان: إن كان التلقين لاينفع لايضر أيضاً، فيجوز. قال في الحقائق: قال صاحب الغياث: سمعت أستاذي قاضي خان يحكي عن ظهيرالدين المرغيناني أنه لقن بعض الأئمة بعد دفنه وأوصاني بتلقينه، فلقنته بعد مادفن. ثم نقل صاحب مانقلته أولاًعن قاضي خان وعبارته في المنظومة في باب الشافعي: ويحسن التلقين والتسميع. قال في الحقائق: ذكر الإمام الزاهد الصغار في التلخيص أن تلقين الميت مشر وع؛ لأنه تعاد إليه روحه وعقله ويفهم مايلقن. قلت: ولفظ التسميع يخرج على هذا، وصورته أن يقول: يافلان بن فلان .... وعلى قول المعتزلة لايفيد التلقين بعد الموت؛ لأن الإحياء عند هم مستحيل".

(حاشية الإمام الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۶۱،سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/ ۱۰۴، ۱۰۵، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

ہے جو آپ نے نقل کیا ہے، کما فی مراقی الفلاح، ص: ۳۰۷(۱)۔

سنیت سے عام طور پر حنفیہ اور معتزلہ منکر ہیں، مراقی الفلاح (۲) مجمع الأنہر (۳) در منتقیٰ (٤) جوہرۂ نیرہ (٥) تبیین الحقائق (٦) میں دو قول نقل کئے ہیں۔ فتاوی عالمگیری: ۱/۱۵۷) میں عینی اور معراج الدرایہ سے عدم تلقین کو ظاہر الروایہ نقل کیا ہے (۷)۔ سب کا ماحصل یہ ہے کہ خود تلقین نہ کرے، اگر کوئی دوسرا کرے تو اس کو منع نہ کرے، دو چار آدمیوں کی موجودگی میں بھی اشکال معلوم نہیں ہوتا۔ محدث

---

(۱) "(وتلقينه) بعد ماوضع (فی القبر مشر وع) لحقيقة قوله صلى الله عليه وسلم: "لقنواموتاكم شهادة أن لا إله إلا الله". أخرجه الجماعة إلا البخاری، ونسب إلى أهل السنة والجماعة. (وقيل: لايلقن) فی القبر ونسب إلى المعتزله. (وقيل: لايؤمر به ولاينهى عنه). وكيفيته أن يقال: يافلان بن فلان! اذكر دينک الذی كنت عليه فی دار الدنيابشهادة أن لا إله إلاالله وأن محمد ارسول الله. ولاشک أن لفظ "لايجوز" إخراجه عن حقيقته إلابدليل، فيجب تعيينه ....اهـ". (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، ص: ٥٦٠، ٥٦١، قديمی)

(۲) (راجع مراقی الفلاح، المصدر السابق)

(۳) "واختلفوافی تلقينه بعد الموت عند الوضع فی القبر فقيل: يلقن؛ لأنه يعاد روحه وعقله ويفهم مايلقن، وبه قال الشافعی رحمه الله تعالىٰ .... وقيل: لايؤمر به ولاينهی. وقال أكثر الأئمة والمشايخ: لايجوز، الخ". (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱/۲٦٤، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(٤) "ولايلقن بعد الموت، وإن فعل لاينهى عنه". (الدر المنتقى فی شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ۱/۲٦٤، مكتبه غفاريه)

(٥) "وأماتلقين الميت فی القبر، فمشر وع عند أهل السنة؛ لأن الله تعالى يحييه فی القبر وصورته .... وقال بعضهم: لايلقنه، بل: ألهمه الله حتى يجيب كما ألهم عيسى عليه السلام فی المهد". (الجوهرة النيرة على مختصر القدری، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ۱/۱۲۳، مكتبه حقانية ملتان)

(٦) "واختلفوافی تلقينه بعد الموت فقيل: يلقن لظاهر مارويناه، وقيل: لايلقن، وقيل: لايؤمر ولاينهی". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/٥٦١، سعيد)

(۷) "وأما التلقين بعد الموت، فلايلقن عندنافی ظاهر الرواية، كذافی العينی شرح الهداية ومعراج الدراية". (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل الأول فی المحتضر: ۱/۱۵۷، رشيديه)

دہلوی بھی تلقین کے قائل ہے، کذا فی شرح سفر السعادة، ص: ۲۵۱(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تلقین بعد الدفن اور کفن پر عہد نامہ لکھنا

سوال[۴۲۰۳]: بہار شریعت میں ہے:۱...... ''شجرہ یا عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے اور بہتر یہ ہے کہ میت کے مونہہ کے سامنے قبلہ کی جانب طاق کھود کر اس میں رکھیں، بلکہ درمختار میں کفن پر عہد نامہ کو جائز کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اس سے مغفرت کی امید ہے''۔

۲...... ''قبر کا طواف تعظیمی منع ہے، اگر برکت کے لئے گرد پھرے تو حرج نہیں مگر عوام منع کئے جاویں''۔

۳...... ''دفن کے کچھ دیر بعد مردہ کو تلقین کرنا مشروع ہے، اہلسنت کے لئے'' جوہرہ۔ یہ جو اکثر کتابوں میں یہ اضافہ کیا ہے، ردالمحتار ۳۔حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی مرے اور اس کو مٹی دے چکو، تو تم میں ایک شخص قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر کہے: یا فلاں بن فلانہ وہ سنے گا اور جواب نہ دے گا، پھر کہے: یا فلاں بن فلانہ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ جائے گا، پھر کہے: یا فلاں بن فلانۃ۔مردہ کہے گا: ہمیں ارشاد کر اللہ تجھ پر رحم کرے گا۔ مگر تمہیں اس کے کہنے کی خبر نہ ہوگی، پھر: "أذكر ما خرجت عليه من الدنيا شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً عبده ورسوله، وأنك رضيت بالله رباً، وبالإسلام ديناً، وبمحمد صلى الله عليه وسلم نبياً، وبالقرآن إماماً".(۲) نکیرین ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے: چلو ہم اس کے پاس کیا بیٹھیں جسے لوگ اس کی حجت سکھا چکے''۔

اس حدیث کو طبرانی کبیر میں اور ضیاء نے احکام میں اور دوسرے محدثین نے روایت کیا۔ بعض اجلۂ تابعین فرماتے ہیں کہ جب قبر پر مٹی برابر کر چکے اور لوگ واپس جاویں تو مستحب سمجھا جاتا ہے میت کے اس کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر یہ کہا جاوے: "فلان بن فلان قل: لا إله إلا الله" تین بار، پھر کہا جاوے: "ربي الله وديني الإسلام ونبيي محمد صلى الله عليه وسلم"۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......درمختار میں عہد نامہ لکھنے کو جائز کہا ہے، مگر کوئی دلیل شرعی جواب کے لئے پیش نہیں کی، شامی نے

---

(۱) (لم اظفر علیه)

(۲) (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فی التلقی بعد الموت: ۱۹۱/۲، سعید)

اس کورد کیا ہے: "وقدمنا قبيل باب المياه عن الفتح أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالىٰ على الدراهم والمحارب والجدران وما يفرش، وما ذلك إلا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه مما فيه إهانة الخ" (۱)۔ اس کے بعد نقل کیا ہے: "إن مما يكتب على جبهة الميت بغير مداد بالأصبع المسجة: بسم الله الرحمن الرحيم، وعلىٰ الصدر: لا إله إلا الله محمد رسول الله، وذالك بعد الغسل قبل التكفين، اه"(۲)۔ قبر میں طاق بنا کر اِساءتِ ادب نہیں لہٰذا گنجائش ہے۔

۲......طواف قبر سے اگر چہ برکت ہی مقصود ہو، عوام وخواص سب کو منع کیا جائے گا، خواص کے لئے استثناء کہاں ہے: "ولا يطوف: أي يدور حوله (بقعة الشريفة)؛ لأن الطواف من مختصات الكعبة المنيفة فيحرم حول قبور الأنبياء والأولياء، ولا عبرة بما يفعله الجهلة ولو كانوا فى صورة المشايخ والأولياء والعلماء، وهكذا فى البحر والنهر، اهـ". شرح مناسك (۳)۔

۳......دفن کے بعد تلقین فرع ہے مسئلۂ سماع موتی کی، اور اس میں ہمارے ائمۂ ثلاثہ سے کوئی صحیح تصریح روایت منقول نہیں، جو حضرات سماعِ موتی کے قائل ہیں وہ تلقین کے بھی قائل ہیں (۴)، چنانچہ تنویر میں ہے: "ولا يلقّن بعد تدفينه، اه"(۵)۔ درمختار میں ہے: "وإن فعل لا ينهىٰ عنه، اه"(٦)۔ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں فریقین کے دلائل بیان کئے ہیں (۷)۔ شامی کے کلام کا ماحصل بھی یہی کہ کسی جانب تشدد نہیں

(۱) (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، قبيل باب الشهيد: ۲/۲۴٦، ۲۴۷، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، راجع المصدر)

(۳) (إرشاد السارى إلى مناسک الملا على القارى، باب زيارة سيد المرسلين، فصل: وليغتنم أيام مقامه بالمدينة المشرفة، ص: ۵۲٦، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۴) "وعندى أن مبنى ارتكاب هذا المجازهنا عند أكثر مشايخنا هو أن الميت لايسمع عند هم على ماصرحوا به فى كتاب الأيمان .... الخ". (فتح القدير، باب الجنائز: ۲/۱۰۴، مصطفىٰ البابى الحلبى، مصر)

(۵) "(ولا يلقن بعد تلحيده)" (تنوير الأبصار متن الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۱۹۱، سعيد)

(٦) (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، باب صلوٰة الجنازة: ۲/۱۹۱، سعيد)

(۷) (فتح القدير، باب الجنائز: ۲/۱۰۴، مصطفى البابى الحلبى مصر)

چاہئے (۱)۔طریقہ تلقین درمختار، شامی، فتح القدیر میں منقول ہے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہانپور۔

میّت کے کان میں کچھ کہنا اور بوسہ دینا

سوال[۴۲۰۴]: زید انتقال کرگیا، اس کو قبر میں اتارتے وقت "بسم اللّٰہ وعلی ملة رسول اللّٰہ" نہیں پڑھا گیا اور قبر میں رکھ دینے کے بعد اس کے کان میں کوئی دعاء پڑھا اور اس کو بوسہ دیا۔ تو یہ از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لحد میں رکھتے وقت "بسم اللّٰہ وعلی ملة رسول اللّٰہ" اگر نہیں پڑھا تو گناہ نہیں ہوا، ایک مستحب ترک ہوگیا (۳)، اس وقت کان میں کچھ کہنا ثابت نہیں۔ لحد میں رکھ کر بوسہ دینا بھی ثابت نہیں۔ ثابت ومستحب

---

(۱) "وقد أطال في الفتح في تأييد حمل موتاكم في الحديث على حقيقته مع التوفيق بين الأدلة على أن الميت يسمع أولا، ...... قلت: وما في طعن الزيلعي، لم أره فيه وإنما الذى فيه قيل: يلقن لظاهر ما رويناه، وقيل: لا، وقيل: لا يؤمر به ولا ينهى عنه، اهـ. وظاهر استدلاله للأول اختياره، فافهم". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في التلقين بعد الموت: ۱۹۱/۲، سعيد)

(۲) "ويكفي قوله: يا فلان، يا فلان بن فلان! أذكر ما كنت عليه، وقل: رضيت بالله رباً وبالإسلام ديناً وبمحمد نبياً". (الدرالمختار، باب صلوة الجنازة: ۱۹۱/۲، سعيد)

(وكذا في رد المحتار تحته)

(وكذا في فتح القدير، باب الجنائز: ۱۰۴/۲، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۳) "(مستحبه) ويسمى مندوباً وأدباً وفضيلةً، وهو مافعله النبيّ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مرةً وتركه، وما أحبه السلف". (الدرالمختار). "وحكمه الثواب على الفعل وعدم اللوم على الترك". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، أركان الوضوء أربعة، مطلب لافرق بين المندوب والمستحب الخ: ۱۲۳/۱، سعيد)

"وفي شرح الهداية: هو (أي المستحب) ما فعله النبيّ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مرةً أو مرتين ولم يواظب عليه، وحكمه الثواب بفعله، وعدم اللوم على تركه". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، فصل من آداب الوضوء الخ، ص: ۷۵، قديمي)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الطهارة، مستحبات الوضوء: ۵۵/۱، رشيديه)

کوترک کرنا اور غیر ثابت کو اختیار کرنا نہیں چاہئے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح :بندہ نظام الدین،۹۴/۱/۱۴ھ۔

میت کولحد میں رکھ کر بانس وغیرہ رکھ کرمٹی ڈالی جائے

سوال[۴۲۰۵]: قبر میں نعش رکھ کر کبھی پوری مٹی بدن پر ڈال دیتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ بانس وغیرہ دینا یعنی فاصلہ کرنا واجب ہے یا مستحب ہے؟ بچوں میں عموماً ایسا ہی کیا جاتا ہے کہ کچھ فاصلہ دیئے بغیر پوری مٹی انڈیل دی جاتی ہے اور کچھ حرج نہیں سمجھا جاتا ہے، اس کی ابتداء:﴿ومنها خلقناکم﴾ الخ پڑھ کر لوگ کسی ٹوکری میں رکھ کر سر کی جانب سے رکھتے ہوئے پیر تک ختم کرتے ہیں، پھر تختہ اوپر رکھتے ہیں یا بغیر پاٹے مٹی انڈیل دیتے ہیں۔کیا شرعی طریقہ ہے؟ آیتِ مذکورہ یاد ہونے پر ضرور کوئی بھی دعاء پڑھ کر مٹی دیتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بغیر تختہ رکھے میت کے اوپر مٹی ڈالدینے کی اجازت نہیں، بچہ ہو یا بڑا، سب کیلئے یہی حکم ہے، لحد بنائیں پھر اس کو کچی اینٹ وغیرہ سے بند کریں، یا شق بنا کر تختہ یا بانس رکھیں تب مٹی ڈالیں (۲)۔آیت:

---

(۱) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال النبیّ صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هذا مالیس منه فهو ردّ". (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قدیمی)

"بأنها (أی البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللّٰه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة و استحسان، وجعل دیناً قویماً و صراطاً مستقیماً". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة: ۱/۵۶۰، ۵۶۱، سعید)

(۲) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم قال "حرّم الله مكة، فلم تحل لأحد قبلی، ولاتحل لأحد بعدی، أحلت لی ساعةً من نهار، لایختلی خلاها، ولایعضد شجرها"......... فقال العباس رضی الله تعالیٰ عنه: إلا الإذخر لصاغتنا وقبورنا، فقال: "إلا الإذخر". الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الإذخر والحشیش فی القبر: ۱/۱۸۰، قدیمی)

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال النبی صلی الله علیه وسلم:" اللحد لنا، والشق لغیرنا". =

﴿منہا خلقناکم﴾ کا پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود۔

قبر میں میّت کا منہ دکھلانا

سوال[۴۲۰۲]: قبر کے اندر یا قبر کے باہر قبرستان میں مردہ کا چہرہ دکھلانا کیسا ہے؟ شرع میں اس کی کیا اصلیت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرع میں اس کی کوئی اصل نہیں، یہ اہتمام کہ بعض جگہ قبر میں رکھنے کے بعد کفن کھول کر چہرہ دکھلایا جاتا ہے بے اصل ہے، شریعت میں اس کی کوئی تاکید نہیں (۲)، کفن کا بند لگا دینے کے بعد چہرہ کھولنا مناسب

= (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی قول النبی صلی الله علیه وسلم: اللحد لنا: ۱/۲۰۲، سعید)

"(وحفر قبره) .... (ویلحد ولایشق) إلافی أرض رخوة .... (ویسوی اللبن علیه والقصب لاالآجرّ) المطبوخ". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۴، ۲۳۶، سعید)

"(ویحفر القبر ویلحد) لحدیث السنن مرفوعاً) .... ویسوی اللبن علیه والقصب؛ لأنه جعل علی قبره علیه الصلوة والسلام اللبن وطن من قصب الخ". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، ۲/ ۳۳۸، ۳۳۹، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۵، ۱۶۶، رشیدیه)

(۱) "ویقول فی الحثیة الأولی: ﴿منهاخلقناکم﴾ وفی الثانیة: ﴿وفیهانعیدکم﴾ وفی الثالثة: ﴿ومنهانخرجکم تارةً أخری﴾. (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب فی دفن المیت، ۲/۲۳۷، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶ رشیدیه)

(۲) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال النبیّ صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هذا مالیس منه فهوردّ". (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب إذا صطلحوا علی صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قدیمی) .... =

نہیں، بسا اوقات آثارِ برزخ شروع ہوجاتے ہیں جن کا اخفاء مقصود ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بوقتِ دفن غیر مسلموں کو میّت کا چہرہ دکھانا

سوال[۴۲۰۷]: اگر مؤمن بندہ مرجائے اور بوقتِ دفن قبرستان کے روبرو غیر مسلم ہندو، عیسائی وغیرہ آکر تقاضا کرتے ہیں کہ ہم لوگ اس مردہ کے آشنا ہیں اور یہ مردہ ہمارا دوست تھا ہمیں مردہ کا چہرہ دکھایا جائے، نہ دیکھنے کی حالت میں شر اور شور وشغف کا خوف ہے۔ تو کیا اس حالت میں قبل از نماز یا بعد از نماز ان غیر مسلموں کو مردہ کا چہرہ دکھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے(۲) لیکن اگر زیادہ شر کا اندیشہ نہ ہو تو انکار کردیا جائے کہ یہی احوط ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین ومفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۲/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم/ جمادی الاولیٰ/ ۵۷ھ۔

= من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول: ۳/ ۳۱، رشيديه)

(۱) "وينبغي للغاسل ولمن حضر إذارای مايجب الميت ستره أن يستره ولايحدث به؛ لأنه غيبة، وكذا إذاكان عيباً حادثاًبالموت كسواد وجهٍ ونحوه، مالم يكن مشهوداًببدعة، فلابأس بذكره تحذيراًمن بدعته". (ردالمحتار، كتاب الصلوة،باب صلوة الجنازة: ۲/ ۲۰۲، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، فصل في الجنائز، الثاني في الغسل، ص: ۵۸۰، سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوٰة، أحكام الجنائز، ص: ۵۷۰،قديمی)

(۲) "عن أنس بن مالک رضي الله تعالیٰ عنه قال: قبض إبراهيم بن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم، قال لهم النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم:"لا تدرجوه في أكفانه حتى أنظر إليه، فأتاه فانكب عليه وبكى". (سنن ابن ماجة، أبواب الجنائز،باب ماجاء في النظر إلى الميت الخ، ص: ۱۰۶،قديمی)

(۳) چونکہ دفنِ میت مسلم کے وقت رحمت کے فرشتے اترتے ہیں، جبکہ غیر مسلموں پر لعنت برستی ہے اس لئے ان کو میت سے دور=

زچہ اور بچہ دونوں مر گئے تو ساتھ دفن ہوں یا الگ الگ؟

سوال [۴۲۰۸] : ایک عورت کی عندالولادت موت ہوگئی، ساتھ ہی بچہ کا بھی انتقال ہوگیا، اب آیا اس عورت کو اور بچہ کو ایک قبر میں دفن کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو بچہ خواہ نر ہو یا مادہ ہو، ہرصورت میں یا فرق بھی ہے؟ اور اگر نہیں کر سکتے ہیں تو کیوں؟ نیز اگر بچہ پیدا ہوا ہے تو اس کو ماں کے ساتھ دفن کریں گے یا نہیں؟ نیز مردہ بچہ کو اس کی ماں کے جنازہ کے ساتھ شریک کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو بچہ زندہ پیدا ہوا پھر مر گیا اور اس کی ماں بھی مر گئی تو دونوں کے جنازہ کی نماز ایک ساتھ پڑھنا درست ہے (۱) مگر دونوں کو الگ الگ دفن کرنا چاہئے، بچہ کو ماں کی قبر میں دفن نہ کیا جائے (۲)۔ اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تھا تو اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی (۳)، دفن اس کو بھی الگ کیا جائے ماں کے ساتھ نہیں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۹۹ھ۔

= رکھنا زیادہ مناسب اور احوط ہے: "عن نافع قال: بلغني أنه شهد سعد بن معاذ رضى الله تعالىٰ عنه سبعون ألف ملك لم ينزلوا إلى الأرض". الحديث. (الطبقات الكبرى لابن سعد، طبقات البدريين عن الأنصار، مناقبة سعد بن معاذ رضى الله تعالىٰ عنه: ۳/۴۳۰، دار صادر، بيروت)

"عن ثوبان رضى الله تعالىٰ عنه قال: خرجنا مع النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى جنازة فرأى ناساً ركباناً فقال: "لاتستحيون أن ملائكة الله على أقدامهم وأنتم على ظهور الدواب". (جامع الترمذى، أبواب الجنائز، باب ماجاء فى كراهية الركوب خلف الجنازة: ۱/۱۹۶، سعيد)

قال الملا على القارى رحمه الله تعالىٰ تحت هذا الحديث: "حديث ثوبان يدل على أن الملائكة تحضر الجنازة، والظاهر أن ذلك عام مع المسلمين بالرحمة ومع الكفار باللعنة الخ". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب المشى بالجنازة والصلاة عليها، الفصل الثانى، (رقم الحديث: ۱۶۷۲): ۴/۱۶۰، رشيديه)

(۱) "عن أبى مالك رضى الله تعالىٰ عنه: "أمر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يوم أحد بحمزة، فوضع وجئ بتسعة وصلى عليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم، فرفعوا وترك حمزة، ثم جئ بتسعة =

....

=فوضعوا وصلى عليهم سبع صلوات حتى صلى على سبعين وفيهم حمزة رضى الله تعالىٰ عنه فى كل صلوة صلاها". (مراسيل أبى داؤد، فى الصلواة على الشهدآء، ص: ۱۸، سعيد)

"وإذااجتمعت الجنائز، فإفراد الصلواة أولى". (الدر المختار على تنوير الأبصار، باب الجنائز: ۲/۲۱۸، سعيد)

(وكذا فى البحرالرائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۳۲۸، رشيديه)

" لواجتمعت الجنائز يخيّر الإمام إن شاء صل على كل واحد على حدة، وإن شاء صلى على الكل دفعةً بالنية على الجميع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، البآب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل الخامس: ۱/۱۶۵ رشيديه)

(۲) "ولايدفن اثنان فى قبر واحد إلالضرورة". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل فى الدفن: ۲/ ۱۴۱، مصطفى البابى الحلبى، بمصر)

"ولايدفن اثنان أو ثلاثة فى قبر واحد الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(وكذا فى رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازه، مطلب فى دفن الميت، ۲/۲۳۳، سعيد)

(۳) "عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه: عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: " الطفل لايصلى عليه، ولا يرث، ولا يورث حتى يستهل". (جامع الترمذى، أبواب الجنائز، باب ما جاء فى ترک الصلوة على الطفل: ۱/ ۲۰۰، سعيد)

(۴) قال ابن النجيم: "ومن استهل صلّى عليه، وإلالا......... وأفاد بقوله: "إلالا"أنه إذالم يستهل لا يصلى عليه، ويلزم منه أن لايغسل ولايرث ولايورث ولايسمى، الخ". (البحر الرائق، كتاب الصلوة،باب الجنائز: ۲/۳۳۰، رشيديه)

"ومن ولد فمات، يغسل ويصلى عليه إن استهل، وإلاغسل وسمى وأدرج فى خرقه ودفن ولم يصل عليه". (الدرالمختار، كتاب الصلوة، باب الجنائز، ۲/۲۲۷،۲۲۸، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق، كتاب الصلوة، باب الجنائز، ۱/ ۵۸۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

جڑواں بچوں کو کس طرح دفن کریں؟

سوال[۴۲۰۹]: ایک شخص کے دو جڑواں بچے پیدا ہوئے دونوں کی کمر ملی ہوئی ہے، ایک کا منہ مغرب کی طرف ہے اور دوسرے کا مشرق کی طرف اور دونوں کا انتقال ہوگیا، اب دفن کس طرح کریں؟ اگر ایک کا منہ قبلہ کی طرف کرتے ہیں تو دوسرے کا منہ قبلہ کی طرف نہیں ہوتا، اب کیا کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مجبوری کی حالت میں دونوں کا منہ قبلہ کی طرف کرنا لازم نہیں، بلکہ کیا ہی نہیں جاسکتا، ایک ہی کا منہ رہے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۶/۱۴۰۱ھ۔

بڑوں کی قبریں الگ الگ اور چھوٹوں کی الگ

سوال[۴۲۱۰]: ایک قبرستان ۶۰، ۶۵/ سال سے عمل میں آرہا ہے، عرصہ ۴، ۵/ سال سے ایک کمیٹی بنائی گئی اور سب کے مشورہ سے ایک شخص شمشوں خاں کو اس کا سیکریٹری مقرر کیا گیا۔ کمیٹی اور سیکریٹری صاحب کی رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ سیانی کی قبر ایک لائن میں کھودی جائے اور بچگانی کی قبر ایک لائن میں۔ یہ فیصلہ ٹھیک سے چلتا رہا، ۸/ فروری/۷۴ء کو ایک لڑکی جس کی عمر ۷/ سال تھی فوت ہوگئی، قبر کھدوانے کیلئے ناپ

---

(۱) میت کو قبر میں قبلہ رو کرنا ضروری ہے، لیکن صورتِ مسئولہ میں ضرورت کیوجہ سے صرف ایک ہی کا منہ قبلہ کی طرف کرنا ممکن نہیں ہے، چونکہ تکلیفِ انسانی کا مدار وسع اور قدرت ہے، قال اللہ تعالیٰ: ﴿لایکلف اللہ نفساً إلا وسعها﴾ (سورة البقرة: ۲۸۶)

"لایکلف نفساً من النفوس إلا ماتطیق، وإلا ماهو دون ذلک کمافی سائر ماکلفنابه الخ".

(روح المعاني: ۳/ ۹۹، دارإحیاء التراث العربي، بیروت)

"ویوجه إلیها وجوباً، وینبغي کونه علی شقه الأیمن". (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز، مطلب في دفن المیت، ۲/ ۲۳۶، سعید)

"ویوضع في القبر علی جنبه الأیمن مستقبل القبلة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن: ۱/ ۱۶۶، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۳۹، رشیدیه)

لیا گیا، اس وقت کمیٹی کے ایک ممبر موجود تھے، انہوں نے فرمایا کہ ناپ سے معلوم ہوتا ہے کہ قد میں بڑی ہے، اس لئے سیانی لائن میں قبر کھودی جائے، چنانچہ قبر کھودی گئی صفائی ہورہی تھی کہ سیکریٹری صاحب نے پہونچ کر قبر کی صفائی سے روک دیا اور کہا کہ کسی حالت میں اس میں دفن نہیں ہونے دیں گے، بچکانی لائن میں دوسری قبر کھودی جائے۔

اب میرے پاس کوئی چارہ کار نہیں تھا، گھر والوں کو خبر دیا، وہ سیکریٹری صاحب کے پاس گئے اور عاجزی وانکساری سے کہا کہ جمعہ کا وقت ہوگیا غسل کرا کر جنازہ مسجد کو لے جانا ہے جو کچھ ہوا خواہ سہوا ہوا، ہم لوگ بہت پریشان ہیں، اب دفن ہونے دیجئے۔ اس پر سیکریٹری صاحب نے سخت الفاظ میں جواب دیا کہ میرا آرڈر ہے قبر بند ہو کر ہی رہے گی۔ بہر حال بعد نمازِ جمعہ جنازہ کی نماز ہوئی اور اسے قبرستان پہونچایا گیا، تو ایک شخص سیکریٹری صاحب کا حامی قبر میں جا کھڑا ہوا، اور کہا: دفن نہیں ہونے دیں گے۔ تمام عوام اس پر ناراض ہو کر بضد ہوگئی کہ اس قبر میں دفن ہو کر رہے گا اور اس شخص کو بدسلوکی سے قبر سے نکالا۔ اس وقت سیکریٹری صاحب بھی جذبات میں آگئے اور دفن سے روکا تو چند سنجیدہ اشخاص نے سیکریٹری صاحب کو پکڑ کر قبرستان سے باہر کردیا۔ اب سیکریٹری صاحب سے بہت اندیشہ رہتا ہے کہ کسی وقت کشت وخون نہ ہو۔ ان کا ہر وقت سوال رہتا ہے کہ میرا آڈر رہے گا یا میرا استعفیٰ قبول کیا جائے۔ ایسی صورت میں علمائے دین کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ تحریر فرمایا جائے۔

حبیب الرحمٰن شیو چران لال روڈ، ۲۳ آلہ باد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ پابندی کہ سیانی قبریں الگ لائن میں ہوں اور بچکانی قبریں الگ لائن میں ہوں، کوئی شرعی حکم نہیں، اس پر اتنا زور دینا ہی غلط ہے (۱)، اگر قبروں کی خوشنمائی کیلئے یہ لائن بندی کی تجویز کی گئی ہے تب بھی جس کا قد

(۱) "من أصر على أمر مندوب، وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع". (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة، ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمی)

طویل ہواس کی قبر سیانی قبروں کے مناسب ہے، گوعمر کم ہو(۱)۔اس سب کے باوجود جبکہ سیکرٹری صاحب سے معذرت کی گئی اور عاجزی کے ساتھ کہا گیا کہ جمعہ کا وقت ہوگیا ہے سہواً کیا ہے، اس وقت سب پریشان ہیں، قبر تیار ہوگئی، دفن ہونے دیجئے، بات کونہیں بڑھائیے، آئندہ احتیاط کی جائے گی الخ، تو سیکڑی صاحب کوبھی بلند اخلاق سے پیش آنے اور درگذر کرنے کی ضرورت تھی، موجودہ صورت میں ان کی ضد ہرگز مناسب نہیں، ان کو چاہئے کہ وہ بات ختم کردیں اور استعفیٰ نہ دیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۱۹ھ۔

اپنی زندگی میں اپنی قبر کھدوانا، یا پکی بنوانا اوراس میں دفن کرنے کی وصیت کرنا

سوال[۴۲۱۱]: ۱......اپنی زندگی میں اپنی قبر کھدوالینا یا پکی بنوالینا کیسا ہے؟

۲......والد صاحب نے اپنی ضد پر پکی قبر بنوالی، بعد وفات ہم لوگ قبرستان میں دفن کریں اور پکی خالی قبر کو مسمار کردیں تو کیا حکم ہے؟

۳......ہماری سوتیلی ماں کوبھی وصیت کردی ہے کہ ہمارے جنازہ کو اس پکی قبر میں دفن کروانا، ورنہ ہم قیامت میں دامن گیر ہوں گے۔

---

(۱) "(وحفر قبره) في غير دار (مقد ار نصف قامة) فإن زاد فحسن الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲/۲۳۳، ۲۳۴، سعيد)

"وروى الحسن بن زياد عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: طول قبر على الإنسان، وعرضه قدر نصف قامته، كذافي المضمرات". (الفتاوىٰ العالمكيريه، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ، ۱/۱۶۶ رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز ،السادس في الدفن، ص: ۵۹۶، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) قال الله تعالى: ﴿لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة﴾ (سورة الأحزاب: ۲۱)

" عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنما بُعثتُ لأتمم صالح الأخلاق". (مسند أحمد، مسند أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه ، (رقم الحديث: ۸۷۲۹): ۳/۸۰ دارإحياء التراث العربي، بيروت)

۴......اگر ہم لوگ والد کی میت کو قبرستان لے جائیں اور ہماری سوتیلی والدہ، والد کے حکم کے مطابق ضد کر کے میت کو پکی قبر میں دفن کرائیں تب ہم لوگوں کو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اپنی زندگی میں قبر کھدوالینا درست ہے (۱) مگر پکی قبر کی اجازت نہیں (۲)، نیز قبرستان میں آبادی سے الگ مردہ کو دفن کرنا نہیں چاہیے (۳)۔

(۱) "ومن حفر قبراً لنفسه، فلابأس به، ويؤجر عليه، كذافى التاتارخانية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز،الفصل السادس فى الدفن الخ: ۱/۱٦٦،رشيديه)

"ومن حفر قبراً لنفسه قبل موته، فلابأس به، ويؤجر عليه، هٰكذا عمل عمر بن عبد العزيز والربيع بن خيثم وغيرهم". (التاتار خانية، كتاب الصلاة، الفصل الثانى والثلاثون فى الجنائز،نوع آخر من هذا الفصل فى القبر والدفن: ۲/۱۷۲، إدارة القرآن، كراچى)

(وكذا فى الحلبى الكبير، كتاب الصلاة، فصل: الجنائز،الثامن فى المتفرقات، ص: ٦۱۰،سهيل اكيڈمى، لاهور)

(۲) "عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه قال: نهى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن تجصص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنىٰ عليها، وأن توطأ". قال أبوعيسى: هذا حديث حسن صحيح". (جامع الترمذى، أبواب الجنائز،باب ماجاء فى كراهية تجصيص القبوروالكتابة عليها: ۱/۲۰۳،سعيد)

"(ولايجصص)للنهى عنه، (ولايطين، ولايرفع عليه بناء) الخ".(الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۷،سعيد)

"ويسنّم القبر قدر الشبر، ولايربع ولايجصص الخ".(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز،الفصل السادس فى الدفن الخ: ۱/۱٦٦،رشيديه)

(وكذا فى بدائع الصنائع،كتاب الصلاة الجنائز،فصل فى سنة الدفن: ۲/٦۵،رشيديه)

(۳) "(ولاينبغى أن يدفن)الميت (فى الدارولو) كان (صغيراً)لاختصاص هذه السنة بالأنبياء". (الدرالمختار). "(قوله: فى الدار)........بل ينقل إلى مقابر المسلمين، ومقتضاه أنه لايدفن فى مدفن خاص كمايفعله من يبنى مدرسة ونحوها، ويبنىٰ له بقربهامدفناً الخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة،مطلب فى دفن الميت: ۲/۲۳۵، سعيد) ....=

۲...... پکی قبر میں دفن نہ کریں، اس کو مسمار کردیں اور قبرستان میں کچی قبر میں دفن کریں (۱)۔

۳...... وہ بھی اس وصیت پر عمل نہ کریں، اس کی وجہ سے قیامت میں ان کا کچھ نہیں بگڑے گا (۲)۔

۴...... آپ نمبر:۲ کے موافق عمل کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۵/ ۸۸ھ۔

اپنے لئے قبر کھود کر اس میں ذکر کرنا

سوال[۴۲۱۲]: اپنے لئے قبر کھود کر رکھنا اور صبح وشام قبر کے اندر جا کر ذکر وغیرہ کرنا کیسا ہے؟ اگر جائز ہے تو شرع میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی مملوکہ زمین میں اپنے لئے قبر کھودنا بھی درست ہے (۳)۔ اگر موت کی اہمیت اور قبر کے حالات

= "ولايدفن صغير ولا كبير في البيت الذي كان فيه، فإن ذلك خاص بالأنبياء، بل ينقل إلى مقابر المسلمين". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، فصل في الدفن: ۲/ ۱۴۱، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ۶۰۷، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۱) (راجع، ص: ۸۶، رقم الحاشية: ۲)

(۲) "وكذا تبطل لو أوصى بأن يكفن في ثوب كذا، أو يدفن في موضع كذا، الخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب: تعظيم أولي الأمر واجب: ۲/ ۲۲۱، سعيد)

"ولو أوصى بأن يحمل بعد موته إلى موضع كذا، ويدفن هناك .... ووصيته بالحمل باطلة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الثاني في بيان الألفاظ التي تكون وصيةً والتي لاتكون الخ: ۶/ ۹۵، رشيديه)

(۳) "ومن حفر قبراً لنفسه، فلابأس به، ويؤجر عليه، كذافي التاتارخانية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس الخ: ۱/ ۱۶۶، رشيديه) .... =

کے استحضار کے لئے وہاں جا کر ذکر وتلاوت بھی کرلیا کرتا ہے کہ وہاں نور قائم ہوجائے تب بھی مضائقہ نہیں (۱) مگر اس کو حکم شرعی تصور کرتے ہوئے لازم سمجھنا غلط ہے (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۹۲ھ۔

دور اور نزدیک دفن کرنے میں فرق

سوال[۴۲۱۳]: اپنے رشتہ داروں کی قبروں کے قریب دفن کرنے اور دور سے کسی اجنبی قبرستان میں دفن کرنے میں کوئی کسی قسم کا فرق پڑتا ہے؟

= "ومن حفر قبراً لنفسه قبل موته، فلابأس به، ويؤجر عليه، هٰكذاعمل عمر بن عبد العزيز والربيع بن خيثم وغيرهم". (التاتارخانية ، كتاب الصلاة، الفصل الثاني والثلاثون الخ: ۲/۱۷۲، ادارة القرآن ، كراچی)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز ،الثامن في المتفرقات، ص: ۶۱۰، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۱) "ويزيارة القبور ولو للنساء لحديث "كنت نهيتكم عن زيارة القبور، ألا فزوروها" .... ويقرأ يٰس، وفي الحديث: "من قرأ الإخلاص أحد عشر مرةً، ثم وهب أجرها للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات". (الدرالمختار).

"(قوله وبزيارة القبور): أي لابأس بها، بل تندب، كما في البحر عن المجتبى ، .... ويقرء من القرآن ماتيسرله من الفاتحة و أول البقرة إلى المفلحون وآية الكرسي –وآمن الرسول– وتبارك الملك وسورة التكاثر والإخلاص اثنى عشر مرةً، الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنازة، مطلب في زيارة القبور: ۲/۲۴۲، ۲۴۳، سعيد)

(۲)"من أصرعلى أمرمندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أومنكر".(مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لاأصل لهافي الشرع".(السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمی، لاهور)

الجواب حامداًومصلیاً:

فرق تو پڑتا ہے وہ یہ کہ رشتہ داروں سے جو اُنس ہوتا ہے وہ بلا کسی وجہ کے غیروں سے نہیں ہوتا (۱)۔
فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایرانی مردہ کو مسلم قبرستان میں دفن کرنا

سوال[۴۲۱۴]: یہاں پر کچھ ایرانی لوگ رہتے ہیں اور وہ ہمارے ساتھ عیدین کی نماز میں شرکت کرتے ہیں اور قربانی وغیرہ بھی کرتے ہیں۔ ایک صاحب ان ایرانی کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ شیعہ ہیں، شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا ان کے مُردوں کو اپنے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں۔ آپ مطلع فرمائیں کہ ان کے مردوں کو ہمارے قبرستان میں دفنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ ایرانی لوگ آپ کے امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں تو ان کے مردوں کو اپنے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت دینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۶ھ۔

---

(۱) "حدثنا حصين بن عبد الرحمٰن عن عمرو بن ميمون الأودي قال: رأيت عمر بن الخطاب فقال: ياعبد الله بن عمر! اذهب إلى أم المومنين عائشة رضي الله تعالىٰ عنها فقل: يقرأ عمر بن الخطاب عليك السلام، ثم سلها أن أُدفَنَ مع صاحبي. قالت: كنت أريده لنفسي فَلَأُوْثِرَنّه اليوم على نفسي. فلما أقبل قال له: مالديك؟ قال: أذنتْ لك يا أمير المؤمنين، قال: ماكان شئي أهم إليّ من ذالك المضجع، فإذاقبضتُ فاحملوني، ثم سلموا، ثم قل: يستأذن عمر بن الخطاب، فإن أذنت لي فادفنوني، وإلافردوني إلى مقابر المسلمين". (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ماجاء في قبر النبي صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر رضي الله تعالىٰ عنهما: ۱/۸۶، قديمي)

"وفيه الحرص على مجاورة الصالحين في القبور طمعاً في إصابة الرحمة إذانزلت عليهم، وفي دعاء من يزورهم من أهل الخير". (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب ماجاء في قبر النبي صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر: ۳/۳۳۰، قديمي)

(۲) اس لئے کہ ان کا باجماعت نماز پڑھنا ان کے مسلمان ہونے کے لئے کافی ہے، لہٰذا ان کے مردوں کو مسلمانوں کے قبرستان=

غیر کی زمین میں میّت کو دفن کرنا

سوال[۴۲۱۵]: بلا اجازت زبردستی دو تین میت کو کسی دوسرے کی زمین پر دفن کردیا گیا تو از روئے شریعت مطلع فرمائیں کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا اجازتِ مالک اس کی زمین میں میت دفن کرنا جائز نہیں، گناہ ہے، مالک کو حق ہے کہ دفن کرنے والوں سے کہے کہ اپنی میت کو یہاں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کردو، ورنہ ہم یہاں ہل چلا کر قبر کو برابر کردیں گے اور زمین میں کھیتی کردیں گے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۸۹ھ۔

کسی کی زمین میں اپنی میّت کو دفن کرنا

سوال[۴۲۱۶]: کریم اللہ خان صاحب کا ایک پرائیوٹ ذاتی خاندانی ملکیت کا قبرستان ہے، اس قبرستان میں صرف ان کے ہی خاندان کے مردے دفن ہوتے رہے ہیں، لیکن کسی ہمدردی سے زید کو اس شرط پر

= میں دفن کرنا درست ہے: "(ویحکم بإسلام فاعلها) بشروط أربعة: أن يصلي في الوقت (مع جماعة) مؤتماً متمماً الخ". (الدرالمختار، كتاب الصلاة: ۱/۳۵۳، سعيد)

"وإن قال: إني مسلم على دين الحق، لم يكن مسلماً، فإن لم يسئل حتى صلى بجماعة كان مسلماً الخ". (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الرابع في المرتدومايصير الكافر به مسلماً: ۶/۳۱۴، رشيديه)

(۱) "قال رحمه الله تعالىٰ: (إلا أن تكون الأرض مغصوبةً) فيخرج لحقّ صاحبها إن شاء، وإن شاء سوّاه مع الأرض وانتفع به زراعةً أو غيرها". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۸، دارالكتب العلميه بيروت)

"(ولايخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمي (كأن تكون الأرض مغصوبةً أو أخذت بشفعة، ويخيّر المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض، كماجاز زرعه والبناء عليه إذا بلى وصار تراباً، زيلعي". (الدرالمختار، باب الجنائز: ۲/۲۳۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، رشيديه)

اپنے مردے دفن کرنے کی اجازت دیدی تھی کہ وہ بغیر اجازتِ منتظم ومتولی اپنے مردے دفن نہ کرے۔ اب جبکہ جگہ کم ہونے کی وجہ سے موجودہ منتظم ومتولی قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے، ایسی صورت میں بلا اجازت جبراً غیر ملکیت زید کے ورثاء کو مردے دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور مردے اوران کے ورثاء پر کوئی مواخذہ یا عذاب تو نہیں ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبرستان مملوک ہے، وقفِ عام نہیں تو کسی کو اپنا مردہ بغیر اجازتِ مالک وہاں دفن کرنا درست نہیں، اگر زید کے ورثاء بلا اجازتِ مالک وہاں دفن کردیں گے تو ناجائز فعل کے مرتکب ہوں گے، مالک کو اختیار ہوگا کہ اپنی زمین کو خالی کرنے کا مطالبہ کرے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۱۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۱۸ھ۔

بلا اجازتِ مالک اس کی زمین میں دفن کرنا

سوال [۴۲۱۷]: زید کے مرجانے کے بعد ورثاء یا مریدین نے بکر (مالک) وسرکاری زمین میں بغیر بکر اور سرکار سے اجازت لئے ہوئے زید کو دفن کردیا، چند ماہ بعد جب بکر مالکِ زمین یا سرکار کو معلوم ہوا کہ بغیر سرکاری اجازت کے زید کی نعش کو دفن کردیا گیا ہے اور پختہ قبر وگنبد بھی زید کا بنادیا گیا ہے تو کیا بکر وسرکار کو قانونی حق حاصل ہے کہ زید کو اپنی زمین میں جہاں دفن ہے قبر کھود کر اس کو نکال دے اور اس پر کوئی گناہ نہ ہوگا اور عام مسلمان اس لاش کو کسی قبرستان میں دفن کردیں، یا بعد دفن کرنے کے چند ماہ بعد بکر وسرکار کو حق حاصل ہے کہ زید کی لاش قبر سے جو اس کی مملوکہ زمین میں ہے نکال دے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی صورت میں مالکِ زمین کو اختیار حاصل ہے کہ نعش کو باہر نکال دے، یا قبر کو زمین کے برابر کردے، اگر نعش کو باہر نکال دیا تو عام مسلمانوں کو چاہیئے کہ زید کی مملوکہ زمین یا عام موقوفہ قبرستان میں دفن

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''غیر کی زمین میں میت کو دفن کرنا''۔)

کردیں، کذافی مجمع الأنہر: ص ۱۵، ۱:۱۸۵/۱ (۱)۔ پختہ قبروگنبد بنوانا گناہ ہے، کذافی شرح الکنز (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

چمار کی زمین جبراً میں میّت دفن کرنا

سوال [۴۲۱۸]: ا...... ہمارے گاؤں والوں نے جبراً چماروں کی زمین میں اپنے مُردے دفن کرنا شروع کردیئے، جب چمار مرگیا تو اس کے لڑکوں کے نام زمین ہوگئی، مال گذاری دیتے رہے اور چک بندی میں چماروں نے یہ کھیت مولیٰ بخش سے بدل لیا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ مولیٰ بخش کو اس کھیت سے انتفاع جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "(لایخرج من قبر إلا أن تکون الأرض مغصوبةً) وأراد صاحب الأرض إخراجه کما إذا سقط فیها متاع الغیر، أو کفن بثوب مغصوب، فإنه یجوز نبشه". (مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۷۶، مکتبه غفاریه)

"(ولایخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمی (کأن تکون الأرض مغصوبةً أو أخذت بشفعة، ویخیّر المالک بین إخراجه ومساواته بالأرض، کما جاز زرعه والبناء علیه إذا بلی وصار تراباً، زیلعی". (الدرالمختار، باب الجنائز: ۲/۲۳۸، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، رشیدیه)

(۲) "عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: نهی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أن تجصص القبور وأن یکتب علیها وأن یبنی علیها وأن توطأ". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی کراهیة تجصیص القبور والکتابة علیها: ۱/۲۰۳ سعید)

"(ولایجصص): أی لایعمل بالجصّ .... ویکره بناء القبة علی القبر: أی کمایصنع الأن فی حق الأولیاء والصلحاء". (شرح الکنز لملامسکین علی هامش فتح المعین، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۳۶۲ سعید)

"وعن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ: یکره أن یبنی علیه بناء من بیت أوقبة أو نحو ذلک".

(ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۷، سعید)

(وکذا فی الحلبی الکبیر، کتاب الصلاة، فصل فی صلاة الجنائز، السادس فی الدفن، ص: ۵۹۹، سهیل اکیڈمی، لاهور)

۲...... چک بندی گاؤں والوں نے قبرستان کے لئے زمین علیحدہ کردی، دو چار میت اس جگہ دفن بھی ہوگئیں، باقی ابھی خالی پڑی ہے۔تو اس کی آمدنی مسجد مدرسہ میں خرچ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... چمار کی زمین میں بلا اجازت وبلا مرضی میت دفن کرنا ظلم اور غصب ہے، جبکہ وہ زمین مولیٰ بخش کی ملک میں آگئی ہے تو اس کو اختیار ہے کہ جن لوگوں نے اپنی اپنی میت کو دفن کیا ہے وہ ان سے کہہ دے کہ یہاں سے اپنے میت کو نکال کر دوسری جگہ دفن کردو، ورنہ میں یہاں کھیتی کروں گا، پھر اس کو کھیتی کرنا مکان بنانا سب درست ہے:

" ولایخرج منه بعد إهالة التراب إلا لحق ادمی بأن تكون الأرض مغصوبةً أو أخذه بشفعةٍ، ويخيّر المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض، كماجاز زرعه. والبناء عليهاإذابلی وصار تراباً". زیلعی(۱) ودرمختار: ۱/۸۳۹(۲)۔

۲...... گاؤں والوں نے جو زمین قبرستان کے لئے وقف کرائی وہ قبرستان کی ہوگئی، اس کی آمدنی کو اسی قبرستان کی حفاظت اور ضروریات وغیرہ میں (مثلاً چہار دیواری کرادیں) صرف کیا جائے اور دیگر مصارف میں صرف نہ کریں:"قولهم: شرط الواقف كنص الشارع المعنى المفهوم والدلالة". كذافی الدرالمختار علی هامش ردالمحتار : ۳/۵۷۵"(۳)۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۷/۸۸ھ۔

---

(۱)قال رحمه الله تعالیٰ: (إلا أن تكون الأرض مغصوبةً) فيخرج لحق صاحبها إن شاء، وإن شاء سوّاه مع الأرض وانتفع به زرعه أو غيرها". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۸،دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) (الدر المختار، باب الجنائز: ۲/۲۳۸،سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق ،كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱،رشيديه)

(۳) (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۴۳۳، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ما هو صحيح معتبر يعمل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

دفنِ میّت سے روکنا

سوال[۴۲۱۹]: ایک شخص جو کہ حاجی بھی ہو اور اپنے آپ کو باشرع ہونے کا دعویٰ بھی کرتا ہو اور اپنے آپ کو سیّد بھی کہتا ہو، وہ اگر کسی ایک مسلمان کی میت کو دفن ہونے سے عملاً روکنے کی کوشش کرے اور دوسرے مسلمانوں کو اس میں شریک ہونے سے روکے اور ان کو خدا و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کو ان کے بچوں کی قسمیں دلا کر میت میں شریک ہونے سے خود اس نے اور اس کے سب گھر والوں نے روکا، دیگر میت کی قبر کھودنے والوں کو بھی روکا اور ان کو ڈرایا دھمکایا، پولیس تھانہ جا کر میت کے وارثوں پر جھوٹا الزام لگایا کہ اس کو زہر دے کر مارا گیا ہے۔ علمائے دین ایسے شخص (سید الحاج محمد شفیع) اور ان کے گھر والوں پر کیا حکم شرع عائد کرتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ کس وجہ سے حاجی صاحب مذکور نے ایسا کیا، اس خاص میت میں کیا بات تھی، موت تو اَور لوگوں کو بھی آتی ہے، کیا وہ کسی بھی میت میں لوگوں کو شریک نہیں ہونے دیتے اور دفن کرنے سے روکتے ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو جس جس میت کو دفن نہ ہونے دیا اور لوگوں کو شرکت سے روکا اس وقت ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا، غرض جب تک بات صاف نہ ہو اس کا حکم کیا لکھا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۸/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۸/ ۹۲ھ۔

---

(۱) "کان أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ ربما لايجيب عن مسئلة سنةً، وقال: لأن يخطى الرجل عن فهم خيرٌ من أن يصيب بغير فهم". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كان أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ ربمالايجيب الخ: ۲/ ۳۰۷، مكتبه ميمنيه مصر)

"الرابعة: من آداب المفتي: ليتأمل الرقعة تأملاً شافياً وآخر هاآكد ...... وإذا وجد كلمةً مشتبهةً سأل المستفتي عنها ونقطها وشكلها، وكذا إن وجد لحناً فاحشاً أو خطأً يحيل المعنى، أصلحه الخ". (شرح المهذب للنووي الملحق بشرح عقود رسم المفتي، فصل في آداب الفتوى، ص: ۱۲، مير محمد كتب خانه)

لاش دوسال بعد دفن کرنا

سوال[۴۲۲۰] : دوسال بعد لاش کواسلامی طریقہ پردفن کر سکتے ہیں یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اتنی تاخیر کی اجازت نہیں (۱)، اگر غلطی سے اتنی تاخیر کردی گئی تب بھی اسلامی طریقہ پر دفن کریں (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۹۵ھ۔

پرانی قبر میں سرملاتواس کا کیا کیا جائے؟

الاستفتاء[۴۲۲۱]: تالاب کھودتے کھودتے چار ہاتھ کھودنے کے بعد انسان کا سرملا، معلوم

---

(۱)"عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه يبلغ به صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال:"أسرعوا بالجنازة، فإن تک خيراً تقدموها، وإن تک شراً تضعونها عن رقابكم". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی الإسراع بالجنازة: ۱/۱۹۶،سعيد)

"يندب دفنه فی جهة موته وتعجيله الخ". (الدرالمختار). "(قوله:وتعجيله): أی تعجيل جهازه عقب تحقق موته، ولذا كره تأخير صلاته و دفنه ليصلی عليه جمعٌ عظيمٌ بعد صلاة الجمعة". (ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۹،سعيد)

"قال رحمه الله تعالیٰ: (ويعجّل بلا خبب): أی يسرع بالميت وقت المشی بلاخبب، وحدُّه أن يسرع به بحيث لايضطرب الميت علی الجنازة الخ". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۸، سعيد)

(وكذا فی البحرالرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱،رشيديه)

(۲) مسلمان کا دفن کرنا فرض کفایہ ہے دفن نہ کرنے کی وجہ سے سارے مسلمان گنہگار ہوں گے:

"دفن الميت فرض علی الكفاية". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن: ۱/۱۶۵،رشيديه)

"(والصلاة عليه) صفتها(فرض كفاية)........... (كدفنه)وغسله وتجهيزه، فإنهافرض كفاية". (الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۰۷،سعيد)

(وكذا فی بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل: والكلام فی الدفن الخ".: ۲/۲۰،رشيديه)

ہوا کہ بہت زمانہ پہلے کی قبر ہے تو اب کیا کیا جائے، آیا چھوڑ دیا جائے، یا کوئی صورت ہے؟ اور جان بوجھ کر قبر پر کوئی تالاب کھودنا یا کوئی مکان بنانا یا درخت لگانا جائز ہے یا نہیں؟ صدقہ دینا ہوگا یا اَور کچھ کرنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبرستان بہت پرانا ہوکر وہاں میت موجود نہیں بلکہ مٹی ہوچکی ہو، اس کو کھود کر وہاں دوسری میت کو دفن کرنا درست ہے، اگر پرانی میت کے کچھ ناتمام اجزاء کوئی ہڈی وغیرہ نکلے تو اس کو اسی قبر میں ایک طرف کو دفن کردیں باہر نکال کر نہ پھینکیں، اگر پرانا قبرستان مملوک ہو تو اس کو دوسرے کام میں لانا مکان بنانا، باغ لگانا بھی درست ہے۔ اگر وقف ہو تو اس کو دوسرے کام میں لانا جائز نہیں، جو سر نکلا ہے اس کو اسی جگہ دفن کردیں (۱)، اس کا کوئی اَور صدقہ وغیرہ لازم نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۵ھ۔

پرانی قبر میں نئی میت کو رکھنا

سوال [۴۲۲۲]: شہروں میں بوجہ تنگی گورستان پرانی قبر جس میں نشان وشناخت موجود ہے اس میں پھر دوبارہ قبر بنا کر دفن کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ نیز بر تقدیر عدمِ عذر ایسا کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا صورت ہوگی؟

---

(۱) "أنه لا يدفن اثنان في قبر إلا لضرورة، وهذا في الإبتداء وكذا بعده. قال في الفتح: ولا يحفر قبر لدفن آخر إلا ان بلى الأول فلم يبق له عظم إلا أن لا يوجد، فتضم عظام الأول، ويجعل حاجز من تراب الخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۳ سعيد)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "كسرُ عظم الميت ككسره حياً". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في الحفار يجد العظم الخ: ۲/۱۰۲، إمداديه)

"ولو بلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه. وفي الواقعات: عظام اليهود لها حرمة إذا وجدت في قبورهم كحرمة عظام المسلمين حتىٰ لاتكسر؛ لأن الذمي لما حرم إيذاءه في حياته لذمّته، فتجب صيانة نفسه عن الكسر بعد موته". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دار الكتب العلميه، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبر اتنی پرانی ہوجائے کہ میت بالکل مٹی بن جائے تو اس قبر میں دوسری میت کو دفن کرنا درست ہے، ورنہ بلاضرورت ایسا کرنا منع ہے اور بوقتِ ضرورت جائز ہے اور ایسی حالت میں جب میت کی ہڈیاں وغیرہ کچھ قبر میں موجود ہوں تو وہ ایک طرف علیحدہ قبر میں رکھ دی جائیں، اگر میت بالکل صحیح سالم قبر میں موجود ہو تب بھی بوقتِ ضرورت اس کے برابر اسی قبر میں دوسری میت کو رکھنا جائز ہے، لیکن میت قدیم اور میت جدید کے درمیان مٹی کی آڑ بنادی جائے۔

اگر ایک وقت میں چند مُردوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرنے کی ضرورت پیش آئے، اگر سب مَرد ہوں یا سب عورتیں ہوں تب تو افضل کو اول لحد میں رکھا جائے اس کے بعد غیر افضل کو۔ اگر موتی مخلوط ہوں تو اول مَرد کو رکھا جائے اس کے بعد لڑکے کو اس کے بعد خنثیٰ کو اس کے بعد عورت کو، اور ہر دو کے درمیان مٹی کی آڑ بنادی جائے:

"ولایدفن اثنان أوثلثة فی قبر واحد إلا عند الحاجة، فیوضع الرجل ممایلی القبلة، ثم خلفه الغلام، ثم خلفه الخنثی، ثم خلفه المرأة، ویجعل بین کل میتین حاجزمن التراب، کذافی محیط السرخسی. وإن کان رجلین یقدم فی اللحد أفضلهما، هکذافی المحیط. وکذا إذا کانتا امرأتین، هکذافی التاتارخانیة. ولوبلی المیت وصار تراباً، جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه، کذافی التبیین، اهـ". هندیة: ۱۰۷/۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن والنقل الخ: ۱۶۶/۱، ۱۶۷، رشیدیه)

"لایدفن اثنان فی قبر إلا لضرورة، وهذافی الابتداء، وکذابعده. قال فی الفتح: ولایحفر قبر لدفن آخر إلا أن بلی الأول، فلم یبق له عظم، إلا أن لایوجد، فتضم عظام الأول ویجعل بینهماحاجز من التراب .... ولوبلی المیت وصار تراباً، جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، مطلب فی دفن المیت: ۲۳۳/۲، سعید)

"ولایدفن اثنان أوثلثة فی قبر واحد إلاعند الحاجة، فیوضع الرجل ممایلی القبلة ثم خلفه الغلام ثم خلفه الخنثیٰ ثم خلفه المرأة، ویجعل بین کل میتین حاجزمن التراب لیصیر فی حکم قبرین .... ولوبلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه. وفی الواقعات: عظام لها=

میت کے ساتھ قرآن پاک دفن کرنا

سوال[۴۲۲۳]: خورجہ میں ایک عورت کا انتقال ہوگیا تو اس کی قبر میں قرآن پاک دفن کیا ہے جبکہ مولانا صاحب بھی موجود تھے۔

الجواب حامداًومصلياً:

کسی عورت کے انتقال پر قرآن پاک اس کے ساتھ دفن کرنا شرعی حکم نہیں، غلط طریقہ ہے، اگر اس کے اوپر رکھدیا ہے تو جسم کے پھٹنے سے بےادبی بھی ہوگی جس کی ہرگز اجازت نہیں (۱)۔ اگر کوئی عالم ایسے وقت میں موجود ہوتو اس کو نکیر کرنا چاہئے، کسی مصلحت سے وہ نکیر نہ کرے تو یہ جواز کا فتوی نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۲/۱۰/۲۲ھ۔

= حرمة إذا وجدت فی قبور هم كحرمة عظام المسلمين حتى لاتكسر الخ". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۴۱، ۳۴۲، رشيديه)

"عن عبد الرحمٰن بن كعب أن جابربن عبدالله رضى الله تعالىٰ عنهم أخبره أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كان يجمع بين الرجلين من قتلى أحد". (صحيح البخارى، كتاب الجنائز، باب دفن الرجلين أوالثلثة فى قبر واحد: ۱/ ۱۷۹، قديمى)

(۱) "وقد أفتى ابن الصلاح بأنه لايجوز أن يكتب على الكفن يٰسين والكهف ونحوهماخوفاً من صديد الميت .... عن الفتح: أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله على الدراهم والمحاريب والجدران ومايفرش، وماذاك إلالاحترامه وخشية وطئه ونحوه ممافيه إهانة، فالمنع هنابالأولى مالم يثبت عن المجتهد أوينقل فيه حديث ثابت". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب فيما يكتب على كفن الخ: ۲/۲۴۶، سعيد)

"الاستفسار: "قد تعارف فى بلادنا أنهم يلقون على قبر الصلحاء ثوباً مكتوباً فيه سورة الإخلاص هل فيه بأس؟ الاستبشار: هواستهانة بالقرآن؛ لأن هذاالثوب إنمايلقى تعظيماً للميت، ويصير هذاالثوب مستعملاً مبتذلاً، وابتذال كتاب الله من أسباب عذاب الله". (فتاوىٰ اللكنوى المسماة نفع المفتى والسائل بجميع متفرقات المسائل، مايتعلق بتعظيم اسم الله واسم حبيب الله الخ، ص: ۴۰۳، دارابن حزم، بيروت)

(۲) "ولايظن فى المشايخ أنهم فعلوامثل مايفعل أهل زماننامن أهل الفسق والذين لاعلم لهم بأحكام =

قرآن کریم کے اَوراق کو قبر میں رکھنا

سوال[۴۲۲۴]: ایک شخص نے قرآن کے بوسیدہ اوراق مختلف جگہوں سے گرے پڑے اٹھائے اورانہیں پاک وصاف کر کے رکھ دیا۔ اب وہ وصیت کرنا چاہتے ہیں کہ میرے پاس میری قبر میں کسی جگہ رکھ دئے جائیں، یہ وصیت اس کی پوری کرنا درست ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قبر میں طاق بنا کر پاک وصاف کپڑے میں رکھ دئے جائیں کہ اس پر مٹی نہ گرے، نہ میت کے بدن کے ساتھ متصل ہوں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۲۶ھ۔

مسجد کی بوسیدہ چٹائی قبر میں رکھنا

سوال[۴۲۲۵]: یہاں پر عام دستور ہے کہ مسجد کی بوسیدہ چٹائی قبر میں ڈالدیتے ہیں اور پھر اس کے عوض میں نئی چٹائی خرید کر رکھ جاتے ہیں۔ کیا یہ دستور جائز ہے یا نہیں؟

= الشرع، وإنما يتمسک بأفعال أهل الدين". (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر فی الغناء واللهو الخ: ۵/۳۵۲، رشيديه)

(۱) قبر میں سے الگ جگہ پر طاق بنا کر دفن کرنے میں میت کے بدن سے متصل نہیں ہوتے، اسی وجہ سے حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے قبر میں الگ جگہ پر قرآن کریم کے مقدس اوراق کو دفنانے کی اجازت دیدی ہے: "المصحف إذا صار بحال لايقرأ فيه، يدفن كالمسلم". (الدرالمختار). "(قوله: كالمسلم) فإنه مكرّم، وإذا مات عدم نفعه، وكذلک المصحف، فليس فی دفنه إهانة له بل ذلک إكرام خوفاً من الامتهان". (ردالمحتار، كتاب الطهارة، مطلب، يطلق الدعاء على مايشمل الثناء: ۱/۱۷۷، سعيد)

"المصحف إذا صار خلقاً لايقرأمنه، ويخاف أن يضيع، يجعل فی خرقة طاهرة ويدفن، ودفنه أولى من وضعه موضعاً يخاف أن يقع عليه النجاسة أو نحو ذلک، ويلحد له؛ لأنه لوشق ودفن يحتاج إلى إهالة التراب عليه، وفی ذلک نوع تحقير، إلا إذا جعل فوقه سقف بحيث لايصل التراب إليه، فهو حسن". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلة والمصحف الخ: ۵/۳۱۹، رشيديه)

الجواب حامداًومصلیاً:

قبر میں میت کے نیچے چٹائی بچھانا مکروہ ہے، کذافی الطحطاوی(۱)، مسجد میں اگر کسی نے چٹائی لاکر بچھادی اوراب وہ بوسیدہ ہوگئی اور مسجد میں استعمال کے قابل نہ رہی تو بچھانے والے اصل مالک کواختیار ہے کہ جوچاہے کرے، کذافی الفتاوی الهندیه(۲) اگر مسجد کے پیسہ سے خریدی گئی تو اس کو مسجد کے کسی کام میں لائیں یا فروخت کرکے پیسہ مسجد میں خرچ کردیں(۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۵/۸۹ھ۔

میّت کے دفن کے بعد قبر پر پانی چھڑکنا

سوال[۴۲۲۶]: یہاں رواج ہے کہ مردے کودفن کرنے کے بعد مٹی ڈالنے کے بعد اس کے اوپر لوٹے سے تین مرتبہ پانی ڈالتے ہیں مثل تین لکیر کے، سر سے پاؤں تک ڈالتے ہیں اور کچھ آیات پڑھتے ہیں۔ اس کی اصل کہاں تک ہے؟ اس کوضروری سمجھنا کیسا ہے؟

---

(۱)"ویکره إلقاء الحصیر فی القبر". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی، أحکام الجنائز، فصل فی دفنها الخ، ص: ۶۱۰، قدیمی)

"وأماالحصیر المتخذ من البردی، فإلقاؤه فی القبر مکروه". (التاتارخانیة ،کتاب الصلاة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز، نوع آخر من هذاالفصل فی القبر والدفن: ۲/ ۱۶۸، إدارة القرآن، کراچی)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۳۹، رشیدیه)

(۲)"وذکر أبو اللیث فی نوازله: حصیر المسجد إذاصار خلقاً واستغنی أهل المسجد عنه، وقد طرحه إنسان إن کان الطارح حیاً فهوله، وإن کان میتاً ولم یدع له وارثاً، أرجوا أن لابأس بأن یدفع أهل المسجد إلی فقیر أو ینتفعو به فی شراء حصیر آخر للمسجد، والمختار أنه لایجوز لهم أن یفعلوا ذلک بغیر أمر القاضی". (الفتاوی العالمکیریة ،کتاب الوقف، الباب الحادی عشر فی المسجد، الفصل الأول فیما یصیر به مسجداوفی أحکامه الخ: ۲/۴۵۸، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف، فصل من بنی مسجداً الخ: ۵/ ۴۲۳، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاوی العالمکیریة، کتاب الوقف، باب الرجل یجعل داره مسجداً الخ: ۳/ ۲۹۳، رشیدیه)

(۳) (راجع الحاشیة المتقدمة)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دفن کرنے کے بعد قبر پر کچھ پانی ڈال دینا تاکہ مٹی منتشر نہ ہوجائے مستحب ہے: "لابأس برش الماء عليه حفظاً لترابه عن الاندراس، بل ينبغي أن يندب؛ لأنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فعله بقبر سعد رضي الله تعالىٰ عنه، كمارواه ابن ماجة، وبقبر ولده إبراهيم، كما رواه أبوداؤد في مراسيله، وأمر به في قبر عثمان بن مظعون رضي الله تعالىٰ عنه، كما رواه البزار، الخ". شامی: ۱/۶۵۱، ۶۰۱، نعمانیه(۱)۔

دفن کے بعد سر کی جانب سورۂ بقرہ کا اول اور پیر کی جانب اس کا آخر پڑھنا بھی حدیث شریف سے ثابت ہے، جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں ہے(۲)، مگر یہ بھی مستحب ہے، فرض سمجھنا غلط ہے بے اصل ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۸۹ھ۔

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۷، سعيد)

"وعن عبدالله بن محمد يعني ابن عمر عن أبيه رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم رشّ على قبر ابنه إبراهيم رضي الله تعالىٰ عنه". (مراسيل أبي داؤد، ماجاء في الجنائز، في الدفن، ص: ۱۸، سعيد)

"ولابأس برش الماء عليه: أي القبر". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل في سنة الدفن: ۲/۶۵، رشيديه)

(۲) "عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: "سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إذامات أحدكم، فلاتحبسوه، وأسرعوا به إلىٰ قبره، وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجليه بخاتمة البقرة، الخ". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت: ۱/۱۴۹، قديمي)

"وكان ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما يستحب أن يقرأعلى القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها .... فقد ثبت أنه عليه الصلوٰة والسلام قرأ أول سورة البقرة عند رأس الميت وأخرها عند رجليه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۷، ۲۴۲، سعيد)

(۳) "من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أومنكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لاأصل لها في الشرع". (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمي، لاهور)

دفن کے بعد قبر پر پانی چھڑکنا، پھول پتی ڈالنا

سوال[۴۲۲۷]: میت کی قبر کو ہموار کر کے قبر پر پانی چھڑکنا اور پھول پتی ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پانی چھڑکنا مستحب ہے تاکہ قبر کی مٹی جم جائے منتشر نہ ہو(۱)، پھول ڈالنا ثابت نہیں (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۳ھ۔

قبر میں خوشبو چھڑکنا

سوال[۴۲۲۸]: قبر کے اندر کیوڑہ، گلاب وغیرہ خوشبو کا وقتِ دفن چھڑکنا کیسا ہے، شرع میں اس کی کیا اصلیت ہے؟

---

(۱)"عن عبداللہ بن محمد یعنی ابن عمرعن أبیه رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم رش علی قبرابنه إبراهیم رضی الله تعالیٰ عنه"(مراسیل أبی داؤد،ماجاء فی الجنائز،فی الدفن، ص:۱۸،سعید)

"(ولابأس برش الماء علیه)حفظاً لترابه عن الاندراس". (الدرالمختار). "(قوله :ولابأس برش الماء علیه)بل ینبغی أن یندب؛ لأنه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فعله بقبر سعد، کمارواه ابن ماجة. وبقبرولده إبراهیم کما رواه أبوداؤد فی مراسیله. وأمربه فی قبر عثمان بن مظعون رضی الله تعالیٰ عنه، کما رواه البزار، الخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۷،سعید)

"ولابأس برش الماء علیه: أی القبر". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶،رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، الجنائز،فصل فی سنة الدفن: ۲/۲۵،رشیدیه)

(۲) "وقال العینی رحمه الله تعالیٰ: إن إلقاء الریاحین لیس بشیئ، الخ".(فیض الباری، کتاب الجنائز، فصل الجریدعلی القبر: ۲/۴۸۹،خضر راہ بک ڈپو دیوبند)

"وکذلک مایفعله أکثر الناس من وضع مافیه رطوبة من الریاحین والبقول ونحوهماعلی القبورلیس بشیئ، الخ". (عمدة القاری، کتاب الوضوء، بابٌ: من الکبائر أن لایستترمن بوله،بیان استنباط الأحکام: ۳/۱۲۱،مطبعه منیریه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ویوضع الحنوط فی القبر؛ لأنه علیه الصلوٰة والسلام فعل ذلك بابنه إبراهيم، حموی عن الروضة". فتح المعین: ١/٣٤٦(١) ۔ خوشبو قبر میں ڈالنا ثابت ہے، البتہ قبر میں میت کو رکھ کر میت پر عرق گلاب چھڑکنا بدعت ہے، طحطاوی شرح مراقی الفلاح، ص: ۳۳۳(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

حفاظت کے لئے قبر پر کانٹے رکھنا

سوال[۴۲۲۹]: قبر کو جانوروں کے کھودنے اور کھا جانے کے ڈر سے قبر پر کانٹے رکھ کر مٹی ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کانٹے حفاظت کے لئے اوپر رکھ دیئے جائیں تو مضائقہ نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۶/۶/۹۳ھ۔

---

(۱)(فتح المعین علی شرح الکنز لملامسکین للعلامة محمد أبی السعود المصری، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۳۴۶، سعید)

(۲)"وذکر ابن الحاج فی المدخل: أنه ینبغی أن یجتنب ماأحدثه بعضهم من أنهم یأتون بماء الورد، فیجعلونه علی المیت فی قبره، فإن ذلک لم یُروَ عن السلف رضی الله تعالیٰ عنهم، فهو بدعة، قال: یکفیه من الطیب ماعمل له، وهو فی البیت، فنحن متبعون لامبتدعون، فحیث وقف سلفنا وقفنا". (حاشیة الطحطاوی علی المراقی الفلاح، أحکام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص: ۶۰۸، قدیمی)

(۳)"وقد اعتاد أهل مصر وضع الأحجار حفظاً للقبور عن الاندارس والنبش، ولابأس به". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، أحکام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها الخ، ص: ۶۱۱، قدیمی)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۱/۳۸۲، دار الفکر، بیروت)

قبر میں بیری کی ٹہنی ڈالنا

سوال[۴۲۳۰]: تختہ لگانے کے بعد قبر میں بیری کی ٹہنی ڈالنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

فقہ کی کتاب میں اس کو نہیں دیکھا، اگر یہ چیز ثابت ہوتی تو فقہاء ضرور لکھتے، فتاوی رشیدیہ میں اس کو روافض کا شعار لکھا ہے(۱) لہٰذا اس سے بچنا چاہئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قبر میں بیری کی شاخ

سوال[۴۲۳۱]: مُردے کے دفن کے وقت بیری کی لکڑی رکھ دیتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟ مشہور ہے کہ فرشتے اس لکڑی کو لے کر سوال کرتے ہیں۔

---

(۱) ''الجواب: اس کا ضروری سمجھنا بدعت ہے، اور بیری کی خصوصیت میں مشابہت روافض کی ہے، لہٰذا اس کو ترک کرنا چاہئے اور اس کی کچھ اصل نہیں۔ فقط رشید احمد''۔ (تالیفات رشیدیہ مع فتاوی رشیدیہ، كتاب الأخلاق والتصوف: جنازے اور میت اور قبروں کے مسائل کا بیان، ص ۲۴۰، ادارہ اسلامیات لاہور)

"عن ابن عمر رضی الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (سنن أبي داؤد، كتاب اللباس، باب ماجاء في الأقبية: ۲/۲۰۳، إمداديه)

"قال الطيبي: هذا عام في الخلق والخلق والشعار، ولما كان الشعار اظهر في الشبه ذكر في هذا الباب، قلت: بل الشعار هو المراد ابالتشبه لاغير". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۴۳۴): ۸/۱۵۵، رشيديه)

"من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، تحت حديث عبد اللہ بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه رقم الحديث: ۹۴۶، ۳/۳۱، رشيديه)

"ويكره عند القبر مالم يعهد من السنة الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کے دفن کے وقت بیری کی لکڑی کا رکھنا شرع شریف سے ثابت نہیں، یہ عقیدہ کہ فرشتے بیری کی لکڑی کو لے کر سوال کرتے ہیں غلط ہے، اس سے اجتناب لازم ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۴/۱/۸۸ھ۔

قبر میں بیری کے پتے ڈالنا

سوال[۴۲۳۲]: میت کے دفن کرنے کے بعد بیری کے پتے تختے کے اوپر عام طور سے ڈالتے ہیں اس کے بعد مٹی ڈالتے ہیں، کیا بوجہ بیری کے ٹہنی کے کچھ عذاب میں تخفیف ہوتی ہے یا بدعت ہے؟ کہتے ہیں کہ بیری کا درخت سدرۃ المنتہیٰ یعنی ساتویں آسمان پر ہے اس کی فضیلت سے گناہ میں کمی ہوتی ہے۔ مذہب میں اس کی اصلیت کیا ہے؟ بیری کی شاخ قبر میں تختے کے اوپر ڈالنی چاہئے یا اس کو خود ترک کر دینا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ترک کر دیا جائے اس کی شرعاً کوئی اصل نہیں ہے، بدعت اور شعائرِ روافض ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین ومفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۵/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ،　　الجواب صحیح:عبد اللطیف،۲۵/۶/۶۱ھ۔

---

(۱)"من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع". (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القرأة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) راجع: (تاليفات رشيديه مع فتاوی رشيديه، كتاب الاخلاق والتصوف: جنازے اور میت اور قبروں کے مسائل کا بیان، ص: ۲۴۰، إدارہ اسلامیات لاهور)

"عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". (أبو داؤد، كتاب اللباس، باب ماجاء في الأقبية: ۲/۲۰۳، إمداديه) .... =

دفن کے وقت جھاڑ کی لکڑی قبر میں رکھنا

سوال[۴۲۳۳]: بعض جگہ دیہات میں قبر کے اندر تقریباً ایک بالشت لمبی جھاڑ کی لکڑی رکھتے ہیں جس کی وجہ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ میت مسواک کرے گی، اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے مردے پر عذاب کم ہوگا۔ یہ لکڑی رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بے اصل ہے، غلط ہے، نہیں رکھنا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

جذامی کی قبر میں چونا، پانی ڈالنا

سوال[۴۲۳۴]: ۱...... جذام کی بیماری میں جب کسی آدمی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کی قبر میں پچاس کلوگرام چونا اور چالیس گھڑے پانی ڈالا جاتا ہے۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

۲...... اسی طرح سفیدی کی بیماری اور جلد کی بیماری میں کسی آدمی کا انتقال ہوتا ہے تو اس کی بھی قبر میں

= "من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

"ويكره عند القبر مالم يعهد من السنة، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(۱) "عن عائشة رضي الله عنها: قالت: قال النبي صلى الله عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

"بأنها (أي البدعة) ما أحدث على خلاف الحق المتلقى عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل ديناً قويماً وصراطاً مستقيماً". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعيد)

پچاس کلو چونا اور چالیس گھڑا پانی ڈالنا لازم قرار دے رکھا ہے۔ جب قبر میں چونا اور پانی ڈالا جاتا ہے تو چونا اور پانی دونوں مل کر اُبلتا اور کھولتا ہے تو میت کا کیا حال ہوگا، گویا کہ ایک قسم کے جلانے کی مثال ہے۔ اس بارے میں شرعی حکم سے مطلع فرمائیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ طریقہ شریعت نے تجویز نہیں کیا، کسی نے خود ہی گھڑ لیا ہے، یہ طریقہ غلط ہے، خلافِ سنت ہے، اس کو ترک کرنا لازم ہے(۱)۔

۲......اس کا حکم بھی نمبر:ا کی طرح ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۱۴۰۱ھ۔

میت کے پیر اور سر کی طرف سورۂ بقرہ کا اول وآخر سراً پڑھا جائے یا جہراً؟

سوال[۴۲۳۵]: دفن کرنے کے بعد مردہ کے سرہانے: "الٓم" تا "مفلحون"، اور پاؤں کی طرف ﴿آ من الرسول﴾ جہراً آواز سے پڑھی جائے یا خفیہ آواز سے؟ فقط۔

احقر غوث محمد از کالکا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خفیہ آواز سے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ علم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) (راجع للتخريج العنوان السابق: "دفن کے وقت جھاڑ کی لکڑی قبر میں رکھنا"۔)

(۲) قال الله تعالى: ﴿واذكر ربك في نفسك تضرعاً وخيفةً ودون الجهر﴾ الآية(سورة الأنفال، پارہ: ۹، آية: ۲۰۵)

"وهو عام لكل ذكر فإن الإخفاء أدخل في الإخلاص وأقرب من القبول". (روح المعاني: ۹/۱۵۴، دار إحياء التراث، بيروت)

(وكذا في فتاوى دارالعلوم ديوبند، كتاب الجنائز، فصل سادس: (قبر، دفن اوران کے متعلقات، سوال نمبر: ۳۰۶۷):۵/۲۷۵، دار الإشاعت)

بعد دفن سورۂ بقرہ کا اول وآخر پڑھنا

سوال [۴۲۳۶]: جب لوگ کسی مردے کو قبر میں دفن کر کے سورۂ بقرہ کی آیات پڑھتے ہیں تو کیا اس وقت مٹی میں سرہانے اور پائنتی کے پڑھنے والوں کو انگشتِ شہادت قبر کے اندر دیکر پڑھنا چاہیے؟ اور کیا اس کے پڑھنے کے بعد لوگوں کو فوراً ہی قبرستان سے چلے جانا چاہئے یا کہ ٹھہرنا چاہئے، یا کم از کم رشتہ داروں کو ٹھہرنا چاہئے۔

الجواب حامداًومصلياً:

سورۂ بقرہ کا اول وآخر پڑھنا حدیث سے ثابت ہے، انگشتِ شہادت کا مٹی میں رکھنا ثابت نہیں، بلکہ معمولِ مشائخ ہے، لہٰذا دونوں صورتوں میں مضائقہ نہیں (۱)۔ میت کو دفن کرنے کے بعد کچھ دیر تک ٹھہرنا اور ذکر وتسبیح میں مشغول رہنا اور دعاء کرنے میں مضائقہ نہیں، بلکہ بہتر ہے کہ اس سے سوال وجواب میں آسانی ہوتی ہے، بعض صحابہ نے اس کی وصیت بھی فرمائی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "عن عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول: "إذامات أحد کم، فلاتحبسوه، وأسرعوا به إلی قبره، ولیقرأ عند رأسه فاتحة البقرة، وعند رجلیه بخاتمة البقرة". (مشکوة المصابیح، کتاب الجنائز، باب فی دفن المیت، الفصل الثالث، (رقم الحدیث: ۱۷۱۷): ۱/ ۱۴۹، قدیمی)

"وکان ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما یستحب أن یقرأعلی القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها" ....: فقد ثبت أنه علیه السلام قرأ أول سورة البقرة عند رأس المیت وآخرها عند رجلیه". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ۲/ ۲۳۷، ۲۴۲، سعید)

(۲) "عن عثمان بن عفان رضی الله تعالیٰ عنه قال: کان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم إذا فرغ من دفن المیت وقف علیه فقال: "استغفروا لأخیکم، واسألوا له بالتثبیت، فإنه الآن یسئل". (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب الاستغفار عند قبر المیت فی وقت الانصراف: ۲/ ۱۰۳، امدادیه ملتان)

"و یستحب .... وجلوس ساعةً بعد دفنه لدعاء و قراءة بقدر ما یُنحر الجزور و یفرق لحمه". (الدرالمختار). "(قوله: وجلوس الخ) لما فی سنن أبی داؤد: کان النبی صلی الله علیه وسلم: إذا فرغ. الحدیث .... و روی أن عمرو بن العاص رضی الله تعالیٰ عنه قال -وهو فی سیاق الموت-: إذا متّ فلا تصحبنی نائحة ولانار، وإذا دفنتمونی فشنوا علیّ التراب شناً، ثم أقیموا حول =

9

میت کو غلط طریقہ پر رکھ کر دفنانا

سوال[۴۲۳۷]: اگر میت کا رخ نماز پڑھتے وقت غلط ہوگیا، سر کی جگہ پیر اور پیروں کی جگہ سر اور امام نے نماز پڑھادی تو کیا نماز ہوگئی؟ اسی طرح قبر میں غلط رکھ دیا تو کیا دوبارہ قبر کھول کر رخ صحیح کرنا ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر میں دفن کرنے کے بعد اس غلطی کی اصلاح کے لئے قبر کھود کر نکالنا درست نہیں: '' إذا دفن بلاغسل أو صلوٰة، أووُضع علی غیر یمینه أوعلی غیر القبلة، فإنه لاینبش علیه بعد إهالة التراب''. شامی: ۱/۶۰۲(۱)۔ اگر نماز پڑھاتے وقت میت کا جنازہ اس طرح رکھا گیا کہ اس کا سر جنوب کی طرف ہوگیا اور پیر شمال کی طرف اور نماز اسی طرح پڑھادی گئی تو بھی نماز ہوگئی، دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، لیکن قصداً اسی طرح کرنا اساءت ہے:''وصحت لووضعوا الرأس موضع الرجلین، وأساؤا إن تعمدوا''. درمختار: ۱/۵۸۳(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۹ھ۔

= قبری قدر ما ینحر جزور ویقسم لحمها، حتی أستأنس بکم وأنظر ماذا أراجع رسل ربی''.

(ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۷، سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(۱) (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۸، سعید)

''ولووضع المیت لغیر القبلة أو شقه الأیسر أو جعل رأسه موضع رجلیه وأهیل علیه التراب، لم ینبش''. (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۷، رشیدیه)

(وکذا فی البحرالرائق، کتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشیدیه)

(۲)(الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۰۹، سعید)

''ولوأخطاؤا عند الوضع، فوضعوا رأسه ممایلی یسار الإمام، جازت الصلاة، وإن تعمدوه فقد =

دفن کے بعد وہیں ہاتھ دھونا

سوال[۴۲۳۸]: قبر میں مٹی ڈالنے کے بعد اسی وقت قبرستان میں ہاتھ دھوڈالتے ہیں، بعض اس کو منع کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ دھوڈالنا چاہئے۔ شرعاً کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو دل چاہے کوئی پابندی نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۶/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　الجواب صحیح: عبداللطیف، ۶۱/۶/۲۵ھ۔

مسِ ذکر سے مذی آگئی اسی ہاتھ سے میّت کو مٹی دینا

سوال[۴۲۳۹]: کوئی شخص اپنے کسی بھی رشتہ دار کے گذر جانے کی خبر پاکر گھر سے پاک صاف ہوکر نکلتا ہے مگر راستہ میں موٹر پر یا گاڑی میں جانا ہے، سامنے کوئی عورت بیٹھی ہے۔ مطلب غیر عورت، اور وہ شیطانی حرکت سے جان بوجھ کر اپنے عضوِ تناسل کو اس کے کندھے یا ہاتھ میں لگاتا ہوا گیا، اب اس شخص کو مذی آنے کا بھی شک ہوگیا پھر بھی اس نے جاکر مٹی دی۔ اب بتایئے اس کا مٹی دینا جائز ہے یا نہیں؟ یا جو مٹی وہ اپنے

= أساء وا، وجازت، كذافي التاتارخانية". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الرابع في الصلاة عليه، ص: ۵۸۸، سهيل اكيڈمی)

(وكذافي التاتارخانية، كتاب الصلوٰة، الفصل الثاني والثلاثون في الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل في المتفرقات: ۲/۱۷۷، إدارة القرآن، كراچی)

(۱) آدابِ قبور کا خیال رکھتے ہوئے قبروں سے ذرا ہٹ کر ہاتھ دھونا چاہئے: "ويكره الجلوس على القبر ووطؤه .... ويكره النوم عند القبر وقضاء الحاجة، بل وكل مالم يعهد من السنة، الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۴۵، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب صلاة الجنازة، فصل: السلطان أحق بصلاته، قبيل باب الشهيد: ۲/۳۴۳، رشيديه)

ہاتھ سے دیا اس میت کی وہ مٹی کیا ہمیشہ کے لئے ناپاک ہوگئی؟ اور قیامت تک اس شخص کو جو مٹی قبرستان میں رہے گی اس کو گناہ ملے گا، یا برسات سے وہ مٹی پگھل کر چاروں طرف پھیل جائے گی تو جتنی میت وہاں ہیں سب کا گناہ پڑے گا اور اس شخص کی بخشش نہ ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

راستہ کی اس نالائق حرکت کی وجہ سے نہ اس کا ہاتھ ناپاک ہوا، نہ مٹی ناپاک ہوئی، نہ قبر ناپاک ہوئی، نہ قبر پر کوئی گناہ پہونچا، نہ اس کی وجہ سے میت کو عذاب ہوگا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۱/۱/۹۶ھ۔

دفنِ میت کے بعد چار پائی الٹ دینا

سوال[۴۲۴۰]: عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ میت کو قبر میں اتارنے کے بعد فوراً چار پائی کو الٹا کر دیتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً اس کی کچھ اصل نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۷/۶۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

قبر کے دھنس جانے پر مٹی ڈالنا

سوال[۴۲۴۱]: پرانی قبر کوئی مٹی سے بھر دینا کیسا ہے؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تزر وازرة وزر أخرى﴾. (سورة الإسراء، پارہ: ۱۵، آیة: ۱۵)

قال العلامة آلوسی البغدادی فی تفسیر هٰذه الآیة: "(ولا تزر وازرة وزر أخرىٰ) تاکید للجملة الثانیة ای لاتحمل نفس حاملة للوزر وزر نفس أخرىٰ حتیٰ یمکن تخلص النفس الثانیة عن وزرها ویختل مابین العامل وعمله من التلازم". (تفسیر روح المعانی، سورة الإسراء: ۱۵، : ۱۵/۳۵، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے، خاص کر جب کہ اس میں میت موجود ہو مٹی نہ ہوئی ہو، یا کسی کے اس میں گر جانے کا اندیشہ ہو: "لأن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم مرّ بقبر ابنه إبراهیم، فرأی فیه حجراً سقط فیه فسدّه وقال: "من عمل عملاً فلیتقنه، اھ". طحطاوی، ص: ۳۳۵(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۶۷ھ۔

ایضاً

سوال[۴۲۴۲]: اگر قبر بارش کے سبب سے دھنس جائے تو اس کا دوبارہ مٹی سے درست کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے: "وإذا خربت القبور، فلا بأس بتطیینها، کذا فی التاتارخانیة. وهو الأصح، وعلیه الفتوی، کذا فی جواهر الأخلاطی، اھ". عالمگیری: ۱/۱۲۶ (۲)۔ لیکن اگر قبر پرانی ہو اور

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، أحکام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص: ۶۱۱، قدیمی)

"وإذا خربت القبور، فلابأس بتطیینها، کذا فی التاتارخانیة. وهو الأصح، وعلیه الفتویٰ، کذا فی جواهر الأخلاطی، اهـ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

"وإذا خربت القبور، فلابأس بتطیینها، لما روی أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم مر بقبر ابنه إبراهیم، فرأی فیه حجراً سقط منه فسدّه وأصلحه، ثم قال: "من عمل عملاً فلیتقنه". (التاتارخانیة، کتاب الصلوٰة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل فی القبر والدفن: ۲/۱۷۰، إدارة القرآن، کراچی)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۷۶، غفاریه کوئٹه)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة، کتاب الصلوٰة، الفصل الثانی والثلاثون فی الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل فی القبر والدفن: ۲/۱۷۰، ادارة القرآن) =

میت اس میں مٹی ہو چکی ہو تو اس کا حکم قبر کا نہیں رہے گا، اس کو مٹی ڈال کر درست کرنے کی ضرورت نہیں: " جاز زرعه والبناء عليه إذا بلى وصار تراباً، زيلعى، ١ هـ". درمختار: ١/ ٨٤٠(١)۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ قبر جس قدر پرانی ہوتی جاتی ہے اور اس پر بارشیں ہوتی ہیں، اسی قدر صاحب قبر پر رحمتیں نازل ہوتی ہیں، لہٰذا قبر کا بارش کی وجہ سے دھنس جانا ہی موجب رحمت کی زیادتی ہے (۲)۔

فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۴/۱۰/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/شوال/۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

پرانی قبر پر مٹی ڈالنا

سوال [۴۲۴۳]: جو قبر بالکل منہدم ہو گئی ہو، دوبارہ اس کو مثل نئی کے بنا دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قبر کی اہانت شرعاً ممنوع ہے، اس لئے اس پر بیٹھنا، چلنا، نجاست ڈالنا یہ سب چیزیں ناجائز ہیں (۳)۔

= (وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ١/ ٢٧٦، غفاريه كوئٹه)

(١) (الدر المختار، باب صلاة الجنازة: ٢/ ٢٣٨، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل السلطان أحق بصلاته: ٢/ ٣٤٢، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الجنائز: ١/ ٥٨٩، دار الكتب العلميه، بيروت)

(٢) لم أقف عليه.

(٣) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لأن يجلس أحدكم على جمرة، فتحرق ثيابه حتى تخلص إلى جلده خيرٌ من أن يجلس على قبر"........... وقال أيضاً: "لاتجلسوا على القبور، ولاتصلوا إليها". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في كراهية العقود على القبر: ٢/ ١٠٤، إمداديه ملتان)

"(ويكره وطئ القبر والجلوس والنوم) والبول والغائط". (الدر المنتقى في شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ١/ ٢٧٦، مكتبه غفاريه كوئٹه) .... =

جو قبر منہدم ہوگئی تو اس نیت سے کہ اہانت سے محفوظ رہے اس پر مٹی ڈالنا درست ہے: ''المختار أن التطيين غير مكروه، وكان عصام بن يوسف يطوف حول المدينة ويعمّر القبور الخربة، الخ''. مجمع الأنهر: ۱/۱۸۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

قبر پر بوقتِ ضرورت مٹی ڈالنا

سوال[۴۲۴۴]: کچی قبر بعد بیٹھ جانے کے اس پر مٹی ڈلوانا یا سال دو سال بعد پھر دوبارہ مٹی ڈلوانا تاکہ نشان باقی رہے درست ہے یا نہیں؟ اور چبوترہ معمولی کچی اینٹ سے بنوانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مٹی ڈلوانا درست ہے(۲)۔ اگر قبر مملوکہ زمین میں ہے تو معمولی کچا چبوترہ بنوانا فی حدِ ذاتہ بھی درست

= ''وكره أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ أن يوطأ على قبر أو يجلس عليه أو ينام عليه أو تقضى عليه حاجة من بول أو غائط''. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في سنة الدفن: ۲/۲۵، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۴۵، سعيد)

(۱) (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۷۶، مكتبه غفارية)

(وجامع الرموز للقهستاني، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز: ۱/۲۸۹، مطبعه كريميه)

''ثم يهال التراب ولا يزاد على التراب الذي خرج من القبر، وتكره الزيادة، وعن محمد: لابأس به''. (غنية المستملي (الحلبي الكبير)، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، السادس في الدفن، ص: ۵۹۸، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۲) ''ثم يهال التراب ولا يزاد على التراب الذي خرج من القبر، وتكره الزيادة، وعن محمد: لابأس به''. (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، السادس في الدفن: ۵۹۸، سهيل اكيڈمی، لاهور)

''وكان عصام بن يوسف يطوف حول المدينة، ويعمّر القبور الخربة''. (مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۲۷۶، مكتبه غفارية)

(وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند، كتاب الجنائز، فصل سادس: قبر دفن اور ان کے متعلقات (سوال نمبر: ۲۹۹۹): ۵/۲۵۶، دار الاشاعت، كراچی)

ہے، لیکن آگے چل کر اس میں دیگر مفاسد کا مظنہ ہے اس لئے نہیں چاہئیے (۱)۔ وقف کی زمین میں کوئی گنجائش نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قبر پر تالاب کی مٹی ڈالنا

سوال [۴۲۴۵]: بنگال میں عام طور دیکھا جا رہا ہے کہ تالاب کے کنارے جس کو یہ لوگ پاٹ کہتے ہیں قبر ہوتی ہے، اب تالاب کو گہرا کرنے کی ضرورت ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ تالاب کی مٹی کو قبر پر رکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تالاب کی مٹی قبر پر ڈالنے سے قبر زیادہ بلند ہو جائے گی، لہٰذا وہاں نہ ڈالی جائے، قبر کے لئے وہی مٹی کافی ہوتی ہے جو قبر کھودنے سے نکلتی ہے: "ویکره أن یزید فیه علی التراب الذی خرج منه، ویجعله مرتفعاً عن الأرض قدر شبر أو أکثر بقلیل". مراقی الفلاح، ص: ۳۷۰ (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۷/ ۳/ ۹۰ھ۔

---

(۱) "والسنة أن یفرش فی القبر التراب ثم لم یتعقبوا الرخصة فی اتخاذه من حدید بشیء. ولاشک فی کراهته، کما هو ظاهر الوجه، الخ". (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فی دفن المیت: ۲/ ۲۳۵، سعید)

(کذا فی فتاوی رحیمیه، کتاب الجنائز، باب مایتعلق بالدفن: ۷/ ۱۷، دار الاشاعت، کراچی)

(۲) "قولهم: شرط الواقف کنص الشارع: أی فی المفهوم والدلالة". (الدر المختار، کتاب الوقف، فصل یراعی شرط الواقف فی إجارته: ۴/ ۴۳۳، سعید)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفین ماهو صحیح معتبر، یعمل به". (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/ ۴۱۰، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الوقف: ۴/ ۲۶۹، دار الکتب العلمیه، بیروت)

(۳) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، أحکام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص: ۶۱۱، قدیمی)

"(ویهال التراب علیه، وتکره زیادة علیه) من التراب: لأنه بمنزلة البناء". (الدر المختار، باب=

قبر میں مٹی کے ڈھیلے رکھنا

سوال[۴۲۴۶] : قبر میں مٹی کے چھوٹے ڈھیلے اور قرآن کریم کی آیات پڑھ کر وہ ڈھیلے قبر میں میت کے بازو میں رکھ دیتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

یہ فعل کتبِ حدیث میں موجود نہیں، بعد کے بعض لوگوں کا عمل ہے جو شرعی حجت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قبر کی مٹی لانا

سوال[۴۲۴۷] : بزرگوں کی قبر سے قبر کی مٹی لانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس مقبرہ سے مٹی لائی جائے گی، وہ دو حال سے خالی نہیں: موقوفہ ہے یا مملوکہ، اگر موقوفہ ہے تو منشائے واقف کے خلاف ہے، لہٰذا ناجائز ہے (۲)۔ اگر مملوکہ ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں: یا تو مالک کی اجازت سے

= صلاة الجنازة: ۲/۲۳۶، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۰، رشيديه)

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه، فهو رد". (صحيح البخاري، كتاب الصلح، بابٌ: إذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قديمي)

(۲) "قولهم: شرط الواقف كنص الشارع: أي في المفهوم والدلالة". (الدر المختار، كتاب الوقف، فصل: يراعى شرط الواقف في إجازته: ۴/۴۳۳، سعيد)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ماهو صحيح معتبر، يُعمل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الوقف، ۴/۲۶۹، دار الكتب العلمية، بيروت)

لائی جائے گی یا بغیر اجازت، اگر بغیر اجازت لائی گئی تو بالکل نادرست اور ناجائز ہے(۱)، اگر اجازت سے ہو تو جائز ہے بشرطیکہ اعتقاد صاف ہو یعنی مؤثرِ حقیقی نہ خاک کو سمجھا جائے اور نہ مُردے کو(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۵/ ۸۸ھ۔

قبر کی مٹی کھانا

سوال[۴۲۴۸]: ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ بزرگوں کی قبروں کی مٹی یا پختہ قبر سے قلیل چونہ چاٹ لینا درست ہے کہ اس میں فائدہ مرتب ہوتا ہے جیسے کہ مولانا عبدالحق صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے فتاویٰ میں نصاب الاحتساب وخزینۃ الروایات ومجمع البرکات سے پان میں چونہ کھانے کو مفید تحریر فرمایا ہے(۳) یا مطلقاً قدرِ قلیل مٹی کو کھا لینا درست بلا کراہت لکھا ہے۔ لہٰذا عرض ہے کہ مدلل جواب سے اطلاع دیں کہ عوام اس گمراہی سے احتراز کریں۔ فقط۔

عبدالمجید، قصبہ کرت پور، ضلع بجنور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"الطين الذي يحمل من مكة ويسمى طين حمرة، هل الكراهية فيه كالكراهية في أكل الطين على ما جاء في الحديث؟ قال: الكراهية في الجميع متحدة، كذا في جواهر الفتاوىٰ، اهـ".

---

(۱) " لايجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه الخ". (شرح المجلة لسليم رستم باز، المقالة الثانية في بيان القواعد الفقهية، (رقم المادة: ۹۶) : ۱/ ۶۱، مكتبه حنفية كوئٹه)

"لايجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه الخ". (الدرالمختار، كتاب الغصب : ۶/ ۲۰۰، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿وإذا مرضت فهو يشفين، والذي يميتني ثم يحيين﴾ (سورة الشعراء: ۸۰، ۸۱)

"﴿وإذا مرضت﴾ الاية: أي إذا وقعت في مرض، فإنه لايقدر على شفائي أحدٌ غيره بما يقدر من الأسباب الموصلة إليه، قوله تعالى: ﴿والذي يميتني﴾ الآية :أي هو الذي يحيي، يميت، لايقدر على ذلك أحد سواه، فإنه هو الذي يبدئ ويعيد". (تفسير ابن كثير : ۳/ ۳۳۸، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۳) "وعلى هذا يقاس أنه يباح أكل النورة مع الورق المأكول في ديار الهند؛ لأنه قليل نافع، فإن الغرض المطلوب من الورق المذكور لايحصل بدونها". (نصاب الاحتساب، الباب العاشر في الاحتساب على الأكل والتسوب والتداوي، ص: ۵۲، دارالعلوم للطباعة والنشر)

عالمگیری: ٤/ ٢٢٠ (١)۔

اس سے معلوم ہوا کہ طین مکہ معظمہ اور طین غیر مکہ معظمہ ہر دو مکروہ اور کراہت ہر دونوں میں متحد ہے اور کراہت حدیث شریف سے ثابت ہے:

"أكل الطين مكروه .... وكراهية أكله لا لحرمته بل لتهييج الداء. وعن المبارك كان ابن أبي ليلى يرد الجارية عن أكل الطين، وسئل أبو القاسم عمن أكل الطين قال: ليس ذلك من عمل العقلاء". كذا في الحاوي للفتاوى (٢)۔

مٹی کے کھانے کی ممانعت حرمت کی وجہ سے نہیں، بلکہ مورثِ امراض ہونے کی وجہ سے ہے، نیز یہ فعل عقلاء کا نہیں، اگر مٹی کا کھانا مورثِ امراض نہ ہو، نیز اس میں منفعت ہو اور ایسی منفعت کہ کسی اَور چیز سے حاصل نہ ہو تو بقدرِ ضرورت کھانا درست ہوگا:

"في نصاب الاحتساب: و ذكر الحلواني أن أكل الطين إن كان يضر، يكره، و إلا فلا، و إن كان يتناوله قليلاً أو يفعله أحياناً، لا يكره. قال العبد أصلح الله شأنه: و يقاس على هذا أنه يباح أكل النورة مع الورق مأكول في ديار الهند؛ لأنه قليل نافع، فإنه الغرض المطلوب من الورق المذكور لا يحصل بدونه، وهو الحمرة، انتهى. وقد نقل عنه في خزانة الروايات ومجمع البركات أيضاً". نفع المفتي، ص: ١١٠ (٣)۔

اب معلوم ہونا چاہئے کہ بزرگوں کے مزارات کی مٹی کھانے میں کیا منفعت ہے، اگر کوئی ایسی منفعت ہے جو خصوصیت مزار پر مرتب ہوتی ہے تو اس سے عوام کے عقائد خراب ہوتے ہیں کہ وہ ان بزرگوں کی روح کو

---

(١) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر في الكراهة في الأكل وما يتصل به: ٥/ ٣٤٠، ٣٤١، رشيديه)

(٢) (المصدر السابق من الهندية: ٥/ ٣٤٠، ٣٤١)

(٣) (فتاویٰ اللكنوی المسماة نفع المفتي والسائل .... الخ، كتاب الحظر والإباحة، مايتعلق بالأكل والشرب، ص: ٣٧٩، دارابن حزم، بيروت)

"ويكره أكل الطين؛ لأنه تشبه بفرعون". (البزازية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في الأكل: ٦/ ٣٦٥، رشيديه)

متصرف سمجھتے ہیں، ان سے مرادیں مانگتے ہیں، ان کی نذر مانتے ہیں حتی کہ قبر کو سجدہ کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ، اس لئے یہ ہرگز جائز نہیں۔ اگر کوئی منفعت ہے جو نفسِ قبر کی مٹی سے حاصل ہوجاتی ہے اور خصوصیتِ مزار سے متعلق نہیں تو بزرگوں کی قبر کی تخصیص کیوں ہے، ہر ایک قبر کی مٹی چاٹنے پر وہ فائدہ مرتب ہونا چاہئے، تو اس میں قبر و غیر قبر سب برابر ہے، قبر کی مٹی میں مذکورہ بالا مفاسد ہیں، اس لئے غیر قبر کو مٹی سے وہ فائدہ حاصل کرلیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/ ذیقعدہ/ ۵۵ھ۔

قبر کی مٹی تبرکاً لیجانا

سوال [۴۲۴۹]: اگر کوئی شخص بزرگوں کی قبر پر سے مٹی اٹھا کر کے تبرکاً اپنے پاس رکھے تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر شقِ ثانی ہو تو ممانعت کی وجہ کیا ہے؟ اگر شقِ اول ہے تو قرآن وحدیث سے ثبوت ہونا چاہئے۔ اور اگر کوئی بزرگوں کے مزار سے مٹی لے بھی آوے تو اس کو کیسی جگہ پر ڈالنا چاہئے؟ عام راستہ میں پھینک دینا درست ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

شبیر علی متعلم مدرسہ ہذا، ۷/صفر/۵۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان وقف سے مٹی اٹھا کر لانا ناجائز ہے، لأنه وقف (۱) اور اپنے مملوک قبرستان سے مٹی اٹھا کر لانا جائز ہے لأنه ملكه۔ البتہ تبرکاً کسی بزرگ کی قبر سے مٹی لانا اور اپنے پاس رکھنا امرِ محدث ہے، میت جب خاک بن جائے تو قبر کی جگہ بشرطیکہ مملوک ہو، کھیتی کرنا درست ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قبر کی مٹی کا کوئی خاص احترام شریعت نے نہیں بتایا، بلکہ میت کا احترام بتایا ہے، لہٰذا اس مٹی کو عام راستہ میں پھینکنا بھی درست ہے۔ اگر

(۱) "فإذا تم (أي الوقف) ولزم، لا يُملَك ولا يُملّك ولا يعار ولا يرهن". (الدر المختار). "أي لا يكون مملوكاً لصاحبه، ولا يملك: أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه". (رد المحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۲، سعيد)

عالم کسی قبر کی مٹی کوتبرکاً لاکر اپنے پاس رکھے گا تو جاہل قبر کوسجدہ کرنے سے دریغ نہ کریگا، لہٰذا اجتناب چاہئیے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۲/۵۴ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/صفر/۵۴ھ۔

قبرستان کی مینڈھ باندھنے کے لئے وہاں کی مٹی لینا

سوال [۴۲۵۰]: قبرستان کی مینڈھ باندھنا چاہتے ہیں، مگر مینڈھ میں بعض جگہ مٹی قبر پر سے اٹھانی پڑتی ہے، اگر مینڈھ چاروں طرف کی نہ باندھی گئی تو مویشی پیشاب پاخانہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے قبرستان کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ اس حال میں مینڈھ باندھنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ضرور مینڈھ باندھ کر حفاظت کردیں لیکن مٹی قبروں کے آس پاس سے یا کسی دوسری جگہ سے لے لیں، قبروں کی مٹی نہ اتاریں، ایسا نہ ہو کہ قبریں کھل جائیں، ہاں اگر قبروں پر مقدارِ شرع سے زائد مٹی ہو تو اس کو اتار سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۷/ ۸۸ھ۔

قبر کھود کر میّت کو دیکھنا اور ایصال ثواب کا طریقہ

سوال [۴۲۵۱]: میرے لڑکے کا بعمر دس سال انتقال ہوگیا جس سے بہت صدمہ ہے، مرحوم کی طرف سے کیا کام کیا جائے جس سے اس کے درجات بلند ہوں اور آخرت میں وہ ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت

---

(۱) "ويهال التراب عليه، وتكره زيادة عليه من التراب؛ لأنه بمنزلة البناء الخ". (الدر المختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۶، رشيديه)

"(ويهال التراب) سترا له، و يكره أن يزاد على التراب الذى أخرج من القبر؛ لأن الزيادة عليه بمنزلة البناء". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۰، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

بنے۔ ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی کرنا کیسا ہے؟ اگر بچہ کی قبر کھول کر دیکھ لوں تو کچھ اطمینان ہوجائے گا، اس خیال سے میت دکھلا دی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ مرحوم کی قبر پر قرآن پاک بلند آواز سے سنانے میں کچھ حرج تو نہیں، مرحوم کی قبر پر تاریخ وفات لکھوانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دس سال کا بچہ معصوم ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں، اس کے لئے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی ضرورت نہیں، تاہم جو کچھ ثواب پہنچایا جائے گا وہ رفعِ درجات کا سبب بنے گا(۱)۔ قبر کھود کر صورت دیکھنے کی اجازت نہیں، ایسا کرنا حرام ہے(۲)، صبر میں بڑا اجر ہے(۳)۔ میت کو ثواب پہنچانے کے لئے غرباء

---

(۱) "(ولایستغفر فیها لصبی ومجنون) ومعتوه لعدم تکلیفهم .... وقد قالوا: حسنات الصبی له، لالأبویه، بل لهما ثواب التعلیم". (الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۱۵، سعید)

"وتصح عباداته (أی الصبی) وان لم تجب علیه، واختلفوا فی ثوابها، والمعتمد أنه له وللمعلم ثواب التعلیم، وكذا جمیع حسناته". (الحموی شرح الأشباه والنظائر، الفن الثالث، أحكام الصبیان: ۳/۲۲، ادارة القرآن، كراچی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (أحکام الصغار علی هامش جامع الفصولین، فی مسائل الکراهیة: ۱/۱۴۸، اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی)

(۲) "مات ولدها فی غیر بلدها وهی لاتصبر، فأرادت أن تنبش، لایجوز، ویترک هناک". (الفتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی العالمكیریة، كتاب الصلاة، الخامس والعشرون فی الجنائز، نوع آخر ذهب إلی المصلی الخ". : ۴/۸۱، رشیدیه)

"(قوله ولاینبش لیوجه): أی لودفن مستدبراً لها وأهالوا التراب لاینبش؛ لأن التوجه إلی القبلة سنة والنبش حرام". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۶، سعید)

"ولووضع المیت لغیر القبلة، أوشقه الأیسر، أوجعل رأسه موضع رجلیه، وأهیل علیه التراب، لم ینبش". (الفتاویٰ العالمكیریة، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۷، رشیدیه)

(وكذا فی البحرالرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۳۹، رشیدیه)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿یاأیهاالذین اٰمنوا استعینوا بالصبر والصلوة، إن الله مع الصٰبرین﴾ (سورة البقرة: ۱۵۳) =

کوکھانا کھلانا بھی درست ہے، کپڑے وغیرہ ضرورت کی چیز دینا بھی درست ہے (۱)، مگر جو کچھ ہو، اخلاص کے ساتھ ہو، ریا وفخر کے طور پر نہ ہو۔ قرآن پاک پڑھوا کر پڑھنے والوں کی دعوت کرنا درست نہیں، یہ قرآن خوانی کی اجرت کے درجہ میں ہے اس سے ثواب نہیں ہوگا (۲)۔ کسی بڑے بزرگ کی قبر پر پتھر پر نام کندہ کرا کے لگانے کی

= "عن محمد بن خالد السلمي عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن العبد إذا سبقت له من الله منزلة لم يبلغها بعمله، ابتلاه الله في جسده أو في ماله أو في ولده، ثم صبره على ذلك، حتى يبلغه المنزلة التي سبقت من الله". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض: ۱/۱۳۷، قديمي)

(۱) "إن سعد بن عبادة رضي الله تعالى عنه توفيت أمه وهو غائب عنها فقال: يارسول الله! إن أمي توفيت وأنا غائب عنها أينفعها شئ إن تصدقت به عنها قال: "نعم" قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب: إذا قال: أرضي وبستاني صدقة لله عن أمي فهو جائز: ۱/۳۸۶، قديمي)

"صرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها.......... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شئ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

"والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن، كراچي)

(۲) "عن عبادة بن الصامت رضي الله تعالىٰ عنه قال: علّمتُ ناساً من أهل الصفة القرآن والكتاب، فأهدى إليّ رجلٌ منهم قوساً، فقلت: ليست بمال، وأرمي عليها في سبيل الله، لآتينّ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فلأسئلنّه، فأتيته فقلت: يارسول الله! رجل أهدى إليّ قوساً ممن كنت أعلّمه الكتاب والقرآن وليست بمال وأرمي عنها في سبيل الله تعالى، قال: "إن كنت تحب أن تطوق طوقاً من نار فاقبلها". (سنن أبي داؤد، كتاب الإجارة، باب كسب المعلم: ۲/۱۲۹، إمداديه) .... =

گنجائش ہے(۱) تاکہ زیارت کے لئے جولوگ دور دور سے آتے ہیں ان کو دشواری نہ ہو، وہ خود ہی پہچان لیں، بچے کی قبر پراس کی ضرورت نہیں، بہت سے بہت درخت کا پودا قریب ہی لگادیں۔قبر کے قریب قرآن پاک تلاوت کرنے سے میت کو اُنس ہوگا(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۸۹ھ۔

= "واتخاذالدعوة لقرأة القرآن، وجمع الصلحاء والقرآء للختم، أولقرأة سورة الأنعام أوالإخلاص، والحاصل أن اتخاذ الطعام عند قراء ة القرآن لأجل الأكل يكره .... هذه الأفعال كلهاللسمعه والرياء، فيحترزعنها؛ لأنهم لايريدون بهاوجه الله". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة،مطلب فی كراهة الضيافة من أهل الميت: ۱/۲۴۰ سعيد)

"ونصه أقول: المفتى به جواز الأخذ استحساناً على تعليم القرآن لاعلى القراء ة المجردة، كماصرح به فی التاتارخانية قال: لامعنى لهذه الوصية ولصلة القاری بقراء ته؛ لأن هذابمنزلة الأجرة، والإجارة فی ذلک باطلة". (رسائل ابن عابدين، رسالة شفاء العليل وبل الغليل الخ، ص:۱۶۸، سهيل اكيڈمی، لاهور)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (تنقيح الفتاوی الحامدية، كتاب الإجارة، مطلب فی حكم الاستئجار على التلاوة: ۲/۱۳۷، مطبع ميمنيه مصر)

(۱) "لابأس بالكتابة إن أحتيج إليهاحتى لايذهب الأثر ولايمتهن". (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

"وإن احتيج إلى الكتابة حتى لا يذهب الأثر و لا يمتحهن، فلا بأس به". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۰، رشيديه)

(۲)"عن عمروبن العاص رضی الله تعالىٰ عنه، قال لابنه -وهوفی سياق الموت-: إذاأنامتُ فلا تصحبنی نائحة ولانار. فإذا دفنتمونی، فشنواعلی التراب شناً، ثم أقيمواحول قبری قدر ماينحر جزورويقسم لحمهاحتى أستأنس بكم، وأعلم ماذا أراجع به رسل ربی". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الجنائز،باب دفن الميت الفصل الثالث: ۱/۱۴۹،قديمی)

"وإن قرأ القرآن عند القبور إن نوى بذلک أن يُونسهم صوت القرآن فإنه يقرأ". (فتاویٰ قاضی خان على هامش الفتاوی العالمكيرية،كتاب الحظر والإباحة، فصل فی التسبيح والتسليم والصلوٰة على النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ :۳/۴۲۲،رشيديه)

قبر میں نوٹ وغیرہ گر گیا اس کے لئے قبر دوبارہ کھولنا

سوال[۴۲۵۲]: قبر کے اندر میت کے دفن کرتے وقت کچھ قیمتی چیز نوٹ وغیرہ گری تو پھر دوسرے دن قبر کو کھودنا اور اس کو ادھر ادھر سے دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نوٹ وغیرہ جو چیز قبر میں غلطی سے رہ گئی ہو، اس کو احتیاط سے نکالنے کی اجازت ہے، میت کو ہرگز نہ ہلائیں نہ اس کا کفن کھول کر دیکھیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

بہادر شاہ ظفر مرحوم کی قبر کی منتقلی

سوال[۴۲۵۳]: ہندوستان کے آخری تاجدار مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر مرحوم کو انگریزوں نے ظلماً ہندوستان سے جلاوطن کیا اور ان کو رنگون میں نظر بند کیا، وہاں ان کا اب سے ڈیڑھ سو برس پہلے انتقال ہوا، اور وہیں ان کو دفن کر دیا گیا، اب کچھ مسلم زعماء گورنمنٹ ہند کی مدد سے ان کو ہندوستان منتقل کرنا چاہتے ہیں اس مسئلہ میں حسب ذیل امور کی طرف بھی جناب کی توجہ مبذول کرانا مناسب ہوگا:

---

(۱) "عن بجير بن أبي بجير قال: سمعت عبدالله بن عمرورضی الله تعالیٰ عنهما يقول :سمعت رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يقول :حين خرجنا معه إلى الطائف، فمررنابقبر، فقال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "هذاقبر أبي رغال .... وآية ذلک أنه دفن معه غصن من ذهب، إن أنتم نبشتم عنه أصبتموه معه، فابتدره الناس فاستخرجوا الغصن". (سنن أبي داؤد، كتاب الخراج والفئ والإمارة، باب نبش القبور العادية: ۲/۸۴، إمدادية)

"ولو دفن بثوب أودرهم للغير .... يخرج منه". (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ۶۰۵ سهيل اكيڈمی، لاهور)

"وأشار بكون الأرض مغصوبةً إلى أن يجوز نبشه لحق الآدمي، كما إذا سقط فيهامتاعه ......ولوكان المال درهما". (كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنازة : ۲/۲۳۸، سعيد)

۱......ان کو دفن ہوئے اتنا عرصہ گذر چکا ہے کہ فقہاء کی تصریحات کی بناء پر ان کی قبر پر کھیتی اور تعمیر مکان جائز ہے۔

۲......قرنِ اول میں بعض شہدائے احد کو اور ۱۹۳۰ء میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی قبروں کے منتقل کئے جانے کا فتویٰ علماء نے اس بنیاد پر دیا کہ یہ قبریں پانی کے بہاؤ کی زد میں آ گئی تھیں۔

۳...... بہادر شاہ ظفر کی قبر کو ہندوستان میں منتقل کرنا اسلام اور مسلمانوں کی شوکت کا باعث ہے اور ہندوستان میں ایک اسلامی اثر کا قیام ہے۔

۴...... بہادر شاہ ظفرؒ کی یہ خود آرزو تھی کہ وہ ہندوستان میں مدفون ہوں، جیسا کہ ان کے بعض اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

۵......اس منتقلی کی یہ صورت نہ ہوگی کہ قبر کو کھود کر ان کی ہڈیاں نکالی جائیں اور وہ منتقل کی جائیں، بلکہ اب ایسے آلات ایجاد ہوئے ہیں کہ اس کے ذریعے پوری قبر اصل حالت میں مع کچھ اطراف کے منطقۂ زمین کے منتقل ہو سکے گی۔

۶......حضرت یوسف علیہ السلام کی وصیت کے مطابق ان کے تابوت کو مصر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام شام لے کر آئے۔

۷......حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہیدِ اُحد کو ان کی قبر سے نکال کر جنت البقیع میں دفن کیا۔

الجواب حامداً مصلیاً:

۱......قبر کا احترام لازم ہے، لیکن جب قبر میں میت باقی نہ رہے مٹی بن جائے تو اس کا حکم بدل جاتا ہے، احترام لازم نہیں رہتا، وہاں تعمیر و زراعت کی اجازت ہو جاتی ہے(۱)۔ بہادر شاہ ظفر مرحوم کی قبر کو منتقل کرنے کیلئے

(۱) "ولو بلی المیت وصار تراباً، جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه". (تبیین الحقائق، کتاب الصلاة، باب الجنائز، : ۱/ ۵۸۹، دار الکتب العلمیة بیروت)

"جاز زرعه والبناء علیه إذا بلی وصار تراباً، زیلعی". (الدر المختار، باب الصلاة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲/ ۲۳۸، سعید) .... =

وجہِ جواز اگر نمبر:۱ کو تجویز کیا جائے تو نمبر:۲، ۶، ۷، کی طرف توجہ مبذول کرانا بے محل اور بے سود ہے، کیونکہ شہداء اورانبیاء علیہم السلام کا جسم محفوظ رہتا ہے اس کو زمین نہیں کھاتی (۱)۔ نمبر:۵ کا ذکر بےضرورت ہے۔

نمبر:۴ کیلئے وجہِ جواز کیا ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ کسی نے وصیت کی کہ مجھے فلاں جگہ دفن کیا جائے تو وصیت باطل ہے، قابلِ نفاذ نہیں: "وکذا تبطل (أی الوصیة) لوأوصی بأن یکفن فی ثوب کذا أوید فن فی موضع کذا". شامی: ۱/۱ ۵۹ (۲)۔ یہاں تو وصیت بھی نہیں ہے، محض اشعار سے آرزو مستفاد ہے۔

=(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۷، رشیدیه)

(۱) "وعن أوس بن أوس رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول صلی الله علیه وسلم: "إن من أفضل أیامکم یوم الجمعة، فیه خلق آدم، وفیه قبض، وفیه النفخة، وفیه الصعقة، فأکثِروا علیّ من الصلاة فیه، فإن صلاتکم معروضة علیّ". قال: قالوا: یارسول الله! -صلی الله علیه وسلم- وکیف تعرض صلاتنا علیک وقد أرمت؟ قال: یقولون بلیت، فقال: "إن الله عزوجل حرّم علی الأرض أجساد الأنبیاء". (سنن أبی داؤد، باب تفریع أبواب الجمعة: ۱/۱۵۷، إمدادیه)

"(إن الله حرم علی الأرض)": أی منعها، وفیه مبالغة لطیفة "(أجساد الأنبیاء)": أی من أن تأکلها، فإن الأنبیاء فی قبور هم أحیاء. قال الطیبی: فإن قلت: ماوجه الجواب بقوله: إن الله حرم علی الأرض أجساد الأنبیاء، فإن المانع من العرض والسماع هوالموت وهوقائم؟ قلت: لاشک أن حفظ أجسادهم من أن ترم خرق للعادة المستمرة، فکما أن الله تعالی یحفظهامنه .... ویحصل لبعض ورّاثهم من الشهداء والأولیاء والعلماء الحظ الأوفی بحفظ أبدانهم الظاهرة". (مرقاة المفاتیح، کتاب الصلاة، باب الجمعة، الفصل الثانی، (رقم الحدیث: ۱۳۶۱): ۳/۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، رشیدیه)

"لماروی أن یعقوب صلوات الله علیه الخ، مانصه أن ذلک شرع من قبلنا، ولم تتوفر فیه شروط کونه من شرعنا، ولأن أجساد الأنبیاء علیهم السلام أطیب مایکون حال الموت کالحیاة والشهداء کسعد رضی الله تعالیٰ عنه لیسوا کغیرهم من جیفتهم أشد نتناً من جیفة البهائم فلایلحق".

(حاشیة الطحطاوی، أحکام الجنائز، فصل فی حملهاودفنها، ص: ۶۱۴، قدیمی)

(وکذا فی رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۹، سعید)

(۲) (رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب: تعظیم أولی الأمر واجب: ۲/۲۲۱، سعید) .... =

اسلام اور مسلمانوں کی شان وشوکت تو اسلام کا جھنڈا سر بلند کرنے اور احکامِ اسلام کو غالب کرنے میں ہے، پرانی ہڈیوں یا ہڈیوں کی مٹی منتقل کرنے میں نہیں، بلکہ اس میں اندیشہ تو یہ ہے کہ اس مٹی کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو دیگر معظم قبور کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ اس پر چراغ جلائیں گے، غلاف چڑھائیں گے، طواف کریں گے، سجدہ کریں گے، شاہی آداب بجالائیں گے، قبہ اور گنبد بنائیں گے وغیرہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ ان امور سے اسلام کی خلاف ورزی ہوگی نہ کہ شوکت میں اضافہ، لہذا نمبر:۳ بھی وجۂ جواز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/۹۵ھ۔

میت کو بعد دفن منتقل کرنا، بہادر شاہ ظفر سے متعلق

سوال[۴۲۵۴]: حضرت محترم دامت برکاتہم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج اقدس!

جنرل شاہ نواز کے خط کی نقل ہمرشتہ ہے اس سلسلہ میں بات خاص طور سے قابل توجہ ہے کہ حضرت

= "ولو أوصى بأن يحمل بعد موته إلى موضع كذا ويدفن هناك .... ووصيته بالحمل باطل". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الثاني في بيان الألفاظ التي تكون وصيةً والتي لاتكون الخ: ۹۵/۲، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الوصايا: ۶/ ۶۶۶، سعيد)

(۱) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن تجصيص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنى عليها". (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل: النهي عن تجصيص القبور والقعود والبناء عليها: ۳۱۲/۱، قديمي)

قال الإمام النووي رحمه الله تعالىٰ تحته: "وفي الحديث كراهة تجصيص القبر وأن يبنى عليه .... هذا مذهب الشافعي وجمهور العلماء". (المصدر السابق لمسلم)

"عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ يكره أن يبنى بناء من بيت أوقبة أونحو ذلك، لماروى جابر رضي الله تعالىٰ عنه: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ۲۳۷/۲، سعيد)

" لايجوز التجصيص عند أحد ولاالبناء". (العرف الشذي على هامش الترمذي، أبواب الجنائز، باب كراهية تجصيص القبور والكتابة عليها: ۲۰۲/۱، سعيد)

وانظر للتفصيل: (الفصل السادس من هذا الباب، عنوان: "قبر پر قبر بنانا"ص:۱۵۳)

مولانا ابوالکلام آزاد اور مجاہدِ ملت مولانا حفظ الرحمان صاحب کی زندگی میں بھی یہ مسئلہ آیا تھا، ان حضرات کا خیال تھا کہ منتقل کرنے کی صورت یہ ہونی چاہیئے کہ قبر کو کھودنے اور لحد کو کھولنے کے بجائے پوری اٹھائی جائے، یعنی قبر کے چاروں طرف سے دو ڈھائی گز تک زمین کھود کر یہ پورا ٹکڑا جس میں لحد اور قبر ہے اس طرح اٹھالیا جائے جیسے بڑے درخت کا پینڈا اٹھایا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس صورت میں بھی وہی حکم ہوگا جو لحد کھولنے اور جنازہ کو اس سے نکالنے کا ہوتا ہے، بینوا توجروا۔ انشاء اللہ۔

نیاز مند محتاج دعا (حضرت مولانا) محمد میاں، ۴/ جمادی الآخر/ ۸۳ھ۔

۳۔ صفدر جنگ روڈ، نئی دہلی، مورخہ، ۱۷/ اکتوبر/ ۶۳ء۔

شاہنواز کا خط

محترم جناب مولانا صاحب مدظلہ السلام علیکم۔

۷/ نومبر/ ۶۳ھ، کو چھ بجے شام لال قلعہ دہلی میں جناب بہادر شاہ ظفر کی برسی منائی جارہی ہے جس کی رسمِ افتتاح جناب جواہر لال نہرو فرمارہے ہیں، اس موقعہ پر یہ سوال بھی اٹھے گا کہ بہادر شاہ ظفر کی قبر کو رنگون سے دہلی کے لال قلعہ میں منتقل کیا جائے، یہ وہ حسرت ہے جس کو اپنے دل میں لئے ہوئے حضرت ظفر نے وفات پائی، یہ حسرت ان کے اس شعر سے صاف ظاہر ہوتی ہے کہ جس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ ؎

دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

۴۳ء میں جنگِ آزادی کے دوران نیتا جی سبھاش چندر بوس پہلی مرتبہ رنگون گئے تو انہوں نے شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے مزار کے اوپر کھڑے ہو کر ان کی یہ نظم دہرائی تھی ؎

غازیوں میں بو رہے گی جب تلک ایمان کی

تخت لندن تک چلے گی تیغ ہندوستان کی

نیتا جی سبھاش چندر بوس نے وعدہ فرمایا تھا کہ میں سبھاش چندر بوس آپ کے سامنے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں ہندوستان کی تلوار لندن تک چلاؤں گا اور جو کام جنگِ آزادی کا آپ نے شروع کیا ہے، اس کو پایہ تکمیل تک پہنچاؤں گا۔ اس موقعہ پر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب ہندوستان آزاد ہوگا اور دہلی کے لال قلعہ کے اوپر ''یونین جیک'' کی جگہ ترنگا جھنڈا لہرائے گا تب آپ کو جنگِ آزادی کے شہنشاہ کی حیثیت سے پوری شان

وشوکت کے ساتھ دیس واپس لایا جائے گا۔ ظفر کمیٹی کی خواہش ہے کہ نیتاجی سبھاش چندر بوس کے اقرار کو پورا کیا جائے اور شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے مزار کو دہلی کے لال قلعہ میں لایا جائے اور اس کے اوپر ایک شاندار مقبرہ تعمیر کیا جائے۔ ممبران کمیٹی یہ جاننا چاہتے ہیں کہ دینی نقطہ نگاہ سے مزار کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟ میں بہت مشکور ہوں گا کہ اگر آپ مجھے اس کا جواب دوسرے علمائے کرام سے مشورہ کر کے جلد از جلد دیں۔

زیادہ آداب، آپ کا مخلص (دستخط) شاہنواز خان۔

الجواب حامداًومصلياً:

اصل بات یہ ہے کہ آدمی کا جس بستی میں انتقال ہوا اسی بستی میں اس کو دفن کیا جاوے، اگر اس نے وصیت کی ہو کہ مجھ کو فلاں جگہ دفن کرنا تو اس وصیت پر عمل کرنا لازم نہیں، شرعاً یہ وصیت باطل ہے(۱)۔ "يندب دفنه في جهة موته: أي في مقابر أهل المكان الذي مات فيه أوقتل". شامی (۲)۔

---

(۱) "أوصى بأن يصلي عليه فلان أويحمل بعد موته إلى بلد آخر أويكفن في ثوب كذا .... فهي باطلة". (الدرالمختار، كتاب الوصايا: ۶/ ۶۶۶، سعيد)

"ولو أوصى بأن يحمل بعد موته إلى موضع كذا ويد فن هناك .... ووصيته بالحمل باطلة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الثاني في بيان الألفاظ التي تكون وصيةً والتي لاتكون الخ: ۶/۹۵، رشيديه)

"وإذاأوصى بأن ينقل إلى بلد آخر، لاتنفذ وصيته، فإن النقل حرام على المذهب الصحيح المختار الذي قاله الأكثرون وصرح به المحققون". (الأذكار للنووي، باب وصية الميت أن يصلي عليه إنسان بعينه أويد فن على صفة مخصوصة وفي موضع مخصوصة الخ، ص: ۱۱۶، دار ابن حزم بيروت)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلاة، صلاة الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۹، سعيد)

"القتيل أوالميت يستحب لهما أن يدفنا في المكان الذي قتل أومات فيه في مقابر أولئك القوم، الخ". (البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/ ۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: كتاب الصلاة، الباب الحادي العشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل: ۱/۱۶۷، رشيديه)

حضرت عبد الرحمان ابن ابی بکر کوانتقال کے بعد دوسرے مقام پر لیجا کر دفن کیا گیا، جہاں انتقال ہوا وہاں دفن نہیں کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک سفر میں جاتے ہوئے جب ان کی قبر میں پر گذریں تو فرمانے لگیں کہ اگر میرا بس چلتا تو تم یہاں دفن نہ کئے جاتے بلکہ جہاں انتقال ہوا تھا وہیں دفن ہوتے (۱)۔ تاہم اس مسئلہ میں اتنی تنگی نہیں، امام محمد رحمہ اللہ نے میل دو میل کو مقامِ وفات سے حسبِ مصالح دور لیجا کر دفن کرنے کی بھی گنجائش بتائی ہے:

"ولا بأس بنقله قبل دفنه قيل: مطلقاً، وقيل: إلى مادون السفر. وقيده محمد رحمه الله تعالىٰ بقدر ميل أوميلين؛ لأن مقابر البلد ربمابلغت هذه المسافة، فيكره فيمازاد. قال في النهر عن عقد الفرائد: هوالظاهر". شامی (۲)۔ لیکن دفن کے بعد منتقل کرنے کی اجازت نہیں دی: "وأمانقله بعد دفنه، فلامطلقاً". شامی (۳)۔

---

(۱) "عن ابن أبي مليكة، قال: لماتوفي عبد الرحمان ابن أبي بكر رضي الله تعالىٰ عنه بالحبشي وموضع فحمل إلى مكة، فدفن بها، فلماقدمت عائشه رضي الله تعالىٰ عنها أتت قبر عبد الرحمان بن أبي بكر رضي الله عنه، فقالت:

كـنـا كـنـدمـانـيْ جـزيـمـةَ حقبةً من الدهر حتى قيل لن يتصدّعا

فـلـمـا تـفـرّقـنـا كـأنـي ومـالـكـاً لطول اجتماعٍ لم نَبِتْ ليلة مَّعا

ثم قالت: والله لوحضرتك مادفنت إلاحيث متّ، ولوشهدتك مازرتك". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثالث: ۱/۱۴۹، قديمى)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۱/۵۸۸، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) (الدر المختار مع ردالمحتار، باب الجنائز: ۲/۲۳۹، سعيد)

"وإن نقل قبل دفن إلى قدر ميل أوميلين، فلابأس .... ولاينبغي إخراج الميت من القبر بعد مادفن الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ، ۱/۱۶۷، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، ۳۴۲، رشيديه)

(۳) (الدر المختار، المصدر السابق)

طحطاوی نے دفن کے بعد منتقل کرنیکی تین صورتیں لکھی ہیں: ایک یہ کہ میت کوکسی غیر کی زمین میں بغیر اجازتِ مالک دفن کردیا گیا، جس سے وہ حصۂ زمین غصب ہوگیا اور مالک کسی طرح میت کے یہاں رہنے پر رضامند نہیں ہے بلکہ اس کے نکالنے پر مصر ہے تو ایسی حالت میں مجبوراً دوسری قبر میں منتقل کردیا جائے، یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔ دوسری صورت کہ میت کو دوسرے قبرستان میں منتقل کرنا مقصود ہے، (خواہ میت کی عظمت ومحبت کی وجہ سے یا اس کی تمنا اور وصیت کی خاطر) یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ میت کی قبر پر پانی غالب آجائے جس سے میت محفوظ نہ رہ سکے اس صورت میں بعض حضرات نے میت کو منتقل کرنیکی اجازت دی ہے، بعض نے منع کیا ہے (۱)۔

واقعہ مسئولہ دوسری صورت میں داخل ہے جو کہ بالاتفاق ناجائز ہے، یہ تاویل کہ دوڈھائی گز زمین کھود کر اٹھالی جائے کارآمد نہیں، کیونکہ اصل مقصود نعش کو منتقل کرنا ہے اور جو کچھ مٹی ساتھ آئے گی وہ نعش کے تابع ہوکر منتقل ہوگی جس طرح کے میت کے ساتھ کفن، تابوت ہو کہ وہ تابع میت ہے نہ کہ مقصود اصل، لہٰذا اس منتقل کرنے کو بھی کہا جائے گا کہ میت کو منتقل کیا گیا ہے، یہ نہیں کہا جائے گا کہ قبر کی مٹی منتقل کرکے لائے ہیں، پھر دہلی لاکر شاندار مقبرہ تعمیر کیا جائے گا، یہ بناء علی القبر ہے جس کی حدیث پاک میں ممانعت آئی ہے (۲) اور فقہاء نے اس کو حرام لکھا ہے: " وفی الشرنبلانی عن البرهان: یحرم البناء علیه للزینة ویکره للإحکام بعد

---

(۱) "النقل بعد الدفن علی ثلاثة أوجه، فی وجه یجوز بالاتفاق، وفی وجه لایجوز بالاتفاق وفی وجه اختلاف: أما الأول فهو إذا دفن فی أرض مغصوبة أو کفن فی ثوب مغصوب ولم یرض صاحبه إلا بنقله عن ملکه أو نزع ثوبه، جاز أن یخرج منه، جاز بالاتفاق. وأما الثانی فکالأم إذا أرادت أن تنظر إلی وجه ولدها أو نقله إلی المقبرة أخری، لایجوز بالاتفاق. وأما الثالث إذا غلب الماء علی القبر، فقیل: یجوز تحویله، الخ". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب أحکام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص: ۶۱۵، قدیمی)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، باب الجنائز: ۲/۲۳۸، سعید)

(وکذافی البحر الرائق، باب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، رشیدیه)

(۲) "أنه سمع جابراً رضی الله تعالیٰ عنه یقول: سمعت النبی صلی الله علیه وسلم نهی أن یقعد علی القبر إن یقصص ویبنی علیه". (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز. باب فی البناء علی القبر: ۲/۱۰۴، امدادیه)

الدفن". طحطاوی(۱)۔

تنبیہ: شہنشاہ کا لفظ غیر اللہ کیلئے استعمال کرنا جائز نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

دفن کے بعد میت نے خواب میں کہا کہ ''میں زندہ ہوں'' تو کیا اس کو نکالا جائے؟

سوال[۴۲۵۵]: ایک لڑکا تقریباً ۲۳/سال عمر کا رمضان المبارک میں سحری کھا کر نماز کے لئے مسجد جارہا تھا کہ راستہ میں وہ گر گیا، ایسا معلوم ہوا کہ اس کو دورہ ہو گیا ہے، کیونکہ اس سے پہلے بھی اس کو دو مرتبہ دورے پڑے تھے اور وہ راستہ میں ایسی حالت میں تھا جیسے سجدہ کر رہا ہو۔اس کے وارثین کو اطلاع دی گئی اور پھر ڈاکٹروں کو دکھلایا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ ختم ہو چکا ہے، لیکن اس کے بشرے اور چہرے و ہیئت سے مُردنی کے آثار آٹھ گھنٹے تک معلوم نہیں ہوئے، بعدہ اس کو دفن کر دیا گیا۔رات کو اس کی ہمشیرہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہا ہے میں تو زندہ ہوں، مجھے کیوں دفنا دیا، میں تو نجیب آباد گیا تھا اور دیکھا کہ مسجد کی طرف سے زندہ اپنی قبر کی طرف آرہا ہے وغیرہ ذلک۔اب اقرباء کا کہنا ہے کہ اس مسئلہ میں علماء سے رجوع کریں، مرحوم نہایت پابندِ صوم و صلوۃ تھا۔دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اسے قبر کھود کر نکال لیا جائے یا نہیں؟ جواب سے ممنون فرمائیں۔

المستفتی: حشمت اللہ خان، محلّہ احمد تیل کردو، ضلع بجنور(یوپی)۔

---

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب أحکام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص: ۶۱۱، قدیمی)

"(قوله: ولا یرفع علیه بناء): أی یحرم لو للزینة". (ردالمحتار، باب الجنائز، مطلب فی دفن المیت: ۲/۲۳۷، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، الجنائز، فصل: وأماسنن الدفن: ۲/۶۵، رشیدیه)

(۲) "عن أبی هریرة رضی الله تعالی عنه یبلغ به النبی صلی الله علیه وسلم، قال: "أخنع اسم عند الله یوم القیامة رجلٌ تسمی بملک الأملاک". قال سفیان: "شاهان شاه" هذاحدیث صحیح، وأخنع یعنی أقبح". (جامع الترمذی، أبواب الاستیذان والأدب، باب ماجاء مایکره من الأسماء: ۲/۱۱۱، سعید)

(وکذا فی زاد المعاد لابن قیم الجوزیة، فصل فی هدیه صلی الله علیه وسلم فی الأسماء والکنی، ص: ۳۴۹، دارالفکر، بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب ماہر ڈاکٹر نے دیکھ کر تجویز کردیا کہ موت واقع ہوگئی ہے اور اس یقین کے ساتھ اس کو دفن کیا گیا تو محض خواب کی بنا پر قبر کھودنے کی اجازت نہیں، کذا فی الشامی (۱)، خواب شرعی حجت نہیں (۲) کہ اس کا

---

(۱) "لو دفن مستدبراً لها و أهالوا التراب، لا ينبش؛ لأن التوجه إلى القبلة سنة والنبش حرام". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنازة : ۲/۲۳۸، سعيد)

"و لو وضع الميت لغير القبلة أو على شقه الأيسر أو جعل رأسه موضع رجليه وأهيل على التراب، لم ينبش". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن والنقل : ۱/۱٦۷، رشيديه)

(۲) "إن أباقتادة الأنصاى رضى الله تعالىٰ عنه –وكان من أصحاب النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و فرسانه– قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الرؤيا من الله، والحلم من الشيطان". الحديث". (صحيح البخارى، كتاب التعبير، باب الحلم من الشيطان : ۲/۱۰۳۷، قديمى)

"الصحيح ماعليه أهل السنة أن الله يخلق فى قلب النائم اعتقادات كما يخلقها فى قلب يقظان، فإذا خلقها فكأنه جعلها علماً على أمور أخرى يخلقها فى ثانى الحال، ومهما وقع منها على خلاف المعتقد، فهو كما يقع لليقظان، و نظيره أن الله خلق الغيم علامةً على المطر و قد يتخلف. وتلك الاعتقادات تقع تارةً بحضرة الملك فيقع بعدها ما يسر، أو بحضرة الشيطان فيقع بعدها ما يضر، والعلم عند الله تعالىٰ". (كتاب المنامات للشيخ عبد السلام، الفصل الثالث فى حقيقة الرؤيا، ص: ۵۹، دار المعرفة، بيروت)

"إن الله سبحانه يخلق فى قلب النائم اعتقادات كما يخلقها فى قلب اليقظان و هو سبحانه يخلق ما يشاء لا يمنعه نوم و لا يقظة، و قد جعل سبحانه تلك الاعتقادات عَلَماً على أمور يخلقها فى ثانى الحال، ثم إنّ مايكون علما على ما يسر يخلقه بغير حضرة الشيطان وما يكون علما على ما يضر يخلقه بحضرته، الخ". (روح المعانى، (سورة يوسف، پ: ۱۳، آيت : ۵) ۱۲/ ۱۸۱، دار إحياء التراث العربى، بيروت)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:(فتح البارى، كتاب التعبير، باب أول ما بدىء به رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ، (رقم الباب : ۹۱): ۱۲ /۴۳۷، قديمى)

یقین ضروری ہو۔ اچانک اس طرح موت واقع ہوجانے سے عامۂ تعجب بھی ہوتا ہے اور ذہنوں میں خیال رہتا ہے بسا اوقات اسی کے مطابق خواب نظر آجاتا ہے۔

اگر واقعتاً وہ زندہ دفن کردیا گیا اور خواب پر اعتماد ہے تو خواب میں اس نے یہ کہا میں تو نجیب آباد گیا تھا تو کیا وہ قبر سے نکل کر، یا بجائے قبر کے نجیب آباد گیا تھا۔ نیز اس کو خواب میں دیکھا کہ وہ مسجد کی طرف سے آرہا ہے اور اپنی قبر کی طرف جارہا ہے تو کیا وہ قبر سے نکل کر مسجد کی طرف گیا تھا۔ غرض یہ سب خیالات ہیں، ان کی بناء پر قبر نہ کھودی جائے گی اور ایک کھلی ہوئی ظاہری بات ہے کہ اتنی مٹی کے نیچے جہاں ہوا نہ ہو وہاں کوئی زندہ کیسے رہ سکتا ہے، اگر بطورِ خرقِ عادت کے محض قدرت خداوندی کی بنا پر وہ زندہ ہے اور حق تعالیٰ کو اس کو زندہ رکھنا منظور ہے تو اللہ پاک کو قدرت ہے کہ بغیر قبر کھودے اس کو خرقِ عادت کے طور پر باہر نکال کر بھیج دے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۰/ ۸۹ھ۔

پوسٹ مارٹم کے لئے قبر کھود کر میّت کو نکالنا

سوال[۴۲۵۶]: ۱...... کیا زہرخوانی وغیرہ کے معاملات میں نعش دفن ہوجانے کے بعد بغرضِ پوسٹ مارٹم نعش برآمد کرنے کی شرعاً ممانعت ہے؟ نعش کا پوسٹ مارٹم ایک وجہ ثبوت ہمچوقسم معاملات میں فراہم کرتا ہے۔

۲...... اگر ایسا ہو تو کیا پولیس کو نعش برآمد کرنے سے روکنا، اس کے خلاف احتجاجی کارروائی کرنا مسلمانوں پر واجب ہے؟ خواہ وہ سلسلہ میں مزاحمت سرکاری ملازم کی زد میں بھی آتے ہوں۔

۳...... کیا احترامِ قبر ومیت شرع میں اس حد تک رکھا گیا ہے کہ قصاصی کارروائی کے سلسلہ میں بھی اگر نعش برآمد کرنے کی قانوناً ضرورت ہو تو بھی نہ کی جائے۔

۴...... جو شخص پولیس میں اس مرگِ مفاجات کی رپورٹ کرتا ہے وہ کسی حکم شرعی کی خلاف ورزی کا ذمہ دار قرار دیا جاسکتا ہے اور کسی شرعی سزا کا مستوجب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... دفن کرنے کے بعد مذکورہ مقصد کے لئے نعش کو قبر کھود کر نکالنا شرعاً درست وجائز نہیں (۱)، نعش کو

---

(۱) "إذادفن بلاغسل أوصلوة أووضع على غير يمينه أوغير القبلة، فإنه لاينبش عليه بعد إهالة التراب".
(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۸، سعيد) .... =

چیرنا بھی جائز نہیں (۱)۔ زہر خوانی کا ثبوت مجرم کے اقرار یا گواہوں کے ذریعہ ہوسکتا ہے (۲)، پوسٹ مارٹم کے

= ولو وضع الميت لغير القبلة أو شقه الأيسر أو جعل رأسه موضع رجليه وأهيل عليه التراب، لم ينبش". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن الخ: ١/١٦٧، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ٢/٣٣٩، رشيديه)

(١) قال الله تعالىٰ: ﴿ولقد كرمنا بنى آدم وحملنهم فى البر والبحر﴾ الاية. (سورة الإسراء، پاره: ١٥، آية: ٧٠)

"عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "كسرُ عظم الميت ككسره حياً". (سنن أبى داؤد، كتاب الجنائز، باب فى الحفار يجد العظم هل يتنكب ذلك المكان: ٢/١٠٢، إمداديه)

"ولايجوز بيع شعور الإنسان ولاالانتفاع بها؛ لأن الآدمى مكرّم لامبتذل، فلايجوز أن يكون شيئ من أجزائه مهاناً ومبتذلاً .... والآدمى مكرم وإن كان كافراً، فإيراد العقد عليه وإبْداله به وإلحاقه بالجمادات إذلالٌ له". (فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ٦/٤٢٥، مصطفى البابى الحلبى، مصر)

(وكذا فى الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب الآدمى مكرم شرعاً ولوكافراً: ٥/٥٨، سعيد)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثامن عشر فى التداوى والمعالجات: ٥/٣٥٤، رشيديه)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: ١/٢٧٥، إدارة القرآن، كراچى)

(٢) "المرء مواخذ بإقراره". "يعنى إذا أقرّ الحر البالغ لزمه، أقره مجهولاً كان ما أقره أو معلوماً، وقد رجم -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- ماعزاً بإقراره أربع مرات". (القواعد الفقهية مع حاشية عميم الاحسان المجددى، رقم القاعدة: ٣١٤، ص: ١٢٠، الصدف پبلشرز)

"وهى (الشهادة) إخبار صدق لإثبات حق .... بلفظ الشهادة فى مجلس القاضى .... ونصابها للزنا أربعة رجال ليس منهم ابن زوجها، الخ". (الدرالمختار، كتاب الشهادات: ٥/٤٦١، ٤٦٤، سعيد)

"تنبيه: بقى طريق ثبوت الحكم: أى بعد وقوعه .... فقال: له وجهان، أحدهما: اعترافه حيث كان .... الثانى: الشهادة على حكمه بعد دعوى صحيحة". (ردالمحتار، كتاب القضاء: ٥/٣٥٤، سعيد)

ذریعہ جوثبوت ہووہ شرعی ثبوت نہیں اور ایسے ثبوت پر کسی کو مجرم قرار دے کر سزا دینے کا بھی حق نہیں۔

۲......ایسی صورت میں قانونی چارہ جوئی وکیلوں سے کی جاسکتی ہے، قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر مقابلہ کرنے کے نتائج بسا اوقات اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ ان کا تحمل دشوار ہوتا ہے اور ایسا فتنہ کھڑا ہوجاتا ہے جس کا خمیازہ بہت سے بے قصوروں کو بھگتنا پڑتا ہے۔

۳......اس کا جواب نمبر ایک میں آگیا ہے۔

۴......اخفائے واردات جرم ہے، اگر اس جرم سے بچنے کے لئے اطلاع کی ہے کہ اگر اطلاع نہ کرتا تو وہ مستوجبِ سزا ہوتا تب تو مضائقہ نہیں ہے(۱)، اگر اس تحفظ کے علاوہ دوسرا مقصد ہے کہ دوسروں کو بلاوجہ شرعی ذلیل کیا جائے تو یہ سخت معصیت ہے(۲)، اس نے قبر کی بھی بے حرمتی کی اور میت کی بھی بے حرمتی کی، اگر اقتدار اعلیٰ ایسے شخص کے ہاتھ میں ہو جو شرعی سزا دینے کا مجاز ہوتو وہ حسبِ صوابدید تعزیر کرسکتا ہے، ہر شخص کو تعزیر کا حق نہیں(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۷/۸۹ھ۔

---

(۱) "الضرورات تبيح المحظورات". (قواعد الفقه، رقم القاعدة: ۱۷۰، ص: ۸۹، الصدف پبلشرز)

(وكذا في شرح الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: ۱/۲۵۱، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في شرح المجلة، (رقم المادة: ۲۱): ۱/۲۹، مكتبه حنفية كوئٹه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ويل لكل همزة لمزة﴾. (سورة الهمزة، پاره: ۳۰)

قال ابن كثير تحتها: "الهماز بالقول واللمّاز بالفعل، يعني يزدري الناس وينتقص بهم". (تفسير ابن كثير: ۴/۵۴۸، سهيل اكيڈمی، لاهور)

"عن عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من ستر مؤمناً كان كمن أحيىٰ موءودة من قبرها". (مسند أحمد، أحاديث عقبة بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه، رقم الحديث، ۱۶۸۸۰: ۵/۱۴۳، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۳) "وعزر كل مرتكب منكر أو مؤذي مسلم بغير حق بقول أو فعل". (الدر المختار، كتاب الحدود، باب التعزير: ۴/۶۶، سعيد)

"قالوا: لكل مسلم إقامة التعزير حال مباشرة المعصية، وأما بعد المباشرة، فليس ذلک لغير الحاكم...........الأصل في وجوب التعزير أن كل من ارتكب منكراً أو آذى مسلماً بغير حق بقوله أو بفعله يجب التعزير، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۲/۱۶۷، ۱۶۸، رشيديه)

قبر پر کھیتی

سوال[۴۲۵۷]: زید کے باغ میں کوئی قبر تھی اس نے اس کو بذریعہ ہل کے بےنشان کردیا اور وہاں پر اناج بودیا، فرمایئے اس قبر کا اناج پیدا شدہ اس کے لئے کیا ہوگا، نیز قبر کا بےنشان کرنا شرعاً کیسا ہے؟

بندہ محمد یامین بہٹوی، ۳۰/ جمادی الثانیہ/ ۱۳۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ قبر اتنی پرانی تھی کہ اس میں میت مٹی بن چکی تھی تو اس میں ہل چلانے میں مضائقہ نہیں بلکہ وہاں کھیتی وغیرہ درست ہے(۱)، یا کسی نے بغیر زید کی اجازت کے زید کی زمین میں اپنے مردہ کو دفن کردیا تھا تب بھی زید کو جائز ہے کہ وہ اس جگہ کھیتی وغیرہ کرے (۲)۔ اور اگر خود کوئی زید کا مردہ تھا، یا زید کی اجازت سے اس میں دفن کیا گیا تھا تو زید کو اس مردہ کے اس قدر پرانا ہونے سے پہلے کہ مٹی ہوجائے اس جگہ کھیتی کرنا درست نہیں، تاہم وہاں کے اناج میں اس سے خرابی نہیں آتی، اس سے قبر کے بےنشان کرنے کا حکم بھی معلوم ہوگیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ ۷/ ۵۶ھ۔

---

(۱) "ولو بلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره فى قبره، وزرعه والبناء عليه". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

"ولو بلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره فى قبره، وزرعه والبناء عليه". (تبيين الحقائق، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دارالكتب العلميه، بيروت)

(وكذا فى الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۸، سعيد)

(۲) "(ولايخرج منه) بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمى (بأن تكون الأرض مغصوبةً أو أخذت بشفعة، ويخيّر المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض، كماجاز زرعه والبناء عليه إذا بلى وصار تراباً، زيلعى". (الدرالمختار، باب الجنائز: ۲/۲۳۸، سعيد)

"قال رحمه الله تعالىٰ: (إلا أن تكون الأرض مغصوبةً) فيخرج بحق صاحبها إن شاء، وان شاء سواه مع الأرض و انتفع به زراعة أو غيرها". (تبيين الحقائق، باب الجنائز: ۱/۵۸۸، دارالكتب العلميه، بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، رشيديه)

قبرستان کوعیدگاہ میں شامل کرنا اور پختہ قبروں کو ہموار کرنا

سوال [۴۲۵۸]: عیدگاہ کے متصل جو زمین ہے وہ کسی زمانہ میں قبرستان تھا اور وہ قبرستان کے نام سے کاغذات میں درج ہے لیکن عرصہ سے وہاں مردے دفن نہیں ہوتے، البتہ چند پختہ قبریں موجود ہیں، وہ زمین پر پڑی ہوئی ہے تو اس کو عیدگاہ میں شامل کر سکتے ہیں یا نہیں اور یہ پکی قبریں ہموار کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مردے دفن کرنے کے لئے اس زمین کی ضرورت نہیں وہ بیکار پڑی ہے اور عیدگاہ میں داخل کرنے کی ضرورت ہے، قبر جب اتنی پرانی ہوجائے کہ اس میں میت باقی نہ رہے بلکہ مٹی بن چکی ہو تو اس کا حکم بھی بدل جاتا ہے، نہ اس کا احترام باقی رہتا ہے، نہ وہاں نماز ممنوع ہوتی ہے، نہ تعمیر اور کھیتی منع رہتی ہے بلکہ حسبِ ضرورت ان سب چیزوں کی اجازت ہوجاتی ہے۔ پختہ قبر بنانا تو شرعاً درست ہی نہیں، اگر فتنہ کا خوف نہ ہو تو پختہ قبروں کو برابر کیا جائے (۱) اور زمین کو عیدگاہ میں شامل کرلیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲۰/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "شرطهما (الأمر والنهي) أن لايؤدي إلى الفتنة، كما علم من الحديث، وأن يظن قبوله، فإن ظن أنه لايقبل فيستحسن إظهار شعار الإسلام". (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف: ۸/۸۶۲، رشيديه)

(۲) "جاز زرعه والبناء عليه إذا بلىٰ وصار تراباً". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۸، سعيد)

"ولو بلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره وزرعه، والبناء عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل الثالث في الدفن الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

"ولو بلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه". (تبيين الحقائق، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دار الكتب العلميه، بيروت)

قبرستان کے درمیان میں راستہ بنانا

سوال[۴۲۵۹]: قبرستان کے درخت وغیرہ صاف کرکے بیچ میں راستہ بنانا کیسا ہے؟ اور راستہ میں مرد وعورت سب چلتے ہیں، مع حوالہ تحریر کیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قبرستان وقف ہو تو وہاں کو راستہ، سڑک بنانا درست نہیں، درختوں کو کاٹ کر جتنی جگہ کو راستہ بنایا جاوے گا اس میں مردے دفن نہیں کئے جاسکیں گے، یہ منشائے واقف کے خلاف ہے: "شرط الواقف کنص الشارع، اھ" شامی(۱)۔ ہاں اگر مردے لے جانے کے لئے راستہ نہیں تو راستہ بنایا جاوے تاکہ وہاں کو مردے لے جاسکیں تو اس میں مضائقہ نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۰ھ۔

قبروں پر چلنا

سوال[۴۲۶۰]: قبرستان میں قبروں کے ٹوٹے ہوئے اور بے ترتیب ہونے کے باعث قبرستان میں میت لاتے وقت لوگ قبروں کو اپنے پیروں سے مسلتے چلے جاتے ہیں، اس وجہ سے اگر چند قبروں کو ہموار کرکے سیدھے راستے بنادیئے جائیں تو کیا یہ جائز ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہاں قبریں ہوں وہاں میت کو لے کر سب آدمی جمع ہوکر نہ جائیں جس سے قبروں پر پیر آئیں، بلکہ بچا بچا کر بقدرِ ضرورت آدمی جائیں اور قبروں کو بچا کر جائیں (۲)، اسی طرح دفن کرنے کے لئے آنے جانے

---

(۱) (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الوقف، فصل یراعی شرط الواقف فی إجارته: ۴/۴۳۳، سعید)

"أجمعت الأمة أن من شروط الواقفين ماهو صحيح معتبر يُعمل به". (البحر الرائق، كتاب الوقف: ۵/۴۱۱، رشيديه)

"لأن شرط الواقف معتبر فيراعى كالنصوص، الخ". (تبيين الحقائق، كتاب الوقف: ۴/۲۶۹، سعيد)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن تجصص القبور =

کے قابل جگہ چھوڑ کر قبر بنائیں، قبروں کو ہموار کر کے راستہ بنانے کی گنجائش ہے، جبکہ قبراتنی پرانی ہو کہ میت مٹی بن چکی ہو(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کسی کی قبر پر ٹیک لگانا

سوال[۴۲۶۱]: قبر سے ٹیک لگانا یا احتراماً ممنوع ہے یا اس سے مردے کو بھی تکلیف پہونچتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خلافِ احترام سے بھی اذیت ہوتی ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۱۳۸۶ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ۔

= وأن يكتب عليها وأن يبنى عليها وأن توطأ". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی کراهية تجصص القبور والكتابة عليها: ۱/۲۰۳، سعيد)

"ويكره الجلوس على القبرووطؤه". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۴۵، سعيد)

"ويكره أن يطأ القبر أو يجلس أو ينام عليه، الخ". (البحر الرائق، باب صلاة الجنازة، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۱، رشيديه)

(وكذا فی الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن والنقل الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(۱) "ولو بلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره فى قبره وزرعه والبناء عليه". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس الخ: ۱/۱۶۷، رشيديه)

"ولو بلى الميت وصار تراباً، جاز دفن غيره فى قبره وزرعه والبناء عليه". (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۵۸۹، دارالكتب العلميه، بيروت)

(وكذا فى الدر المختار، كتاب الصلوٰة، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۳۸، سعيد)

(۲) "عن عمرو بن حزم رضى الله تعالىٰ عنه قال: رآنى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم متكئاً على قبر، =

9

قبر کے قریب پیشاب کرنا

سوال[۴۲۶۲]: اگر کوئی شخص کسی بزرگ کی قبر سے گز دوگز کے فاصلہ پر پیشاب واستنجا کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عین قبر پر پیشاب یا پاخانہ کرنا حرام ہے، بزرگانِ دین کی قبر کا زیادہ احترام کرنا چاہئے، قبر سے فاصلہ پر ضرورت پوری کرنے کی گنجائش ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۷ھ۔

= فقال: "لا تؤذ صاحب هذا القبر" أو "لاتؤذه". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت: ۱۴۹/۲، قديمى)

"ويكره الجلوس على القبر ووطؤه". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة: ۲۴۵/۲، سعيد)

"ويكره أن يطأ القبر أويجلس أو ينام عليه، الخ". (البحر الرائق، باب صلاة الجنازة، فصل: السلطان أحق بصلاته الخ: ۳۴۱/۲، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن والنقل الخ": ۱۶۶/۱، رشيديه)

(۱) "عن أبى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لأن يجلس أحدكم على جمرة، فتحرق ثيابه، حتى تخلص إلى جلده خيرٌ من أن يجلس على قبر" .... وقال أيضاً: "لاتجلسوا على القبور ولا تصلّوا إليها". (سنن أبى داؤد، كتاب الجنائز، باب فى كراهية القعود على القبر: ۱۰۴/۲، إمداديه)

"(ويكره وطئ القبر والجلوس والنوم) والبول والغائط". (الدرالمنتقى فى شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲۷۶/۱، مكتبه غفاريه كوئٹه)

"وكره أبوحنيفة رحمه الله تعالىٰ أن يوطأ على قبر أو يجلس عليه أو ينام عليه أو تقضى عليه حاجة من بول أو غائط". (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل فى سنة الدفن: ۶۵/۲، رشيديه)

(وكذا فى رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲۴۵/۲، سعيد)

قبرستان میں خاردار پودوں کو آگ لگانا

سوال[۴۲۶۳]: یہاں قبرستان میں بہت زیادہ خاردار پودے لگے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے بغیر جوتا پہنے قبرستان میں جانا مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ:

(الف)......جوتا پہن کر قبرستان میں جاسکتے ہیں، اس میں کوئی کراہت تو نہیں ہے؟

(ب)......خاردار پودے سوائے جلانے کے ختم نہیں ہوسکتے تو کیا قبرستان میں آگ جلا کر ان پودوں کو ختم کر سکتے ہیں؟

(ج)......میت پر بلند آواز سے قرآن پاک پڑھنا اور ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف)......اس حالت میں کراہت نہیں (۱)۔

(ب)......قبرستان سے جو اصل غرض متعلق ہے (تدفین) جب اس کا حصول ان خاردار پودوں کی وجہ سے دشوار ہو گیا اور بغیر جلائے ان کانٹوں کو دور نہیں کیا جاسکتا تو جلا کر ان کو ختم کر دیا جائے (۲)۔

(ج)......غالباً سائل کا مقصود میت کو دفن کرنے کے بعد قبر کے پاس قرآن کریم پڑھنے کو دریافت کرنا ہے تو شرعاً جائز ہے، نافع ہے، دفن کے بعد سر کی طرف سورۂ بقرہ کا اول اور پیر کی طرف سورۂ بقرہ کا اخیر

---

(۱) "والمشي في المقابر بنعلين لايكره عندنا". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ".: ۱/۱۶۷، رشيديه)

"ولايكره المشيء في المقابر بالنعلين عندنا". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، أحكام الجنائز، ص: ۶۲۰، قديمي)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الإيمان بضعٌ وسبعون أو بضع و ستون شعبةً، فأفضلهاقول: لاإله إلاالله، وأدناها إماطة الأذى عن الطريق، والحياء شعبة من الإيمان".

"قوله: صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أدناها إماطة الأذى عن الطريق". أي تنحيته وإبعاده، والمراد بالأذى كل مايؤذي من حجر أومدر أوشوك أوغير". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنواوي رحمه الله تعالىٰ، كتاب الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان الخ: ۱/۴۷، قديمي)

پڑھنا بعض آثارِ صحابہ سے ثابت ہے(۱)۔

مشکوٰۃ شریف،ص:۱۴۹:"عن عبداللّٰه بن عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما قال: سمعت النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم یقول: "إذا مات أحدکم، فلاتحبسوه، وأسرعوابه إلیٰ قبره، ولیقرأ عند رأسه ......فاتحة البقرة وعند رجلیه بخاتمة البقرة، الخ"(۲)۔

تلاوتِ کلامِ پاک سراً وجہراً دونوں طرح درست ہے، دعاء ہاتھ اٹھا کر اور بغیر ہاتھ اٹھائے دونوں طرح درست ہے، اگر ہاتھ اٹھائے تو رخ قبلہ کی طرف کرے، کذافی فتح الباری(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۵/۴/۹۲ھ۔

جنات کا مدفن

سوال[۴۲۶۴]: جنات کہاں دفن ہوتے ہیں؟ اس کے بارے میں لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زمین میں، سمندر میں اور پہاڑوں میں بھی دفن ہوتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/۵/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱)"قال لی أبیٰ اللجلاج أبو خالد رضی الله تعالیٰ عنه: "یابنیّ! إذا أنامت فالحد لی، فإذا وضعتنی فی لحدی فقل: بسم الله وعلی ملة رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، ثم سن علیّ التراب سنا، ثم اقرأ عند رأسی بفاتحة البقرة وخاتمها، فإنی سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول ذلک". رواه الطبرانی فی المعجم الکبیر وإسناده صحیح". (آثار السنن، کتاب الجنائز، باب قرأة القرآن للمیت، ص: ۳۳۸، مکتبہ امدادیہ)

(۲)(مشکوٰة المصابیح، کتاب الجنائز، باب فی دفن المیت، الفصل الثالث: ۱/۱۴۹، قدیمی)

(۳) "وفی حدیث ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه: رأیت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی قبر عبدالله ذی النجادین" الحدیث. وفیه: "فلما فرغ من دفنه، استقبل القبلة رافعاً یدیه" أخرجه أبوعوانة فی صحیحه". (فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الدعاء، مستقبل القبلة، (رقم الحدیث: ۶۳۴۳، ورقم الباب: ۳۵): ۱۱/۱۷۳، قدیمی)

بعد دفن ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنا

سوال[۴۲۶۵]: قبرستان میں فاتحہ کے بعد ایصال ثواب کے لئے دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا چاہئے یا نہیں؟

احقر الناس بندہ محمد احسن۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ثواب پہنچانے کے لئے ہاتھ اٹھانا ضروری نہیں، بغیر ہاتھ اٹھائے بھی ثواب پہنچ جاتا ہے، نیز اس سے دیکھنے والوں کو شبہ ہوتا ہے کہ شاید صاحبِ قبر سے کچھ مانگ رہا ہے، اس لئے بہتر یہ کہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں (۱)، اگر اٹھانا ہی ہوتو قبلہ رو ہوکر اٹھائے جائیں تا کہ شبہ مذکورہ نہ رہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: مرّ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بقبور المدینة، فأقبل علیهم بوجهه فقال: " السلام علیکم یاأهل القبور، یغفر اللہ لناولکم، أنتم سلفنا،ونحن بالأثر". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز ،باب مایقول إذادخل المقابر : ۱/۲۰۳، سعید)

(وکذافی الأذکار للنووی رحمه اللہ تعالیٰ،باب مایقوله زائر القبور، ص: ۱۱۸، دارابن حزم)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح الصدور فی أحوال الموتی والقبور للإمام جلال الدین السیوطی رحمه اللہ تعالیٰ، باب زیارة القبور وعلم الموتی بزوارهم ورؤیتهم لهم، ص: ۲۰۱-۲۲۵)

(۲) "وفی حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه: رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی قبر عبداللہ ذی النجادین". الحدیث. وفیه: "فلمافرغ من دفنه، استقبل القبلة رافعاً یدیه" أخرجه أبوعوانه فی صحیحه". (فتح الباری، کتاب الدعوات ،باب الدعاء مستقبل القبلة، (رقم الحدیث: ۲۳۴۳، ورقم الباب: ۲۵) : ۱۱/۱۷۳، قدیمی)

"عن محمد بن قیس بن مخرمة بن المطلب أنه قال یوماً: ألا أحدثکم عنی وعن أمّی؟ قال: فظننا أنه یرید أمه التی ولدته. قال: قالت: عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها: ألا أحدثکم عنی وعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم؟ قلنا:بلیٰ، قال: قالت: لمّا کانت لیلتی التی کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم =

ایضاً

سوال[۴۲۶۶]: میت کودفن کرنے کے بعدفوراً قبر پرمیت کے لئے دعاء کرنا کیسا ہے؟اگر درست ہےتو قبر کے پاس ہی یاالگ ہٹ کر؟ نیز فاصلہ کی بھی اگر کہیں تصریح ہوتو تحریرفرمائیں۔

مفہوم حدیث: نیز حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جوفرمایا کہ دعاء کرواپنے بھائی کے لئے، اس کوقبر میں دفن کرنے کے بعد اتنی دیر تک جتنی دیرنکیرین سوال کرتے ہیں، کیونکہ اس عمل سے مردہ کو جواب دینے میں سہولت ہوتی ہے(۱) اوروہ نکیرین کے سوال سے گھبراتا نہیں ہے، یہ حکم عام تھایاخاص؟

دوسرے اگر دعاء مانگی جائے تو ہاتھ اٹھاکر یاایسے ہی؟ نیز گذشتہ سال دوطالب علموں کے دفن میں شرکت کا موقع ملا،لیکن کسی کواجتماعی شکل میں دفن کے بعد دعاء کرتے نہیں دیکھا،البتہ موجودہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کودیکھا گیا کہ دفن کے بعدقبر پر بیٹھے رہے۔فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کودفن کرنے کے بعدایصال ثواب نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ متعدداحادیث میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی ترغیب فرمائی ہے، دفن کے بعد کسی جگہ کھڑے ہوکر کیا پڑھے، اس میں مختلف صورتیں ہیں:

ایک صورت یہ بھی ہے کہ دفن کے بعدمیت کےقریب سرہانے ہوکرسورۂ فاتحہ یاسورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات تا ﴿أولئك هم المفلحون﴾ پڑھےاور پیروں کی طرف کھڑے ہوکرسورۂ بقرہ کا آخری رلوع ﴿لله

= فیهاعندی انقلب ....حتی جاء البقیع، فقام فأطال القیام، ثم رفع یدیه ثلاث مرات". الحدیث. (قولها: جاء البقیع، فأطال القیام، ثم رفع یدیه الخ)فیه استحباب إطالة الدعاء وتکریره ورفع الیدین فیه، الخ". (الصحیح لمسلم مع شرحه للنووی رحمه الله تعالی، کتاب الجنائز،فصل فی الذهاب إلی زیارة القبور: ۱/۳۱۳،قدیمی)

(۱)"عن عثمان بن عفان رضی الله تعالیٰ عنه قال: کان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم إذافرغ من دفن المیت وقف علیه، فقال: "استغفروا لأخیکم، واسألوا له بالتثبیت، فإنه الآن یسئل". (سنن أبی داؤد،کتاب الجنائز،باب الاستغفار عند القبر للمیت فی وقت الانصراف: ۲/۱۰۳، إمدادیه)

مافی السمٰوات والأرض﴾ تا آخر پڑھے اور میت کو ایصال ثواب کر کے میت کے لئے سہولتِ سوال وجواب وتخفیفِ ہول قبر واثبات علی الإیمان کی دعاء کرے:

"وأخرج الطبراني والبيهقي في الشعب عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "إذا مات أحدكم، فلا تحبسوه، وأسرعوابه إلى قبره، ويقرأ عند رأسه الفاتحة الكتاب". ولفظ البيهقي: "فاتحة البقرة، وعند رجليه بخاتمة البقرة في قبره". شرح الصدور، ص:٦٨(١)۔

"يستحب الوقوف بعد الدفن قليلاً والدعاء للميت مستقبلاً وجهه بالثبات". شرح الصدور، ص: ٦٩(٢)۔

اس سلسلہ میں قبر پر دعاء کے لئے ہاتھ نہ اٹھانا بہتر ہے اور جہاں کہیں کسی غلط فہمی کا اندیشہ نہ ہو تو ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنے میں مضائقہ بھی نہیں لیکن اس صورت میں رخ قبلہ کی طرف کرے:

"وفي حديث ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم

---

(١) (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور للإمام جلال الدين السيوطي، باب مايقال عند الدفن والتلقين، ص: ١٠٩، دارالمعرفة بيروت)

(وكذا في مشكوٰة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت: ١٤٩/١، قديمي)

"وكان ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما يستحب أن يقرأعلى القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها .... فقد ثبت أنه عليه الصلوٰة والسلام قرأ أول سورة البقرة عند رأس الميت وأخرهاعندرجليه". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ٢٣٧/٢، ٢٤٢، سعيد)

(٢) (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور للإمام جلال الدين السيوطي، باب مايقال عند الدفن والتلقين، ص: ١١١، دارالمعرفة بيروت)

"جلوس ساعةٍ بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ماينحر الجزورويفرق لحمه". (الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ٢٣٧/٢ سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن الخ: ١٦٦/١، رشيديه)

فی قبر عبداللّٰہ ذی النجادین". الحدیث. وفیه: "فلمافرغ من دفنه، استقبل القبلة رافعاً یدیه" أخرجه أبوعوانة فی صحیحه، اهـ". فتح الباری شری بخاری شریف: ۱۱/۱۲۲(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۲/۸۸ھ۔

ایضاً

سوال[۴۲۶۷]: میت کو دفن کرنے کے بعد جو دعائے مغفرت کی جاتی ہے وہ ہاتھ اٹھا کر کی جائے یا بغیر ہاتھ اٹھائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دعاء بغیر ہاتھ اٹھائے بھی کی جاسکتی ہے اور ہاتھ اٹھا کر بھی، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دفن کے بعد قبلہ کی طرف رخ فرما کر ہاتھ اٹھا کر دعاء کی ہے، اگر ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا چاہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے قبر کی طرف رخ نہ کیا جائے بلکہ قبلہ کی طرف رخ کرلیا جائے:

"وفی حدیث ابن مسعود رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه: رأیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم فی قبر عبداللّٰہ ذی النجادین". الحدیث. وفیه: "فلمافرغ من دفنه، استقبل القبلة رافعاً یدیه"۔ أخرجه أبوعوانة فی صحیحه، اهـ". فتح الباری شرح بخاری شریف: ۱۱/۱۲۲(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱)(فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، (رقم الحدیث: ۶۳۴۳، ورقم الباب: ۲۵): ۱۱/۱۷۳، قدیمی)

(۲)(فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، (رقم الحدیث: ۶۳۴۳، ورقم الباب ۲۵): ۱۱/۱۷۳، قدیمی)

"عن محمد بن قیس بن مخرمة بن المطلب أنه قال یوماً: ألا أحدثکم عنی وعن أمّی؟ قال: فظننا أنه یرید أمه التی ولدته، قال: قالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها: ألا أحدثکم عنی وعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم؟ قلنا: بلیٰ، قال: قالت: "لمّا کانت لیلتی التی کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فیها عندی انقلب ....حتی جاء البقیع، فقام فأطال القیام، ثم رفع یدیه ثلاث مرات". الحدیث. "(قولها: جاء البقیع، فأطال القیام، ثم رفع یدیه الخ) فیه استحباب إطالة الدعاء وتکریره ورفع الیدین فیه الخ". =

دفن میت کے بعد دعاء اور فاتحہ

سوال[۴۲۶۸]: میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد دعاء کرنا کہ اللہ پاک سوالِ قبر کے جواب میں اس کو ثابت قدم رکھے اور آخر میں "الفاتحہ" کہہ کر کچھ پڑھتے ہیں۔ تو یہ حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد دعاء کرنا کہ اللہ پاک سوال قبر کے جواب میں اس کو ثابت قدم رکھے اور اس کی مغفرت فرمائے، حدیث شریف سے ثابت ہے، مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث موجود ہے (۱)، لیکن "الفاتحہ" کا طریقہ ثابت نہیں، اس کو ترک کرنا چاہئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ اختیار کیا جائے کہ یہی ہدایت ونجات کا ذریعہ ہے: "من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد" متفق علیه (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۹/۸۹ھ۔

= (الصحیح لمسلم مع شرحه للنووی رحمه الله تعالیٰ، کتاب الجنائز، فصل فی الذهاب إلی زیارة القبور: ۱/۳۱۳، قدیمی)

(۱) "عن عمرو بن العاص رضی الله تعالیٰ عنه قال لابنه -وهو فی سیاق الموت-: "إذا أنامتُ فلا تصحبنی نائحة ولا نار، فإذا دفنتمونی فشنوا علیَّ التراب شناً، ثم أقیموا حول قبری قدر ما ینحر جزور ویقسم لحمها، حتی أستانس بکم وأعلم ماذا أراجع به رسل ربی". (مشکوٰة المصابیح، کتاب الجنائز، باب دفن المیت، الفصل الثالث: ۱/۱۴۹، قدیمی)

"عن عثمان بن عفان رضی الله تعالیٰ عنه قال: کان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم إذا فرغ من دفن المیت وقف علیه فقال: "استغفروا لإخیکم واسألوا له بالتثبیت، فإنه الآن یسئل". (سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للمیت فی وقت الانصراف: ۲/۱۰۳، إمدادیه)

"جلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ما ینحر الجزور ویفرق لحمه". (الدرالمختار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۷ سعید)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، باب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السادس فی الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشیدیه)

(۲) (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قدیمی)=

دفن کے وقت اگربتی جلانا اور بعد دفن دعاء کرنا

الاستفتاء [۴۲۶۹]: قبرستان میں اگربتی لوبان جلانا کیسا ہے؟ قبر پر دونوں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبرستان میں اگربتی اورلوبان جلانا نہیں چاہئے، میت کو غسل دیتے وقت اس تختے کو دھونی دینا درست ہے جس پر غسل دیا جائے (۱)، نیز کفن کو دھونی دے کر میت کو پہنایا جائے (۲)، باقی قبر پر ثابت نہیں ہے،

= "(من أحدث) أى أنشأ واخترع وأتى بأمر حديث من قبل نفسه. .... (ماليس منه): أى رأياً ليس له فى الكتاب أوالسنة عاضد ظاهر أو خفى، ملفوظ أومستنبط (فهورد): أى مردودعلى فاعله لبطلانه الخ". (فيض القدير،رقم الحديث: ۸۳۳۳): ۱۱/۵۵۹۴، مكتبه نزار مصطفى الباز، رياض)

(۱) "(ويوضع) كما مات (كماتيسر) فى الأصح (على سرير مجمر وتراً) إلى سبع، فقط". (الدرالمختار). "(مجمر): أى مبخر، وفيه إشارة إلى أن السرير يجمر قبل وضعه عليه تعظيما وإزالة للرائحة الكريهة". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة: ۲/۱۹۵، سعيد)

"ويوضع على سرير مجمر وتراً قبل وضع الميت عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى العشرون فى الجنائز، الفصل الثانى فى الغسل: ۱/۱۵۸، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، باب صلاة الجنازة: ۲/۳۰۰، رشيديه)

(۲) "عن أبى وائل قال: عند على رضى الله تعالىٰ عنه مسكٌ، فأوصى أن يحنط به. وقال: هوفضل حنوط رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". قال النووى: إسناده حسن". (نصب الراية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، فصل فى الغسل، (رقم الحديث، ۲۹۹۷): ۲/۲۵۹، مكتبة المكيه جده)

"(وجعل على رأسه ولحيته)؛ لأن التطيب سنة. وذكر الرازى أن هذا الجعل مستحب. والحنوط عطر مركب من أشياء طيبة ولابأس بسائر الطيب غيرالزعفران والورس اعتباراً بالحياة، وقد ورد النهى عن المزعفر للرجال، وبهذا يعلم جهل من يجعل الزعفران فى الكفن عند رأس الميت فى زماننا". (البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۳۰۳، رشيديه)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على الدرالمختار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۱/۳۶۷، دارالمعرفة، بيروت)

بدعت اور منع ہے۔ بہتر یہ ہے کہ بغیر ہاتھ اٹھائے فاتحہ پڑھی جائے (۱)۔ اگر ہاتھ اٹھانا ہو تو قبر کی طرف پشت کرے اور قبلہ کی طرف رخ کرے، ایسا کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هذا مالیس منه فهورد". (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب إذا صطلحوا علی صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قدیمی)

"(من أحدث): أی أنشأ وأخترع وأتی بأمر حدیث من قبل نفسه .... (مالیس منه): أی رأیاً لیس له فی الکتاب أوالسنة عاضد ظاهر أو خفی، ملفوظ أومستنبط (فهورد): أی مردود علی فاعله لبطلانه، الخ". (فیض القدیر، (رقم الحدیث: ۸۳۳۳): ۱۱/۵۵۹۴، مکتبه نزار مصطفی الباز، ریاض)

"ویکره عند القبر کل مالم یعهد من السنة، الخ". (البحر الرائق، کتاب الجنائز، قبیل باب الشهید: ۲/۳۴۳، رشیدیه)

(۲) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: مر رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بقبور المدینة فأقبل علیهم بوجهه فقال: "السلام علیکم یاأهل القبور! یغفرالله لناولکم أنتم سلفناونحن بالأثر". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب مایقول إذا دخل المقابر: ۱/۲۰۳، سعید)

(وکذافی الأذکار للنواوی رحمه الله تعالیٰ، باب مایقوله زائر القبور، ص: ۱۱۸، دارابن حزم)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح الصدور فی أحوال الموتی والقبور للإمام جلال الدین السیوطی رحمه الله تعالیٰ، باب زیارة القبور وعلم الموتی بزوارهم ورؤیتهم لهم، ص ۲۰۱-۲۲۵)

"وفی حدیث ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه رأیت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی قبر عبدالله ذی النجادین". الحدیث. وفیه: "فلمافرغ من دفنه، استقبل القبلة رافعاً یدیه" أخرجه أبوعوانة فی صحیحه". (فتح الباری، کتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، (رقم الحدیث: ۶۳۴۳، رقم الباب: ۲۵): ۱۱/۱۷۳، قدیمی)

"عن محمد بن قیس بن مخرمة بن المطلب أنه قال یوماً: ألا أحدثکم عنی وعن أمّی؟ قال: فظننا أنه یرید أمه التی ولدته، قال: قالت: عائشة رضی الله تعالیٰ عنهما: ألا أحدثکم عنی وعن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم؟ قلنا: بلیٰ، قال: قالت: لمّا کانت لیلتی التی کان النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فیها عندی انقلب .... حتی جاء البقیع، فقام فأطال القیام، ثم رفع یدیه ثلاث مرات". الحدیث. =

قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا

سوال[۴۲۷۰]: قبرستان میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

فی نفسہ میت کے لئے استغفار کرنا اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا قبرستان میں جائز ہے، بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے بھی درست ہے(۱)، لیکن چونکہ لوگ بکثرت اپنی مرادیں مزارات پر جا کر اصحابِ قبور سے مانگتے ہیں جو کہ حرام اور شرک ہے(۲)، اس لئے ہاتھ نہ اٹھایا جائے تا کہ ان کے ساتھ تشبہ نہ ہو اور ان کے عمل کو تقویت

= "(قولها: جاء البقيع، فأطال القيام، ثم رفع يديه الخ)فيه استحباب إطالة الدعاء وتكريره ورفع اليدين فيه، الخ". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنواوی رحمه الله تعالیٰ، كتاب الجنائز، فصل فی الذهاب إلى زيارة القبور: ۱/۳۱۳، قديمی)

(۱) "قالت عائشة ألا أحدثكم عنی وعن رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم قلنا بلى .... واختمرت وتقنعت ازاری ثم انطلقت على اثرہ حتى جاء البقيع فقام فاطال القيام ثم رفع يديه ثلاث مرات".

وفی شرح النووی لمسلم: "(قوله: جاء البقيع فأطال القيام، ثم رفع يديه ثلاث مرات) فيه استحباب اطالة الدعاء وتكريره ورفع اليدين فيه، وفيه أن دعاء القائم أكمل من دعاء الجالس فی القبور". (الصحيح لمسلم مع شرح النووی لمسلم، كتاب الجنائز: ۱/۳۱۳، قديمی)

"ومن آدابه أن يسلم بلفظ سلام .... ثم يدعوا قائماً طويلاً، وإن جلس يجلس بعيداً منه وقريباً بحسب مراتبه فی حال حياته". (المسلک المنقسط فی المنسک المتوسط، فصل يستحب زيارة أهل المعلى، ص: ۵۵۱، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فی المدخل لابن الحاج، فصل زيارة القبور: ۱/۲۵۴، دارالفكر)

(۲) "ويحذرهم من تلک البدع التی أحدثت هناک، فترى من لاعلم عنده يطوف بالقبر الشريف كما يطوف بالكعبة الحرام، ويمتسح به، ويقبله، ويلقون عليه مناديلهم، وثيابهم، يقصدون به التبرک، وذالک كله من البدع؛ لأن التبرک إنما يكون بالاتباع له عليه الصلوة والسلام، وماكان سبب عبادة الجاهلية للأصنام إلامن هذا الباب". (المدخل لابن الحاج، فصل فی زيارة القبور: ۱/۲۶۳، دارالفكر)

(وكذا فی المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط، فصل وليغتم أيام مقامه بالمدينة المشرفة، ص: ۵۲۶، دارالكتب العلمية، بيروت) .... =

وتائید حاصل نہ ہو سکے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دفن میت کے بعد چھوارے تقسیم کرنا

سوال[۴۲۷۱]: میت کے دفن کے بعد چھوارے یا کھجور تقسیم کرتے ہیں۔یہ فعل کیسا ہے،اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً :

بالکل نہیں،کہیں ثابت نہیں،شاید یہ تصور کرتے ہوں گے کہ میت کا قبر سے نکاح ہوا ہے،اس خوشی میں چھوارے تقسیم کرتے ہیں،یہ جہالت ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۹/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

= "ولا يجوز مايفعله الجهال يقير الأولياء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السروج إليها ومن اجتماع بعد الحول كالعباد ويسمونه عرساً". (تفسير مظهرى، بحواله فتاوىٰ رحيميه: ۹۵/۲، دارالاشاعت)

(۱) "من تشبه بقوم فهو منهم". مشكوة المصابيح، كتاب اللباس: ۳۷۵/۲، قديمى)

"(من تشبه بقوم) أى من شبه نفسه بالكفار مثلاً فى اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار (فهو منهم) : أى : فى الإثم والخير". (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس: ۱۵۵/۸، رشيديه)

الفصل السادس فی البناء علی القبور

(قبر پکی کرنے اوراس پرقبّہ بنانے کا بیان)

قبر پر قبہ بنانا

سوال[۴۲۷۲]: مسلمانوں کی عام قبور پر یا علماء، صلحاء، اولیائے کرام کی قبر پر پختہ قبہ بنانا، یا قبر پختہ بنانا جائز ہے یا حرام؟ قرآن شریف، فقہ حنفی کی مستند کتب کے حوالہ سے جواب ارقام فرمایا جائے۔ اور کیا عینی شرح بخاری و مرقاۃ شرح مشکوۃ و تفسیر روح البیان و تحریر المختار حاشیۃ در مختار میں قبہ یا قبر کا جائز ہونا واقعی لکھا ہے، اگر ایسا ہی ہے تو کیا قرآن وحدیث وفقہ حنفی کی معتبر مستند کتب میں سے ہیں یا نہیں؟ مخالف جو مولوی قبہ کے جائز ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں ان کی نسبت شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

جن بزرگوں کی قبروں پر قبہ بنانے کا جھگڑا ہے وہ خود اپنی حیات میں پختہ قبر وقبہ کو ناجائز ہی فرماتے تھے حتیٰ کہ اپنی قبر کو پختہ نہ بنانے کی وصیت بھی فرمائی تھی، مگر مریدین نے راتوں رات قبر کو پختہ ہی بنایا اور اب سترہ اٹھارہ سال بعد قبہ بنانے کا جھگڑا نکالا ہے۔ اس میں کون فریق حق ہے، آیا روکنے والے یا بنانے والے؟ بینوا توجروا۔

مستفتی: عبداللطیف ابن شاکر، مالیگاؤں، ضلع ناسک، ۱۳/ جون/ ۵۴ء۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

قبر پختہ بنانا اور قبر پر قبہ وغیرہ پختہ تعمیر کرنا شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے، یہ ممانعت حدیث وفقہ سے ثابت ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے بصراحت منقول ہے، امام محمدؒ "کتاب الآثار، ص: ۴۳" میں فرماتے ہیں:

"و لا نری أن يزاد علی ما خرج منه (أی من القبر)، و نكره أن يجصص، أو يطيّن، أو

يجعل عنده مسجداً أو عَلَماً، أو يكتب عليه، و يكره الآجر أن يبنى به، أو يدخل القبر. ولا نرى برش الماء عليه بأساً. و هو قول أبى حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ"(۱).

علامہ طحطاوی نے حاشیۂ مراقی الفلاح ،ص:۳۳۵، میں لکھا ہے:

"و لا يجصص، به قالت الثلاثة، لقول جابر رضى اللّٰه تعالىٰ عنه: "نهىٰ رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم عن تجصيص القبور، و أن يكتب عليها، و أن يبنىٰ عليها". رواه مسلم وأبو داؤد والترمذى، وصححه، و زاد: "وأن توطأ"(۲).

---

(۱) (كتاب الآثار للإمام محمد رحمه الله تعالىٰ، كتاب الصلوة، باب تسنيم القبور و تجصيصها، ص: ۵۲، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، فصل فى حملها و دفنها، ص: ۶۱۱، قديمى)

(۲) (حاشية الطحطاوى، باب أحكام الجنائز، فصل فى حملها ودفنها، ص: ۶۱۱، قديمى)

والحديث رواه الإمام مسلم رحمه الله تعالىٰ فى صحيحه فى كتاب الجنائز، فصل النهى عن تجصيص القبور والقعود والبناء عليها: ۱/۳۱۲، قديمى)

قال الإمام النووى رحمه الله تعالىٰ تحته: "و فى هذا الحديث كراهة تجصيص القبر و أن يبنى عليه .... هذا مذهب الشافعى و جمهور العلمآء". (شرح النووى على الصحيح لمسلم، فصل فى النهى عن تجصيص القبور اهـ: ۱/۳۱۲، قديمى)

وقال القارى رحمه الله تعالىٰ تحته: "قال فى الأزهار: النهى عن تجصيص القبور للكراهة إن كان فى ملكه، و للحرمة فى المقبرة المسبلة، ويجب الهدم وإن كان مسجداً. و قال التور بشتى يحتمل وجهين: أحدهما: البنآء على القبر بالحجارة و ما يجرى مجراها، والثانى: أن يضرب عليها خبآء ونحوه، و كلاهما منهيٌّ لعدم الفائدة .... ثم قال التور بشتى: و لأنه من صنيع الجاهلية: أى كانوا يظلّلون على الميت إلى سنةٍ، قال: و عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما أنه رأى فسطاطاً على قبر أخيه عبد الرحمن، فقال: إنزعه ياغلام، و إنما يظله عمله". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الأول: ۴/۱۷۷، ۱۷۸، رقم الحديث: ۱۶۹۷، رشيديه)

(وأبو داؤد فى سننه فى كتاب الجنائز، باب فى البنآء على القبر: ۲/۱۰۴، مكتبه امداديه ملتان) ...... =

مراقی الفلاح میں ہے: "و یحرم البناء علیه للزینة لما روینا، و یکره البناء علیه للأحکام، اهـ. (قوله: لما روینا من النهی عن التجصیص والتربیع) فإنه من البناء. (وقوله: یکره البناء علیه) ظاهر إطلاقه الکراهة أنها تحریمیة. قال فی غریب الخطابی: نهی عن تقصیص القبور والتکلیل بناء الکل، و هی القباب والصوامع التی تبنیٰ علی القبر، اهـ". (۱)۔

طحاوی نے اس حدیث کی شرح "شرح مجمع البحار: ۳/۲۲۶" میں اس طرح کی ہے: "نهی عن تقصیص القبور و تکلیلها: أی رفعها بالبناء مثل الکل، و هی الصوامع والقباب، وقیل: هو ضرب الکلة علیها، وهی ستر مربع بقرب علی القبور، وقیل: ستر رقیق، وهی کالبیت یتوقی قبه من البق اهـ(۲)۔

عرف الشذی، ص: ۳۸٦ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں (۳)، کتاب "المدخل" میں اس کو بہت بسط و تفصیل سے بیان کیا ہے (۴) ان تصریحاتِ حدیثیہ وفقہیہ کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں، بلکہ ان کے خلاف اگر اقوالِ رجال سے کوئی استدلال کرے تو وہ معتبر نہیں۔

"تحریر المختار: ۱/۱۲۳" میں تفسیر روح البیان سے قبوں کا جواز نقل کیا ہے (۵)، لیکن تفسیر روح البیان خود کوئی معتبر کتاب نہیں، اس میں بہت سے مسائل غیر معتبر موجود ہیں، پھر یہ کہ اس جواز کے لئے کوئی سند نقل نہیں، کی محض قصدِ تعظیم و اجلال پر اعتماد کیا ہے، ایسے مسائلِ منصوصہ میں کسی کا قول بغیر سند خلافِ نص کیسے حجت ہوسکتا

= (والترمذی فی سننه فی أبواب الجنائز، باب فی کراهیة تجصیص القبور والکتابة علیها: ۱/۲۰۳، سعید)

(۱) (مراقی الفلاح، باب أحکام الجنائز، فصل فی حملها ودفنها، ص: ۶۱۱، قدیمی)

(۲) لم أظفر علی شرح مجمع البحار، وقد وجدت فی مجمع بحار الأنوار بلفظه: "وفیه نهی عن "تقصیص" القبور" بناء ها بالقصة وهی الجص". (باب القاف مع الصاد: ۴/۲۸۳، مجلس دائرة المعارف الإسلامیه، حیدر آباد، دکن)

(۳) قال: "باب کراهیة تجصیص القبور والکتابة علیها، لا یجوز التجصیص عند أحدٍ و لا البنآء".

(العرف الشذی علی هامش الترمذی: ۱/۲۰۲، سعید)

(۴) (المدخل لابن الحاج، مبحث صفة القبر، قبیل الختان: ۳/۲۶۳، ۲۶۴، دارالفکر، بیروت)

(۵) (التحریر المختار علی رد المحتار (تقریرات الرافعی)، باب الجنائز: ۲/۱۲۳، سعید)

ہے۔اصل عبارت روح البیان کی یہ ہے:

"فبناء القباب على قبور العلماء والأولياء والصلحاء، و وضع الستور والقمائم والثياب على قبورهم أمرٌ جائزٌ إذا كان القصد بذلك التعظيم فى أعين العامة، حتى لا يحتقروا هذا القبر، وكذا إيقاد القناديل والشمع عند قبور الأولياء والصلحاء من باب التعظيم والإجلال أيضاً للأولياء، فالمقصد فيها مقصد حسن، اهـ"۔

حالانکہ ردالمحتار:۱/۸۳۹، میں ہے:" وأما البناء عليه، فلم أر من اختار جوازه .... عن أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ: يكره أن يبنىٰ بناء من بيت أو قبة أو نحو ذلك، لما روى جابر رضى الله تعالىٰ عنه: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ"(۱)۔ بس روح البیان کا یہ مسئلہ خلافِ اجماع ہے۔

اس (روح البیان) میں نقل کیا ہے: "و نذر الزيت والشمع للأولياء يوقد عند قبورهم تعظيماً لهم و محبةً فيهم جائز أيضاً لا ينبغى النهى عنه"(۲)۔

حالانکہ درمختار،طحطاوی،بحروغیرہ میں اس نذر کو بالاجماع باطل وحرام لکھا ہے: "واعلم أن النذر الذى يقع للأموات من أكثر العوام، و ما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت و نحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم بالإجماع باطل و حرام، اهـ". درمختار،قبیل الاعتکاف (۳)۔ بحر،طحطاوی میں اس کی وجوہ بیان کی ہیں (۴)۔

تحریرالمختار بھی کوئی فتویٰ کی کتاب نہیں بلکہ اس میں ازقبیلِ لطائف وغرائب کچھ تحریرات جمع ہیں،بعض

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

(۲) (راجع التحرير المختار على رد المحتار (تقريرات الرافعى) الملحق برد المحتار، باب الجنائز: ۲/۱۲۳، سعيد)

(۳) (رد المحتار، كتاب الصوم، قبيل باب الاعتكاف: ۲/۴۳۹، سعيد)

(۴) (البحر الرائق، كتاب الصوم، قبيل باب الاعتكاف: ۲/۵۲۰، رشيديه)

(وحاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفآء به، ص: ۶۹۳، قديمى)

محلِ اشکالات ہیں، کہیں اشکالات کے جواب ہیں، کہیں طبی نکات ہیں، کہیں تاریخی لطائف ۔ چنانچہ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے نہیں تھی کہ یہ کتاب منظرعام پرآوے اور اپنی زندگی میں اس رائے میں کامیابی ہوئی جیسا کہ ناشر نے شروع میں لکھا ہے:

"ولم يسمح رحمه الله أن يخرج تحريره للناس في صورته مع شدة الحاجة إليه بتوارد الطلاب عليه تواضعاً منه في جانب الله تعالىٰ". إلى آخره. تحرير المختار (۱)۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے کا جب انتقال ہوا تو ان کی زوجہ نے ان کی قبر پر قبہ لگایا، اس کی تفسیر ملا علی القاری نے مرقات شرح مشکوۃ: ۲/۴۰۰، میں خیمہ سے کی ہے (۲)، پھر ایک سال کے بعد اکھاڑ دیا گیا:"فسمعت المرأة صائحاً: أي هاتفاً غيبياً يقول: ألا! هل وجدوا ما فقدوا، فأجابه اخر: بل يئسواو الظاهر سئموا ولكن لما كان في صورة اليأس، قال: يئسوافانقلبوا: أي رجعوا إلى اخره" مرقاة شرح مشكوة: ٤/١٠٥ (٣)۔

اس خیمہ کو شارحِ مشکوۃ نے لکھا ہے کہ یہ ذکر، قراءت وغیرہ کے جمع ہونے کے لئے تھا، اس کو فعلِ عبث مکروہ پر حمل کیا، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے اہلِ بیت کی شان کے مناسب نہیں (۴)۔

غور کیا جائے کہ اولاً یہ دلیل نصوصِ حدیث وغیرہ کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتی ہے، ثانیاً اس سے قبہ متعارفہ پر استدلال کرنا کہاں تک برمحل ہے، وہاں صرف خیمہ تھا یہاں پختہ قبہ ہے، وہاں سال بھر بعد اکھاڑ دیا گیا

---

(۱) (تحرير المختار المسمىٰ بتقريرات الرافعي على حاشية ابن عابدين: ۱/۲، سعيد)

(۲) (راجع، ص: ۱۵۸، رقم الحاشية: ۲)

(۳) (المرقاة شرح المشكوة، كتاب الجنائز، باب البكاء على الميت، الفصل الثالث: ۴/۲۳۷، رقم الحديث: ۱۷۴۹، رشيديه)

(والحديث رواه البخاري في صحيحه في كتاب الجنائز، باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور: ۱/ قديمي)

(۴) "الظاهر أنه لاجتماع الأحباب للذكر والقرآءة، و حضور الأصحاب للدعآء والمغفرة والرحمة، و أما حمل فعلها على العبث المكروه، كما فعله ابن حجر، فغير لائق بصنيع أهل البيت". (مرقاة المفاتيح، باب البكاء على الميت، الفصل الثالث: ۴/۲۳۷، رقم الحديث: ۱۷۴۹، رشيديه)

تھا یہاں ۱۷، ۱۸/ سال بعد بنانے کی تجویز ہے۔ اگر ملا علی القاری اس کے جواز کے قائل ہوتے تو ''شرح نقایہ:۱/ ۱۳۹، میں تجصیص کی ممانعت تحریر نہ فرماتے (۱)۔ ''عینی نے شرح بخاری:۴/ ۱۴۹ (۲) میں قبر پر خیمہ لگانے کے متعلق مختلف اقوال نقل کئے ہیں، بعض میں حرمت ہے، بعض میں جواز۔ حضرت امام احمد، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سعید بن المسیب وغیرہ سے کراہت نقل کی ہے۔ ابن حبیب کہتے ہیں کہ دوتین روز تک نبشِ قبر کی رعایت سے خیمہ کی گنجائش ہے، پختہ قبر بنانے کا جواز کہیں منقول نہیں۔

نیز علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ ''شرح ہدایہ:۱/ ۱۴۹'' میں خود فرماتے ہیں: ''و کرہ أبو حنیفة رحمه

---

(۱) ''قال: ذکره الآجر والخشب، ولیقال .... ویسنم القبر .... ویکره التربیع عندها، ولیسن عندمالک والشافعی لما فی صحیح مسلم .... قلنا: هو محمول علی ماکانوا یفعلونه من تعلیة القبور بالبناء العالی، رواه محمد بن الحسن فی الآثار: أخبرنا أبو حنیفة قال: حدثنا شیخ لنا یرفعه إلی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أنه نهی عن تربیع القبور وتجصیصها''. (شرح النقایة، کتاب الصلوة، باب فی الجنائز: ۱/ ۱۳۹، مکتبه اعزازیه، سهارنپور، هند)

(۲) ''وقال ابن بطال: ضربت القبة علی الحسن، و سکنت فیها، فصارت کالمسجد، وأورد البخاری ذلک دلیلاً علی الکراهة، و کره أحمد أن یضرب علی القبر فسطاطاً، و أوصی إبراهیم مرةً أن لا تضربوا علیّ فسطاطاً .... وقال ابن التین: و ممن کره ضربه علی قبر الرجل ابن عمر و أبو سعید، و ابن المسیب، و ضربت عائشة رضی الله تعالیٰ عنها علی قبر أخیها، فنزعه ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما .... و قال ابن حبیب: أراد فی الیوم والیومین والثلاثة واسعاً إذا خیف من نبشٍ أو غیره، والحسن بن الحسین .... مات سنة سبع و تسعین، وامرأته فاطمة بنت حسین بن علیّ .... قال الجوهری: القبة بالضم من البناء .... وقال ابن الأثیر: القبة من الخیام بیت صغیر مستدیر، و هو من بیوت العرب، وضرب القبة نصبها و إقامتها علی أوتار مضروبة فی الأرض .... و قال الجوهری: الفسطاط بیت من شعر، و فی المغرب: خیمة عظیمة .... وقال الزمخشری: هو ضرب من الابنیة فی السفر دون السرادق، وقال ابن قرقول: هو الخباء ونحوه، وقال ابن السکیت: الفسطاط''. (عمدة القاری، کتاب الجنائز، باب ما یکره من اتخاذ المساجد علی القبور: ۸/ ۱۳۴، ۱۳۵، إدارة الطباعة المنیریة بیروت)

اللّٰہ تعالیٰ أن یبنی علی القبر". الی آخرہ.(۱)۔ جس قبہ میں عینی کے کلام سے اختلاف معلوم ہوتا ہے اس کی تفسیر نہایہ میں یہ ہے: "القبة من الخیام بیت صغیر"(۲)۔ مسند میں: "و هو من بیوت العرب". الی آخرہ۔ حافظ عینی نے ایک دوسری روایت نقل کی ہے جس میں لفظ ''قبہ'' کے بجائے لفظ ''فسطاط'' ہے جس کے متعلق "مجمع البحار: ۳/۷۷" میں ہے: "خباء" من شعر أو غیرہ" إلی آخرہ(۳)۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے کی وفات ۹۷ھ میں ہوئی اور وہ تابعی ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''فتح الباری شرح بخاری:۳/۱۶۱'' میں ان کی زوجہ کے اس فعل کو بھی رد کیا ہے، اور نا قابلِ استدلال قرار دیا ہے(۴)، حالانکہ ان کے اس فعل سے اور مندرجہ سوال قبہ تعمیر کرانے میں کوئی مناسبت نہیں، پھر اس سے استدلال کیسے درست ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ رجب/ ۶۴ھ۔

پختہ قبر کا حکم

سوال[۴۲۷۳]: قبروں کو چونے، گچ سے پختہ قبے تعمیر کرنا، روشنی کرنا، عرس کرنا، قوالی گانا وغیرہ کیسا ہے؟

---

(۱) (البنایه للعینی، کتاب الصلوة الجنائز، فصل فی حمل الجنازة: ۱/ ۱۱۳، ملک سنز، فیصل آباد)

(۲) (النهایة: ۴/ ۱۳۹، دائرة معارف نعمانیه، حیدرآباد، دکن)

(۳) (مجمع بحار الأنوار، باب الفاء والسین: ۴/ ۱۳۹، مطبعة مجلس دائرة المعارف العثمانیه، حیدرآباد، دکن)

(۴) "و مناسبة هذا الأثر لحدیث الباب أن المقیم فی الفسطاط لا یخلو من الصلوة هناک، فیلزم اتخاذ المسجد عند القبر، وقد یکون القبر فی جهة القبلة، فتزداد الکراهة، وقال ابن المنیر: إنما ضربت الخیمة هناک للاستمتاع بالمیت بالقرب منه تعلیلاً للنفس .... کما یتعلل بالوقوف علی الأطلال البالیة و مخاطبة المنازل الخالیة، فجاء تهم الموعظة علی لسان الهاتفین بتقبیح ما صنعوا، وکأنهما من الملائکة، أو من مؤمنی الجن". (فتح الباری، کتاب الجنائز، باب ما یکره من اتخاذ المساجد علی القبور: ۳/۲۵۷، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب چیزیں ناجائز اور معصیت ہیں: "لما روی جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه: "نهی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم عن تجصیص القبور، و أن یکتب علیها، وأن یبنی علیه". رواه مسلم، اهـ".(۱) شامی: ۱/۱۰۱(۲)۔ "أما الغناء المعتاد الذی یحرك الساکن و یهیّج الکبامن الذی فیه وصف محاسن الصبیان والنساء و نحوها من الأمور المحرمة، فلا یختلف فی تحریمه، اهـ". تنقیح الفتاوی الحامدية(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/۹/۹۰ھ۔

پکی قبر کا حکم

سوال[۴۲۷۴]: پکی قبر بنانا سنت ہے یا کچی؟ اگر پکی سنت ہے تو عام مسلمانوں کی قبریں خلافِ سنت ہوئیں، اگر کچی سنت ہے تو خلافِ سنت کو ثواب قرار دینے والا یعنی پکی قبر بنانے کو ثواب کہتا ہے، اور ہر طرح کی جانی و مالی کوشش کرتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اس کے گھر کا کھانا پینا اور اس کی مدد کرنا کیسا ہے؟ مع حوالۂ کتب جواب تحریر فرماویں۔

---

(۱) (الصحیح لمسلم رحمه الله تعالیٰ، کتاب الجنائز، فصل: النهی عن تجصیص القبور والقعود والبناء علیها: ۱/۳۱۲، قدیمی)

(وسنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی البناء علی القبر: ۲/۱۰۴، مکتبه امدادیه ملتان)

(وجامع الترمذی، باب فی کراهیة تجصیص القبور والکتابة علیها: ۱/۲۰۳، سعید)

(۲) رد المحتار، باب الجنائز: ۲/۲۳۷، سعید)

(۳) (تنقیح الفتاوی الحامدية، مسائل و فوائد شتی من الحظر والإباحة، مطلب فی تحریم الغناء: ۲/۳۵۹، المطبعة المیمنیة مصر)

وأما الأعراس فراجع "المدحل لابن الحاج" فیه تفصیلٌ یحتوی علی خمسة و ثلاثین صفحةً، فصل فی المولد: ۲/۱، ۳۵، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کچی قبر بنانا سنت ہے، پکی قبر بنانا خلافِ شرع اور گناہ ہے، الطحطاوی، ص: ۳۳۵(۱)۔ ناجائز کام میں جانی ومالی کوشش کرنے والا گنہ گار ہے، اس کو سمجھا کر اس سے روکنا چاہئے، اگر وہ نہ مانے تو اس کام میں اس کی اعانت نہ کی جائے، اگر توقع ہو کہ اس کے گھر کھانا پینا چھوڑنے سے اس کی اصلاح ہو جائے گی تو اس سے دریغ نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اپنی زندگی میں پختہ قبر بنانا اور ایسی میّت کے جنازہ میں شرکت کرنا

سوال[۴۲۷۵]: میرے والد کی پکی قبر میرے سوتیلے بھائی کی زمین میں بنی ہے اور میں کہتا ہوں کہ میت اس پکی قبر میں دفن نہ کی جائے، بلکہ قبرستان میں دفن کی جائے، ایسی صورت میں والد صاحب کے جنازے میں شریک ہونا چاہئے یا نہیں، جب کہ والد صاحب نے اپنی حیات میں ہی پختہ قبر بنالی ہے اور جو جائیداد ہے اس کو ہم تینوں بھائیوں میں تقسیم کر کے ہبہ کر دیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

غسل وکفن اور نماز جنازہ میں ضرور شرکت کرنی چاہئے، پکی قبر بنانا جائز نہیں (۲)۔ اگر کوئی اپنی زندگی

---

(۱) "قوله: (و لا يجصص) به قالت الثلاثة، لقول جابر رضى الله تعالىٰ عنه: "نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن تجصيص القبور، و أن يكتب عليها، وأن يبنى عليه" رواه مسلم وأبو داؤد والترمذى .... قوله: (ويكره البناء عليه) ظاهر إطلاقه الكراهةَ أنها تحريمية. قال فى غريب الخطابى: نهى عن تقصيص القبور و تكليلها، انتهى. التقصيص التجصيص، والتكليل بناء الكاسل، وهى القباب، والصوامع التى تبنى على القبر". (حاشية الطحطاوى، كتاب الصلوة، باب أحكام الجنائز، فصل فى حملها ودفنها، ص: ٦١١، قديمى)

(وكذا فى رد المحتار، باب الجنائز: ٢/٢٣٧، سعيد)

(٢) "عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه قال: نهى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن تجصيص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنىٰ عليها". (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل: النهى عن تجصيص القبور والقعود والبناء عليها: ١/٣١٢، قديمى)

قال الإمام النووى رحمه الله تعالىٰ تحته: "وفى هذا الحديث كراهة تجصيص القبر وأن يبنى =

میں پکی قبر بنا کر اس میں دفن ہونے کی وصیت کردے تو یہ وصیت ہی قابلِ عمل نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر گنبد

سوال [۴۲۷۶]: حضورا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مزار، گنبد پختہ کیوں بنایا گیا؟ کیا حضورا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات میں اس کا انتظام کیا گیا تھا، یا بعد وصال خلیفہ اور صحابہ کرام کے وقت شرعی اسلامی حکومت میں بنایا گیا؟ اور آپ کا اصلی مقام تو بالکل خام ہے اور کس نے بنوایا تھا اور کیا حضورا کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار مبارک پر اگربتی، لوبان، عود، پھول وغیرہ سلگایا جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اصل مقام تو اب بھی خام ہے، ولید بن عبدالحکیم کے زمانہ میں حجرہ خام کو گرا کر منقش پتھروں سے تعمیر کیا گیا اور ایک حظیرہ بنایا گیا، حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع بھی کیا لیکن ان کی شنوائی نہ ہوئی، پھر وقتاً فوقتاً تغییر وتزئین ہوتی رہی، حتیٰ کہ ۶۷۸ھ میں قبۂ خضراء تعمیر کیا گیا، جذب القلوب۔ اور اب اصل مزار تک پہونچنے ہی کی جگہ نہیں، پھر پھول لوبان وغیرہ کی گنجائش کہاں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/۷/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۶۱ھ۔

= عليه.....هذا مذهب الشافعي وجمهور العلماء". (شرح النووي، المصدر السابق لمسلم)

"عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: يكره أن يبنى بناء من بيت أوقبة أونحو ذلک لماروى جابر رضي الله تعالىٰ عنه: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

(۱) "و كذا تبطل و لو أوصى بأن يكفن في ثوب كذا، أو يدفن في موضع كذا". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۱۲۱، سعيد)

"ولو أوصى بأن يحمل بعد موته إلى موضع كذا، ويدفن هناک، ووصيته بالحمل باطلة". =

ایضاً

سوال[۴۲۷۷]: ارشاد ہوتا ہے کہ "تم سے پہلی قوموں نے انبیائے کرام اور اولیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا تم ایسا ہرگز نہ کرنا" اور "لعن الله اليهود والنصارى جعلوا قبور أنبياء هم مساجد". أو كما قال۔ سوال یہ ہے کہ ان صریح احکامات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کیوں صحن مسجد نبوی میں بنائی گئی اور پکی قبر پختہ کیوں بنایا گیا اور "العلماء ورثة الانبياء" کو مدِ نظر رکھتے ہوئے پھر ان کے لئے بھی یہ جائز اور درست ہونا چاہئے، یا پھر **چون کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی**، و ما توفیقی إلا باللّٰہ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صحن مسجد میں قبر شریف نہیں بنائی گئی بلکہ وہ تو حجرہ شریفہ میں ہے، پھر مسجد شریف کی توسیع کی گئی اس لئے وہ حجرہ شریفہ مسجد کے اندر آ گیا، اس کے طرف دیواریں ہیں، وہ سجدہ گاہ نہیں، اگر ایسا ہوتا تو اس کی طرف پشت کر کے نماز ادا نہ کی جاتی۔ قبر شریف پر پختہ قبہ بھی نہیں بنایا گیا بلکہ اس پر تو کوئی بھی تعمیر نہیں، قبہ تو حجرہ شریفہ پر بنایا گیا جو کہ قبر شریف سے پہلے سے بنا ہوا ہے، پھر وہ کسی آیت وحدیث کے ماتحت نہیں بنایا گیا، نہ ایسے لوگوں نے بنایا ہے جن کا عمل حجت میں پیش کیا جا سکے، علماء یا مشائخ کے لئے اس کا جواز نکالنا بے محل ہے، جب کہ علماء سے اس پر نکیر منقول ہے(۱)، تاہم اب اس کا ہدم درست نہیں بلکہ احتراز لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

روضۂ اقدس پر گنبد کیوں ہے؟

سوال[۴۲۷۸]: زید کہتا ہے کہ جب علمائے دیوبند قبروں پر گنبد بنانے سے منع کرتے ہیں تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر گنبد کیوں ہے؟ اولیائے کرام میں سے حضرت غوث اعظم اور خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت نظام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبروں پر گنبد

= (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الثاني في بيان الألفاظ التي تكون وصيةً والتي لاتكون الخ: ۹۵/۲، رشيديه)

(۱) (راجع، للتخريج، ص: ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۷)

کیوں بنے ہوئے ہیں؟ ان کو کس نے بنایا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبروں پر تعمیر (گنبد وغیرہ) کو حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خود ہی منع فرمایا ہے، اپنے مزار مبارک پر بھی بنانے کا حکم نہیں دیا، جس نے بنایا خلافِ حدیث شریف بنایا، اس کو قصوروار کہا جائے، حدیث پاک کے خلاف کرنے سے اس کو سراہا نہیں جائے گا اور اس کے عمل کی وجہ سے حدیث شریف کو ترک نہیں کیا جائے گا، اتباع کے لئے حدیث شریف ہے نہ کہ بادشاہوں کا عمل۔ اولیائے کرام نے اپنے قبور پر گنبد بنانے کو نہیں فرمایا اور فرماتے بھی کیسے، جب کہ حدیث پاک میں مخالفت ہے، بعد والوں نے جو کچھ کیا اس کے ذمہ داری اولیائے کرام پر نہیں۔

"عن جابر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه "نهى رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالیٰ عليه وسلم عن تجصيص القبور، وأن يبنى عليه أن يقعد عليه". الحديث. مسلم(۱) وأصحاب السنن(۲) جمع الفوائد(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۹ھ۔

اولیاء اللہ کے مزارات پر گنبد کیوں ہیں؟

سوال[۴۲۷۹]: جب کہ پختہ قبریں وگنبد بنوانا حرام ہے تو زمانۂ سابقہ میں اور اسلامی حکومتوں میں

---

(۱) (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في النهي عن تجصيص القبور، والقعود، والبناء عليها: ۳۱۲/۱، قديمي)

(۲) (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في البناء على القبر: ۱۰۴/۲، إمداديه)

(وجامع الترمذي، كتاب الجنائز، باب ما جاء في كراهية تجصيص القبور و الكتابة عليها: ۲۰۳/۱، سعيد)

(وسنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ما جاء في النهي عن البناء على القبور الخ، ص: ۱۱۲، قديمي)

(وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب البناء على القبر: ۲۸۵/۱، قديمي)

(۳) (جمع الفوائد، كتاب الجنائز، تشييع الجنازه وحملها ودفنها، (رقم الحديث: ۲۶۱۲): ۳۶۵/۱، إدارة القرآن كراچي)

پھر کیوں بڑے اولیاء اللہ کے مزار وگنبد بنوائے گئے تھے، جیسے روضۂ بغداد، روضۂ اجمیری، روضۂ کلیری، روضۂ نظام الدین وغیرہ وغیرہ، حالانکہ زمانۂ سابقہ میں بڑے بڑے جید علماء موجود تھے اور خلیفہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جید علماء نے منع کیا مگر حکومت نے نہیں مانا، حکومت کا یہ فعل سند نہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ۷/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

قبور مشائخ پر قبہ کا حکم

سوال[۴۲۸۰]: مولوی امجد علی صاحب رضوی بریلوی کی کتاب ''بہار شریعت'' ص:۱۵۲، حصہ چہارم میں ہے: ''علماء ومشائخ وسادات کی قبور پر قبہ وغیرہ بنانے میں حرج نہیں اور قبر کو پختہ نہ کیا جاوے، درمختار اور ردالمختار۔یعنی اندر سے پختہ نہ کیا جاوے اور اگر اندر خام ہو اوپر سے پختہ ہو تو حرج نہیں''۔فقط عبارت ختم ہوئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کتاب کے مسائل کا پورا حال تو اصل کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوگا، لیکن مسائلِ مذکورہ کا جواب یہ ہے:

درمختار میں مذکور نہیں ہے، درمختار کی عبارت یہ ہے: "و لا یطین و لا یرفع علیه بناء، وقیل: لابأس به، و هو المختار، کما فی کراهة السراجیة"(۱)۔

اس عبارت میں علماء، مشائخ، سادات کا ذکر تک نہیں، نیز اس عبارت کو فتاویٰ سراجیہ سے نقل کیا ہے اور نقل میں تقدیم وتاخیر ہوگئی، جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ کیا ہے:' (قوله: وقیل: لابأس به الخ) المناسب ذکره عقب قوله: ولا یطین؛ لأن عبارة السراجیة –کما نقله الرحمتی– ذکر فی تجرید أبی الفضل أن تطین القبور مکروه، والمختار أنه لا یکره، اهـ"(۲)۔

---

(۱) (الدر المختار، باب الجنائز من کتاب الصلوة: ۲/ ۲۳۷، سعید)

(۲) (ردالمحتار مع الدر المختار، المصدر السابق)

اختلافِ تطبیین قبور میں ہے نہ کہ بناء علی القبور میں اور چونکہ درمختار میں: (قولہ: لا بأس به) کومؤخر ذکر کرنے سے معلوم ہوتا تھا کہ اختلاف بناء علی القبور میں ہے، اس لئے شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ کی ہے اوراس کے بعد صراحۃً تردید بھی کردی، ہے چنانچہ لکھا ہے : "و أما البناء عليه فلم أر من اختار جوازه اهـ"(۱)۔ البتہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس سے قبل "و لا يرفع عليه بناء" کے ذیل میں لکھا ہے:"أى يحرم لو للزينة، ويكره لو للإحكام بعد الدفن ، و أما قبله فليس بقبر "، امداد. و فى الأحكام عن جامع الفتاوى : وقيل لا يكره البناء إذا كان الميت من المشايخ والعلماء والسادات اهـ"(۲)۔

سواولاً تو اس کو"قيل"کے ساتھ نقل کیا ہے جو کہ "لا يرفع عليه بناء"کے مقابلہ میں ضعیف ہے۔ ثانیاً: "لا يرفع" کی تفسیر"يحرم"اور"يكره"سے کی ہے اوراس کے مقابل کولا کر"يكره"سے بیان کیا ہے، اور محرم، مبیح میں جب تقابل ہوتا ہے تو محرم کو ترجیح ہوتی ہے، كما تقرر فى الاصول (۳)۔ ثالثاً:"لا يرفع"متون میں ہے اور"لا يكره"فتاویٰ میں ہے اور متون کو تقدیم ہوتی ہے شروح اور فتاویٰ پر كما فى شرح عقود رسم المفتى (٤)۔ رابعاً: شامی نے خود آگے اس کے خلاف تحریر کیا ہے یعنی:

"وأما البناء عليه فلم أر من اختار جوازه، و فى شرح المنية عن منية المفتى: المختار أنه لا يكره التطيين. وعن أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ: يكره أن يبنى عليه بناءٌ من بيت أو قبة أو نحو ذلك، لما روى جابر رضى الله تعالىٰ عنه: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن

---

(۱) (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۲)(ردالمحتار، المصدر السابق)

(۳) "إذا تعارض المانع والمقتضى ، يقدم المانع ". (قواعد الفقه، ص: ٥٦، الصدف پبلشرز)

(۴) "التاسعة .... قلت: حاصله أن أصحاب المتون التزموا وضع القول الصحيح ، فيكون ما فى غيرها مقابل الصحيح ما لم يصرح بتصحيحه، فقدم عليها .... إذ صرّحوا بأنه إذا تعارض ما فى المتون والفتاوى ، فالمعتمد ما فى المتون اهـ". (شرح عقود رسم المفتى، ص: ۸۴، عند بحث الترجيح، مير محمد كتب خانه)

تجصيص القبور، وأن يكتب عليها، و أن يبنیٰ عليها". رواه مسلم وغيره"(۱)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل مذہب عدمِ جواز ہے، پھر اس کے مقابلہ میں "قیـــل" کی حیثیت کچھ نہیں، لہذا علامہ شامی کی رائے کے موافق بھی جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اگر ان کی رائے جواز کی ہوتی تو آگے اس کی تردید نہ کرتے۔ نیز مشائخ کی قبور پر جو بدعات وخرافات عام طور پر ہوتی ہیں وہ اظہر من الشّمس ہیں، لہٰذا قبر کو نہ اندر سے پختہ بنانا جائز ہے نہ اوپر سے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

پختہ قبر کو ڈھادینا

سـوال[۴۲۸۱]: پختہ قبر بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر چاروں طرف پختہ ہو، اور بیچ میں مٹی ہو تو کیا حکم ہے؟ فتویٰ اور احتیاط دونوں صورتوں میں تحریر فرمائیں۔

میرے ایک رشتہ دار کا انتقال ہوا، باوجود بہت منع کرنے کے ان کے لڑکے نے قبر پختہ بنادی، چاروں طرف اینٹ اور درمیان میں مٹی ہے۔ اب تک ہمارے یہاں کچی ہی قبر کا رواج تھا، لیکن اس سے پختہ کرنے کا عام رواج پڑنے کا خوف ہے، آگے یہ فتنہ کی صورت بن سکتی ہے، اگر اسے میں ڈھادوں تو کوئی لڑائی جھگڑے کی صورت نہیں بنے گی۔ ایسی حالت میں میں کیا کروں، غیر کی ملک میں تصرف کرنے سے گناہ گار تو نہیں ہوں گا؟ اس فتنہ کے روکنے کے لئے مجھے کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

باوجود بہت منع کرنے کے بھی جب قبر پختہ بنادی گئی، تو آپ خود غور کرلیں کہ اگر اسے آپ ڈھادیں گے تو جھگڑا ہوگا یا نہیں، "تغییرِ منکر" بڑا منصب ہے مگر اس کے لئے بڑی اہلیت کی ضرورت ہے اور شرائط بھی سخت ہیں (۲)، بسا اوقات ایسی صورت میں بڑا فتنہ ہوجاتا ہے، جس کو دینی اور دنیوی حیثیت سے برداشت کرنا دشوار

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

(والصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل: النهي عن تجصيص القبور اهـ: ۱/۳۱۲، قديمي)

(و راجع أيضاً عنوان: "قبر پر قبہ بنانا"۔)

(۲) "و شرطها (أي الأمر والنهي) أن لا يؤدي إلى الفتنة، كما علم من الحديث، وأن يظن قبوله، فإن ظن =

ہوتا ہے میت کے ورثاء کو اگر مسئلہ سمجھا کر صاف کیا جائے، اور وہ اپنی غلطی کا خود ہی تدارک کریں اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ اچھا اثر پڑے گا، اور عام رواج نہیں ہوگا، بلکہ دوسرے لوگ سمجھ جائیں گے کہ یہ طریقہ غلط ہے اور کوئی فتنہ بھی نہیں ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۷/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۷/ ۹۰ھ۔

پختہ قبر کو منہدم کرنا

سوال [۴۲۸۲]: پہلے پکی قبریں جو بنی ہوئی ہیں ان کے لئے انہدام جائز ہوگا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انہدام جائز ہے، پختہ قبریں گرا کر کچی قبر کا نشان باقی رکھا جائے، لیکن اگر اس سے شورش پیدا ہو اور فتنہ برپا ہو، تو اس سے اجتناب کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= أنه لا يقبل، فيستحسن إظهار الشعار الإسلام". (مرقاة المفاتيح، كتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۸/ ۸۶۲، رقم الحديث: ۵۱۳۷، رشيديه)

(۱) "وعن أبي الهياج الأسدي، قال: قال لي علي: ألّا ابعثك على مابعثني عليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أن لاتدع تصالاً إلا طمسته، ولا قبراً مشرفاً إلّا سويته .... عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه، قال: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أن يحصص القبر وأن يُبنى عليه وأن يقعد عليه رواه مسلم (مشكاة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الأول، ص: ۱۴۸، قديمي)

قال الملا علي القاري في شرحه: "(ولا قبراً مشرفاً) هو الذي بني عليه حتى ارتفع .... ويستحب الهدم .... قال في الازهار: النهي عن تجصيص القبور للكراهة، وهو يتناول البناء بذلك وتجصيص وجهه والنهي في البناء للكراهة إن كانا في ملكه، والحرمة في المقبرة المسبلة ويجب الهدم وإن كان مسجداً". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب دفن الميت، (رقم الحديث: ۱۶۹۶، ۱۶۹۷): ۴/ ۱۷۷، رشيديه)

قبر پر پختہ فرش بنانے کے لئے والد کو اینٹ دینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال[۴۲۸۳] : والد صاحب نے اپنی کل جائداد مع دونوں مکانوں کے ہم تینوں لڑکوں کے نام ہبہ کردیا ہے اور اسی جائداد کے ساتھ میں قریب تین ہزار پکی اینٹیں ہم کو ملی ہیں، اب انہیں اینٹوں میں سے پانچ سو اینٹ اپنی قبر کے اوپر چبوترہ بنانے کے لئے مانگ رہے ہیں۔ ایسی صورت میں ہم والد صاحب کو اینٹ دیں یا نہ دیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابھی اینٹ دیدیں پھر ان کے انتقال کے بعد ان کو قبرستان میں کچی قبر میں دفن کردیں (۱) اور اس دی ہوئی اینٹ کو چبوترہ توڑ کر بطور ترکہ تقسیم کرلیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۵/ ۸۸ھ۔

---

(۱) چونکہ قبر پکی کرنے سے احادیث میں منع آیا ہے اس لئے اس قسم کی وصیت درست اور قابلِ نفاذ نہیں:

"(أو صى بأن يطين قبره أو يضرب عليه قبة فهي باطلة) كما في الخانية وغيرها وقد مناه عن السراجية وغيرها .... فينبغي أن يكون القول ببطلان الوصية بالتطين مبنياً على القول بالكراهة لأنها حينئذٍ وصية بالمكروه". (الدرالمختار). "ولم يتعرض لبناء القبة فهو مكروه اتفاقا". (رد المحتار، قبيل باب الوصية بالخدمة والسكنى والثمرة: ۶/ ۶۹۰، سعيد)

عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: نهىٰ رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أن يجصص القبر وأن يبنىٰ عليه وأن يقعد عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، ص: ۱۴۸، قديمي)

نقل الملا على القارى عن الأزهار تحت هذا الحديث: "النهى عن تجصص القبور للكراهة، وهو يتناول البناء بذٰلک وتجصص وجهه، والنهى فى البناء للكراهة إن كان فى ملكه، وللحرمة فى المعتبرة المسبلة ويجب الهدم وإن كان مسجداً، وقال التور پشتى: يتحمل وجهين أحدهما: البناء على القبر بالحجارة وماتجرى مجراها، والأخر أن يضرب عليها ضباء ونحوه وكلاهما منهى لعدم الفائدة فيه". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، (رقم الحديث: ۱۶۹۷): ۴/ ۱۷۷، رشيديه)

قبروں پر آڑ لگانا

سوال[۴۲۸۴]: قبرستان پر اگر پکی قبریں نہ بناکر آڑ لگادیا جائے تو کیا جائز ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز بلکہ بہت مناسب ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) اگر کفن چوری کرنے کا خطرہ ہو تو اس کے لئے تین دن تک قبر پر خیمہ لگانے کو فقہائے کرام نے جائز قرار دیا ہے، لہذا اسی طرح اگر قبر کو مویشی وغیرہ سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو بطورِ حفاظت آڑ لگانا چاہئے: "و قال ابن حبیب : أراد(أی ضرب الفسطاط علی القبر) فی الیوم والیومین والثلاثة واسعاً إذا خیف من نبشٍ أو غیره". (عمدة القاری، کتاب الجنائز، باب ما یکره من اتخاذ المساجد علی القبور : ۱۳۴/۸، إدارة الطباعة المنیریة بیروت)

الفصل السابع فی إلقاء الریاحین وغیرها علی القبور

(قبروں پر پھول، چادر ڈالنے اور روشنی کا بیان)

قبر پر پھول ڈالنا

سوال[۴۲۸۵]: قبر پر پھول ڈالنا کیسا ہے؟ ردالمحتار کی عبارت سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، ردالمحتار میں ہے: ''قبر پر پھول ڈالنا بہتر ہے کہ جب تک تر رہیں گے، تسبیح کریں گے اور میت کا دل بہلے گا''۔ ردالمحتار۔ یوں ہی جنازہ پر پھول، چادر ڈالنے میں کوئی حرج نہیں!

الجواب حامداً ومصلیاً:

عبارت ردالمحتار جس کو پھول ڈالنے کے لئے نقل کیا ہے دراصل گھاس کو قبر سے کاٹنے کے متعلق ہے اصل عبارت یہ ہے: "یکره أیضاً قطع النبات الرطب والحشیش من المقبرة دون الیابس، کما فی البحر والدر وشرح المنیة. وعلله فی الإمداد بأنه مادام رطباً یسبح الله تعالیٰ، فیونس المیت وتنزل بذکره الرحمة، اه"(۱)۔ اس کے بعد شامی نے بطورِ قیاس لکھا ہے: "ویقاس علیه ما اعتید فی زماننا من وضع أغصان الآس ونحوه اه"(۲)۔ اپنی طرف سے صرف یہ قیاس کیا ہے اور مجتہد بنا سے کوئی نقل پیش نہیں کی۔ شافعیہ سے نقل کیا ہے:"وصرح بذلك أیضاً جماعة من الشافعیة، اه" (۳)۔ محدثین کی ایک بڑی جماعت حدیث "وضع الجریدة" کی تخصیص ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت تھی، علامہ شامی کو شافعیہ کی رائے پسند ہے:"وهذا أولیٰ مما قاله بعض المالکیة من أن

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، مطلب فی وضع الجرید ونحو الآس علی القبور: ۲/۲۴۵، سعید)

(۲) (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۳) (ردالمحتار، المصدر السابق)

التخفيف عن القبرين إنما حصل ببركة يده الشريفة صلى الله عليه وسلم أو دعائه لهما، فلا يقاس عليه غيره، اه"(۱)۔ اگر قیاس ہی کرنا ہے تو جس قدر کا ثبوت ہے اس کو اتنی ہی مقدار میں قیاس کیا جاوے:"وقد ذكر البخاری فی صحيحه أن بريدة ابن الحصيب رضى الله تعالىٰ عنه أوصى بأن يجعل فى قبره جريدتان، اه"(۲)۔ پھر یہ کہ عامۂ مشائخ اور اولیائے کرام کے مزارات پر پھول چڑھاتے ہیں جن کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا بھی دشوار ہے کہ ان کے لئے تخفیفِ عذاب کی ضرورت ہے اور اگر کوئی دنیا دار آدمی ہو جس کے ذمہ بہت سے حقوق ہوں اور بحکمِ نصوص عذاب قبر کے مستحق ہوں ان کی قبر پر پھول نہیں ڈالے جاتے۔ جنازہ پر پھول چادر ڈالنا اگر کسی صحابی، تابعی، مجتہد سے ثابت ہو تو اس کو پیش کیا جائے۔ کفن میں خوشبو، حنوط وغیرہ لگانا درمختار نے جہل لکھا ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

قبر پر پھول وغیرہ ڈالنا

سوال[۴۲۸۶]: جب دین مکمل ہے تو ہر چیز کا حکم اور نہی موجود ہوگی، اسی طرح فاتحہ اور پھول مالا وغیرہ رسوم کی مخالفت بھی موجود ہوگی، خصوصاً جبکہ ان امور کو مستحب سمجھ کر کیا جاتا ہو تو پھر دیوبندی حضرات کیوں نہیں کرتے اور کیوں منع کرتے ہیں جبکہ مخالفت کی صریح دلیل نہیں اور حنفیہ کے یہاں مفہوم مخالف کا اعتبار بھی نہیں، دیوبندی حضرات بھی مفہوم مخالف کا اعتبار کر کے امر مستحب پھول، مالا، دعائے ثانیہ وغیرہ سے منع کرتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

میت اور قبر سے متعلق فرائض، واجبات، سنن مستحبات سب احکام کتبِ فقہ میں مذکور ہیں، جو کہ کتاب، سنت، اجماع، قیاس سے ماخوذ ہیں۔ اگر یہ پھول وغیرہ اور دعائے ثانیہ دین کی لازمی چیزیں ہوتیں تو ان کا بھی

---

(۱)(رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب فى وضع الجريد .... على القبور: ۲/۲۴۰، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۳) "(ويجعل الحنوط) وهو بفتح الحاء العطر المركب من الأشياء الطيبة غير زعفران وودس) لكراهتهما للرجال وجعلهما فى الكفن جهل". (الدرالمختار، باب صلوة الجنائز: ۲/۱۹۷، سعيد)

ثبوت ہوتا، مدعی کے لئے ثبوت کی ضرورت ہوتی ہے منکر کے لئے عدم ثبوت کافی ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کفن یا قبر پر پھول ڈالنا

سوال[۴۲۸۷]: قبر یا کفن پر پھول ڈالنا کیسا ہے؟ خوشبو لگانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کو کفن پہناتے وقت جو خوشبو لگائی جاتی ہے وہ ثابت ہے(۲) اور وہی کافی ہے، نہ کفن پر پھول ڈالے جائیں نہ قبر میں(۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۹۴ھ۔

ایضاً

سوال[۴۲۸۸]: میت کو کفن پہناتے وقت کفن کے اندر پھول چھڑک دیتے ہیں اسی طرح قبر میں پھول ڈال دیتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟

---

(۱) قال العلامة النووی: "وجاء فی روایة البیهقی وغیره بإسناد حسن أو صحیح........ عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال ...... "البینة علی المدعی" ....اهـ" الحدیث ......قال: وهذا الحدیث قاعدة کبیرة من قواعد أحکام الشرع، ففیه: أنه لا یقبل قول الإنسان فیما یدعیه بمجرد دعواه، بل یحتاج إلی بینة". (شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب الأقضیة، باب الیمین علی المدعی علیه: ۲/۷۴، قدیمی)

(۲) "وجمیع ما یجمّر فیه المیت ثلاثة مواضع: عند خروج روحه لإزالة الرائحة الکریهة، وعند غسله، وعند تکفینه، ولا یجمّر خلفه ولا فی القبر". (البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۲/۳۱۰، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، باب صلوة الجنازة، ۲/۱۹۵، سعید)

(وفتح القدیر، باب الجنائز، فصل فی الغسل: ۲/۱۰۸، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۳)"قال العینی رحمه الله تعالیٰ: إن إلقاء الریاحین لیس بشیٔ". (فیض الباری، کتاب الجنائز، باب الجرید علی القبر: ۲/۴۸۹، مکتبه حضر راه بکڈپو دیوبند)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ثابت نہیں غلط طریقہ ہے(۱)، البتہ کفن پہناتے وقت میت کو خوشبو لگانا ثابت ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

قبر پر پھول، چادر، روشنی کرنا

سوال[۴۲۸۹]: قبر کے گرد روشنی کرنا، قبر پر غلاف ڈالنا اور پھولوں کی چادر جنازہ یا قبر پر ڈالنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ سب چیزیں بھی بدعت ہیں(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

---

(۱) قال العلامة العینی رحمه الله تعالیٰ: "أنکر الخطابی و من تبعه وضع الجرید الیابس، و کذلک ما یفعله أکثر الناس من وضع ما فیه رطوبة من الریاحین و البقول و نحوهما علی القبور لیس بشیء". (عمدة القاری، کتاب الوضوء، قبیل باب ما جاء فی غسل البول: ۱۲۱/۳، إدارة الطباعة المنیریة، دمشق)

(و کذا فی فیض الباری، باب من الکبائر أن لا یستتر من البول: ۳۱۱/۱، خضر راه بکڈپو دیوبند)

(و بمعناه فی شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب الطهارة باب الدلیل علی نجاسة البول و وجوب الاستبراء منه: ۱۴۱/۱، قدیمی)

(۲) "أخرج الحاکم فی المستدرک .... عن أبی وائل، قال: کان عند علیّ رضی الله تعالیٰ عنه مسک فأوصی أن یحنط به، و قال: هو فضل حنوط رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم". (نصب الرایة لأحادیث الهدایة، باب الجنائز: ۲۵۹/۲، مؤسسة الریان)

"وتجمّر الأکفان قبل أن یدرج فیها المیت و تراً؛ لأنه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أمر بإجمار أکفان بنته وتراً والإجمار هو التطیب". (الهدایة، باب الجنائز، قبیل فصل فی الصلوة علی المیت: ۱۸۰/۱، مکتبه شرکة علمیه، ملتان)

(و کذا فی الحلبی الکبیر، فصل فی الجنائز، ص: ۵۸۲، سهیل اکیڈمی لاهور)

(۳) (سیأتی تخرجه تحت عنوان: "مصنوعی قبروں پر پھول چادر چڑھانا"۔) ....=

مصنوعی قبر پر پھول، چادر چڑھانا

سوال[۴۲۹۰]: اکثر مقامات پر مصنوعی قبریں بنا کر چادر وغیرہ چڑھاتے ہیں، کیا مصنوعی قبروں پر ایسا کرنا جائز ہے؟ ایسے لوگ مثال دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوقبروں پر کھجور کی سبز ٹہنی گاڑ دی تھی، وہ تو قبر والوں پر عذاب ہورہا تھا، لہٰذا اس کا منشاء اَور تھا، لیکن اس جگہ تو زینت کے لئے پھول وغیرہ چڑھاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصنوعی قبروں کو بنا کر مخلوق کو دھوکا دینا ہے جو کہ معصیت ہے (۱) اور قبروں پر پھول وغیرہ چڑھانا درست نہیں ہے (۲)۔ حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوقبروں پر شاخ گاڑنا منقول ہے وہ بھی اس لئے کہ ان دونوں پر عذاب قبر ہورہا تھا (۳)، وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت

= "وما يؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم، فهو بالإجماع باطل وحرام". (الدرالمختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ومالا يفسد، مطلب فى النذر الذى يقع للأموات الخ: ۴۳۹/۲، سعيد)

"وإخراج الشموع إلى رأس القبور الليالى الأولى بدعة، كذا فى السراجية" (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر فى زيارة القبور الخ: ۳۵۱/۵، رشيديه)

(۱) "فقال السيد: هو (أى الخداع) أن يوهم صاحبه خلاف ما وأما المؤمنون وإن جاز أن يخدعوا إلا أنه يبعد أن يقصدوا خدع المنافقين؛ لأنه غير مستحسن، بل مذموم مستهجن، وهى أشبه شئ بالنفاق، وهم فى غنى عنه .... ﴿وما يشعرون﴾ ...... هلاک أنفسهم وإيقاعها فى الشقاء الأبدى بكفرهم ونفاقهم ...... والمراد لا يشعرون بشئ". (روح المعانى، (سورة البقرة: ۹) : ۱۴۵/۱، ۱۴۸، دارإحياء التراث العربى، بيروت)

(۲) "وقال العينى رحمه الله تعالىٰ: إن إلقاء الرياحين ليس بشئ". (فيض البارى، كتاب الجنائز، باب الجريد على القبر: ۴۸۹/۲، مكتبه خضر راه بكڈپو ديوبند)

(۳) "عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال: مرّ النبى صلى الله عليه وسلم على قبرين، فقال: إنهما يعذبان ...... ثم دعا بعسيب رطب، فشقه بإثنين، ثم غرس على هذا واحداً وعلى هذا واحداً، وقال: "لعله يخفف عنهما ما لم ييبسا". (صحيح البخارى، كتاب الجنائز، باب الجريد على القبر: ۱۸۱/۱-۱۸۲، قديمى)

(وسنن أبى داؤد واللفظ له، كتاب الطهارة، باب الاستبراء من البول: ۴/۱، مكتبه دار الحديث ملتان)

شامل تھی (۱)۔ اگر اس سے استدلال کرکے بزرگانِ دین کے مزارات پر پھول چڑھائے جاتے ہیں تو کیا یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان بزرگانِ دین کو عذابِ قبر ہو رہا ہے (معاذ اللہ)۔ ان دو قبروں کے علاوہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں شاخ کا گاڑنا بھی ثابت نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ کانپور۔

صحابہ کے مزارات پر پھول ڈالنا

سوال [۴۲۹۱]: اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیر تعداد میں شہید ہوئے اور امامانِ شریعت وطریقت بھی ہوئے۔ کیا ان کے مزارات پر غلاف یا پھول وغیرہ چڑھایا جاتا ہے اور ان کا سویم، دسواں، چالیسواں وغیرہ بھی ہوتا ہے جس طرح ہندوستان میں ہوتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ہندوستان میں بزرگانِ دین کے مزارات پر جو کچھ بھی لوگ کرتے ہیں مجھے علم نہیں کہ کسی دوسرے ممالک میں بھی یہ سب کیا جاتا ہے، بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اولیائے کرام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزارات تو ان چیزوں سے محفوظ ہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قبروں پر پھول چڑھانے کے لئے ایک آیت اور حدیث سے استدلال

سوال [۴۲۹۲]: جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو قبروں پر تر شاخ کو شق کرکے گاڑ دیا اور فرمایا کہ "جب تک تر رہیں گی، عذاب میں تخفیف رہے گی"۔ اس سے قبروں پر پھول وغیرہ چڑھانے کی دلیل پکڑتے ہیں (۳)۔ کہتے ہیں: ﴿وإن من شیء إلا یسبح بحمده ولکن لا تفقهون

---

(۱) "قال الطرطوشي: لأن ذلک خاص ببرکة یده صلی الله تعالیٰ علیه وسلم". (إعلاء السنن، کتاب الجنائز، باب استحباب غرز الجرید الرطبة علی القبر: ۸/ ۲۸۹، إدارة القرآن، کراچی)

(۲) بلکہ سب سے زیادہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم عرب ممالک میں دفن ہیں اور ان تمام ممالک میں کسی بھی ملک میں نہ غلاف چڑھائے جاتے ہیں اور نہ پھول وغیرہ، اگر اس طرح کا کوئی عمل مسنون یا مستحب ہوتا، تو وہ لوگ اس کے زیادہ مستحق ہیں، کہ وہ اس پر عمل پیرا ہوں، لیکن یہ طریقے اہلِ بدعت کے ایجاد کردہ ہیں۔

(۳) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: مر النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی قبرین، فقال: =

تسبیحهم﴾ الآیة قول اللہ تعالیٰ ہے(۱)اور یہ ذی حیات کے ساتھ مخصوص ہے اور تر لکڑی ذی حیات ہے۔تو یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں؟ اگر یہ خصوصیت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے تو اس کی کیا دلیل ہے، وہ دونوں قبریں مسلمانوں کی تھیں یا کفار کی؟ اور اس کی دلیل۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس روایت سے استدلال کرنے میں اشکال ہے، وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے علم ہوگیا تھا کہ قبر میں عذاب ہورہا ہے(۲)، کیا آج بھی کسی پر وحی آتی ہے کہ فلاں قبر میں عذاب ہورہا ہے؟ نیز جن مزارات پر یہ لوگ پھول چڑھاتے ہیں، کیا یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان اولیاء اللہ پر عذاب ہورہا ہے، مثلاً: اجمیر شریف، کلیر شریف، دہلی شریف میں عامۂ حاضر ہوکر مقابرِ اہل اللہ کی قبروں پر چڑھاتے ہیں، کیا یہی عقیدہ ہوتا ہے(۳) کسی فاسق فاجر کی قبر پر نوبت کم آتی ہے؟!

اس حدیث کے ذیل میں علماء نے تخصیص کا احتمال بھی لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی (۴) اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تیقن کا صیغہ استعمال نہیں فرمایا، بلکہ

= "إنهما يعذبان" .... ثم دعا بعسيب رطب، فشقه باثنين، ثم غرس على هذا واحداً وعلى هذا واحداً، وقال: "لعله يخفّف عنهما ما لم ييبسا". (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب الإستبراء من البول: ۱/۴، دار الحديث ملتان)

(و رواه البخاري في الجنائز، باب الجريد على القبر: ۱/۱۸۱، ۱۸۲ قديمي)

(۱) (الإسراء: ۴۴)

(۲) "قال المازري: يحتمل أن يكون أوحي إليه أن العذاب يخفف عنها هذه المدة". (فتح الباري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله: ۱/۴۲۵، قديمي)

(۳) "قلت .... إن كانوا يدّعون اتباع الحديث، فعليهم أن يضعوا الجرائد دون الرياحين، وعلى المعذبين دون المقربين؛ لأن الحديث إنما ورد في المعذبين ..... الخ". (البدر الساري على حاشية فيض الباري، باب من الكبائر أن ..... الخ: ۱/۳۱۱، خضر راه بكڈپو ديوبند)

(۴) "بعض العلماء قال: إنها واقعة عين يحتمل أن تكون مخصوصةً بمن اطلعه الله تعالىٰ على حال الميت". (فتح الباري، كتاب الجنائز، باب الجريدة على القبر: ۳/۲۲۴، دار المعرفة، بيروت) .....=

"لعلّ" فرمایا ہے(۱)۔اس حدیث کی شرح میں حافظ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "إن إلقاء الرياحين ليس بشيء،اه" (۲) ۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری:۱/ ۲۷۷ میں لکھا ہے:

"وأما حديث الباب فظاهر من مجموع طرقه أنهما كانا مسلمين، ففي رواية ابن ماجة: "مر بقبرين جديدين" (۳)، فانتفىٰ كونهما في الجاهلية. و في حديث أبي أمامة عند أحمد: أنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم مر بالبقيع فقال: "من دفنتم اليوم ههنا"(٤)؟ فهذا يدل على أنهما كانا مسلمين۔ و في رواية أبي بكرة عند أحمد،والطبراني بإسناد صحيح: "يعذبان، و ما يعذبان في كبير، و ما يعذبان إلا في الغيبة والبول"(٥). فهذا الحصر ينفي كونهما كانا كافرين؛ لأن الكافر وإن عذب على ترك أحكام الإسلام، فإنه يعذب مع ذلك على الكفر بلاخلاف"(٦)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= "و قد استنكر الخطابي و من تبعه وضع الناس الجريدة و نحوه في القبر عملاً بهذا الحديث، قال الطرطوسي: لأن ذلک خاص ببرکةيده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم...... الخ". (فتح الباري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لايستتر من بوله: ۱/۳۲۸، قديمي)

(وكذا في فيض الباري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن ...... الخ: ۱/ ۳۱۱، خضر راه بكڈپو ديوبند)

(۱) و "لعل" للترجي.

(۲) (عمدة القاري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله: ۳/ ۱۸۰، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) (سنن ابن ماجة، كتاب الطهارة، باب التشديد في البول، ص: ۲۹، قديمي)

(۴) (مسند الإمام أحمد، حديث أبي أمامة، (رقم الحديث: ۲۱۷۸۹): ۵/ ۳۵۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۵) (مسند الإمام أحمد، حديث أبي بكرة نفيع بن حارث، (رقم الحديث: ۱۹۸۶۰): ۵/ ۱۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن عائشة رضي الله عنها: قالت: مرّ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بقبرين يعذبان، فقال: "إنهما يعذبان، و ما يعذبان في كبير، كان أحدهما لا يتنزه من البول". الحديث. رواه الطبراني في الأوسط". (مجمع الزوائد: ۱/ ۲۰۷، دار الفكر، بيروت)

(۶) (فتح الباري، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله: ۱/ ۳۲۶، قديمي)

قبور پر چادر

سوال[۴۲۹۳]: مزارات پر چادر چڑھانا، اولیاء اللہ سے استمداد چاہنا کن صورتوں میں جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مزارات پر چادر چڑھانا منع ہے: "ویکره الستور علی القبور" (۱)۔ اولیاء اللہ کی ارواح سے استمداد کرنا یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ ہم جب مصیبت میں گرفتار ہوکر ان بزرگوں کو آواز دیتے اور ان سے مدد مانگتے ہیں تو وہ ہماری فریاد کو ہر جگہ سنتے اور ہماری مدد کے لئے آتے ہیں، یہ عقیدہ اسلامی عقیدہ نہیں بلکہ مشرکانہ عقیدہ ہے۔ اس سے اسلام سلامت رہنا دشوار ہے:"ویکفر بقوله أرواح المشایخ حاضرة تعلم". مجمع الأنهر: ۲/۶۹۹ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قبر پر چراغ، اگربتی، لوبان وغیرہ

سوال[۴۲۹۴]: قبر کے اوپر چراغ، اگربتی، لوبان وغیرہ کا جلانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بدعت اور ممنوع ہے، میت کے لئے خوشبو لگانا تین وقت ثابت ہے: ایک جب اس کی روح نکلے، دوسرے جب اس کو غسل دیا جائے، تیسرے کفن پہنانے کے قریب، بحر: ۲/۱۹۱ (۳)۔ قبر پر ثابت نہیں نہ دفن سے پہلے اور نہ دفن کے بعد جو لوگ قبر پر چراغ جلاتے ہیں ان پر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت

---

(۱) (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، قبیل فصل فی النظر واللمس: ۶/۳۶۳، سعید)

(۲) (مجمع الأنهر، کتاب السیر والجهاد، باب المرتد، ثم ألفاظ الکفر أنواع: ۲/۵۰۵، المکتبة الغفاریة کوئٹه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۵/۲۰۹، رشیدیه)

(۳)"وجمیع ما یجمّر فیه المیت ثلاثه مواضع: عند خروج روحه لإزالة الرائحة الکریهة، وعند غسله، وعند تکفینه، ولا یجمّر خلفه ولا فی القبر."(البحر الرائق، کتاب الجنائز: ۲/۳۱۰، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، باب صلوة الجنازة: ۲/۱۹۵، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر، باب الجنائز. فصل فی الغسل: ۲/۱۰۸، مصطفی البابی الحلبی مصر)

فرمائی ہے۔مشکوۃ شریف،ص:۷۱(۱)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

شبِ براءت میں قبروں پر روشنی اور اگربتی

سوال[۴۲۹۵]: شب براءت میں قبروں پر روشنی کرنا اور اگربتی جلانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رسم جہالت ہے،جس سے بچنا ضروری ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

قبر پر اگربتی جلانا،اذان دینا،تیجہ کرنا

سوال[۴۲۹۶]: بعض جگہ میں عام دستور ہے کہ اگر کوئی مرجاتا ہے تو تین روز تک قبر پر بتیاں جلائی جاتی ہیں اور اذان پڑھی جاتی ہے اور تیسرے دن تیجہ کے نام سے کلام مجید اور آیت کریمہ پڑھنا لازمی اور ضروری سمجھا جاتا ہے۔کیا شرعاً یہ صورتیں جائز ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ امور بدعت اور ناجائز ہیں(۳)۔قرآن کریم پڑھ کر،یا نماز پڑھ کر،یا روزہ رکھ کر،یا غرباء کو کھانا،کپڑا،نقد دیکر بلاتعیینِ تاریخ ثواب پہنچانا اور جس قدر جلدی ممکن ہو اس میں جلدی کرنا بلکہ دفن سے پہلے پہلے کرنا مستحسن اور باعثِ ثواب ہے(۴)۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور،۹/۹/۵۹ھ۔

صحیح:عبداللطیف،مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور،۱۰/ ذیقعدہ/ ۵۹ھ۔

صحیح:سعید احمد غفرلہ،۱۰/ ذیقعدہ/ ۵۹ھ۔

---

(۱) "وعن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: لعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم زائرات القبور، والمتخذين عليها المساجد والسرج". رواه أبو داود والترمذي والنسائي". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الصلوٰة، باب المساجد ومواضع الصلوٰة، ص: ۷۱، قديمي)

(۲) "وإخراج الشموع إلى رأس القبور في الليالي الأولى بدعة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور الخ: ۵/ ۳۵۱، رشيديه)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "شب براءت میں قبروں پر روشنی اور اگربتی")

(۴) "فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره عند أهل السنة والجماعة صلوٰة كان أو صوماً أو صدقةً أو =

قبروں پر پانی چھڑکنا

سوال[۴۲۹۷]: قبر کے اوپر مٹی ڈالنے کے بعد لوٹے سے ایک لوٹا پانی ڈالتے ہیں اس نیت سے کہ میت کو ٹھنڈک پہونچے۔ کیا یہ صورت یا یہ عقیدہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ عقیدہ غلط ہے، البتہ مٹی جمنے کی غرض سے پانی ڈالتے ہیں کہ ہوا سے منتشر نہ ہوجائے، یہ ثابت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قبر سے متعلق چند خرافات

سوال[۴۲۹۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص کا انتقال ہوگیا اس کے ماننے والوں نے تجہیز وتکفین وتدفین کے سلسلے میں مندرجہ ذیل امور کئے:

= قراءة للقرآن أو الأذكار أو غير ذلك من أنواع البر، ويَصِل ذلك إلى الميت، وينفعه، قاله الزيلعي في باب الحج عن الغير." (مراقي الفلاح كتاب الصلوٰة، فصل في زيارة القبور، ص: ۵۲۱، ۵۲۲، قديمي)

(وكذا في البحر والفتح، والهداية كلهم في باب الحج عن الغير)

(۱) "وعن جعفر بن محمد، عن أبيه مرسلاً، أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حثا على الميت ثلاث حثيات بيديه جميعاً، وأنه رش على قبر ابنه إبراهيم، ووضع عليه حصباء". رواه في شرح السنة".

(مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثاني، ص: ۱۴۸، قديمي)

(ومراسيل أبي داؤد الملحق بسننه، ما جاء في الجنائز، في الدفن، ص: ۱۸، سعيد)

(وابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ماجاء في إدخال الميت القبر، ص: ۱۱۱، قديمي)

"ولا بأس برش الماء عليه حفظاً لترابه عن الاندراس". (الدرالمختار). "بل ينبغي أن يندب؛ لأنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فعله بقبر سعد، كما رواه ابن ماجة. وبقبر ولده إبراهيم، كما رواه أبو داؤد في مراسيله. وأمر به في قبر عثمان بن مظعون، كما رواه البزار". (ردالمحتار، باب الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

۱......نماز جنازہ پڑھ لینے کے بعد بالقصد قبر کھودنے میں دیر کرنا بایں وجہ کہ ان کے مریدین دور دراز سے آنے والے ہیں وہ لوگ پیر کے چہرہ کو دیکھ لیں:

۲......قبر میں مردہ کو رکھ کر ایک دو روز تک قبر کھلی ہوئی رکھنا،

۳......چھوٹی الائچی پیس کر مُردے کے بدن پر لگانا۔

۴......میت کے غسالہ (دھوون) کو تبرک سمجھ کر پینا، پلانا۔

۵......قبر کو چھ فٹ گہرا کھودنا تا کہ پیر قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکے۔

۶......قبر میں گدے بچھانا، پھولوں کی سیج بچھانا، تین تکیے: ایک دائیں جانب، دوسرے بائیں جانب، تیسرے سرہانے کی جانب رکھنا، چھڑی اور بدھنا رکھنا، ٹوپی وغیرہ پہنانا۔

۷......شخص مذکور کے ماننے والے نے اس قسم کی باتیں بھی کہی ہیں، مثلاً تمام نبیوں سے اعلیٰ ہے میرا پیر، نیز یہ بھی کہا ہے کہ اسی سیرت کی پوجا کرو اسی میں کامرانی ہے (العیاذ باللہ)۔

نوٹ: جمیع سوالات کے جوابات مدلل ومفصل بحوالہ کتب عنایت فرمادیں۔

محمد مصطفیٰ قاسمی، جامع العلوم، جامع مسجد فیروز آباد، آگرہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت اور اس کے غسل اور دفن اور قبر سے متعلق چھوٹے سے چھوٹے مستحبات بھی کتب فقہ میں مذکور ہیں، امورِ مسئولہ کا ذکر نہ قرآن کریم میں ہے، نہ حدیث شریف میں ہے، نہ فقہ کی مستند کتب میں، پس یہ سب چیزیں بے اصل ہیں، بے دلیل ہیں، جہالت ہیں، ضلالت ہیں، بدعت ہیں(۱) اور بعض ان میں شرک

---

(۱) "عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت: قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه، فهو رد". (صحیح البخاری، کتاب الصلح، بابٌ: إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۱، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الأقضیة، باب نقض الأحکام الباطلة و رد محدثات الأمور: ۲/۷۷، قدیمی)

قال العلامة المناوی تحته: "أی أنشأ و اخترع و أتی بأمر حدیث من قِبَل نفسه ......(ما لیس منه): أی رأیاً لیس له فی الکتاب، أو السنة عاضد ظاهر أو خفی، ملفوظ أو مستنبط، (فهو رد): أی مردود علی فاعله لبطلانه". (فیض القدیر: ۱۱/۵۵۹۴، حدیث رقم: ۸۳۳۳، مکتبه نزار مصطفی الباز ریاض) =

ہیں (۱)، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح راستے پر چلائے۔ اگر دلائل کا مطالبہ کرنا ہے تو جو لوگ ان چیزوں کے مرتکب ہیں ان سے ثبوت طلب کیا جائے، ہمارے واسطے تو اتنی بات کافی ہے کہ ان چیزوں کا کہیں ثبوت نہیں۔

میت کی تجہیز و تکفین اور تدفین میں جلدی کرنے کا حکم حدیث وفقہ میں موجود ہے (۲)۔ قبر کا اتنا گہرا کھودنا غلط ہے بلکہ اتنی گہری ہونی چاہئے کہ میت کو اس میں رکھنے کے بعد جو تختہ وغیرہ رکھا جائے تو اس کے جسم سے مس نہ کرے، البتہ اوپر کا حصہ ایک آدمی کی قد کے برابر یا اس سے کچھ کم گہرا ہونا چاہیے (۳)۔ میت کے

= (و بمعناه مفصلاً في المرقاة شرح المشكوة، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۱/۳٦٦، ۳٦٧، رشيديه)

(۱) قوله: ''اس سیرت کی پوجا کرو'' پوجا کرنا شرک ہے، کیونکہ سجدہ کے لائق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے. ''وقال شمس الأئمة السرخسي: السجود لغير الله على وجه التعظيم كفرٌ''. (البحر الرائق، كتاب الكراهية، قبيل فصل في البيع: ۸/۳٦۴، رشيديه)

(و بمعناه في شرح الفقه الأكبر للقاري، أواخر فصل في الكفر صريحاً و كناية، ص: ۱۹۳، قديمي)

(۲) '' عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: سمعت النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: ''إذا مات أحدكم، فلا تحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره''. الحديث. رواه البيهقي في شعب الإيمان''. (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثالث، ص: ۱۴۹، قديمي)

قال القاري: ''(فلا تحبسوه): أي لا تؤخروا دفنه من غير عذر. قال ابن الهمام: يستحب الإسراع بتجهيزه كله حين يموت (و أسرعوا به إلى قبره) هو تاكيد و إشارة إلى سنة الإسراع في الجنازة''. (المرقاة، باب دفن الميت: ۴/۱۹۷، رقم الحديث: ۱۷۱۷، رشيديه)

(۳) ''و عن هشام بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال يوم أحد: ''احفروا و أوسعوا و أعمقوا و أحسنوا''. الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، الفصل الثاني، ص: ۱۴۸، قديمي)

''قال المظهر: أي اجعلوا عمقه قدر قامة الرجل إذا مدّيَده إلى رؤوس أصابعه''. (المرقاة، باب دفن الميت: ۴/۱۸۱، رقم الحديث: ۱۷۰۳، رشيديه)

(و كذا في رد المحتار، باب الجنائز، مطلب في دفن الميت: ۲/۲۳۴، سعيد)

نیچے گدا بچھانا صحابہ کرام، ائمۂ مجتہدین اور جملہ اصحابِ عظام سے کہیں ثابت نہیں۔ تین تکیوں کی مصلحت بھی وہی بتائیں گے، حدیث وفقہ میں تو کہیں نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مزارات پر خرافات

سوال[۴۲۹۹]: قبروں پر قبے بنانا، چادریں ڈالنا، چڑھانا، چڑھاوے چڑھانا، جھنڈے لگانا، نذر ونیاز کے طور پر مزاروں پر بکرے ذبح کرنا، شیرینی تقسیم کرنا، قرآن وحدیث وفقہ سے ثابت ہے یا نہیں اور سنت طریقہ ہے یا بدعت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب کام شرعاً ناجائز، مکروہ اور گناہ ہیں (۲)۔

---

(۱) بلکہ اس کو شارحینِ حدیث اور فقہائے کرام نے مکروہ تحریمی قرار دے کر رد کیا ہے: قال النووی فی شرحه علی مسلم: "و قد نص الشافعي و جميع أصحابنا وغيرهم من العلماء على كراهة وضع قطيفة أو مضربة[۳] و مخدة و نحو ذلك تحت الميت في القبر، و شذّ منهم البغوي من أصحابنا .... و الصواب كراهته كما قاله الجمهور. وأجابوا عن هذا الحديث بأن شقران انفرد بفعل ذلك، و لم يوافقه غيره .... و خالفه غيره، فروى البيهقي عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أنه كره أن يجعله تحت الميت ثوب في قبره، والله تعالىٰ أعلم". (الكامل للنووي، باب الجنائز ، فصل في استحباب اللحد: ۱/۱۱۳، قديمي)

(وكذا في رد المحتار ، باب الجنائز ، مطلب في دفن الميت : ۲/۲۳۳، سعيد)

(وكذا في المرقاة شرح المشكوة ، باب دفن الميت : ۴/۱۷۵، رقم الحديث: ۱۶۹۴، رشيديه)

(۲) أما بطلان قوله: "قبروں پر قبے بنانا" فلِمَا في الدر المختار: "ولا يجصص للنهي عنه، ولا يطين، ولا يرفع عليه بناء." قال ابن عابدينؒ: "وعن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: يكره أن يبنى عليه بناءٌ من بيت أو قبة أو نحو ذلك، لما روى جابر رضي الله تعالىٰ عنه: نهى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عن تجصيص القبور، وأن يكتب عليها، وأن يبنى عليها" رواه مسلم وغيره". (ردالمحتار، باب صلوٰة الجنازة: ۲/۲۳۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۰، رشيديه)

اور بعض شرک کی حد تک پہونچے ہوئے ہیں (۱)، نظام تصوف نمبر، اگست، ۶۳ء میں ملاحظہ فرمائیں۔
فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆......☆......☆

وأما قوله: ''چادریں ڈالنا، جھنڈے لگانا'' فراجع للتخريج (ص: ۱۷۴، رقم الحاشية: ۱، وص: ۱۷۳، رقم الحاشية: ۳)

وأيضاً قال العلامة الشاميّ: ''وكره بعض الفقهاء وضع الستور والعمائم والثياب على قبور الصالحين والأولياء، قال في فتاوى الحجة: وتكره الستور على القبور''. (ردالمحتار، كتاب الكراهية، قبيل فصل في النظر واللمس: ۶/۳۶۳، سعيد)

(۱) وأما قوله: ''چڑھاوے چڑھانا، نذر ونیاز کے طور پر مزاروں پر بکری ذبح کرنا'' فلِمَا قال العلامة الطحطاوي رحمه الله: ''واعلم أن النذر الذي يقع للأموات من أكثر العوام، وما يؤخذ من الدراهم، والشمع والزيت، ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقرباً إليهم فهو باطل، وحرام. قال في البحر: لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق، ولا يجوز؛ لأنه عبادة، والعبادة لاتكون لمخلوق. ومنها أن المنذور له ميت، والميت لا يملك. ومنها أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالىٰ، كفر. اللهم! إلا أن يقول: يا الله! إني نذرت لك إن شفيت مريضي ...... اهـ.....أن أطعم الفقرآء الذين بباب السيدة نفيسة .... إلى غير ذلك مما يكون فيه نفع للفقرآء''. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/۵۲۰، ۵۲۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، فصل في المتفرقات، قبيل كتاب المناسك: ۱/۲۱۶، رشيديه)

(وحاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصوم، قبيل باب الاعتكاف: ۱/۴۷۱، دار المعرفة، بيروت)

باب زیارۃ القبور

(زیارتِ قبور کا بیان)

زیارت قبور کا طریقہ

سوال[۴۳۰۰]: قبرستان جانے اور فاتحہ پڑھنے کا مسنون طریقہ تحریر فرمادیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

پنجشنبہ یا جمعہ کو بغیر کسی خاص پابندی کے جاکر قبلہ کی طرف پشت کرکے قبر کی طرف رخ کرکے سورۂ یٰسین، قل ھو اللہ أحد الخ وغیرہ پڑھ کر کہہ دے: یااللہ! اس کا ثواب فلاں کو پہونچادے اور پڑھنے سے پہلے وہاں جاکر کہے: "السلام علیکم دار قوم مؤمنین وإنا إنشاء اللہ بکم لاحقون" (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۸۸ھ۔

---

(۱) "ولا بأس .... "زیارة القبور .... و یقول: السلام علیکم دار قوم مؤمنین وإنا إنشاء اللہ بکم لاحقون، و یقرأ یٰس، و فی الحدیث: "من قرأ الإخلاص أحد عشر مرةً، ثم وهب أجرها للأموات، أعطی من الأجر بعدد الأموات". (الدرالمختار).

"(قوله: وبزیارة القبور): أی لا بأس بها، بل تندب .... و تزار فی کل أسبوع .... والأفضل یوم الجمعة والاثنین والخمیس، الخ". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۴۲، سعید)

"یستحب زیارة القبور، و کیفیة الزیارة کزیارة ذلک المیت فی حیاته من القرب والبُعد. وإذا أراد زیارة القبور، یستحب لہ أن یصلی فی بیته رکعتین یقرأ فی کل رکعة الفاتحة وآیة الکرسی مرةً واحدةً، والإخلاص ثلاث مرات، ویجعل ثوابها للمیت، یبعث اللہ تعالیٰ إلی المیت فی قبره نوراً ویکتب للمصلی ثواباً کثیراً. .... "ثم یقف مستدبر القبلة مستقبلاً لوجه المیت، و یقول: السلام علیکم =

اقسامِ زیارتِ قبور

سوال[۴۳۰۱]: زيارة القبور ليست مشروعةً مطلقاً، بل نوعان: شرعية وغير شرعية، فالمسنونة منها شرعية، و غير المسنونة غير شرعية، فبعضها معصية كبيرة و بعضها كفر و شرك؟

الجواب حامداً ومصلياً:

زيارة القبور من حيث المقاصد والأعمال مختلفة بعضها: مستحبة، والبعض مباحة، والبعض بدعة محرمة، والبعض شرك (۱)۔ واخر دعوانا أن الحمد للّٰه رب العالمين، والصلوة على سيد المرسلين و اله و أصحابه أجمعين۔ فقط واللّٰہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱۱/ ۸۸ھ۔

= يا أهل القبور! يغفر الله لنا و لكم أنتم لنا سلف ونحن بالأثر .... وأفضل أيام الزيارة أربعة: يوم الاثنين والخميس والجمعة والسبت والزيارة يوم الجمعة بعد الصلاة حسن". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور و قراءة القرآن في المقابر: ۵/۳۵۰، رشيديه)

(۱) "الزيارة تنقسم إلى قسمين: زيارة شرعية وزيارة بدعية، فالزيارة الشرعية: السلام على الميت، والدعاء له، بمنزلة الصلاة على جنازته .... وأما الزيارة البدعية: فمن جنس زيارة اليهود والنصارىٰ، وأهل البدع الذين يتخذون قبور الأنبياء والصالحين مساجد .... فالزيارة البدعية مثل قصد قبر للصلاة عنده .... أو طلب الحوائج منه، الخ ". (مجموعة الفتاوىٰ لابن تيمية، باب زيارة القبور: ۱۸۷/۱۲، ۱۸۸، مكتبة العبيكان الرياض)

وتفصيل هذه المسئلة في: (اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية، فصل في مقامات الأنبياء والصالحين، ص: ۴۱۱، ۴۱۷، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كلما كان ليلتها من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، يخرج من آخر الليل: إلى البقيع فيقول: "السلام عليكم دار قوم مؤمنين، و أتاكم ما توعدون غداً مؤجلون وإنا إن شاء الله بكم لاحقون، اللهم اغفر لأهل بقيع الغرقد". (الصحيح لمسلم، فصل في الذهاب إلى زيارة القبور: ۳۱۳/۱، قديمى) .... =

ہر سال کی ابتداء میں زیارتِ قبور

سوال[۴۳۰۲]: بنارس میں اعراس کے شیدائی اور اہلِ بدعت کے غوغائی حضرات نے اس وقت موسم کے لحاظ سے نیاز، فاتحہ، عرس اور دوسرے تمام لوازمات کی غزل پڑھنا شروع کردی ہے، اس سلسلہ میں سالانہ مزارات کی حاضری کے بارے میں فریقِ مخالف نے بس یہ تحریر کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال صحابہ کولیکر اُحد جاتے تھے۔ میں نے جب تلاش کیا تو شنبہ میں آپ کا جانا ثابت ہے، اور حضرت عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے، وہ ضرور تھے کہ دعائے مغفرت کے سماں کا کیف وسرور کو انھوں نے انتہائی ذوق وشوق سے بیان فرمایا ہے، اَور بھی دو جگہ ہے، مگر صحابہ کے ساتھ ہر سال کا جانا صحاح میں نظر سے نہیں گذرا، البتہ مولانا فرنگی محلی کے مجموعہ فتاویٰ میں ابن جریرہ کے حوالہ سے ایک حدیث "علی رأس کل حول" ملی۔

اس کے بعد فتاویٰ دارالعلوم ج پنجم، ص:۱۹۶، میں یہ حدیث ملی: "لما أخرج ابن جريرة عن محمد بن إبراهيم قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يأتي قبور الشهداء على رأس كل حول

= قال الإمام النووي: "قوله: وإنا إن شاء الله الحديث .... و في هذا الحديث: دليل لاستحباب زيارة القبور والسلام على أهلها و الدعاء لهم والترحم عليهم". (شرح النووي على الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في ذهاب إلى زيارة القبور: ۱/۳۱۳، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: زار النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قبر أمه، فبكى وأبكىٰ من حوله، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم.......... : "فزوروا القبور، فإنها تذكركم الموت". (الصحيح لمسلم: ۱/۳۱۴)

"ولا بأس بزيارة القبور والدعاء للأموات .... و صرح في المجتبى بأنها مندوبة، وقيل: تحرم على النساء، والأصح أن الرخصة ثابتة لها". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۲، رشيديه)

"و لا بأس .... بزيارة القبور ولو للنساء". (الدر المختار). "(قوله: و بزيارة القبور): أي لا بأس بها بل تندب (قوله: و لو للنساء) وقيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن، .... فلا بأس إذا كن عجائز". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲/۲۴۲، سعيد)

فیقول: "سلام علیکم بما صبرتم، فنعم عقبی الدار" وأبو بکر وعمر وعثمان"(۱)۔

اس حدیث کے بارے میں دریافت طلب بات یہ ہے کہ سنداً یہ حدیث کس درجہ کی ہے اور یہ تو تعیینِ تاریخ کے لئے بہت مفید ہے۔ راویوں میں اگر کوئی راوی کمزور ہو تو اس کا نام تحریر فرمادیں گے اور صاحبِ رجال نے جو اس کے بارے میں تحریر فرمایا ہو اس کو بھی۔

چونکہ ابن جریر یہاں نہیں ہے، دوسرے یہ کہ مجھ میں صلاحیت کہاں، یقین ہے کہ جواب سے شکر گذار فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شہدائے احد کے ساتھ بعض خصوصی معاملات بھی ہوئے، مثلاً یہ کہ قبل دفن ان پر صلوٰۃ جنازہ پڑھ لینے کے باوجود ان پر حیاتِ طیبہ میں بھی دوبارہ نماز جنازہ پڑھی گئی ہے، جیسا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی (۲) اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بار بار تمام شہدائے احد کے ساتھ نماز پڑھی گئی (۳)، ہوسکتا ہے کہ یہ "علی رأس کل حول" کی زیات بھی خصوصیات میں سے ہو، ورنہ اس قسم کی چیز شہدائے بدر کی زیارت سے متعلق بھی ثابت ہوتی، خاص کر جبکہ ان کا مقام شہدائے احد سے بلند ہے، اور مدفون بقیع کی زیارت کے متعلق بھی ثابت ہوتی کہ ان کے مناقب مستقلاً احادیث میں موجود ہیں۔

---

(۱)(لم أطلع علیه فی فتاوی دارالعلوم دیوبند)

(۲)"وقد روی أیضاً عن عقبة بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنه أن البنی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم صلی علی قتلی أحد بعد مقتلهم بثمان سنین. حدثنا یونس .... أنه سمع عقبة بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنه یقول: إن آخر ما خطب لنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أنه صلی علی شهداء أحد". الحدیث. (شرح معانی الآثار للطحاوی رحمه اللہ تعالیٰ، کتاب الجنائز، باب الصلوٰة علی الشهداء: ۱/۳۳۸، سعید)

(وأخرجه البخاری فی المغازی، باب غزوة أحد: ۲/۵۷۸، قدیمی)

(۳)"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یوضع بین یدیه یوم أحد عشرة، فیصلی علیهم وعلی حمزة، ثم یرفع العشرة وحمزة رضی اللہ تعالیٰ عنه موضوع، ثم یوضع عشرة، فیصلی علیهم وعلی حمزة معهم". (شرح معانی الآثار المرجع السابق)

نیز غزوۂ احد شوال میں ہوا(۱) اور "رأس كل حول" کا مصداق محرم ہے اور اعراس کا معمول تاریخِ وفات پر ہے نہ کہ رأس كل حول پر پھر اس زیارت پر راس کل حول سے استدلال کیسے صحیح ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ زیارت رأس كل حول بھی مسلسل اور دائمی ثابت نہیں، ورنہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بعد میں بھی اس کا اہتمام فرماتے اور محدثین ومجتہدین بھی (۲)۔ اس لئے مبتدعین کا استدلال بالکل بے محل ہے، روایت پر جرح کی ضرورت نہیں۔ شامی نے مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے بھی نقل کی ہے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۸/ ۷/ ۹۱ھ۔

قبر کی مشرقی جانب سے زیارت کی جائے یا مغرب کی جانب سے؟

سوال[۴۴۰۳]: ۱...... زید نے قبر کی شرق کی جانب سے قبلہ رو ہوکر جیسے نماز جنازہ کے لئے کھڑے ہوتے ہیں فاتحہ پڑھی، بکر کہتا ہے کہ اس سے مردہ کو تکلیف ہوتی ہے، شرق یا شرق کے کسی گوشہ کی جانب رخ کر کے پڑھنا چاہئے۔ شرعاً بکر کا قول کس درجہ میں ہے؟

۲...... جب کہ ہر چہار سو قبریں ہوں اور یہ شخص اپنے عزیز کی قبر پر فاتحہ کے لئے جائے تو فاتحہ کے لئے کونسی سمت کو اختیار کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱، ۲...... اگر میت کے سر کی جانب کھڑے ہوکر زیارت کی جائے تو یہ میت پر باعث دشواری ہے، لہٰذا پیر کی جانب کھڑے ہوکر زیارت اور فاتحہ پڑھنی چاہئے:

" يأتي الزائر من قبل رجلي الموتى لا من قبل رأسه؛ لأنه أتعب لبصر الميت، بخلاف الأول؛ لأنه يكون مقابل بصره". شامي: ۱/ ۶۴۲ (٤)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۷/ ۱۱/ ۵۳ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/ ذی قعدہ/ ۵۳ھ۔

---

(۱) قال ابن حجر رحمه الله تعالى: "وكان الواقعة (أي واقعة أحد) المشهورة في شوال سنة ثلاث باتفاق الجمهور". (فتح الباري، كتاب المغازي، باب غزوة أحد: ۷/ ۳۴۶، دار المعرفة، بيروت)

(۲) یعنی وہ خصوصیت بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ تک تھی، ورنہ تو کسی نہ کسی حدیث میں اس کی ترغیب بھی دوسرے اعمال کی طرح ثابت ہوتی۔

(۳) (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور: ۲/ ۲۴۲، سعيد)

(۴) (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور: ۲/ ۲۴۲، سعيد) .... =

جنابت کی حالت میں قبر کی زیارت

سوال[۴۳۰۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص کا حالتِ ناپاکی میں قبرستان میں یا قبر کے پاس جانا کیسا ہے یعنی حالتِ جنابت میں؟ بینوا و توجروا۔

مستفتی: نیازمند، احسان الحق، سرمحمد اسحاق، محلّہ سرائے قیصر علی، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبر کی زیارت کے لئے پاکی کی حالت میں جانا چاہئے، کیونکہ وہاں جاکر قرآن شریف پڑھنا بھی مسنون ہے اور قرآن شریف ناپاکی کی حالت میں پڑھنا ناجائز ہے، اگر قرآن شریف نہ پڑھے تو بحالتِ جنابت جانا بھی گناہ نہیں، البتہ خلافِ افضل ضرور ہے: "والأفضل أن يكون ذلك يوم الخميس متطهراً". شامی، بحث زیارۃ القبور: ۱/۹٤۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

عورتوں کا قبرستان میں جانا

سوال[۴۳۰۵]: عورتیں قبرستان جاسکتی ہیں یا نہیں؟

جمیل احمد آرہ بہار۔

= "من آداب زيارة القبور مطلقاً ما قالوا من أنه يأتي الزائر من قِبَل رجل المتوفى لا من قبل رأسه، فإنه أتعب لبصر الميت، بخلاف الأول؛ لأنه يكون مقابل بصره ناظر إلى جهة قدمه إذا كان على جنبه". (مناسک الملا على القاری، باب المتفرقات، فصل: يستحب زيارة أهل المعلى الخ، ص: ۵۰۱، إدارة القرآن کراچی)

(۱) (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور: ۲/۲۴۲، سعید)

"(والأفضل)، وفي نسخة: يستحب (أن يكون ذلک): أي وقت زيارتهم (يوم الخميس متطهراً): أي الأقذار والأوزار الخ". (مناسک الملا على القاری، باب زيارة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فصل في زيارة جبل أحد وأهله، ص: ۵۲۵، إدارة القرآن کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز تو ہے لیکن نہ جانا ہی زیادہ بہتر ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

عورتوں کے لئے زیارتِ قبور کا حکم

سوال[۴۳۰۶] : عورتوں کا بزرگان دین کی زیارت کے لئے جانا کیسا ہے اور کیا بزرگان دین کی قبروں کے لئے اور قبروں پر جانا اسی میں ہے، یا اس سے مستثنیٰ ہے؟ اور مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ جائز فرماتے ہیں اور مولانا محمد طیب صاحب دیوبندی ناجائز فرماتے ہیں اور کتاب بہشتی زیور اور مجالس الابرار میں ایسی عورتوں پر لعنت فرماتے ہیں، کتاب رکن دین میں بھی جائز فرمارہے ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا بات ہے؟ اس کو مفصل تحریر فرمایئے گا تاکہ خوب سمجھ میں آجائے۔ اور کس پر عمل کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ عورتوں میں تحمل کم ہوتا ہے، قبروں کو دیکھ کر بسا اوقات بے صبری کی حالت میں رونا، چلّانا، کپڑے پھاڑنا، منہ پیٹنا وغیرہ حرکات شروع کر دیتی ہیں۔ نیز مطلقاً عورتوں کا گھر سے نکلنا فتنہ ہے اور اس

---

(۱) "والأصح أن الرخصة ثابتة لهن .... وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرك بزيارة قبور الصالحين، فلا بأس إذا كن عجائز، و يكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد، وهو توفيق حسن". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲/۲۴۲، سعيد)

"واختلف المشايخ في زيارة القبور للنساء، قال شمس الأئمة: الأصح أنه لا باس بها". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور الخ : ۵/۳۵۰، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمي)

"وحاصل الكلام من هذا كله أن زيارة القبور مكروهة للنساء بل حرام في هذا الزمان، ولاسيما نساء مصر؛ لأن خروجهن على وجه الفساد والفتنة الخ". (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، بيان ما يستفاد منه : ۸/۶۹، ۷۰، مطبعه منيريه، بيروت)

میں مفاسدِ کثیرہ ہیں (۱) اس لئے ممنوع ہے۔ مجالس الابرار میں صحیح لکھا ہے کہ حدیث میں لعنت وارد ہوئی ہے (۲)۔ جن لوگوں نے اجازت دی ہے انہوں نے مفاسد پر غور نہیں کیا ہوگا، مولانا کفایت اللہ صاحبؒ کی تحریر ہمارے سامنے نہیں، رکن دین کی بعض روایتیں ضعیف ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "و قال ابن عبد البر: أن يكون هذا قبل الإباحة، قال: و توقی ذلک للنساء المتجملات أحب إلیّ، وأما الشواب فلا یؤمن من الفتنة علیهن و بهن حیث خرجن، ولا شيء للمرأة أحسن من لزوم قعر بيتها، ولقد كره أكثر العلماء خروجهن إلى الصلوات، فكيف إلى المقابر .... و حاصل الكلام من هذا كله أن زيارة القبور مكروهة للنساء، بل حرام في هذا الزمان و لا سيما نساء مصر؛ لأن خروجهن على وجه الفساد والفتنة، وإنما رخصة الزيارة لتذكر أمر الآخرة و للاعتبار بمن مضى و للتزهد في الدنيا". (عمدة القاری، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، بيان ما يستفاد منه: ۸/ ۶۹، ۷۰، مطبعه منيريه، بيروت)

"(قوله: و لو للنساء) و قيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن .... إن كان ذلک لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن، فلا تجوز، وعليه حمل الحديث: "لعن الله زائرات القبور". وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرک بزيارة قبور الصالحين، فلا بأس إذا كن عجائز، و يكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المسجد، وهو توفيق حسن". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲/ ۲۴۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمی)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لعن زوّارات القبور" قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح. و قد رأى بعض أهل العلم أن هذا كان قبل أن يرخص النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في زيارة القبور، فلما رخّص دخل في رخصته الرجال والنساء. وقال بعضهم: إنما كره زيارة القبور في النساء لقلة صبرهن و كثرة جزعهن". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية زيارة القبور للنساء: ۱/ ۲۰۳، سعيد)

ایضاً

سوال[۴۳۰۷]: کیا عورتیں قبور کی زیارت کر سکتی ہیں؟ حسبِ ذیل احادیث کی روشنی میں جواب دیجئے:

۱-"لعن اللّٰه زوارات القبور". مشکوۃ شریف، باب زیارۃ القبور(۱)۔

۲-"کنت نهیتکم عن زیارۃ القبور، فزوروها فإنها تذهد فی الدنیا و تذکر الأخرۃ"(۲)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان دو حدیثوں کی وجہ سے اس مسئلہ میں دو قول ہیں: بعض حضرات نے ممانعت کو صرف مَردوں کے حق میں منسوخ مان کر عورتوں کے حق میں ممانعت کو بدستور باقی مانا اور موجبِ لعنت قرار دیا ہے۔ اور بعض علماء نے ممانعت کو عورتوں کے حق میں بھی بدستور منسوخ مان کر ان کے لئے زیارتِ قبور کو فی نفسہ تو جائز قرار دیا ہے، لیکن عورتیں اگر زیارت قبور کو قبرستان جائیں تو اس میں دوسرے مفاسد ہیں مثلاً پردہ کا اہتمام نہیں کریں گی، وہاں جا کر قبور کو دیکھ کر خاص کر جب کہ وہ ان کے اعزہ، اولاد، والدین، شوہر وغیرہ کی قبریں ہوں بے صبری کے ساتھ چلّا کر بیان کر کے روئیں گی، سینہ کوبی کریں گی، بال نوچیں گی، منہ پیٹیں گی، اگر وہ بزرگوں کی قبریں ہوں تو وہ ان کا طواف کریں گی، ان کو سجدہ کریں گی، ان سے مرادیں مانگیں گی، ان پر چادر ڈالیں گی، وہاں چراغ جلائیں گی، چڑھاوا چڑھائیں گی۔

غرض شرکیات ومحرمات میں مبتلا ہوں گی جیسا کہ عامۃً اولیاء اللہؒ کے مزارات پر بہت سے مقامات پر ہوتا ہے، اس لئے عورتوں کو زیارت قبور کے لئے جانے سے منع فرماتے ہیں کہ ایک مستحب کی خاطر کسی ناجائز چیز کو برداشت نہیں کیا جا سکتا اور جن مَردوں کا حال بھی عورتوں کی طرح ہو ان کو بھی منع کیا جائے گا(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (مشکوۃ المصابیح، کتاب الجنائز، باب زیارۃ القبور: ۱/۱۵۴، قدیمی)

(و رواہ الترمذی فی سننه فی أبواب الجنائز، باب ما جاء فی کراهیة زیارۃ القبور للنساء، ۱/۲۰۳، سعید)

(۲) (سنن ابن ماجة أبواب ما جاء فی الجنائز، باب ما جاء فی زیارۃ القبور، ص: ۱۱۲، قدیمی)

(۳) "عن أبی هریرۃ رضی اللّٰه تعالیٰ عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم "لعن زوّارات القبور". =

ایضاً

سوال[۴۳۰۸]: عورتوں کا قبروں پر جانا درست ہے یا نہیں؟ ان کے جانے کے متعلق کوئی حدیث ہوتو تحریر فرمادیں۔

آپ کا خادم پیش امام: افتخار احمد تھانوی، ۱۷/ اگست/ ۷۶ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

رونے اور غم تازہ کرنے کے لئے قبروں پر جانا منع ہے، صلحاء کی قبور پر تبرک اور عبرت کے لئے بوڑھی عورت کو پردہ کے ساتھ جانا درست ہے اور جوان عورت کو ہر حال میں جانا منع ہے کیونکہ عورتیں عموماً جا کر ضرور منکرات میں مبتلا ہوتی ہیں خواہ جوان ہوں خواہ بوڑھی، اس لئے جہاں تک ہوسکے ان کو جانے سے روکنا چاہئے:

" و لا بأس بزيارة القبور و لو للنساء لحديث: "كنت نهيتكم عن زيارة القبور، ألا! فزوروها". در مختار- وفي رد المحتار: " (قوله : ولو للنساء) و قيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن، بحر. وجزم في شرح المنية بالكراهة لمامر في اتباعهن الجنازة. وقال الخير الرملي : إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن، فلا تجوز،

= قال أبو عيسى: هذا حديث حسن صحيح. وقد راى بعض أهل العلم أن هذا كان قبل أن يرخص النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في زيارة القبور، فلما رخص دخل في رخصته الرجال والنساء. قال بعضهم: إنما كره زيارة القبور في النساء لقلة صبرهن و كثرة جزعهن". (جامع الترمذي، أبواب الجنائز، باب ما جاء في كراهية زيارة القبور للنساء، ۱/۲۰۳، سعيد)

"(قوله : ولو للنساء) وقيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن.......... وقال الخير الرملي: إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن، فلا تجوز، وعليه حمل الحديث : "لعن الله زائرات القبور". وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرك بزيارة قبور الصالحين، فلا بأس إذا كن عجائز، و يكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد، وهو توفيق حسن". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲/۲۴۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمي)

وعليه حمل الحديث : "لعن الله زائرات القبور". وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء والتبرك بزيارة قبور الصالحين، فلا بأس إذا كن عجائز، و يكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد و هو توفيق حسن، اهـ". ردالمحتار (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ۶/ ۵۵ھ۔

جوابات صحیح ہیں: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ ۶/ ۵۵ھ۔

عورتوں کا زیارتِ اولیاء کے لئے جانا

سوال[۴۳۰۹]: عورتوں کا اولیائے کرام کی زیارت کے لئے جانا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نامحرم کو دیکھنا، چاہے وہ اولیائے کرام ہوں چاہے کوئی اَور، ممنوع ہے (۲) اور ان کے مزارات پر

---

(۱) (الدر المختار، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور : ۲/ ۲۴۲، سعيد)

"(ندب زيارتها) ...... (للرجال والنساء)، وقيل: تحرم على النساء، والأصح أن الرخصة ثابتة للرجال والنساء، فتندب لهن أيضاً". (مراقي الفلاح). "(وقيل: تحرم على النساء) وسئل القاضي عن جواز خروج النساء إلى المقابر، فقال: لاتسأل عن الجواز والفساد في مثل هذا، و إنما تسأل عن مقدار ما يلحقها من اللعن فيه، و اعلم بأنها كلما قصدت الخروج كانت في لعنة الله و ملائكته، وإذا خرجت تحفها الشياطين من كل جانب، وإذا أتت القبور تلعنها روح الميت، و إذا رجعت كانت في لعنة الله .... و أما النساء إذا أردن زيارة القبور إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب كما جرت به عادتهن، فلا تجوز لهن الزيارة .... و لا بأس به إذا كن عجائز، وكره ذلك للشابات، الخ".

(حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة ، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمي)

"و حاصل الكلام من هذا كله أن زيارة القبور مكروهة للنساء بل حرام في هذا الزمان، ولا سيما نساء مصر؛ لأن خروجهن على وجه الفساد والفتنة الخ". (عمدة القاري، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، بيان ما يستفاد منه : ۸/ ۶۹، ۷۰، مطبعه منيريه، بيروت)

(۲) "أن أم سلمة رضي الله تعالىٰ عنها حدثته أنها كانت عند رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وميمونة رضي الله تعالىٰ عنها قالت : فبينما نحن عنده، أقبل ابن أم مكتوم، فدخل عليه، و ذلك بعد ما=

جانے سے مفاسد زیادہ پیدا ہوتے ہیں اسلئے ان کو منع کیا جاتا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/ ۶۸ھ۔

اجمیر شریف کی زیارت کے لئے سفر

سوال [۴۳۱۰]: اگر ہم گھر سے نیت کر کے چلے اجمیر شریف کی زیارت کرنے کے لئے اور وہاں پر پہونچ کر زیارت کی اور جو کچھ ہوسکتا ہم نے درود شریف پڑھا اور بخشا اور چلے آئے، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے، اس سے دنیا کی محبت کم ہوتی ہے اور آخرت یاد آتی ہے (۲)،

= أمرنا بالحجاب، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "احتجبا منه" فقلت: يا رسول الله! أليس هو أعمى لا يبصرنا؟ ولا يعرفنا، فقال رسو ل الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أفَعميا وَانِ أنتما، ألستما تبصرانه"؟ هذا حديث حسن صحيح". (جامع الترمذی، أبواب الاستيذان، باب ما جاء في احتجاب النساء من الرجال: ۱۰۶/۲، سعيد)

(۱) "وحاصل الكلام من هذا كله أن زيارة القبور مكروهة للنساء بل حرام في هذا الزمان، ولا سيما نساء مصر؛ لأن خروجهن على وجه الفساد والفتنة، الخ". (عمدة القاری، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، بيان ما يستفاد منه: ۷۰/۸، مطبعه منيريه، بيروت)

"إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والندب على ما جرت به عادتهن، فلا تجوز .... و يكره إذا كن شواب كحضور الجماعة في المساجد". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲۴۲/۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوی على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمی)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنهاأنهاقالت: كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كلماكان ليلتهامن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخرج من آخر الليل إلى البقيع فيقول: "السلام عليكم دار قوم المؤمنين، وأتاكم ماتوعدون غداً مؤجلون، وإناإن شاء الله بكم لاحقون، أللهم! اغفر لأهل بقيع الغرقد". =

قرآن کریم پڑھ کر ثواب پہونچانا بھی ثابت اور مفید ہے(۱)، جو کام محض ثواب کے ہیں ان میں بھی لوگوں نے

= "قوله: "وإنا إن شاء الله". الحديث.......... وفي هذه الحديث دليل لاستحباب زيارة القبور، والسلام على أهلها، والدعاء لهم، والترحم عليهم". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووي، كتاب الجنائز: ۱/۳۱۳، قديمي)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: زار النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قبر أمه، فبكى وأبكى من حوله، وقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم .... "فزوروا القبور، فإنها تذكركم الموت". (الصحيح لمسلم، المصدر السابق: ۱/۳۱۴)

"ولا بأس بزيارة القبور والدعاء للأموات .... وصرح في المجتبى بأنها مندوبة، وقيل: تحرم على النساء، والأصح أن الرخصة ثابتة لها". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته: ۲/۳۴۲، رشيديه)

"ولا بأس .... بزيارة القبور ولو للنساء". (الدر المختار). "(قوله: وبزيارة القبور): أي لا بأس بها بل تندب. (قوله: ولو للنساء)، وقيل: تحرم عليهن، والأصح أن الرخصة ثابتة لهن .... فلا بأس إذا كن عجائز". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ۲/۲۴۲، سعيد)

(۱) "ان سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فقال: يارسول الله! -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم"، قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب: إذا قال: أرضي وبستاني صدقة لله عن أمي: ۱/۳۸۶، قديمي)

"صرح علماءنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها.......... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (رد المحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچى)

ایسی چیزیں داخل کرلیں کہ ثواب کے بجائے ان سے گناہ ہوتا ہے، مثلاً اجمیر شریف جاکر مزاروں کو سجدہ کرتے ہیں، ان سے منت مانگتے ہیں، قبر پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں، قوالی کرتے یا سنتے ہیں، وہاں بے پردہ عورتیں بھی جاتی ہیں (۱)، ایسی باتیں شرعاً جائز نہیں بلکہ گناہ اور حرام ہیں، بعض باتیں شرک کے قریب ہیں (۲)۔

اگر کوئی شخص خود یہ باتیں نہ کرے تب بھی دوسرے لوگ جو یہ باتیں کرتے ہیں ان کو دیکھنا یا ان کے ساتھ شریک ہونا پڑتا ہے، لہذا ایسی حالت میں وہاں جانا درست نہیں اور زیارتِ قبور کا بھی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ میلہ اور تماشہ بن جاتا ہے، اپنے مکان پر جو کچھ ہوسکے پڑھ کر ثواب پہونچا دیا جائے، گورغریباں کی زیارت کبھی کبھی اپنی بستی کے قبرستان میں جاکر کرلیا کریں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۲۱ھ۔

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالىٰ عليه وسلم لعن زوّرات القبور". قال أبوعيسی: هذاحديث حسن صحيح". (جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ماجاء فی كراهية زيارة القبور للنساء: ۱/۲۰۳، سعيد)

"ويكره إذا كن شواب كحضور الجماعة فی المساجد". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۴۲، سعيد)

"وحاصل الكلام من هذاكله أن زيارة القبور مكروهة للنساء، بل حرام فی هذاالزمان، ولاسيمانساء مصر؛ لأن خروجهن علی وجه الفساد والفتنة الخ". (عمدة القاری، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، بيان مايستفاد منه: ۸/۶۹، ۷۰، مطبعه منيريه، بيروت)

(۲) جیسے کہ قبروں کو سجدہ کرنا وغیرہ: "عن أبی مرثد الغنوی رضی الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا اليها". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، ص: ۱۴۸، قديمی)

قال الملا علی القاری: "(ولا تصلوا): أی مستقبلين (إليها) لما فيه من التعظيم البالغ؛ لأنه من مرتبة المعبود .... ولو كان هذا التعظيم حقيقةً للقبر أو لصاحبه لكفر المعظم التشبه مكروه وينبغی أن تكون كراهة تحريم". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت، (رقم الحديث: ۱۶۹۸): ۴/۱۷۸، رشيديه)

کیا حج کے لئے خواجہ اجمیری کی زیارت لازم ہے؟

سوال[۴۳۱۱]: ۱...... بعض جگہ عوام سمجھتے ہیں کہ حرمین کی زیارت سے پہلے خواجہ اجمیری کے مزار کی زیارت کرنا ضروری ہے۔ یہ بھی مشہور ہے کہ جو شخص سات مرتبہ خواجہ اجمیری کے عرس میں شرکت کرے اس کو ایک حج کے برابر ثواب ملتا ہے۔ ایسا سمجھنا کہاں تک درست ہے؟

پیر کا فوٹو یا مجسمہ رکھنا اور اس پر نذر چڑھانا

سوال[۴۳۱۲]: ۲...... بعض جگہ لوگ اپنے بزرگوں کا فوٹو اور ان کا مجسمہ تبرک کے لئے اپنے گھروں میں رکھتے ہیں، تبرک کے علاوہ اس فوٹو کے آگے نذر و نیاز چڑھاتے ہیں اور ان بزرگوں کو اپنا حاجت روا سمجھتے ہیں ایسا کرنا اور سمجھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲...... یہ دونوں شرکیہ افعال وعقائد ہیں، ان سے ایمان سلامت رہنا دشوار ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سفر برائے زیارتِ قبور

سوال[۴۳۱۳]: کیا سوائے مسجد اقصی، مسجد حرام، مسجد نبویؐ کے ثواب کی نیت سے کسی بزرگ کے مزار کی طرف سفر کرنا مسنون یا جائز ہے؟ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر خلفائے راشدین نے یا کسی بھی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی نے پھولوں کی چادر چڑھائی ہے، یا عطر وغیرہ کی شیشیاں چڑھائی ہیں جیسا کہ آج کل اجمیر وکلیر و دہلی کے اکثر مزارات پر لوگ چڑھاتے ہیں؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے تینوں زمانوں میں کسی بھی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی نے نذر نیاز منت مانی ہے؟

---

(۱) یہ قوم نوح کے مشرکین کا عمل ہے: "قال كانوا (أى الود والسواع ويغوث ويعوق وانسر) قوماً صالحين من بني آدم، وكان لهم اتباع يعتقدون بهم، فلما ماتوا قال أصحابهم الذين كانوا يقتدون بهم: لو صوّرناهم، كان أشوق لنا إلى العبادة إذا ذكرناهم فصوّروهم، فلما ماتوا، وجاء الآخرون، دبّ إليهم إبليس فقال: إنهم كانوا يعبدونهم، وبهم يسقون المطر، فاعبدوهم". (تفسير ابن جرير الطبرى: ۲۳/۲۱، دارالمعرفت، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

قبور کی زیارت کرنے کے لئے سفر کرنے میں اختلاف ہے، امام غزالی کے کلام سے جواز کو ترجیح معلوم ہوتی ہے، وهكذا يفهم من عبارة الشامي في رد المحتار (۱)۔ روضۂ اطہر پر صحابہ تابعین تبع تابعین سے پھول وغیرہ چڑھانا جیسا کہ کلیر اجمیر وغیرہ میں رواج ہے، ہرگز ثابت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نذر ماننا ثابت نہیں۔

زیارتِ قبر کیلئے احرام

سوال[۴۳۱۴]: بعض بزرگوں کے عرس میں شرکت کرنے والے خاص قسم کا جوڑا پہن کر جاتے ہیں اور اس جوڑے کو احرام کہتے ہیں۔ ایسا سمجھنا اور کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سراسر جہالت یا غوایت ہے، اس سے توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

عید کے دن زیارت قبور

سوال[۴۳۱۵]: ہمارے گاؤں میں عید کے دن عید کی نماز کے بعد لوگ قبرستان جاتے ہیں، وہاں فاتحہ پڑھ کر چلے آتے ہیں، تو قبرستان جانا خصوصاً اس دن کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عید کا دن مسرت کا ہوتا ہے، بسا اوقات مسرت میں لگ کر آخرت سے غفلت ہو جاتی ہے اور زیارتِ قبور سے آخرت یاد آتی ہے، اس لئے اگر کوئی شخص عید کے دن زیارتِ قبور کرے تو مناسب ہے، کچھ مضائقہ نہیں (۲)، لیکن اس کا التزام خواہ عملاً ہی سہی جس سے دوسروں کو یہ شبہ ہو کہ یہ چیز لازمی اور ضروری ہے، درست

---

(۱) "والمعنى - كما أفاده في الإحياء - أنه لا تشد الرحال لمسجد من المساجد إلا لهذه الثلاثة، لما فيها من المضاعفة، بخلاف بقية المساجد، فإنها متساوية في ذلك، فلا يرد أنه قد تشد الرحال لغير ذلك، كصلة الرحم، وتعلم علم، وزيارة المشاهد كقبر النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وقبر الخليل عليه السلام، وسائر الأئمة" (رد المحتار، كتاب الحج، باب الهدى، قبيل مطلب في المجاورة بالمدينة المشرفة ومكة المكرمة: ۲/۶۲۷، سعيد)

(۲) "عن ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه، أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "كنت نهيتكم=

نہیں۔ نیز اگر کوئی شخص اس دن زیارتِ قبور نہ کرے، تو اس پر طعن کرنا یا اس کو حقیر سمجھنا درست نہیں، اس کی احتیاط لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= عن زيارة القبور، فزوروها، فإنها تزهد في الدنيا، وتذكر الآخرة". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، الفصل الثالث: ۱/۱۵۴، قديمي)

"فزوروها" .... "فإنها" : أى زيارة القبور أو القبور: أى رؤيتها "تزهد في الدنيا" : فإن ذكر الموت هادم اللذات، ومهون الكدورات". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب زيارة القبور، الفصل الثالث: ۴/۲۵۶، رشيديه)

(۱) "قال الطيبي: وفيه أن من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب الدعاء في التشهد، الفصل الأول: ۳/۳۱، رشيديه)

باب إهداء الثواب للميت

(میت کے لئے ایصالِ ثواب کا بیان)

ایصالِ ثواب کا طریقہ

سوال[۴۳۱۶]: ایصالِ ثواب مُردوں کو کس طرح کیا جائے؟ صرف نیت ہو جانے پر کہ فلاں میت کو میرے قرآن شریف پڑھنے کی یا نوافل یا خیر وخیرات دینے کا ثواب پہنچ جائے، یہ کافی ہے، یا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا توسل بھی ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر نیک عمل، تلاوت، قرآن پاک، نوافل، خیرات اس نیت سے کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ثواب فلاں کو پہنچا دے تب بھی کافی ہے، اگر بغیر اس نیت کے کیا جائے تو بعد میں یہ دعاء کرے کہ یا اللہ اس کا ثواب فلاں کو پہنچا دے، شامی میں اسی طرح لکھا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) "صرح علماء نا في باب الحج عن الغير: بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب فی القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

"والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوقراءة قرآن أوذكراً أوطوافاً أوحجاً أوعمرةً أوغير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا فی التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر فی الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچی)

"السنة لم تشترط التلفظ بالإهداء فی حديث واحد، بل أطلق صلی الله تعالیٰ عليه وسلم الفعل عن الغير كالصوم والحج والصدقة، ولم يقل لفاعل ذلك وقل: "اللهم هذا عن فلان" والله سبحانه يعلم =

ایصالِ ثواب کے طریقے

سوال[۴۳۱۷]: میرے لڑکے کا بعمر دس سال انتقال ہوگیا، جس سے بہت صدمہ ہے، مرحوم کی طرف سے کیا کام کیا جائے جس سے اس کے درجات بلند ہوں اور آخرت میں وہ ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت بنے۔ ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی کرنا کیسا ہے؟ اگر بچہ کی قبر کھول کر دیکھ لوں تو کچھ اطمینان ہو جائے گا۔ اس خیال سے میت دکھلا دی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ مرحوم کی قبر پر قرآن پاک بلند آواز سے سُنانے میں کچھ حرج تو نہیں؟ مرحوم کی قبر پر تاریخِ وفات لکھوانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دس سال کا بچہ معصوم ہے، اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اس کے لئے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی ضرورت نہیں، تاہم جو کچھ ثواب پہونچایا جائے گا وہ رفعِ درجات کا سبب بنے گا۔

قبر کھود کر صورت دیکھنے کی اجازت نہیں، ایسا کرنا حرام ہے۔ صبر میں بڑا اجر ہے، میت کو ثواب پہونچانے کے لئے غرباء کو کھانا کھلانا بھی درست ہے۔ کپڑے وغیرہ ضرورت کی چیز دینا بھی درست ہے۔ مگر جو کچھ ہو، اخلاص کے ساتھ ہو، ریا وفخر کے طور پر نہ ہو۔ قرآن پاک پڑھوا کر پڑھنے والوں کی دعوت کرنا درست نہیں۔ یہ قرآن خوانی کی اُجرت کے درجہ میں ہے۔ اس سے ثواب نہیں ہوگا۔ کسی بڑے بزرگ کی قبر پر پتھر پر نام کندہ کرا کے لگانے کی گنجائش ہے تاکہ زیارت کے لئے جو لوگ دُور دُور سے آتے ہیں اُن کو دشواری نہ ہو، وہ خود ہی پہچان لیں۔ بچے کی قبر پر اس کی ضرورت نہیں۔ بہت سے بہت درخت کا پودا قریب ہی لگا دیں۔ قبر کے قریب قرآن پاک تلاوت کرنے سے میت کو اُنس ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۲/۸۹ھ۔

= نية العبد وقصده بعلمه، فإن ذكره جاز، وإن ترك ذكره واكتفى بالنية والقصد وصل إليه، ولا يحتاج أن يقول: إني صائم غداً عن فلان بن فلان. والله تعالىٰ أعلم". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية رحمه الله تعالىٰ، المسألة السادسة عشرة: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعي الأحياء أم لا؟ فصل: فإن قيل فهل تشترطون في وصول"، ص: ۱۸۴، مكتبه فاروقيه پشاور)

9

ایصالِ ثواب کا فائدہ

سوال[۴۳۱۸] : ایصالِ ثواب سے مرنے والے کو کیا فائدہ پہونچتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

عذاب میں تخفیف ہوتی ہے، درجات میں ترقی ہوتی ہے، حزن میں کمی ہوتی ہے، سرور میں زیادتی ہوتی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۴/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من دخل المقابر فقرأ سورة يسٓ، خفف الله عنهم، وكان له بعدد مَن فيها حسنات". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب في قراءة القرآن للميت او على القبر، رقم الحديث: ٧، ص: ٣٠٤، دار المعرفة، بيروت)

"وأخرج الطبراني في الأوسط بسند رواه عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "أمتي أمّة مرحومة تدخل قبورها بذنوبها، وتخرج من قبورها لا ذنوب عليها، يمحص عنها باستغفار المؤمنين لها".

"وأخرج ابن النجار في تاريخه عن مالك بن دينار قال: دخلت المقبرة ليلة الجمعة، فإذا أنا بنور مُشرق فيها، فقلت : لا إله إلا الله نرىٰ أن الله عزوجل قد غفر لأهل المقابر، فإذا أنا بهاتف يهتف من البعد وهو يقول: يا مالك بن دينار! هذه هدية من المؤمنين إلى إخوانهم من أهل المقابر، قلت: بالذي أنطقك إلا أخبرتني ما هو؟ قال: رجل من المؤمنين: قام في هذه الليلة فأسبغ الوضوء وصلى ركعتين .... وقال: اللهم! إني قد وهبت ثوابها لأهل المقابر من المؤمنين، فأدخل الله علينا الضياء والنور والفسحة والسرور في المشرق والمغرب". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، ص: ٢٩٨، ٢٩٩، دار المعرفة، بيروت)

"ودعاء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للأموات فعلاً وتعليماً، ودعاء الصحابة والتابعين والمسلمين عصراً بعد عصر أكثر من أن يذكر، وأشهر من أن ينكر، وقد جاء: "أن الله يرفع درجة العبد في الجنة فيقول: أنّى لي هذا؟ فيقال: بدعاء ولدك لك". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية رحمه الله تعالىٰ، المسألة السادسة عشرة: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعي الأحياء أم لا؟ فصل: والدليل على انتفاعه بغير ما تسبب الخ، ص: ١٥٧، مكتبه فاروقيه پشاور)

کیا ایصالِ ثواب کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے؟

سوال[۴۳۱۹]: زید روزانہ تلاوتِ کلام اللہ کے بعد اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور کل مؤمنین ومومنات، مسلمین ومسلمات کو ثواب بخشدے تو کیا زید کو تلاوت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو بھی ثواب ملے گا، وہ ہرگز محروم نہیں رہے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۸۷ھ۔

کیا دوسروں کو ثواب بخش دینے کے بعد خود قاری کو بھی ثواب ملتا ہے؟

سوال[۴۳۲۰]: کسی نے پورا قرآن شریف پڑھا اور کُل کا ایصالِ ثواب کر دیا اور جب جب پڑھتا ہے سب ایصالِ ثواب کر دیتا ہے، تو پڑھنے والے کو کچھ بچے گا اور ثواب ملے گا یا بالکل خالی ہاتھ ہو جائے گا؟ اور اگر ملے گا تو کتنا ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جتنی تعداد کے مُردوں کو ثواب بخشے گا، ان کے عدد کے برابر اس کو بھی ثواب ملے گا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۲/۹۱ھ۔

---

(۱) "وأخرج أبو محمد السمرقندي في فضائل: "قل هو الله أحد" عن علي رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "من مر على المقابر وقرأ: ﴿قل هو الله أحد﴾ إحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجره للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، ص: ۳۰۳، دار المعرفة، بيروت)

"صرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر في إيجاب الصدقة: ۲/۳۱۹، إدارة القرآن)

(۲) "وأخرج أيضاً عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: =

ایصالِ ثواب کے خلاف استدلال

سوال[۴۳۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں:

۱......مذہب اسلام نے ایصالِ ثواب کو جائز رکھا ہے یا نہیں، اگر جائز ہے اور ایک سورت کو پڑھ کر بہت سے مُردوں کو بخشے اس سورت کا ثواب تمام مردوں کو برابر ایک سورت کا ملے گا یا بقدرِ حصہ؟

۲......ایک شخص ایصالِ ثواب کو بدعت کہتا ہے اور استدلال میں مندرجہ ذیل احادیث وآیات پیش کرتا ہے، آیا یہ صحیح ہے:

۱-کبھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک آیت کا بھی ثواب کسی کو نہیں بخشا۔

۲-کسی صحابی نے کبھی بھی ایک آیت پڑھ کر کسی کو اس کا ثواب نہیں بخشا۔

۳-کبھی کسی پیغمبر نے بھی ایک آیت پڑھ کر کسی کو اس کا ثواب نہیں بخشا۔

۴-تمام پیغمبروں نے ہمیشہ گناہگاروں کے لئے دعائے مغفرت کی۔

۵-حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ہمیشہ مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت کی۔

۶-قرآن میں بہت سے مقامات پر صاف لفظوں میں لکھ دیا گیا ہے کہ ایک کا ثواب دوسرے کو نہیں مل

= "إذا تصدق أحدكم بصدقة تطوعاً، فليجعلها عن أبويه، فيكون لهما أجرها ولا ينتقص من أجره شيء". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، رقم الحديث: ۳۹، ص: ۳۰۰، دار المعرفة، بيروت)

"الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۲/۳۱۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

"وأخرج أبومحمد السمرقندي في فضائل: ﴿قل هو الله أحد﴾ عن علي رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "من مر على المقابر، و قرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ إحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجره للأموات، أعطي من الأجر بعدد الأموات". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، رقم الحديث: ۴، ص: ۳۰۳، دار المعرفة، بيروت)

سکتا، مثلاً: ﴿ وأن ليس للإنسان إلا ما سعیٰ﴾(۱)۔﴿وإن أحسنتم أحسنتم لأنفسكم﴾ الاية (۲) ﴿ من اهتدى فإنما يهتدى لنفسه﴾ الاية (بنى اسرائيل)(۳)۔﴿و لا تزر وازرة وزر أخرىٰ﴾ الاية (٤)۔

محمد عبدالحکیم قاسمی سنسار پور، ضلع لکھیم پورکھیری، یوپی۔

الجواب حامداً ومصلياً:

"إن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها عند أهل السنة والجماعة، اهـ". هدايه: ۱/۲۷٦(٥)۔ "ويصح إهداء نصف الثواب و ربعه كما نص عليه أحمد، و لا مانع منه، ويوضحه أنه لو أهدى الكل إلى أربعة يحصل لكلّ منهم ربعه، فكذا لو أهدى الربع وأبقى الباقي لنفسه، قلت: لكن سئل ابن حجر المكي : أما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل يقسم الثواب بينهم أو يصل لكل منهم ثواب ذلك كاملاً؟ فأجاب بأنه أفتى جمعٌ بالثاني، وهو اللائق بسعة الفضل، اهـ". شامی، کتاب الجنائز: ۱/٦٠٥(٦)۔

---

(۱) (سورة النجم، پ: ۲۷، آیت : ۳۹)

(۲)(سورة بنی إسرائیل، پ: ۱۵، آیت : ۷)

(۳) (سورة بنی إسرائيل، پ: ۱۵، آية : ۱۵)

(۴) (سورة فاطر :۱۸)

(۵) (الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير : ۱/۲۹٦، مكتبه شركة علمية)

"والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أو صوماً أو صدقةً أوقراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير : ۳/۱۰۵ ،رشيديه)

(وكذا فى التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر فى الرجل يحج عن الغير : ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچی)

(٦) (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب فى قراءة للميت وإهداء ثوابها له : ۲/۲۴۵، سعيد)

(وكذا فى كتاب الروح لابن القيم، المسئلة السادسة عشر: هل تنتفع أرواح الموتى الخ، فصل: وأما =

عبارتِ منقولہ سے معلوم ہوا کہ ایصالِ ثواب جائز ہے اور ایک سورت کا ثواب چند مُردوں کو بخشا جائے تو اس میں دونوں قول ہیں، باری تعالیٰ کے فضل کے لائق یہ ہے کہ سب کو پوری پوری سورت کا ثواب پہونچے۔ ایصالِ ثواب بدعت نہیں بلکہ خیر القرون سے اس پر عمل جاری ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس کی تلقین فرمائی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بعد والے حضرات کو نیز بعد کے حضرات نے اپنے اعزہ کے لئے ایصالِ ثواب کیا ہے۔ اس مسئلہ میں اتنی وسعت سے روایات ہیں کہ ان کا شمار دشوار ہے، خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امت کی طرف سے قربانی کی، صوم (۱) صلوۃ (۲) صدقہ (۳) حج (۴) قرأت (۵)

= قولكم: لوساغ ذلك لساغ إهداء نصف الخ، ص: ۱۷۴، مكتبه فاروقيه، پشاور)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: يا رسول الله إن أمي ماتت و عليها صوم شهر أفأقضيه عنها؟ قال: "نعم فدين الله أحق أن يقضى". (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب من مات وعليه صوم: ۱/۲۶۲، قديمي)

(۲) "إن رجلاً سأله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: كان لي أبوان أبرُّهما حال حياتهما، فكيف لي ببرهما بعد موتهما؟ فقال له صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن من البر بعد الموت أن تصلي لهما مع صلاتك، و تصوم لهما مع صيامك". (فتح القدير، باب الحج عن الغير: ۳/۱۴۳، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۳) "إن سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فقال: يا رسول الله! - صلى الله تعالىٰ عليه وسلم - إن أمي توفيت و أنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب: إذا قال: أرضي و بستاني صدقة لله عن أمي: ۱/۳۸۶، قديمي)

(۴) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أتى رجل إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال له: إن أختي نذرت أن تحج وأنها ماتت، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لو كان عليها دين أكنت قاضيه"؟ قال: نعم، قال: "فاقض الله فهو أحق بالقضاء". (صحيح البخاري، كتاب الأيمان والنذور، باب من مات وعليه نذر: ۲/۹۹۱، قديمي)

(۵) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من دخل المقابر فقرأ سورة يٰس، خفف الله عنهم، و كان له بعدد مَن فيها حسنات". (شرح الصدور للسيوطي، باب في قراءة =

اضحیہ(۱) سب ہی کا احادیث میں ثواب پہونچانا ثابت ہے، ہدایہ میں ہے:

"لما روى عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه ضحىٰ بكبشين أملحين أحدهما عن نفسه والأخر عن أمته ممن أقر بوحدانية الله تعالىٰ و شهد له بالبلاغ، اهـ"(۲)۔ اس حدیث کی تخریج زیلعی میں سات صحابہ سے کی گئی ہے(۳)، شیخ ابن ہمام نے اس کو حدیث مشہور قرار دے کر فرمایا ہے: "يجوز تقييد الكتاب به"(۴)۔ نیز دارقطنی کی روایت ہے:

"إن رجلاً سأله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: كان لى أبوان أبرهما حال حياتهما، فكيف لي ببرهما بعد موتهما؟ فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن من البر بعد الموت أن تصلى لهما مع صلاتك، و تصوم لهما مع صيامك"(۵)۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: "من مر على المقابر و قرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ إحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجرها للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات"(٦)۔

= القرآن للميت، ص: ۳۰۲، دار المعرفة، بيروت)

(۱) "عن أبى طلحة الأنصارى رضى الله تعالىٰ عنه –واسمه زيد بن سهل– أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ضحى بكبشين أملحين، فقال عند الأول: "عن محمد و آل محمد" و قال عند الثانى: "عمن آمن بى و صدقنى من أمتى". (نصب الراية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، (رقم الحديث: ۴۷۲۳): ۱۵۳/۳، المكتبة المكية)

(۲) (الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲۹٦/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) "أخرجه الزيلعى فى كتاب الحج عن الغير، رقم الحديث: ۴۷۱۵، وقال: قلت: روى من حديث عائشة، و أبى هريرة، و من حديث جابر، و من حديث أبى رافع، و من حديث حذيفة ابن أسيد الغفارى، و من حديث أبى طلحة الأنصارى و من حديث أنس رضى الله تعالىٰ عنهم". (نصب الراية: ۱۵۱/۳، المكتبة المكية)

(۴) (فتح القدير، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۴۳/۳، مصطفى البابى الحلبى، مصر)

(۵) (فتح القدير، المصدر السابق)

(٦) (أخرجه السيوطىؒ فى شرح الصدور، باب فى قراءة القرآن للميت، ص: ۳۰۳، دار المعرفة، بيروت)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا: "یا رسول اللّٰه! إنا نتصدق عن موتانا و نحج عنهم و ندعولهم، فهل يصل ذلك إليهم؟ قال: "نعم، إنه يصل إليهم، و إنهم ليفرحون به كما يفرح أحدكم بالطبق إذا أهدى إليه اهـ" (۱)۔

ان سب کو نیز دیگر احادیث و آثار کو نقل کر کے فتح القدير، باب الحج عن الغير: ۲/۳۰۹، میں لکھا ہے:

"فهذه الآثار و ما قبلها و ما في السنة أيضاً من نحوها عن كثير قد تركناه لحال الطول يبلغ القدر المشترك بين الكل –و هو أن من جعل شيئاً من الصالحات لغيره، نفعه اللّٰه تعالیٰ به– مبلغ التواتر، وكذا ما في كتاب اللّٰه تعالیٰ من الأمر بالدعاء للوالدين في قوله تعالیٰ: ﴿و قل رب ارحمهما كما ربياني صغيراً﴾ و من الأخبار باستغفار الملائكة للمؤمنين، قال تعالیٰ: ﴿والملائكة يسبحون بحمد ربهم و يستغفرون لمن في الأرض﴾ و قال تعالیٰ في آية أخرىٰ: ﴿الذين يحملون العرش.......... وقهم السيئات﴾ قطعيٌّ في حصول الانتفاع بعمل الغير، فيخالف ظاهر الآية التي استدلوا بها :أي المعتزلة، و هي: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعىٰ﴾ إذ ظاهرها أنه لا ينفع استغفار أحد لأحد بوجه من الوجوه؛ لأنه ليس من سعيه، فلا يكون له منه شيء، فقطعنا بانتفاء إرادة ظاهرها على صراحته فتقيد بما لم يهبه العامل" (۲)۔

آیت مذکورہ سے استدلال کا جواب بھی واضح ہو گیا۔ حافظ عینی نے شراح ہدایہ (۳) میں اور زیلعی نے

---

(۱) (فتح القدير، كتاب الحج، باب الحج عن الغير : ۳/۱۴۳، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۲) (فتح القدير، المصدر السابق)

(۳) "وأما الجواب عن الآية فبثمانية أوجه: الأول : أنها منسوخة بقوله تعالیٰ : ﴿والذين آمنوا واتبعتهم﴾ الآية. الثاني :خاصة بقوم إبراهيم و قوم موسى يعني في صحف إبراهيم و موسى .... الثالث: أن المراد بالإنسان الكافر هنا، وأماالمؤمن فله ما سعى .... الخامس: أن معنى ما سعى: "ما نوى" قاله أبو بكر الوراق. السادس: أن ليس للإنسان الكافر من الخير إلا ما عمله في الدنيا، فيثاب عليه في الدنيا حتى لا يبقى له في الآخرة خيرٌ البتة. السابع : اللام بمعنى "على": أي ليس على الإنسان إلا ماسعى .... الثامن : ليس إلا سعيه غير أن الأسباب مختلفة، فتارةً يكون سعيداً في تحصيل =

شرح کنز میں (۱) اور طحطاوی نے شرح مراقی الفلاح (۲) میں معتزلہ کی اس دلیل کے آٹھ جوابات دیئے ہیں۔
ابن قیم نے تو کتاب الروح گویا کہ اس قسم کے مسائل کے لئے ہی تصنیف کی ہے اور ہر عنوان پر سیر حاصل بحث

= الشيء بنفسه و تارةً لتحصيل سببه الخ". (البناية شرح الهداية للعلامة العينى، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۵/۳۹۶، مكتبه حقانيه، ملتان)

(۱) "وأما قوله تعالىٰ: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعىٰ﴾ (سورة النجم پ ۲۷، آيت: ۳۹) فقد قال ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما: إنها منسوخة بقوله تعالى: ﴿والذين آمنوا واتبعتهم ذريتهم بإيمان﴾ (سورة الطور، پ: ۲۷، آيت: ۲۱) "و قيل: هى خاصة بقوم موسى و إبراهيم لأية وقع حكاية عما فى صحفهما على نبينا وعليهما السلام، بقوله تعالىٰ: ﴿أم لم ينبأ بما فى صحف موسى و إبراهيم الذى وفّىٰ﴾ (سورة النجم پ ۲۷، آيت: ۳۷) وقيل: أريد به الإنسان الكافر، و أما المؤمن فله ما سعى أخوه. وقيل: ليس له من طريق العدل، و له من طريق الفضل. و قيل: "ألّام" فى للانسان بمعنى "على" كقوله تعالىٰ: ﴿وإن أسأتم فلها﴾ (سورة الإسراء، پ ۱۵، آية: ۷): أي فعليها أو كقوله تعالىٰ: ﴿لهم اللعنة﴾ (سورة الرعد، پ:۱۳، آيت: ۲۵): أى عليهم. وقيل: ليس له إلا سعيه، لكن سعيه بمباشرة أسبابه بتكثير الإخوان و تحصيل الإيمان حتى صار ممن تنفعه شفاعة الشافعين". (تبيين الحقائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/۲۲۱، ۲۲۲، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۲) "وقالت المعتزلة: ليس للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره لقوله تعالىٰ: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ماسعىٰ﴾ الجواب عنه من ثمانية أوجه: الأول: أنها منسوخة الحكم بقوله تعالىٰ: ﴿والذين آمنوا واتبعتهم﴾ الاية .... الثانى: أنها خاصة بقوم إبراهيم و موسى .... الثالث: المراد الإنسان الكافر .... الرابع: ﴿ليس للإنسان إلا ماسعى﴾ من طريق العدل، فأما من طريق الفضل فجائز .... الخامس: أن معنى ﴿ماسعى﴾ "نوى" قاله أبو بكر الوراق. السادس: أن "اللام" بمعنى "على" كما فى قوله تعالىٰ: ﴿ولهم اللعنة﴾ السابع: أنه ليس له إلاسعيه غير أن الأسباب مختلفة، فتارةً يكون سعيه فى تحصيل الخير بنفسه، و تارةً يكون فى تحصيل سببه مثل سعيه فى تحصيل قرابة، وولد يترحم عليه، وصديق يستغفر له، وقد يسعى فى خدمة الدين .... الثامن: أن الحصر قد يكون فى معظم المقصود بالحصر لا فى كله". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، أحكام الجنائز، فصل فى زيارة القبور، ص: ۶۲۲، قديمى)

کی ہے(۱)۔

آثار السنن میں مستقل "باب قراءۃ القرآن للمیت" منعقد کیا گیا ہے(۲) دوسری اور تیسری اور چوتھی آیت سے جو استدلال کیا گیا ہے وہ بالکل بے محل ہے، ان آیات کو مسئلۂ مذکورہ سے کوئی علاقہ نہیں، کما لا يخفى على من له ممارسة بالتفسير۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ۷/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۲/ رجب/ ۶۹ھ۔

اپنی زندگی میں مُردہ سمجھ کر ایصالِ ثواب کرانا

سوال[۴۳۲۲]: ۱...... قبر پر خواہ صالح کی ہو یا عام قبر ہو بغیر ہاتھ اٹھائے دعاء مانگنا کیسا ہے؟ جیسا کہ رسم ورواج ہے کہ فاتحہ پڑھو؟

۲...... بعض لوگ اپنی حیات میں تیجہ، چالیسواں، برسی، ختم قرآن، صدقہ اپنی روح کو کراتے ہیں اور اپنے آپ کو پھر وہ مردہ سمجھتے ہیں اور کسی کے یہاں وہ موت وزندگی میں شریک نہیں ہوتے اور نہ میت کا کھانا کھاتے ہیں اسی خیال سے اپنی فاتحہ اپنی زندگی میں کروا ڈالتے ہیں کہ مرنے کے بعد کوئی فاتحہ کرے یا نہ کرے، کیا حیات میں بھی دوسروں سے اپنی روح کو ایصالِ ثواب پہنچوانے کے لئے اپنے نام قرآن پڑھوا کر بخشنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۲...... نفس ایصال ثواب بغیر التزامِ تاریخ، یوم وہیئت وغیرہ کے زندہ کے لئے بھی درست ہے اور مردہ کے لئے بھی درست ہے(۳)، مگر تیجہ، چالیسواں، برسی، فاتحہ مروجہ وغیرہ یہ سب چیزیں شرعاً بے اصل، بدعت

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (الروح لابن قيم الجوزية، المسألة السادسة عشرة هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعي الأحياء أم لا؟ ص: ۱۵۳، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۲) (آثار السنن أبواب الجنائز، باب في قراءة القرآن للميت، ص: ۳۳۸، مكتبه إمداديه، ملتان)

(۳) "إن سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فقال: يا رسول الله! -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال:=

اور ناجائز ہیں، ان سے اجتناب واجب ہے(۱)۔ ایصالِ ثواب کے لئے جو کھانا دیا جاتا ہے، وہ غرباء ومساکین کو دینا چاہئے، مالدار کو نہیں (۲)۔ کسی کے یہاں موت اور زندگی میں بلا وجہ شریک نہ ہونا اور سب سے قطع تعلق

= فإنی أشهدک أن حائطی المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاری، كتاب الوصايا، باب: إذا قال: أرضی وبستانی صدقة لله عن أمی: ۱/۳۸۶، قديمی)

"صرح علماء نا فی باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شیء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب فی القراء ة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا فی البحرالرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا فی التاتارخانية، كتاب المناسک، الفصل الخامس عشر فی الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، ادارة القرآن كراچی)

(۱) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت :قال النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهورد". (صحيح البخاری، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جورٍ: ۱/۳۷۰، قديمی)

"ويكره اتخاذ الطعام فی اليوم والأول والثالث وبعد الأسبوع، ونقل الطعام إلى القبر فی المواسم، وإتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن، وجمع الصلحاء والقراء للختم، أولقراء ة سورة الأنعام، أوالإخلاص .... وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالیٰ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فی كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ البزازية، كتاب الصلاة، الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز، نوع آخر: ذهب إلى المصلی قبل الجنازة الخ: ۴/۸۱، رشيديه)

(۲) صدقہ کا مال فقیر کو دیا جاتا ہے جب کہ مالدار کو دینے سے ہبہ بن جاتا ہے صدقہ نہیں رہتا: قال الله تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين﴾. (سورة التوبة، پ: ۱۰، آیت: ٦٠)

"إن الصدقة على الغنی هبة". (ردالمحتار، كتاب الوصايا، فصل فی وصايا الذمی وغيره: ٦/٦٩٨، سعيد)

کر دینا، رہبانیت، قطع رحمی، اضاعتِ حقوق ہے، شرع نے اس سے منع کیا ہے(۱)۔

۱...... نفس دعاء بغیر ہاتھ اٹھائے بھی ہوسکتی ہے، اگر ہاتھ اٹھا کر مانگنا ہوتو قبلہ رو ہوکر مانگنا چاہئے تاکہ یہ شبہ نہ ہوکہ صاحبِ قبر سے کچھ مانگا جارہا ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ جمادی الثانیہ/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۵/ جمادی الثانیہ/ ۶۱ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿فهل عسيتم إن توليتم أن تفسدوا في الأرض، وتقطعوا أرحامكم، أولئک الذين لعنهم الله، فأصمهم وأعمى أبصارهم﴾ (سورة محمد: ۲۳)

"والآية ظاهرة في حرمة قطع الرحم. وحكى القرطبي في تفسيره: اتفاق الأمة على حرمة قطعها ووجوب صلتها، ولا ينبغي التوقف في كون القطع كبيرةً". (روح المعاني: ۲۶/ ۷۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الرحم شجنة من الرحمن فقال الله: (من وصلک وصلته، ومن قطعک قطعته)". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب من وصل وصله الله: ۲/ ۸۸۵، قديمي)

(۲) "وفي حديث ابن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه: رأيت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في قبر عبد الله ذي النجادين، الحديث. وفيه: "فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعاً يديه". أخرجه أبو عوانة في صحيحه". (فتح الباري، كتاب الدعوات، باب الدعاء مستقبل القبلة، رقم الحديث: ۶۳۴۳، رقم الباب: ۲۵، ۱۱/ ۱۷۳، قديمي)

"عن محمد بن قيس بن مخرمة بن المطلب أنه قال يوماً: ألا أحدثكم عني وعن أمي؟ قال فظننا أنه يريد أمه التي ولدته. قال: قالت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: ألا أحدثكم عني وعن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قلنا: بلى، قال: قالت: لما كانت ليلتي التي كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فيها عندي، انقلب .... حتى جاء البقيع، فقام، فأطال القيام، ثم رفع يديه ثلاث مرات". الحديث. (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في ذهاب إلى زيارة القبور: ۱/ ۳۱۳، قديمي)

نوٹ: حضرت مفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سوال کا جواب آخر میں لکھا ہے، تخریج اسی ترتیب کے مطابق ہے۔

اپنی زندگی میں ایصالِ ثواب

سوال[۴۳۲۳]: ایک صاحب چاہتے ہیں ہیں کہ اپنی زندگی میں کلام پاک کا ہدیہ ادا کر کے دس پانچ کلام پاک پڑھوا کر اپنی عاقبت کے لئے محفوظ کر لیں۔ کیا ایسا عمل احکامِ شرعی فقہ وحدیث سے درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہدیہ اجرت دیکر قرآن کریم پڑھوانا جائز نہیں، اس سے ثواب نہیں ہوتا بلکہ گناہ ہوتا ہے(۱)، بلا ہدیہ لئے کوئی پڑھے تو درست ہے، قرآن کریم کے مدرسہ میں کچھ قرآن شریف دیدیں، بچے جب تک ان کو پڑھیں گے ثواب ہوتا رہے گا۔ اسی طرح حدیث شریف کی کتابیں کسی بڑے عربی مدرسہ میں دیدیں، مسجدوں کو صفیں دیدیں، جب تک ان پر نماز پڑھی جائے گی ثواب ہوتا رہے گا، کنواں بنوادیں، مسافر خانہ بنوادیں، غرض اپنی زندگی میں ثواب کے انتظام کی بہت سی صورتیں ہیں اور جس قدر ہو سکے خود ہی صدقہ جاریہ کی صورتیں کی جائیں تو اچھا ہے، بعد میں کوئی ثواب پہونچائے یا نہ پہونچائے، اپنے بس میں پھر کچھ نہیں رہتا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۱۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۲/۱۷ھ۔

---

(۱) "قال عبد الرحمن بن شبل رضي الله تعالى عنه :سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "اقرؤا القرآن، ولاتغلوا فيه، ولا تجفوا عنه، ولا تأكلوا به، ولا تستكثروا به". (مسند أحمد، (رقم الحديث:۱۵۱۰۳): ۴/۴۴۵، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للميت ولا للقارى .... ويمنع القارى للدنيا، والآخذ والمعطى آثمان". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعيد)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:"إن مما يلحق المؤمن من عمله حسناته بعد موته علماً علّمه ونشره، أوولداً صالحاً تركه، أومصحفاً ورّثه، أومسجداً بناه، أوبيتاً لابن السبيل بناه، أونهراً أجراه، أوصدقةً أخرجها من ماله في صحته وحياته يلحقه من بعد موته". (شرح الصدور، باب ما ينفع الميت في قبره، ص: ۲۹۶، دار المعرفة، بيروت) .... =

مُردوں کوثواب کس طرح پہنچتا ہے؟

سوال[۴۳۲۴]: ایصالِ ثواب کس کیفیت سے ہمارے موتی تک پہونچتا ہے (نفس ایصال ثواب کودریافت نہیں کرتا)۔ کیا موتی کو ایصالِ ثواب کے لئے آخرت میں بھی محکمۂ ڈاک، ٹیلی گراف، وائرلیس وغیرہ (خبررسانی) کا محکمہ ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ایصالِ ثواب کے لئے یہاں جوکچھ عمل کیا جائے (نماز، روزہ، صدقہ، حج، تلاوت، ذکر، خدمتِ خلق وغیرہ) اوردعاء کرلی جائے کہ یااللہ! اس کاثواب فلاں کوپہونچادے، شامی: ۱/۸٤٤ (۱)، یہ دعااللہ پاک

= "فالدليل على انتفاعه بما تسبب إليه في حياته ما رواه في صحيحه من حديث أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إذا مات الإنسان، انقطع عنه عمله إلا من ثلاث: صدقة جارية أوعلم ينتفع به، أوولد صالح يدعوله". [الصحيح لمسلم، كتاب الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد موته: ۲/۴۱، قديمى] فاستثناء هذه الثلاث من عمله يدل على أنها منه، فإنه هوالذى تسبب إليها". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية، المسألة السادسة عشرة: وهى هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعى الأحياء أم لا، ص: ۱۵۳، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۱) "صرح علماء نا فى باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب فى القرأة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا فى البحرالرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

"السنة لم تشترط التلفظ بالإهداء فى حديث واحد، بل أطلق صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الفعل عن الغير كالصوم والحج والصدقة، ولم يقل لفاعل ذلك: وقل أللهم هذا عن فلان، والله سبحانه يعلم نية العبد وقصده بعلمه، فإن ذكره جاز، وإن ترك ذكره واكتفى بالنية والقصد، وَصَلَ إليه، الخ" (كتاب الروح لابن قيم الجوزيه رحمه الله تعالىٰ، المسألة السادسة عشر: هل تنفع أرواح الموتى بشيء من سعى الأحياء أم لا؟ فصل: فإن قيل: فهل تشترطون فى وصول الخ، ص: ۱۸۴، مكتبه فاروقيه پشاور)

سے کی جاتی ہے، اس کے لئے کسی فون، ٹیلی گرام وغیرہ مادی آلات کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ اللہ پاک کی شان یہ ہے: ﴿ يعلم مايسرون وما يعلنون، إنه عليم بذات الصدور﴾ الآية(۱)، ﴿لا يعلم من فی السموات والأرض الغيب إلا الله﴾الآية (۲)، ﴿لايعزب عنه مثقال ذرة﴾ الآية(۳)، ﴿يعلم ما فی السموات والأرض﴾ الاية (٤).

جب یہاں سے کسی کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات میں ترقی ہوتی ہے، درجات بلند ہوتے ہیں، وہاں کی تکلیف میں تخفیف ہوتی ہے۔ جو چیز ایصالِ ثواب کے لئے صدقہ کی گئی ہے وہ بعینہ نہیں پہونچتی، میت پر جب انعامات ہوتے ہیں تو ان کو بتلا دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے تمہارے لئے ایصالِ ثواب کیا ہے، یہ اس کا ثمرہ ہے، کتاب الروح (۵) شرح الصدور (٦) الورقۃ الفاخرۃ وغیرہ میں تفصیل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۲٦ھ۔

---

(۱) (سورة هود: ۵)

(۲) (سورة النمل، پ: ۲۰، آیت: ۲۵)

(۳) (سورة السباء، پ: ۲۲، آیت: ۳)

(۴) (سورة التغابن، پ: ۲۸، آیت: ۴)

(۵) "ودعاء النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم للأموات فعلاً وتعليماً، ودعاء الصحابة والتابعين والمسلمين عصراً بعد عصر أكثر من أن يذكر، وأشهر من أن ينكر، وقد جاء أن الله يرفع درجة العبد فی الجنة فيقول: أنی لی هذا ؟ فيقال: بدعاء ولدک لک". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية رحمه الله تعالیٰ، المسألة السادسة عشر: هل تنتفع أرواح الموتی بشیء من يسعی الأحياء أم لا، فصل: والدليل علی انتفاعه بغير ما تسبب الخ، ص: ۱۵۷، مكتبه فاروقيه پشاور)

(٦) "عن أبی سعيد الخدری رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "يتبع الرجل يوم القيامة من الحسنات أمثال الجبال، فيقول: أنّی هذا ؟ فيقال: باستغفار ولدک لک". (رقم الحديث: ۲۰)

"وأخرج ابن أبی الدنيا عن بشار بن غالب قال: رأيت رابعة فی النوم وكنت كثير الدعاء لها =

میت کو بعینہ صدقہ نہیں پہونچتا بلکہ ثواب پہونچتا ہے

سوال[۴۳۲۵]: حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعظ ''طریق القلندر'' میں فرمایا'' جو حضرات پھول مالا چڑھاتے ہیں، دوحال سے خالی نہیں: میت کو پہونچتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں پہونچتا ہے تو فعل عبث ہوگا اور اگر پہونچتا ہے تو ظاہر ہے جنت کے پھول کے مقابلہ میں جو شیخ کو حاصل ہے تمہارے یہ دنیا کے پھول سو روپیہ، تولہ کے عطر کے مقابلہ میں چار آنہ تولہ کا مہکتا ہوا عطر ہے۔ تو قبر پر پھول چڑھانا ایسا ہوا جیسا کہ سو روپیہ کے عطر سونگھنے والے کی ناک میں چار آنہ والا عطر لگادینا تو پھول چڑھا کر حضرت کی روح کو تکلیف دی''۔ اس کو نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بطورِ معاوضہ صدقہ طعام اور لباس وغیرہ پر قیاس کرے جس کو ہم لوگ بھی کرتے ہیں تو کیا جواب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جواب ظاہر ہے کہ ہمارا یہ عقیدہ ہی نہیں کہ یہ صدقہ بعینہ ان کے پاس پہونچتا ہے بلکہ عقیدہ یہ ہے کہ اس کا ثواب نعمائے جنت کی شکل میں ان کے پاس پہنچتا ہے(۱)، ہاں جو وہاں جاکر بھی اردکی، پھریری، دال،

= فقالت لي: يا بشار! هَدَايَاكَ تأتينا على أطباق من نورٍ مخمرة بمناديل الحرير، قلت: وكيف ذلك؟ قالت: هكذا دعاء المؤمنين الأحياء إذا دعوا للموتى، فاستجيب لهم، جعل ذلك الدعاء على أطباق النور، ثم خمر بمناديل الحرير، ثم أتي به الذي دُعي له من الموتى، فقيل له: هذه هدية فلان إليك". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، (رقم الحديث: ۲۹)، ص: ۲۹۲، ۲۹۸، دار المعرفة)

(۱) "ودعاء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للأموات فعلاً وتعليماً، ودعاء الصحابة والتابعين والمسلمين عصراً بعد عصر أكثر من أن يذكر، وأشهر من أن ينكر، وقد جاء: أن الله يرفع درجة العبد في الجنة، فيقول: أنّى لي هذا؟ فيقال: بدعاء ولدك لك". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية رحمه الله تعالىٰ، المسألة السادسة عشرة: هل تنتفع أرواح الموتى شيء من يسعى الأحياء أم لا؟، فصل: والدليل على انتفاعه بغير ما تسبب الخ، ص: ۱۵۷، مكتبه فاروقيه پشاور)

"عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يتبع الرجل يوم القيامة من الحسنات أمثال الجبال، فيقول: أنّى هذه؟ فيقال: باستغفار ولدك لك". =

سوڈا واٹر وغیرہ طلب کریں اور اپنی طبعی مرغوبہ چیزوں پر فاتحہ کی وصیت کر جائیں، ان پر ضرور یہ اشکال وارد ہے کہ شاید ان کے نزدیک یہ چیزیں پہونچتی ہیں اور اس دنیا کی طبیعت ومزاج وخواہش کو لے کر دنیا سے گئے ہیں، اس لئے یہیں کی چیزوں کی طلب ہے، جیسے مسافر اپنی طبیعت کے موافق ناشتہ ساتھ لے کر جاتا ہے اور اسی کا طلب گار رہتا ہے۔

شاید یاد ہو کہ گاندھی جی جب ولایت گئے تھے تو بکری اور چھوارے ساتھ لے گئے تھے، چھوارے کھاتے تھے اور بکری کا دودھ پیتے تھے، غیر ملکی غذا ان کو ناپسند تھی۔ تو برزخ بھی دوسرا ملک ہے، منعم علیہم شہداء وغیرہ کے لئے ان کو جنت سے غذا ملتی ہے، برزخ کا دوسرا رخ ان کے لئے جنت کی طرف ہے۔ جو لوگ اپنے کو جنتی تصور کرتے ہیں اور پھر برزخ میں جا کر دنیا ہی کے ناشتے طلب کرتے ہیں وہ دو حال سے خالی نہیں: یا تو ان کو جنت کے ناشتوں کے مقابلے میں دنیا ہی کے ناشتے پسند اور مرغوب ہیں، یا پھر ان کو جنت کا ناشتہ نہیں ملتا، بلکہ ان کی قبر کا رخ کسی اَور طرف ہے-أعاذنا الله منه- دونوں باتیں کس قدر خطرناک ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۷/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۷/ ۶/ ۸۷ھ۔

مشترکہ ایصال ثواب کس طرح تقسیم ہوگا؟

سوال[۴۳۲۶]: کیا روحیں قبروں میں رہتی ہیں، کیونکہ "السلام عليكم يا أهل القبور" کہا

= (شرح الصدور، رقم الحديث: ٢٠)

"وأخرج ابن أبي الدنيا عن بشار بن غالب قال: رأيت رابعة في النوم وكنت كثير الدعاء لها، فقالت لي: يا بشار! هَدَايَاکَ تأتينا على أطباق من نور مخمرة بمناديل الحرير، قلت: وكيف ذلک؟ قالت: هكذا دعاء المؤمنين الأحياء إذا دعوا للموتى، فاستجيب لهم، جعل ذلک الدعاء على أطباق النور، ثم خمر بمناديل الحرير، ثم أتي به الذي دُعي له من الموتى، فقيل له: هذه هدية فلان إليک".

(شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، (رقم الحديث: ٢٩)، ص: ٢٩٦، ٢٩٨، دار المعرفة، بيروت)

جاتا ہے، کیونکہ قبرستان میں جس وقت کوئی تلاوت قرآن کرکے بخشتا ہے تو ثواب روحیں آپس میں بانٹ لیتی ہیں، کہاں تک درست ہے؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلياً:

بعض ارواح قبر میں بھی رہتی ہیں، کذا فی کتاب الروح(۱)، لیکن سلام کرنے یا ثواب پہونچانے کے لئے روح کا قبر میں ہونا ضروری نہیں، نفسِ تعلق کافی ہے۔ جب قرآن کریم کی تلاوت کا ثواب مشترکہ طور پر بخشا جاتا ہے، تو اظہر یہی ہے کہ ارواح کے درمیان تقسیم ہوگا(۲)، لیکن یہ تقسیم ملائکہ کے ذریعہ ہوگی، ارواح کو خود بانٹنے یا لڑنے جھگڑنے کا موقع نہ دیا جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۶/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۱/۶/۲۵ھ۔

---

(۱) "ومنهم: من يكون محبوساً في قبره كحديث صاحب الشملة التي غلها، ثم استشهد، فقال الناس: هنيئاً له الجنة، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "والذي نفسي بيده! إن الشملة التي غلها لتشتعل عليه ناراً في قبره". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية رحمه الله تعالىٰ، المسألة الخامسة عشرة: وهي أين مستقر الأرواح مابين الموت إلى يوم القيامة، فصل: وأما قول من قال: إن مستقرها بعد الموت الخ، ص: ۱۵۰، مكتبه فاروقيه پشاور)

"وقيل: هي على أفنية قبورها، قال ابن عبد البر: وهذا أصح ما قيل، قال: وأحاديث السؤال، وعرض المقعد، وعذاب القبر ونعيمه، وزيارة القبور، والسلام عليها، وخطابهم مخاطبة الحاضر العاقل دالةٌ على ذلك". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب: مقر الأرواح، ص: ۲۳۵، دار المعرفة، بيروت)

(۲) "الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۲/۳۱۹، إدارة القرآن كراچی)

"صرح علماؤنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

مُردوں کوایصالِ ثواب تقسیم ہوتا ہے یا پورا پورا دیا جاتا ہے؟

سوال[۴۳۲۷]: ایک شخص اپنے والد کے ایصال ثواب کے لئے ایک روپیہ خیرات کرتا ہے، یا چند مسکینوں کو کھانا کھلاتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی نیت کرتا ہے کہ والد کے علاوہ فلاں فلاں دوسرے اموات کو اس کا ثواب پہونچے۔ سوال یہ ہے کہ ایک روپیہ کا پورا ثواب اور اجر جو حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے، صورتِ مسئولہ میں وہ پورا باپ کو پہونچ کر دوسروں کو اس کے علاوہ ملے گا، یا اسی روپیہ کے ثواب میں سے جملہ اموات کو حسبِ حصہ سہام تقسیم ہوں گے اور دوسری اموات کے ملانے سے باپ کے حصہ میں کمی ہو جائے گی؟

حافظ نجیب خان۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے: بعض حضرات کی رائے ہے کہ حسبِ حصہ ثواب پہونچے گا جیسا کہ کوئی شخص ایک روپیہ کے پیسے چند فقیروں کو تقسیم کردے تو سب کو ایک ایک روپیہ نہیں پہونچتا بلکہ اس میں سے تقسیم ہو کر حسبِ حصہ پہونچتا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سب کو پورا پورا پہونچتا ہے کیوں کہ اللہ کی رحمت وسیع ہے، وہ اگر سب کو ایک ایک روپیہ کا پورا پورا ثواب پہونچادیں گے تو ان کے یہاں کچھ کمی نہیں آئے گی، بلکہ وسعتِ رحمت کا تقاضہ یہی ہے کہ سب کو پورا پورا پہونچے، اور زیادہ تر دارومدار ثواب کی کمی زیادتی کا زیادتی خلوص پر ہے، اگر خلوص کے ساتھ تھوڑی چیز کا ثواب پہونچایا جائے وہ زیادہ ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ زیادہ چیز کا ثواب بلاخلوص پہونچایا جائے، تو زیادہ ضرورت خلوص کی ہوئی اور اس کے ساتھ ساتھ چیز بھی اگر زیادہ ہے تو وہ سونے پر سہاگہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ ۵/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۳/ جمادی الاولی/ ۵۷ھ۔

---

(۱) "وفي كتاب الروح للحافظ أبي عبد الله الدمشقي الحنبلي الشهير بابن قيم الجوزية .... ويوضحه أنه لو أهدى الكل إلى أربعة، يحصل لكل منهم ربع، فكذا لو أهدى الربع لواحد وأبقى الباقي لنفسه، قلت: لكن سئل ابن حجر المكي عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة هل يقسم الثواب بينهم أو يصل لكل منهم مثل ثواب ذلک کاملاً؟ فأجاب بأنه أفتى مع بالثاني وهو اللائق بسعة الفضل". =

ایک مجمع کو قرآن بخشا جائے تو کیا سب کو برابر برابر تقسیم ہو کر پہونچتا ہے؟

سوال[۴۳۲۸] : اگر کوئی شخص ایصال ثواب کرنا چاہے تو کس طرح کرے اور کیا کہے اور کسی چیز کا ثواب ایک شخص کو پہونچ سکتا ہے یا کئی نفوس کو؟ مثلاً کسی شخص نے بیٹھے بیٹھے گھر یا مسجد یا قبرستان میں ایک سورۃ یا ایک پارہ پڑھا اور یہ کہا، اے اللہ! یہ جو کچھ ہم نے پڑھا ہے اور تلاوت کیا اس کا ثواب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وکل انبیاء علیہم السلام وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومسلمین ومسلمات اور ہمارے ماں باپ دادا دادی وغیرہ کو اپنے حبیب پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل پہونچادے۔ تو کیا ہر شخص کو جتنا ایک پارہ وسورت پر ثواب مقرر ہے ملے گا، یا سب اسی میں شریک ہوں گے؟ نیز اس طرح کے الفاظ دعاء میں کہنا درست ہے یا نہیں، نیز اول وآخر درود شریف پڑھنا بہتر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اس طرح کہنا اور ثواب پہونچانا درست ہے (۱)، جس قدر خدا کو منظور ہے سب کو پہونچ جائے گا۔ ظاہر تو یہ ہے کہ سب کو تقسیم ہو کر پہونچے گا، پورا پورا سب کو پہونچنے کا تذکرہ کسی نص میں نہیں دیکھا (۲)، بعض

= (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، ۲۴۴، سعيد)

"نص عليه الإمام أحمد في رواية محمد بن يحى الكمال، ووجه هذا: أن الثواب ملك له، فله أن يهدى بعضه يوضحه أنه لو أهداه إلى أربعة مثلاً يحصل لكل منهم ربعه، فإذا أهدى الربع وأبقى لنفسه الباقي، جاز، كما لو أهداه إلى غيره". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية رحمه الله تعالىٰ، المسألة السادسة عشرة: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من يسعى الأحياء أم لا؟ فصل: وأما قولكم لوساغ ذلك لساغ إهداء نصف الخ، ص: ۱۷۴، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۱) "الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (التاتار خانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۲/۳۱۹، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا في رد المحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(۲) "ويوضحه أنه لو أهدى الكل إلى أربعة يحصل لكل منهم ربعه، فكذا لو أهدى الربع لواحد وأبقى الباقي لنفسه". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، ۲۴۴، سعيد)=

شافعیہ اس کے قائل ہیں کہ سب کو بلا تقسیم کے پورا پورا پہونچے گا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت وسیع ہے(۱)، نفس تلاوت کے لئے تو اول وآخر درود شریف پڑھنے کی تاکید وتخصیص کہیں نہیں دیکھی، البتہ دعاء کرتے وقت اول وآخر درود شریف پڑھنا حصن حصین میں موجود ہے (۲)، ویسے بھی درود شریف کے فضائل وفوائد بے

= "نص عليه الإمام أحمد في رواية محمد بن يحي الكمال، ووجه هذا: أن الثواب ملك له، فله أن يهدى بعضه يوضحه أنه لوأهداه إلى أربعة مثلاً، يحصل لكل منهم ربعه، فإذا أهدى الربع وأبقى لنفسه الباقى، جاز، كما لوأهداه إلى غيره". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية رحمه الله تعالىٰ، المسألة السادسة عشرة: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعي الأحياء أم لا؟ فصل: وأما قولكم لوساغ ذلك لساغ إهداء نصف الخ، ص: ۱۷۴، مكتبه فاروقيه پشاور)

"وأخرج القاضى أبوبكر بن عبد الباقى الأنصارى فى مشيخته عن سلمة بن عبيد قال: قال حماد المكى: خرجت ليلة إلى مقابر مكة، فوضعت رأسى على قبر فنمت، فرأيت أهل المقابر حلقةً حلقةً فقلت: قامت القيامة ؟ قالوا: لا، ولكن رجلٌ من إخواننا قرأ ﴿قل هوالله أحد﴾ وجعل ثوابها لنا، فنحن نقتسمه منذ سنة". (شرح الصدور للسيوطى رحمه الله تعالىٰ، باب فى قراءة القرآن للميت أوعلى القبر، ص: ۳۰۴، دار المعرفة بيروت)

(۱) "قلت: لكن سئل ابن حجر المكى عما لوقرأ لأهل المقبرة الفاتحة، هل يقسم الثواب بينهم أويصل لكل منهم مثل ثواب ذلك كاملاً؟ فأجاب بأنه أفتى جمعٌ بالثانى، وهواللائق بسعة الفضل". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فى القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۴، سعيد)

(۲) "منها ما يبلغ أن يكون ركناً وأن يكون شرطاً .... والثناء على الله تعالىٰ أولاً وآخراً، والصلوة على النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كذالك". (الحصن الحصين للإمام محمد الجزرى رحمه الله تعالىٰ، آداب الدعا، ص: ۵۲، دار الإشاعت، كراچى)

"عن فضالة بن عبيد رضى الله تعالىٰ عنه قال: بينا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قاعد إذ دخل رجل فصلى، فقال: اللّٰهم اغفر لى وارحمنى، فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "عجلت أيها المصلى! إذا صليت فقعدت، فاحمد الله بما هوأهله، وصل علىّ، ثم ادعه". قال: ثم صلى رجل آخر بعد ذلك، فحمدالله وصلى على النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقال له النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أيها المصلى! ادع تُجَبْ". هذا حديث حسن". (جامع الترمذى، أبواب الدعوات، باب بلا =

شمار ہیں(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۳/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۴/۲/۹۱ھ۔

متعدد ارواح کو ثواب بخشنے سے سب کو پورا پورا ملے گا یا تقسیم ہوکر؟

سوال[۴۳۲۹]: اگر کوئی شخص قرآن شریف پڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایصالِ ثواب کرے، اور آپ کے بعد کل امتِ محمدیہ (جس میں جمیع مومنین) کی ارواح کو ثواب بخشیں اور بعد میں اپنے والدین، برادر، عزیز واقارب کے نام لے کر بخشے تو اس قرآن کا ثواب سب روحوں میں تھوڑا تھوڑا تقسیم ہوجائے گا یا علیحدہ علیحدہ کل امتِ محمدیہ میں برابر کا ثواب سب ارواح کو ملے گا اور پڑھنے والے کو بھی برابر کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ کونسا طریقہ افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مسئلہ میں کوئی نص موجود نہیں، تقسیم ہوکر حسبِ حصص پہونچنا اَقیس ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت وفضل سے اگر سب کو پورا پورا پہونچے تو کچھ بعید نہیں، علامہ شامی نے رد المحتار کتاب الجنائز میں اول قول ابن قیم حنبلی سے نقل کیا ہے اور ثانی قول ابن حجر مکی شافعی سے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۲۴/۶/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/ جمادی الثانیہ/۶۱ ۱۳ھ۔

= ترجمة: ۲/۱۸۵، سعيد)

(وكذا رواه ابن السني في عمل اليوم والليلة، باب ما يقول في دبر صلاة الصبح، رقم الحديث: ۱۱۳): ۱۰۲، مكتبة الشيخ، كراچى)

(۱) "عن ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أولى الناس بى يوم القيامة أكثرهم علىّ صلوةً". وروى عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "من صلى على صلوة صلى الله عليه عشراً وكتب له عشر حسنات". (جامع الترمذى، أبواب صلاة الجمعة، باب ما جاء فى فضل الصلوة على النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/۱۱۰، سعيد)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فضائل درود شریف تالیف حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا قدس سرہ)

(۲) "وفى كتاب الروح للحافظ أبى عبد الله الدمشقى الحنبلى الشهير بابن قيم الجوزية ....: =

ایک قرآن پاک صدقہ میں دیکر ثواب پورے مجمع کو بخشنا

سوال[۴۳۳۰]: ۱...... کسی نے ایک قرآن شریف خرید کر کسی پڑھنے والے کو ہدیہ کر دیا اور نیت یہ کی کہ یا اللہ! اس کا ثواب مجھے بھی ملے اور ماں باپ دادا دادی کو بھی ملے تو کیا اس طرح سب کو ثواب ملے گا؟ اور یہ صورت درست ہے؟

قرآن شریف ہبہ کیا موہوب لہ نے دوسرے کو ہبہ کر دیا، ثواب کس کو زیادہ ملے گا؟

سوال[۴۳۳۱]: ۲...... اگر کوئی شخص اپنے پیسے سے کلام پاک لیکر دوسرے شخص کو بنیتِ ثواب بالکل ہبہ کردے، پھر دوسرا شخص تیسرے کو اور تیسرا چوتھے کو دیتا چلا جائے، تو عطیہ کے اعتبار سے ثواب کا کون شخص مستحق ہے؟ آیا پہلا شخص یا ہر ایک شخص؟ نیز اگر چوری کر کے کلام پاک اٹھالیا جائے تو شخصِ اول کو ثواب ملے گا یا نہیں؟ اور جو چُرا کر ــــ یا ہے اس کو پڑھنے پر ثواب ملے گا یا نہیں؟ نیز غریب آدمی اور امیر آدمی دونوں کے دینے میں ثواب برابر ہے یا کمی زیادتی ہوگی؟ اگر کوشش اپنی طرف سے نہیں بلکہ اپنے ماں باپ، دادا دادی وغیرہ کی طرف سے دے تو جس کی طرف سے دیا ہے یہ عطیہ اس کے لئے صدقۂ جاریہ بنے گا یا نہیں اور اس کو پورا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... یہ بھی درست ہے، سب کو ثواب ملے گا(۱)۔

= ويوضحه أنه لو أهدى الكل إلى أربعة، يحصل لكل منهم ربعه، فكذا لو أهدى الربع لواحد وأبقى الباقي لنفسه، قلت: لكن سئل ابن حجر المكي عما لو قرأ لأهل المقبرة الفاتحة، هل يقسم الثواب بينهم أو يصل لكل منهم مثل ثواب ذلك كاملاً؟ فأجاب بأنه أفتى جمعٌ بالثاني، وهو اللائق بسعة الفضل".

(ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/ ۲۴۳، ۲۴۴، سعيد)

"نص عليه الإمام أحمد في رواية محمد بن يحيى الكمال، ووجه هذا أن الثواب ملك له، فله أن يهدى بعضه يوضحه أنه لو أهداه إلى أربعة مثلاً، يحصل لكل منهم ربع، فإذا أهدى الربع وأبقى لنفسه الباقي، جاز، كما لو أهداه إلى غيره". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية، المسألة السادسة عشر: هل تنتفع أرواح الموتى بشيء من سعي من الأحياء أم لا، ص: ۱۸۴، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن مما يلحق =

۲.....قرآن پاک ہدیہ کرنے میں تو سب کا ثواب برابر ہے، مگر اس اعتبار سے کہ پہلے شخص نے خرید کر (پیسے خرچ کر کے) دیا ہے، اس کا ثواب زیادہ ہے، دوسرے لوگوں نے جن کے پاس مفت آیا تھا وہی دیدیا، نیز پہلا شخص دوسروں کے دینے کا سبب بنا، اس لئے بھی اس کا ثواب زیادہ ہے، علاوہ ازیں جس میں جس قدر اخلاص زیادہ ہوگا اسی قدر وہ زیادہ ثواب کا مستحق ہوگا (۱)۔

چوری کرنا سخت معصیت اور کبیرہ گناہ ہے، جو شخص چوری کر کے قرآن پاک لائے گا اور تلاوت کرے گا اس کو نفس تلاوت کا بھی ثواب ملے گا اور چوری کا بھی گناہ ہوگا اور جس کی چوری کی ہے اس کو بھی ثواب

= المؤمن من عمله حسناته بعد موته علماً علّمه ونشره، أوولداً صالحاً تركه، أومصحفاً ورثه أومسجداً بناه، أوبيتاً لابن السبيل بناه أونهراً أجراه، أوصدقةً أخرجها من ماله في صحته وحياته يلحقه من بعد موته". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، ص: ۲۹٦، دار المعرفة، بيروت)

"صرح علماء نا في باب الحج عن الغير: بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

"الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء". (التاتار خانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۲/۳۱۹، إدارة القرآن كراچی)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿والسابقون السابقون، أولئك المقربون، في جنّت النعيم﴾ (سورة الواقعة، پ: ۲۸، آیت: ۱۱، ۱۲)

"فإن المراد بالسابقين هم المبادرون إلى فعل الخيرات كما أمروا، الخ". (تفسير ابن كثير: ۴/۲۸۳، سهيل اكيڈمی، لاهور)

وقال الله تعالىٰ: ﴿ثم أورثنا الكتاب الذين اصطفينامن عبادنا، فمنهم ظالم لنفسه، ومنهم مقتصد، ومنهم سابق بالخيرات بإذن الله، ذلك هوالفضل الكبير﴾ (سورة فاطر، پ: ۲۲، آیت: ۳۲)

ملے گا(۱)۔محتاج غریب کودینے میں زیادہ ثواب ہے کہ وہ صدقہ ہے اور مالدار کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ہدیہ یا ہبہ ہے(۲)۔ماں باپ وغیرہ کی طرف سے اگر دیدے توان کو بھی ثواب ہوگا اور دینے والے کو بھی ہوگا(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۳/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۴/۲/۹۱ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضى الله تعالىٰ عنه: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا يزنى الزانى حين يزنى وهومؤمن، ولا يشرب الخمر حين يشربها وهومؤمن، ولا يسرق السارق حين يسرق وهومؤمن". الحديث. (سنن ابن ماجة، أبواب الفتن، باب النهى عن النهبة، ص: ۲۸۲، قديمى)

قال المحشى عبد الغنى المجددى رحمه الله تعالىٰ تحت هذا الحديث:"إجماع أهل الحق علىٰ أن الزانى والسارق والقاتل وغيرهم من أصحاب الكبائر". (إنجاح الحاجة حاشية سنن ابن ماجة، أبواب الفتن، باب النهى عن النهبة، ص: ۲۸۲، قديمى)

"والكبيرة قد اختلفت الروايات فيها، فروى ابن عمر أنها تسعة الشرك بالله .... وزاد على رضى الله تعالىٰ عنه السرقة" (شرح العقائد، ذكر قوله: الكبيرة لا تخرج العبد من الإيمان الخ، ص: ۸۲، مكتبه يوسفى)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قرأ حرفاً من كتاب الله، فله به حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول: "آلم" حرفٌ، و لكن "الف" حرفٌ و "لام" حرفٌ و "ميم" حرفٌ". هذا حديث حسن صحيح غريب". (جامع الترمذى، أبواب فضائل القرآن، باب ما جاء فى من قرأ حرفاً من القرآن ماله من الأجر: ۱۱۹/۲، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين﴾ الآية (سورة التوبة: ۶۰)

"الصدقة على الغنى هبة". (ردالمحتار، كتاب الوصايا، فصل فى وصايا الذمى وغيره: ۶۹۸/۶، سعيد)

(۳) "وأخرج أيضاً عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا تصدق أحدكم بصدقة تطوعاً، فليجعلها عن أبويه، فيكون لهما أجرها، ولا ينتقص من أجره شيئا". (شرح الصدور للسيوطى رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت فى قبره، رقم الحديث: ۳۹، ص: ۳۰۰، دار المعرفة، لاهور) .... =

اولیاء اللہ کے ایصالِ ثواب کے لئے مسجد میں ختم پڑھنا

سوال[۴۳۳۲]: مسجد میں اولیاء اللہ کے لئے ختم پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو ختم بزرگوں سے ثابت ہے اس کو پڑھنا، یا ختم پڑھ کر بزرگوں کو ثواب پہونچانا درست ہے، لیکن کسی کو اس پر مجبور نہ کیا جاوے جس کا دل چاہے شریک ہو جس کا دل نہ چاہے نہ شریک ہو، نیز اپنی طرف سے کوئی چیز ایسی نہ ملائی جائے جو ثابت نہ ہو(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۸۸ھ۔

اولیاء اللہ کے مزارات پر خیرات

سوال[۴۳۳۳]: کیا اولیاء اللہ کے مزار پر خیرات کرنی جائز ہے؟ جیسا کہ حضرت صابر رحمہ اللہ تعالیٰ

= "الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (التاتار خانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس في إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۲/۳۱۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الدر المختار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

"وأخرج أبو محمد السمرقندي في فضائل ﴿قل هو الله أحد﴾ عن علي رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "من مر على المقابر وقرأ: ﴿قل هو الله أحد﴾ إحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجره للأموات، أعطي من الأجر بعدد الأموات". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، رقم الحديث: ۴، ص: ۳۰۳، دار المعرفة، بيروت)

(۱) "والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أو صوماً أو صدقةً أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرة أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچی)

کے مزار پر فقیروں کو کھانا کھلاتے ہیں، اللہ کے واسطے خیرات کرنی پیسہ کی ہو یا کھانے کی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

صدقہ وخیرات کرکے بزرگانِ دین کو بھی ثواب پہونچانا درست ہے، جولوگ مزارات اولیاء اللہ کے پاس حجروں میں اپنی اصلاح اور ذکر وشغل کے لئے تنہائی اختیار کرکے رہتے ہیں اور عام دنیا سے بے تعلق ہیں وہ اگر غریب ہوں تو وہ بھی صدقہ کے مستحق ہیں، ان کو بھی کھلانا درست ہے، جو مال دار ہوں یا لغویات میں شریک ہوتے ہوں ان کو نہ دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایصالِ ثواب کے لئے قرآن کریم دینا

سوال[۴۳۳۴]: کسی میت کی طرف سے ایک قرآن اس نیت سے اسقاط کرنا کہ اس میت کہ ہر آیتِ قرآنی کے عوض ایک گناہ معاف ہوجاتا ہے، کیسا ہے اور کیا واقعی گناہ معاف ہوجاتا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قرآن شریف اسقاط کرنے کا کیا مطلب ہے، اگر یہ مطلب ہے کہ پڑھ کر ایصال ثواب کردیا جائے

---

(۱) "إن سعد بن عبادة رضی الله تعالیٰ عنه توفيت أمه وهوغائب عنها، فقال: يا رسول الله! -صلی الله تعالیٰ عليه وسلم- إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاری، کتاب الوصايا، بابٌ: إذا قال: أرضی وبستانی صدقة لله عن أمی: ۱/۳۸۶، قديمی)

"صرح علماء نا فی باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب فی القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا فی البحرالرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا فی التاتارخانية، كتاب المناسک، الفصل الخامس عشر فی الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچی)

تو بلا اجرت پڑھ کر ثواب پہنچانے سے یقیناً ثواب ہوتا ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں (۱)، لیکن حقوق العباد اس سے معاف نہیں ہوتے (۲)، اسی طرح نمازیں روزے وغیرہ جومیت کے ذمہ ہیں جن کا کفارہ دینا ضروری ہے وہ بھی معاف نہیں ہوتے۔ بشرطِ وصیت ایک ثلث میں سے کفارہ ادا کرنا لازم ہے (۳)، اگر ترکہ میں کچھ نہیں

---

(۱) "عن أنس رضی الله تعالیٰ عنه أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "من دخل المقابر فقرأ سورة يٰس، خفف الله عنهم، وكان له بعدد مَن فيها حسنات". (شرح الصدور للسيوطى رحمه الله تعالىٰ، باب فى قراءة القرآن للميت أو على القبر، ص: ۳۰۴، دار المعرفة، بيروت)

"عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "أمتى أمة مرحومة تدخل قبورها بذنوبها، وتخرج من قبورها لا ذنوب عليها، يمحص عنها باستغفار المؤمنين لها". (شرح الصدور للسيوطى رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت فى قبره، ص: ۲۹۸، دار المعرفة، بيروت)

"صرح علماء نا فى باب الحج عن الغير: بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب فى القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(۲) "فإن كانت المعصية لحق آدمى، فلها ركن رابع وهوالتحلل من صاحب ذلك الحق". (شرح النووى على مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمى)

"إن كانت المعصية فى خالص حق الله، فقد يكفى الندم .... وإن تعلقت بحقوق العباد، لزم مع الندم والعزم إيصال حق العبد أوبدله إليه الخ". (روح المعانى، تحت الآية: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله﴾ الخ: ۲۸/۱۵۸، دارإحياء التراث العربى، بيروت)

(۳) "ولومات وعليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة، يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة (وكذا حكم الوتر) والصوم وإنما يعطى (من ثلث ماله)". (الدرالمختار).

"(قوله: وإنما يعطى من ثلث ماله): أى فلوزادت الوصية على الثلث، لا يلزم الولى إخراج الزائد إلا بإجازة الورثة". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۲، ۷۳، سعيد)

"إذا مات الرجل وعليه صلوات فائتة فأوصى بأن تعطى كفارة صلواته، يعطى لكل صلاة نصف =

چھوڑا تو تلاوت وغیرہ کا ثواب پہونچایا جائے، کیا عجب ہے (کہ) اللہ پاک معاف فرمادیں۔

اگر یہ مطلب ہے کہ ایک قرآن شریف کسی کو بہ نیتِ ثواب صدقہ دیدیں تو اس سے بھی ثواب ہوتا ہے، لیکن ترکۂ میت سے دینا بلا وصیت قبل تقسیمِ ترکہ درست نہیں جب کہ بعض ورثہ نابالغ ہوں، بعد تقسیم بالغین اپنے حصہ میں سے دے سکتے ہیں۔ اور اگر وصیت کی ہے تو ایک ثلث میں نافذ کرنا واجب ہے، زائد میں ورثہ بالغین کی اجازت پر موقوف ہے اور جب نابالغ ہوں تو ان کی اجازت معتبر نہیں (۱)۔ ہر آیت کے عوض ایک گناہ کی معافی کی تصریح کسی جگہ نہیں دیکھی، جیسا اَور صدقہ دینے کا حال ہے ایسا ہی قرآن شریف کا حال ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم، ۳/ ۵/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۳/ جمادی الاولی/ ۵۸ھ۔

ختم قرآن پاک کا ثواب مردے کو پہنچانا

سوال [۴۳۳۵]: ختم قرآن پاک کا ثواب اگر ہم مردے کو پہونچائیں تو وہ پہونچتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

پہونچتا ہے، كذا في البداية (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/ ۹/ ۸۸ھ۔

= صاع من بر، وللوتر نصف صاع، ولصوم يومٍ نصف صاع من ثُلث ماله". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، مسائل متفرقة: ۱/ ۱۲۵، رشيديه)

(۱) "ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة .... وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالىٰ .... ولا سيما إذا كان في الورثة صغار أو غائب الخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/ ۲۴۰، ۲۴۱، سعيد)

"ولا يجوز بما زاد على الثلث إلا أن يجيزه الورثة بعد موته وهم كبار". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب الأول الخ: ۶/ ۹۰، رشيديه)

(۲) "الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غيره عند =

میت کیلئے قرأتِ قرآن وغیرہ

سوال[۴۳۳۶]: میت کے دفن کرنے کے بعد مروجہ طریقہ پر دعاء کرنا جیسے سرہانے سورۂ بقرہ کا اول اور پاؤں کی جانب آخر، یا سورۂ اخلاص یا آیاتِ قرآنی کا پڑھنا یا کسی سے اجرت پر، یا بلا اجرت کچھ پڑھوانا اور سوم وچہلم وغیرہ رسومات برابر کرنا، پابندیوں کے ساتھ کچھ تقسیم کرنا، ایصال ثواب کیلئے بلا امتیاز امیر غریب کو کھانا کھلانا کیسا ہے؟ اور امام صاحب کو رسومات بالا پر پابند کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دفن کے بعد سرہانے سورۂ بقرہ کا اول اور پیر کی جانب سورت بقرہ کا آخر پڑھنا حدیث شریف سے ثابت ہے(۱) اور دفن کے بعد دعائے مغفرت بھی ثابت ہے(۲)۔ بغیر کسی وقت یا دن یا تاریخ یا ہفتہ خاصہ کی

= أهل السنة والجماعة". (البداية مع الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير ۱/:۲۹۶، مكتبه شركة علميه، ملتان)

"عن علي رضي الله تعالىٰ عنه مرفوعاً: "من مر على المقابر وقرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ أحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجره للأموات، أعطى أجره بعدد الأموات". (شرح الصدور، باب في القراءة للميت أوعلى قبره، ص:۳۰۳، دار المعرفة، بيروت)

"والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوقراءة قرآن أوذكراً أوطوافاً أوحجاً أوعمرةً أوغير ذلک عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير: ۱/۲۵۷، رشيديه)

(۱) "عن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: "إذامات أحدكم، فلاتحبسوه، وأسرعوا به إلى قبره، وليقرأ عند رأسه فاتحة البقرة وعند رجليه بخاتمة البقرة". (مشكوة المصابيح، كتاب الجنائز، باب دفن الميت: ۱/۱۴۹، قديمي)

"وكان ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما يستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة عند رأس الميت وآخرها عند رجليه". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۷، ۲۴۲، سعيد)

(۲) "عن عثمان بن عفان رضي الله تعالىٰ عنه قال: "كان النبي صلى الله عليه وسلم إذافرغ من دفن =

پابندی کے کوئی بھی نیک کام اللہ کے واسطے کر کے ثواب پہونچانا درست ہے اور میت کے حق میں نافع ہے (۱) بقیہ امورِ مذکورہ سوال کی پابندی شرعاً ثابت نہیں، طریقۂ مروجہ غیر ثابت ہے جو کہ قابلِ ترک ہے، اگر پابندی اور اصرار کیا جائے تو کراہتِ شدیدہ پیدا ہو کر گناہ میں اضافہ ہوگا (۲)۔

قرآن پاک کی تلاوت اجرت پر کرنا خواہ زبان سے معاملہ طے کیا جائے، یا مشہور و معروف ہونے کی

= الميت، وقف عليه، فقال: "استغفروه لأخيكم، واسألوا له بالتثبيت، فإنه الآن يسئل". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف: ۲/۱۰۳، إمداديه)

"ويستحب حيثه من قبل رأسه ثلاثا، وجلوس ساعة بعد دفنه لدعاء وقراءة بقدر ماينحر الجزور ويفرق لحمه". (الدرالمختار، باب صلاة الجنائز: ۲/۲۳۷، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل الخ، ۱/۱۶۶ رشيديه)

(۱) "يقول: أنبأنا ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما أن سعد ابن عبادة أخا بني ساعدة توفيت أمه وهو غائب عنها، فأتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يارسول الله! إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، فهل ينفعها شيئ إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، باب الإشهاد في الوقف والوصية والصدقة: ۱/۳۸۷، قديمي)

"صرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولاينقص من أجره شئ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلوة الجنائز، مطلب في القراءة للميت إهدائها الخ: ۲/۲۴۳، سعيد)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵ رشيديه)

(۲) "من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لاأصل لها في الشرع". (السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمی، لاهور)

وجہ سے دل ہی میں رہے بالکل ناجائز اور معصیت ہے، اس سے میت کو ثواب نہیں پہونچے گا، بلکہ پڑھنے والے کو بھی ثواب نہیں ملتا اور جو اجرت دی جاتی ہے خواہ روپیہ کی شکل میں ہو یا شیرینی، کپڑا، غلہ، کھانا، قرآن شریف وغیرہ کی شکل میں اس کا لینا اور دینا حرام ہے:

"ويكره اتخاذ الطعام فى اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع ونقل الطعام إلى القبر فى المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراءة للختم أولقراءة سورة الأنعام أوالإخلاص، والحاصل أن اتخاذالطعام عند قراءة القرآن لأجل الأكل يكره .... وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء فيحترز عنها؛ لأنهم لايريدون بهاوجه الله تعالى". ردالمحتار(۱)۔

"قال تاج الشريعة فى شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لايستحق الثواب لاللميت ولاللقارئ. وقال العينى فى شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطى آثمان، .... الوصية من الميت باتخاذ الطعام والضيافة يوم موته أوبعده وبإعطاء دراهم لمن يتلو القرآن لروحه أويسبح أويهلل وكلهابدع منكرات، والمأخوذ منهاحرام للآخذ وهوغاصب بالتلاوة والذكر لأجل الدنيا". ردالمحتار(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (رد المحتار، باب صلاة الجنائز، مطلب فى كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، سعيد)

(۲) (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب إجارة الفاسدة، مطلب: تحرير مهم فى عدم جواز الاستئجارالخ: ۶/۵۶، ۵۷، سعيد)

"عن عبادة بن الصامت رضى الله تعالىٰ عنه :قال: علّمت ناساً من أهل الصفة القرآن والكتاب، وأهدى إلىّ رجل منهم قوساً، فقلت: ليس بمال وأرمى عليهافى سبيل الله، لآتينّ رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلأسئلنّه، فأتيته فقلت: يارسول الله! رجل أهدى إلىّ قوساًممن كنت أعلّمه الكتاب والقرآن، وليست بمال وأرمى عنهافى سبيل الله تعالى. قال: "إن كنت تحب أن تطوق طوقاًمن نار، فاقبلها". (سنن أبى داؤد، كتاب الإجارة،فى كسب المعلم: ۲/۱۲۹، إمداديه)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإجارة، حكم الاستئجار على التلاوة: ۲/۱۳۷، مطبعه ميمنيه مصر)

نماز کا ثواب پہنچانا

سوال[۴۳۳۷]: نماز پڑھ کرکسی کواس کا ثواب پہنچانا شرعی دلائل سے ثابت ہے یا نہیں؟ اگر ثابت ہے تو براہ کرام دلیل نقل کریں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

ثابت ہے:''الأصل أن كل من أتى بعبادةٍ مّا، له جعل ثوابها لغيره، اهـ''. در مختار۔ ''أی سواء كانت صلوةً أوصدقةً أوصوماً أونحوها''. شامی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دورکعت نفل پڑھ کرایصال کرنے کے لئے مسجد میں اعلان کرنا

سوال[۴۳۳۸]: بعض لوگ بعد نماز جمعہ سب مصلیوں سے کہتے ہیں کہ سب مصلی حضرات سے گزارش ہے کہ دودورکعت میرے عزیز مرحوم کے لئے پڑھیئے گا، یا کسی اَور مقصد کے لئے لوگ مع امام دودورکعت پڑھ کردعاء کرتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

نماز پڑھ کرمیت کوثواب پہنچانا اور دوسروں سے اس کی درخواست کرنا جائز ہے، حدیث شریف اور کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے:قال في الفتاوى العالمكيرية، في الباب العاشر في الحج عن الغير:

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/۵۹۵، سعيد)

''وأخرج ابن النجار في تاريخه عن مالك بن دينار .... قال: رجل من المؤمنين قام في هذه الليلة، فأسبغ الوضوء وصلى ركعتين ''وقرأ فيهما فاتحة الكتاب وقل يا أيها الكافرون، وقل هو الله أحد'' وقال: اللهم! إني قد وهبت ثوابها لأهل المقابر من المؤمنين، فأدخل الله علينا الضياء والنور والفسحة والسرور في المشرق والمغرب''. (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، ص: ۲۹۸، دار المعرفة، بيروت)

''والأصل فيه: أن للإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً الخ''. (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير: ۱/۲۵۷، رشيديه)

"الأصل في هذا الباب أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً كان أوصوماً أوصدقةً أوغيرها". ۲/۲٦۳ (۱)۔

اسی طرح نماز کے بعد مقاصدِ حسنہ کے لئے دعاء اور اس کے أقرب إلی الإجابة ہونے کی تصریح روایات حدیث سے ثابت ہے، کما فی عمل الیوم واللیلة (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، جامع العلوم کانپور، ۱۹٦۸ء۔

---

(۱) (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الحج، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير: ۱/۲۵۷، رشيديه)

"وأخرج ابن النجار في تاريخه عن مالك بن دينار .... قال: رجل من المؤمنين قام في هذه الليلة فأسبغ الوضوء وصلى ركعتين، وقرأ فيهما فاتحة الكتاب، وقل يأيها الكافرون، وقل هو الله أحد" وقال: اللهم! إني قد وهبت ثوابها لأهل المقابر من المؤمنين، فأدخل الله علينا الضياء والنور والفسحة والسرور في المشرق والمغرب". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالیٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، ص: ۲۹۸، دار المعرفة، بيروت)

"الأصل أن كل من أتى بعبادةٍ مّا، له جعل ثوابها لغيره". (الدرالمختار). "أي سواء كانت صلوةً أوصدقةً أوصوماً أونحوها". (ردالمحتار: ۲/۵۹۵، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، مطلب في إهداء ثواب الأعمال للغير، سعيد)

"والأصل فيه أن للإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً، الخ". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(۲) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالیٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم أنه قال: "ما من عبد بسط كفيه في دبر كل صلوة ثم يقول: أللهم إلهي .... كان حقاً على الله عزوكل أن لا يرد يديه خائبين". (رقم الحديث: ۱۳۸)

"عن فضالة بن عبيد رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "إذا صلى أحدكم، فليبدأ بتحميد الله والثناء عليه، ثم يصلي على النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم، ثم ليدع بما شاء". (عمل اليوم الليلة، باب ما يقول في دبر صلوة الصبح، (رقم الحديث: ۱۱۳)، ص: ۱۰۲، ۱۲۱، مكتبة الشيخ، كراچی)

نیک عمل کا ثواب پڑوسی کو پہنچانا

سوال[۴۳۳۹]: اگر کوئی نیک عمل کرے تو کیا اس عمل کا ثواب بغیر اس کے پہونچائے اس کے ہمسایہ کو بھی مل سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسی درجہ میں اس کا تعاون حاصل ہے تو وہ بھی شریک ہے ورنہ شریک نہیں، لیکن اچھے پڑوسی سے نفع فی الجملہ پہونچتا ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۳/۸۹ھ۔

نابالغ بچوں کے لئے ایصال ثواب

سوال[۴۳۴۰]: مرحومین کے لئے زندوں کے ایصال ثواب سے فائدہ پہونچتا ہے، لیکن نابالغ معصوم بچوں کے لئے ایصال ثواب کا کیا فائدہ؟ جب کہ وہ معصوم اور جنتی ہیں، ایسے معصوم بچوں کی نماز جنازہ میں کہیں استغفار نہیں ہے، استغفار اور ایصال ثواب بچوں کے لئے غیر مفید ہے تو بچوں کی قبر کی زیارت سے بھی کوئی فائدہ نہیں۔ ایسے بچوں سے تعلق رکھنے کا کیا طریقہ ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

درجات میں تو ترقی بہر حال ہوتی ہے اس لئے ایصال ثواب میں کیا اشکال ہے اس کے لئے استغفار کی حاجت نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۲ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوىٰ ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾ يأمر تعالىٰ عباده المؤمنين بالمعاونة على فعل الخيرات هو البر، وترک المنكر وهو التقوى .... قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الدال على الخير كفا عله". .... قلت: وله شاهد في الصحيح: "من دعا إلى هدىً، كان له من الأجر مثل أجور مَن اتبعه إلى يوم القيامة، لا ينقص ذلک من أجورهم شيئاً. ومن دعا إلى ضلالة، كان عليه من الإثم مثل آثام مَن اتبعه إلى يوم القيامة، لاينقص ذلک من آثامهم شيئاً".
(تفسير ابن كثير، (سورة المائدة: ۲): ۲/۱۰، ۱۱، مكتبه دارالفيحاء، دمشق)

(۲) "حسنات الصغير قبل أن يجرى عليه القلم للصبى، لا لأبيه، لقوله تعالىٰ: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما =

نابالغ بچوں کے لئے ایصالِ ثواب کرنا

سوال[۴۳۴۱]: نابالغ اور معصوم بچوں کے انتقال پر ختم قرآن کرکے ایصال ثواب کرنا کیسا ہے، جب کہ وہ معصوم ہیں اور گناہ سے ناواقف ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بچے معصوم ہیں، گناہوں کے بخشوانے کے لئے ان کے حق میں ایصال ثواب کی ضرورت نہیں، ہاں تحصیلِ انعامات کے لئے دعاء کی جائے تو ٹھیک ہے جیسے صلوۃ جنازہ میں کی جاتی ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

ایضاً

سوال[۴۳۴۲]: نابالغ کے ختم قرآن کا ثواب کس کو ملے گا، اگر کہا جائے کہ اس کے والدین کوثواب ملتا ہے تو دوسرے کو، یا ان نابالغوں کو میت کوثواب پہونچانے کا حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نابالغ کے ختم قرآن کا ثواب صحیح قول پر نابالغ ہی کو ملتا ہے:"وتصح عباداته (أي الصبي) وإن لم تجب عليه، واختلفوا في ثوابها، والمعتمد أنه له، وللمعلّم ثواب التعليم، وكذا جميع حسناته". أشباه: ۳۲۷(۲)۔ قال الحموي: "(قوله: وجميع حسناته) قال الأستروشني في جامع أحكام

= سعى﴾ وهذا قول عامة مشايخنا". (أحكام الصغار على هامش جامع الفصولين، في مسائل الكراهية: ۱/۱۴۸، اسلامی کتب خانہ کراچی)

"و قد قالوا: حسنات الصبي له، لا لأبويه، بل لهما ثواب التعليم". (الدرالمختار، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۱۵، سعید)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح الأشباه والنظائر، الفن الثالث، أحكام الصبيان: ۳/۲۲، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسئلة السابقة)

(۲) (شرح الأشباه والنظائر، الفن الثالث: أحكام الصبيان: ۳/۲۲، إدارة القرآن كراچی)

الصغار: حسنات الصغير قبل أن يجري عليه القلم للصبي، لا لأبيه لقوله تعالىٰ: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعى﴾ وهذا قول عامة مشايخنا"(۱)۔

اورنابالغ اپنے پڑھے ہوئے کا ثواب شرعاً میت کو پہونچا سکتا ہے؛لأنـه نفع محض، ثواب نابالغ اور میت دونوں کو ہوگا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵۲/۳/۱۷ھ۔

جواب درست ہے:عبد اللطیف، سعید احمد غفرلہ۔

صحیح:بندہ عبد الرحمٰن غفرلہ۔

میت صغیر کے لئے دعائے شفاعت پر شبہ کا جواب

سوال[۴۳۴۳]: نماز جنازہ میں جب کہ میت چھوٹی (بچہ یا بچی) ہوتو:"اللهم اجعله لنا شافعاً ومشفعاً" جو دعاء پڑھی جاتی ہے، آیا یہ دعاء پڑھنا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟ شبہ اس لئے ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود شافع ہیں،کوئی بچہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کیسے شافع ہو سکے گا؟

الجواب حامداًومصلياً:

''ذخر وفرط'' کی دعا پڑھنا حدیث شریف میں مذکور ہے(۲)،اذان کے بعد "آت محمداً الوسيلة" پڑھنے کا امر بھی حدیث شریف میں ہے(۳)،"الوسيلة" کی ایک شرح "مقام شفاعت" بھی ہے(۴)، تعلیم

(۱) (أحكام الصغار على هامش جامع الفصولين، في مسائل الكراهية: ۱/۱۴۸، اسلامی کتب خانہ کراچی)

"و قد قالوا: حسنات الصبي له، لا لأبويه، بل لهما ثواب التعليم". (الدر المختار، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۱۵، سعید)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه: أنه كان يصلي على النفوس الذي لم يعمل خطيئةً قط، ويقول: اللهم اجعله لنا سلفاً وفرطاً وذخراً". (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الجنائز، باب السقط يغسل ويكفن ويصلي عليه إن استهل أوعرفت له حياة: ۴/۱۰، ادارۂ تالیفات اشرفیہ ملتان)

(۳) "عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قال حين يسمع النداء: اللهم رب هذه الدعوة التامة، والصلوة القائمة! آت محمداً الوسيلة والفضيلة، وابعثه مقام محموداً الذي وعدته، إلا حلّت له الشفاعة يوم القيامة". (جامع الترمذي، أبواب الصلوة، باب ترجمة: ۱/۵۱، سعید)

(۴) "والوسيلة المذكورة في الدعاء المروي عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد فقيل: هي الشفاعة =

امت کے لئے بھی دعائیں منقول ہیں، شبہ دفعہ کرنے کے لئے اتنا بھی کافی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۳/۵ھ۔

بچوں کا ایصالِ ثواب

سوال[۴۴۴۴]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلۂ ذیل میں:

ہمارے یہاں میت کے ایصالِ ثواب کے واسطے بچوں سے قرآن شریف پڑھایا جاتا ہے، قرآن شریف ختم ہونے کے بعد استاد بچوں سے یہ کہتے ہیں کہ تم اپنا سارا ثواب ہمیں دیدو تاکہ ہم میت کو پہنچادیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ بچے عدمِ بلوغ کی بنا پر ہبہ کے مستحق نہیں اور ایصالِ ثواب ہبہ ہی ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ ان کا یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر نابالغ بچوں کا قرآن شریف پڑھ کر بخشنا ہبہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے تو معلمین کی خدمت میں پیش کرنا ہبہ کیوں نہیں ہوا اور اس کا جواز کیسے تجویز کیا گیا۔ نابالغ کے تصرفات تین قسم کے ہیں: ایک: نفعِ محض، دوم: ضررِ محض، سوم: دائر بین النفع والضرر۔

قسمِ اول کے تصرفات بغیر اذنِ ولی بھی درست ہے۔ قسمِ دوم اذنِ ولی سے بھی درست نہیں۔ قسمِ سوم اذنِ ولی سے درست ہیں، بغیر اذن ولی کے درست نہیں (۱)۔ ہبہ قسمِ دوم میں داخل ہے۔ ہبہ کی تعریف ہے:

= يشهد له في آخر الدعاء حلت له شفاعتي". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب فصل الأذان واجابة المؤذن، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۶۵۷): ۲/۳۵۰، رشيديه)

(۱) "(وتصرف الصبي والمعتوه) الذي يعقل البيع والشراء (إن كان نافعاً) محضاً (كالإسلام والاتهاب، صح بلا إذن. وإن ضاراً كالطلاق والعتاق والصدقة والقرض (لا، وإن أذن به وليهما. وما تردد) من العقود (بين نفع وضرر كالبيع والشراء توقف على الإذن) حتى بلغ، لوبلغ فأجاز، نفذ". (الدرالمختار).

"(قوله: كالطلاق والعتاق) ولو على مال .... وكذا الهبة والصدقة الخ". (ردالمحتار، كتاب المأذون، مبحث في تصرف الصبي ومن له الولاية عليه وترتيبها: ۶/۱۷۳، سعيد)

"والتصرفات ثلاثة أنواع: ضار محض كالطلاق والعتاق والهبة والصدقة، فلا يملكه الصبي وإن أذن له الولي. ونافع محض كقبول الهبة والصدقة، فيملكه بغير إذنه. ودائر بين النفع والضرر =

"تمليك العين بلا عوض" (۱)، جوثواب پہنچایا جاتا ہے وہ عین نہیں، نیز اعیان کا حال یہ ہے کہ وہ بصورتِ ہبہ ملکِ واہب سے خارج ہوجاتی ہے، واہب ان سے خالی رہ جاتا ہے اور یہ چیز حقِ صبی میں ضررِ محض ہے، ایصالِ ثواب میں واہب خالی نہیں رہتا، اس کوبھی ثواب حاصل ہوتا ہے اس کے ثواب میں کچھ کمی نہیں آتی، اس لئے ضررِ محض نہیں بلکہ نفعِ محض ہے:

"صرح علماء نا فی باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها، كذا فى الهداية. بل فى زكوة التاتارخانية عن المحيط: الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمومنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره بشيء، اهـ. وهومذهب أهل السنة والجماعة، اهـ". كذا فى ردالمحتار: ۱/۶۰۵(۲)۔

"وفى الحديث: "من قرأ الإخلاص أحد عشر مرةً، ثم وهب أجرها للأموات، أعطى من الأجر بعدد الأموات، اهـ". در مختار (۳)۔

= كالبيع والشراء والإجارة والنكاح، فيَمْلِكه بالإذن ولا يُملّكه بدونه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المأذون، الباب الثانى عشر فى الصبى أوالمعتوه يأذن له أبوه الخ: ۵/۱۱۰، رشيديه)

(۱) (الدرالمختار، كتاب الهبة: ۵/۶۸۷، سعيد)

"هى تمليک العين بلا عوض". (البحرالرائق، كتاب الهبة: ۷/۴۸۳، رشيديه)

(۲) (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فى القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

"وأخرج أيضاً عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا تصدق أحدكم بصدقة تطوعاً، فليجعلها عن أبويه، فيكون لهما أجرها، ولا ينتقص من أجره شيء". (شرح الصدور للسيوطى رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت فى قبره، رقم الحديث: ۳۹، ص: ۳۰۰، دار المعرفة)

"الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس عشر فى إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدى: ۲/۳۱۳، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى رد المحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب فى القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(۳) (الدرالمختار، باب الجنائز، مطلب فى القراءة للميت اهـ: ۲/۲۴۳، سعيد)

"وأخرج أبومحمد السمرقندى فى فضائل: ﴿قل هوالله أحد﴾ عن على رضى الله تعالىٰ عنه =

لہٰذا عدمِ جواز کی کوئی وجہ نہیں، سمجھدار بچے بھی ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۴۳۴۵]: نابالغ بچے جو قرآن کریم یا نماز یا دوسری عبادت کرتے ہیں اس کا ثواب ان کو یا ان کے والدین کو ملتا ہے؟ نیز ہم لوگ کسی کے حق میں ایصالِ ثواب کی خاطر قرآن کریم پڑھاتے ہیں جس میں نابالغ بچے بھی پڑھتے ہیں۔ کیا ان کے پڑھے ہوئے کا ہم لوگ وکیل بن کر ایصالِ ثواب میت کو کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغ بچے جو حسنات کرتے ہیں تو ثواب کے مستحق بھی وہی ہیں، والدین کو تعلیم و تربیت کا اجر ملتا ہے کذا فی الدر المختار(۱)۔ بچے اگر قرآن کریم پڑھ کر کسی کو اس کا ثواب پہونچادیں تو اس سے خود ان کے اجر میں کمی نہیں ہوگی اور میت کو ثواب پہونچ جائے گا، ان کو بتادیا جائے کہ اس طرح ثواب پہونچادو(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۳ھ۔

= مرفوعاً: "من مر على المقابر وقرأ ﴿قل هو الله أحد﴾ إحدى عشرة مرةً، ثم وهب أجره للأموات، أعطي من الأجر بعدد الأموات". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب في قرأة القرآن للميت أوعلى القبر، رقم الحديث: ۴، ص: ۳۰۳، دار المعرفة، بيروت)

(۱) "وقد قالوا: حسنات الصبي له، لا لأبويه، بل لهما ثواب التعليم" (الدرالمختار، باب صلوة الجنازة: ۲/۲۱۵، سعيد)

"حسنات الصغير قبل أن يجرى عليه القلم للصبي، لا لأبيه لقوله تعالىٰ: ﴿وأن ليس للإنسان إلا ما سعى﴾ وهذا قول عامة مشايخنا". (أحكام الصغار على هامش جامع الفصولين، في مسائل الكراهية: ۱/۱۴۸، اسلامی کتب خانہ کراچی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (شرح الأشباه والنظائر، الفن الثالث، أحكام الصبيان: ۳/۲۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وأخرج أيضاً عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا =

بچپن میں کئے ہوئے نیک کاموں کا ثواب کیا والدین کو ملتا ہے؟

سوال[۴۳۴۶]: بچپن کے نیک کام کا ثواب اور بد کام کا عذاب والدین پر ہوتا ہے تو یہ قاعدہ حقوق اللہ میں ہے یا حقوق العباد میں بھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بچوں نے جتنے نیک کام کئے ہیں ثواب کے وہ مستحق ہیں، والدین کو تعلیم وتربیت کا اجر ملے گا(۱)۔ بچوں پر گناہ نہیں، البتہ والدین تعلیم وتربیت کے ذمہ دار ہیں، اس میں جتنی کوتاہی کریں گے، ماخوذ ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۷/ ۹۴ھ۔

ایک لاکھ کلمہ طیبہ کا ثواب میت کے لئے

سوال[۴۳۴۷]: ہمارے یہاں جب کسی کا انتقال ہوجاتا ہے تو میت کے رشتہ دار ایک لاکھ مرتبہ

= تصدق أحدكم بصدقة تطوعاً، فليجعلها عن أبويه، فيكون لهما أجرها، ولا ينتقص من أجره شئ". (شرح الصدور للسيوطی رحمه الله تعالیٰ، باب ما ينفع الميت فی قبره، رقم الحديث: ۳۹، ص: ۳۰۰، دار المعرفة، بيروت)

"الأفضل لمن تصدق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شیء". (التاتارخانية، كتاب الزكاة، الفصل السادس فی إيجاب الصدقة وما يتصل به من الهدی: ۲/۳۱۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب فی القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(۱) "تصح عباداته (أی الصبی) وإن لم تجب عليه، واختلفوا فی ثوابها، والمعتمد أنه له، وللمعلم ثواب التعليم: كذا فی جميع حسناته". (الحموی شرح الأشباه والنظائر، الفن الثالث، أحكام الصبيان: ۳/۲۲، إدارة القرآن، كراچی)

"وقد قال: حسنات الصبی له، لا لأبويه، بل لهما ثواب التعليم". (الدرالمختار، باب صلوة الجنازة: ۲/۳۱۵، سعيد)

کلمہ طیبہ کا ختم کراتے ہیں مسجد کے مصلیوں سے، اخیر میں تمام مصلیوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے، چاہے غریب ہو یا غنی۔ تو یہ کھانا کیسا ہے؟ اور غریب و مالدار میں کوئی فرق ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

کلمہ طیبہ کا ثواب پہونچانا اور غریبوں کو صدقہ دے کر ثواب پہونچانا بہت مفید اور باعثِ خیر ہے (۱)، لیکن کلمہ طیبہ پڑھنے والوں کو ختم کے بعد کھانا کھلانا، یہ اجرت کے مشابہ ہے، اگر پڑھنے والوں کے ذہن میں ہو کہ کھانا ملے گا اور اس نیت سے پڑھیں تو اس پڑھنے سے ثواب نہیں ہوگا، نہ پڑھنے والوں کو نہ میت کو، نیز جب کہ اس کا دستور ہے اور یہ طریقہ مشہور ہے، المعروف کالمشروط کے تحت اس پڑھنے کی اُجرت گویا کہ لازم ہوگئی۔ علاوہ ازیں میت کے ورثاء میں بعض دفعہ چھوٹے نابالغ بھی ہوتے ہیں، ان کے مال میں تصرف کرنا اور ان کے حصہ سے صدقہ دینا جائز نہیں۔ پھر یہ کھانا کھلانا شرعاً واجب نہیں، اس کا التزام کرنا ایک غیر واجب کو واجب قرار دینا ہے جس کی شریعت میں اجازت نہیں (۲)۔

---

(۱) "والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أو صوماً أو صدقةً أوقراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه)

"أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أوغيرها عند أهل السنة والجماعة". (الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۹۶/۱، شركة علميه ملتان)

(وكذا في التاتار خانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۵۴۵/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "من أصرّ على أمر مندوب وجعله عزماً، ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أومنكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳۱/۳، رشيديه)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التي لا أصل لها في الشرع". (السعاية للعلامة اللكنوى، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل في القراءة: ۲۶۵/۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

علاوہ ازیں ایصالِ ثواب کے لئے جوصدقہ دیا جاتا ہے، اس کے مستحق غرباء ہیں، مالدار نہیں، یہاں غریب وغنی سب کو دیا جاتا ہے، یہ طریقہ غلط ہے(۱) اوراس میں عامۂ شہرت ناموری کا جذبہ ہوتا ہے جیسا کہ دیگر تقریبات کا حال ہے(۲)۔ اس لئے اس طریقہ کو بند کرنا چاہیے کہ عوارض کی وجہ سے اصل کیفیت باقی نہیں رہتی۔ فتاویٰ بزازیہ(۳)، کبیری(۴)، شامی(۵) وغیرہ کتبِ فقہ میں ایصالِ ثواب کے لئے اس قسم کے طریقہ کو اختیار کرنے کی ممانعت موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۱/۸۹ھ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين﴾. (سورة التوبة: ٦٠)

"إن الصدقة على الغنى هبة". (ردالمحتار، كتاب الوصايا، فصل فى وصايا الذمى وغيره: ٦/٦٩٨، سعيد)

(۲) "ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت .... هى بدعة مستقبحة ،وفى البزازية: يكره إتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم .... هذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالىٰ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فى كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، ۲۴۱، سعيد)

(وكذا فى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، قبيل الفصل السادس والعشرون فى حكم المسجد: ۴/۸۱، رشيديه)

"عن عكرمة عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما أن النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن طعام المتبارئين أن يوكل". (مشكوة المصابيح، باب الوليمة، الفصل الثانى ،ص: ۲۷۹، قديمى)

(۳) "يكره اتخاذ الطعام واتخاذ الدعوة بقراءة القرآن وجمع الصلحاء والقراء للختم". (الفتاوىٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، قبيل الفصل السادس والعشرون فى أحكام المسجد: ۴/۸۱، رشيديه)

(۴) (الحلبى الكبير، فصل فى الجنائز، قبيل فصل فى أحكام المسجد،ص: ۶۰۹، سهيل اكيڈمى، لاهور)

(۵) (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب فى كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، ۲۴۱، سعيد)

نافرمان بیٹے کا موت سے پہلے والد سے معافی اور اس کے لئے ایصالِ ثواب

سوال[۴۳۴۸]: باپ کی موت سے پہلے جب کہ وہ اپنے ہوش میں ہے، بیٹا اپنی نافرمانیوں کی معافی مانگتا ہے اور باپ معاف کردیتا ہے، اس وقت کی معافی معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

انشاءاللہ معافی ہوجائے گی، باپ کے لئے زیادہ سے زیادہ ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کرتا رہے اور نافرمانی کی مکافات جس قدر بھی ہوکرتا رہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔

کلمہ پڑھ کر خودکشی کرنے والے کے لئے ایصالِ ثواب

سوال[۴۳۴۹]: ایک لڑکی جو کہ غیر مسلم تھی اور میں اس سے بے انتہا محبت کرتا تھا اور وہ بھی مجھ پر بہت مائل تھی اور میرے ساتھ مسلمان ہونے کو تیار تھی جس نے اپنی زندگی میں میرے ساتھ اور مجھ سے یاد کرکے بارہا کلمہ پڑھا، اس کو نماز بھی یاد تھی، اور اس کے گھر والے یہ نہ چاہتے تھے کہ وہ کسی دوسرے مذہب کو قبول کرے، ان لوگوں نے اس کو بہت تنگ کیا پھر اس نے ایک دن غم سے گھبرا کر خودکشی کرلی۔ اب میں اس کے لئے ایصال ثواب قرآن خوانی کراسکتا ہوں یا کہ نہیں؟

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يتبع الرجل يوم القيامة من الحسنات أمثال الجبال، فيقول: أنّى هذا؟ فيقال: باستغفار ولدك لك". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، باب ما ينفع الميت في قبره، ص: ۲۹۶، دار المعرفة، بيروت)

"صرح علماءنا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها.......... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

الجواب حامداًومصلياً:

اگر اس نے اسلام قبول کرنے کے لئے کلمہ پڑھا ہے تو اس کو ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۶/۱/۲۵ھ۔

غیر مسلم کو ایصالِ ثواب

سوال[۴۳۵۰]: غیر مسلم کو قرآن پاک وغیرہ کا ثواب بخشنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ناجائز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۰/۱۰/۹ھ۔

---

(۱) "إن سعد بن عبادة رضى الله تعالىٰ عنه توفيت أمه وهوغائب عنها، فقال: يا رسول الله! -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- إن أمي توفيت وأنا غائب عنها، أينفعها شيء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاري، كتاب الوصايا، بابٌ: إذا قال: أرضي وبستاني صدقة لله عن أمي: ۱/۳۸۶، قديمي)

"صرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، ولا ينقص من أجره شيء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب في القراء ة للميت وإهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿استغفر لهم أو لا تستغفر لهم، إن تستغفر لهم سبعين مرةً فلن يغفر الله لهم، ذلك بأنهم كفروا بالله و رسوله، والله لا يهدى القوم الفٰسقين﴾. (سورة التوبة، پ: ۱۰، الآية: ۸۰)

"عن سعيد بن المسيب عن أبيه: قال: لما حضرت أباطالب الوفاة، دخل عليه النبى صلى الله =

شیعہ کے لئے ایصالِ ثواب

سوال[۴۳۵۱]: زید حافظ قرآن اور ایک مسجد میں امام ہے اور زید کو ایک شیعہ نے اپنے قبرستان میں قرآن شریف پڑھنے کے لئے مقرر کیا ہوا ہے، زید روزمرہ صبح کو شیعہ قبروں پر ایک پارہ یا کم وبیش پڑھ کر ایصال ثواب کرتا ہے۔ چند مسلمانوں نے زید پر اعتراض کیا بوجۂ مندرجہ بالا۔ زید کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی منافق یہودی کے لئے ایصالِ ثواب کیا اور شیعہ مذہب پر علمائے حنفیہ نے متفقہ فتوی کفریہ نہیں دیا، ایسی صورت میں جب کہ وہ مسلمان ہیں یقیناً اس کی مذہب رکاوٹ نہیں کرتا۔ اس تنازعہ میں چند مسلمانوں نے زید کے پیچھے نماز جمعہ ادا نہیں کی، بلکہ جس مسجد میں آج تک جمعہ نہیں ہوتا تھا، اس مسجد میں جدید طریقہ پر جمعہ کرایا حالانکہ شہر میں اور چند مسجدوں میں جمعہ ہوتا تھا، اس مسجد کو بھی چھوڑ کر کسی دوسری جامع مسجد میں ادا کر سکتے تھے۔

اندریں حالت دریافت طلب امر یہ ہے کہ شیعہ پر ایصالِ ثواب بصورتِ مندرجہ بالا جائز ہے یا نہیں؟ نیا جمعہ کرانا جب کہ اور مسجدیں موجود تھیں کیسا ہے؟ اگر شیعہ کی قبور پر ایصالِ ثواب جائز ہے تو اس قسم کا نزاع بین المسلمین پیدا کرنے والے اشخاص کس حکم میں ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان کے عقائد دریافت کر لئے جائیں، اگر وہ شیعہ عقیدہ کفریہ رکھتے تھے تو ان کے لئے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کرنا حرام ہے(۱)، اس صورت میں اگر باز نہ آئے، اور اس سے بہتر امامت کا اہل دوسرا شخص

= تعالیٰ علیه وسلم وعنده أبو جهل و عبد الله بن أبی أمية" فقال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أی عمّ! قل: لا إله إلا الله، أحاج لک بها عند الله". فقال أبو جهل و عبد الله بن أبی أمية: يا أبا طالب! أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فقال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لأستغفرنّ لک ما لم أُنهَ عنک، فنزلت: ﴿ما كان للنبی والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين، ولو كانوا أولی قربیٰ﴾ الاية". (صحيح البخاری، كتاب التفسير، باب قوله تعالیٰ: ﴿ما كان للنبی والذين آمنوا أن يستغفروا﴾ الاية: ۲/۶۷۴، ۶۷۵، قديمی)

"والحق حرمة الدعاء بالمغفرة للكافر". (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: وإذا أراد الشروع: ۱/۵۲۳، سعيد)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ما كان للنبی والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين﴾ (التوبة: ۱۱۳)

موجود ہوتو اس کو امام بنانا چاہئے، زید کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے۔ اور عبداللہ بن ابی کے واقعہ سے زید کا استدلال کرنا صحیح نہیں، کیونکہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعاء کی اور جنازہ کی نماز پڑھی تو ممانعت کی آیت نازل ہوئی، تفسیر مظہری میں پورا واقعہ نقل کر کے لکھا ہے:

"فصلى عليه فأنزل الله تعالىٰ ﴿لا تصل﴾ المراد بالصلوة الدعاء والاستغفار للميت، فيشتمل صلوة الجنازة أيضاً؛ لأنها مشتملة على الدعاء والاستغفار ﴿على أحد منهم مات أبداً﴾ تفسير مظهری، سورۂ توبه، ص: ۷۱(۱)۔

اگر وہ شیعہ عقائدِ کفریہ نہیں رکھتے تو ان کے لئے ایصالِ ثواب کرنا درست ہے، اس صورت میں زید کو امام بنانا جائز ہے اور جھگڑا کرنا منع ہے اور موجبِ فتنہ ہے جس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ اجرت لے کر ایصالِ ثواب کرنا گناہ ہے (۲)، اس سے بھی رکنا ضروری ہے۔ اگر زید اس کو ترک نہ کرے تب بھی اس کی امامت مکروہ ہے (۳)۔

---

(۱) (التفسير المظهری: ۴/۲۷۶، حافظ کتب خانه)

(۲) "قال عبد الرحمن بن شبل رضي الله تعالىٰ عنه: سمعت رسو ل الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "اقرؤا القرآن، و لاتغلوا فيه، و لا تجفوا عنه، و لا تأكلوا به، و لا تستكثروا به". (مسند أحمد، (رقم الحديث: ۱۵۱۰۳): ۴/۴۴۵، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للميت و لا للقارى. و قال العينى فى شرح الهداية: و يمنع القارئ للدنيا، والآخذ والمعطى آثمان.......... والإجارة فى ذلك باطلة، و هى بدعة لم يفعلها أحد من الخلفاء .... و من صرّح بذلك أيضاً الإمام البركويُّ قدس سره فى آخر الطريقة المحمدية، فقال: الفصل الثالث فى أمور مبتدعة باطلة أكبّ الناس عليها على ظن أنها قرب مقصودة ....و منها الوصية .... بإعطاء دراهم لمن يتلو القرآن لروحه أو يسبح أو يهلل له، و كلها بدع منكرات باطلة، والمأخوذ منها حرام للآخذ، و هو عاصٍ بالتلاوة والذكر لأجل الدنيا، اهـ. ملخصاً". (رد المحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة مطلب: تحرير مهم فى عدم جواز الاستيجار اهـ: ۶/۵۶، ۵۷، سعيد)

(۳) "و يكره تنزيهاً إمامة عبد .... و فاسق ..... و مبتدع". (الدر المختار). "بل مشى فى شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لما ذكرنا، قال: و لذا لم تجز الصلوة خلفه أصلاً عند =

ایک شہر میں جمعہ اگر چہ متعدد جگہ جائز ہے لیکن تقلیلِ جمعہ شرعاً مطلوب ہے (۱)، اس لئے زید کا علیحدہ کرنا دشوار ہو تو کسی دوسری مسجد میں جہاں پہلے سے جمعہ ہوتا ہو پڑھ لیا جائے، مستقل جمعہ قائم کرنا مصالحِ جمعہ کو فوت کرتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ ۱۹۶۸ء۔

شیعہ کو ایصالِ ثواب

سوال [۴۳۵۲]: سنی بیوی کو شیعہ خاوند کے لئے دعائے مغفرت یا ایصالِ ثواب کرنا کیسا ہے؟ اور سنی کو شیعہ کے لئے عام طور سے ایصالِ ثواب کا کیا حکم ہے؟

صلاح الدین شملہ۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر اس کے عقائد کفریہ نہیں جیسا کہ بعض فرقوں کے ہیں تو دعائے مغفرت درست ہے، اس میں شوہر اور غیر سب برابر ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= مالک، و روايةً عن أحمد". (ردالمحتار، باب الإمامة، قبيل مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/ ۵۶۰، سعید)

(۱) "تقلیلِ جمعہ شرعاً مطلوب ہے" یعنی شہر میں کم سے کم جگہوں پر جمعہ ادا کیا جائے: "و تؤدى (أى الجمعة) فى مصر واحد بمواضع كثيرة معلقاً". (الدر المختار). "أى سواء كان المصر كبيراً أو لا .... و سواء كان التعدد فى مسجدين أو أكثر، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الجمعة: ۲/ ۱۴۴، ۱۴۵، سعيد)

(۲) إن سعد بن عبادة رضى الله تعالىٰ عنه توفيت أمه وهو غائب عنها، فقال: يا رسول الله! -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- إن أمى توفيت و أنا غائب عنها، أينفعها شىء إن تصدقت به عنها؟ قال: "نعم". قال: فإنى أشهدك أن حائطى المخراف صدقة عليها". (صحيح البخارى، كتاب الوصايا، بابٌ: إذا قال: أرضى و بستانى صدقة لله عن أمى فهو جائز: ۱/ ۳۸۶، قديمى)

"صرح علماء نا فى باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوة أو صوماً أو صدقةً أو غيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوى لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم، و لا ينقص من أجره شىء". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب فى القراءة للميت =

گاندھی جی کی موت پر تعزیت اور ایصالِ ثواب

سوال[۴۳۵۳]: ا......گاندھی جی ہندو مذہب اختیار کرتے تھے، ساتھ ساتھ قرآن کی سورۂ اخلاص اور فاتحہ اکثر پڑھتے تھے اور اپنی عبادت کی مجلس میں قرآن پڑھوا کر سنتے تھے اور مسلمانوں کی حمایت کرتے تھے۔ تعزیت کرنے کے بعد اگر کوئی مسلمان غیر مسلم کی جماعت میں ان کے لئے قرآن پڑھے یا دعاء کرے تو کیا وہ مسلمان گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ اگر کوئی آدمی ثواب بخشے نہیں بلکہ غیر مذہب والوں کے لئے ہمدردی دکھانے کے لئے قرآن پڑھے تو کیسا ہے کیا گاندھی کافر ہے؟

۲......اگر سرکاری ملازم مسلمان کو بے دین جماعت میں رہنا پڑے اور بے دین مُردہ کے لئے دعائے خیر کرتے وقت دل یا منہ سے ﴿في نار جهنم خالدين فيها أبداً﴾ کہے، کیا وہ گنہ گار ہوگا؟ مع دلیل جواب ارشاد فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ا......جس کے لئے کفر کا یقین ہو اس کے لئے دعائے مغفرت کرنا یا قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہونچانا جائز نہیں: "والحق حرمة الدعاء بالمغفرة للكافر". درمختار(۱)۔ گاندھی کے متعلق ہمیں معلوم

= و إهداء ثوابها له: ۲/۲۴۳، سعيد)

لیکن اگر شیعہ کے عقائد کفریہ ہوں جیسا دورِ حاضر کے شیعہ تو ان کے لئے ایصالِ ثواب کرنا ناجائز ہے، کما تقدم تخريجه تحت عنوان: ''شیعہ کے لئے ایصالِ ثواب''۔

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل: وإذا أراد الشروع: ۱/۵۲۳، سعيد)

قال الله تعالىٰ: ﴿استغفر لهم أو لا تستغفر لهم، إن تستغفر لهم سبعين مرةً، فلن يغفر الله لهم، ذلك بأنهم كفروا بالله و رسوله، والله لا يهدى القوم الفسقين﴾. (سورة التوبة، پ: ۱۰، الاية: ۸۰)

"عن سعيد بن المسيب عن أبيه رضى الله تعالىٰ عنه قال: لما حضرت أباطالب الوفاةُ، دخل =

9

نہیں کہ کب اسلام قبول کیا، سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص وغیرہ پڑھنا بھی جب ہی مفید ہے کہ پڑھنے والا مسلم ہو ورنہ بہت سے غیر مسلم بھی پڑھتے ہیں خواہ پڑھنے کی نیت کچھ ہی ہو۔ البتہ اگر کوئی مسلم قرآن کریم پڑھ کر اس کا مطلب غیر مسلم کو سمجھائے یا وعظ کہے تو شرعاً جائز اور درست ہے۔ بعض غیر مسلم بھی نرم طبیعت اور دوسروں کے ہمدرد ہوتے ہیں، وہ کسی کو تکلیف نہیں پہونچاتے بلکہ دوسروں کی راحت کے لئے خود تکلیف اٹھاتے ہیں، مسلم کو بھی چاہئے کہ ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرے اور بلا وجہ تکلیف پہونچانا تو کسی کو بھی جائز نہیں۔ اسلامی تعلیمات میں نہایت اعلیٰ اخلاق کا خزانہ موجود ہے اس لئے سمجھدار غیر مسلم اس کا مطالعہ کر کے اکثر اچھی باتیں حاصل کر لیتے ہیں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔

۲......اس نفاق کی کیا ضرورت ہے کہ زبان سے دعاء کرے اور دل میں بددعاء بلکہ جس کے مرنے پر ضرورت سمجھے، مشروع تعزیت کردے: "جار يهودي أو مجوسي مات ابن له أو قريب، ينبغي أن يعزيه ويقول: أخلف الله عليك خيراً منه وأصلحك، وكان معناه: أصلحك الله بالإسلام يعني رزقك الإسلام و رزقك ولداً مسلماً، كفاية، اهـ". شامي: ٥/٢٤٨ مطبوعه جديد(١)۔ فقط اللہ تعالیٰ اعلم۔

= عليه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وعنده أبو جهل و عبد الله بن أبي أمية، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أي عمّ! قل: لا إله إلا الله، أحاجّ لك بها عند الله". فقال أبو جهل و عبد الله بن أبي أمية: يا أبا طالب! أترغب عن ملة عبد المطلب؟ فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لأستغفرنّ لك ما لم أنهَ عنك". فنزلت: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربى﴾ الاية". (صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله تعالىٰ: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا﴾ الاية: ٢/٦٧٤، ٦٧٥، قديمي)

(١) (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٦/٣٨٨، سعيد)

"وإذا مات الكافر، قال لوالده أوقريبه في تعزيته: أخلف الله عليك خيراً منه، وأسلمك: أي أصلحك بالإسلام، و رزقك ولداً مسلماً؛ لأن الخيرية به تظهر، كذا في التبيين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة والأحكام التي تعود إليهم: ٥/٣٤٨، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية: ٨/٣٧٤، رشيديه)

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ربیع الأول/ ٦٧ھ۔

اسلام نے جو تعزیت کا طریقہ غیر مسلموں کے لئے بتایا ہے اس پر عمل کرنا چاہئے، گاندھی جی نے نہ صرف مسلمانوں کی خیر خواہی پر جان دی ہے بلکہ سارے ہندوستان کو امن و اتحاد کی تلقین کرتے ہوئے وہ اس مشن پر قربان ہوگئے، اس لئے ہر شخص ان کے دردناک قتل پر رنجیدہ ہے، مگر ان کو مسلمان اس وقت تک نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ اس کا کوئی ثبوت نہ ہو، تعزیت اور یادگار منانے میں فرقہ وارانہ طریقوں پر عمل کرنا خود گاندھی جی کے مشن کے خلاف ہے، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ فقط۔

سعید احمد، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ربیع الثانی/ ٦٧ھ۔

تعزیتی جلسہ کا حکم

سوال [۴۳۵۴]: کسی لیڈر یا مذہبی پیشوا کے انتقال پر محض تعزیتی جلسہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح کسی لیڈر یا پیشوا کے انتقال پر ایصالِ ثواب کے لئے لوگوں کو جمع کرنا، ختم قرآن اور تعزیتی جلسہ دونوں چیز ایک ہی مجلس میں کرنا جائز ہے یا نہیں؟ لوگوں کو جمع کرنے کی مختلف شکلیں ہوا کرتی ہیں: بعض جگہ اخبار، بعض جگہ صدر مقام یا مسجد وغیرہ میں اعلان کردیا جاتا ہے۔ نیز ایصالِ ثواب کا صحیح طریقہ پیش کرتے ہوئے سلفِ صالحین کا عمل بھی تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی مسلم کے انتقال پر میت کے متعلقین کی تعزیت کرنا یعنی تلقین صبر وغیرہ کرنا سنت سے ثابت ہے، اگر وہاں خود جاکر تعزیت کا موقع نہ ہو تو خط کے ذریعہ سے بھی سلف صالحین سے تعزیت کرنا منقول ہے(۱)۔

---

(۱) "عن معاذ بن جبل رضي الله تعالىٰ عنه أنه مات ابن له، فكتب إليه رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعزيه بابنه، فكتب إليه: "بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله إلى معاذ بن جبل، سلام عليك! فإني أحمد إليك الله الذي لا إله إلا هو، أما بعد: فأعظم الله لك الأجر، وألهمك الصبر، ورزقنا وإياك الشكر، فإن أنفسنا وأموالنا وأهلنا من مواهب الله الهنيئة وعواريه المستودعة، متعك الله به في غبطة وسرور، وقبضه منك بأجر كبير الصلاة والرحمة والهدى، إن احتسبته فاصبر ولا يحبط جزعُك أجرَك فتندم، واعلم أن الجزع لا يرد ميتاً ولا يدفع حزناً، وما هو نازل فكأن قد، والسلام". =

جس کے انتقال سے بہت لوگوں کوصدمہ ہو، یا بہت لوگ تعزیت کی ضرورت محسوس کریں اور سب کا پہنچنا دشوار ہوتو اس کے لئے سہل صورت یہ ہے کہ ایک جلسہ کر کے تعزیت کر دیجائے، اس میں بڑی جماعت سفر کی زحمت سے بچ جاتی ہے اور میت کے متعلقین پر کثیر مہمانوں کا بار بھی نہیں پڑتا اور مجمعِ عظیم کی متفقہ دعاء بھی زیادہ مستحق قبول ہے، بظاہر اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ لیکن بہت جگہ اس نے محض رسم کی صورت اختیار کر لی ہے کہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ اخبار میں نام آجائے اور ہماری شہرت ہو جائے، اگر ہم نے تعزیتی جلسہ نہ کیا تو لوگ ملامت کریں گے وغیرہ وغیرہ، اگر یہ صورت ہوتو پھر اس کو ترک کرنا چاہئے (۱)۔

میت کے لئے ایصال ثواب ثابت ہے، قرآن پاک کی تلاوت کا ثواب پہنچانا بھی درست ہے، انفراداً پڑھنا بھی درست ہے، جو نیک کام بھی اللہ کے لئے کیا جائے اور یہ دعاء کر لی جائے کہ: یااللہ! اس کا ثواب فلاں کو پہنچادیں، تو بس اس کا ثواب پہنچ جاتا ہے۔ سلفِ صالحین سے نماز، تلاوت، صدقہ حج وغیرہ کا ثواب

= رواه الطبراني في الكبير والأوسط". (مجمع الزوائد للهيثمي، كتاب الجنائز، باب التعزية: ۳/۳، دار الفكر، بيروت)

(۱) "عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال:" مامن مؤمن يعزي أخاه بمصيبة، إلا كساه الله سبحانه من حلل الكرامة يوم القيامة". (سنن ابن ماجة، أبواب ماجاء في الجنائز، باب ماجاء في ثواب من عزى مصاباً، ص: ۱۱۵، قديمي)

"ولابأس ...... بتعزية أهله وترغيبهم في الصبر، الخ". (الدرالمختار). "(قوله: بتعزية أهله): أي تصبيرهم والدعاء لهم به .... والتعزية أن يقول: أعظم الله أجرك وأحسن عزاءك وغفر لميتك". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة: ۲/۲۳۹، ۲۴۰، سعيد)

"التعزية لصاحب المصيبة حسن .... ويستحب أن يعم بالتعزية جميع أقارب الميت الكبار والصغار والرجال والنساء، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في القبر، ومما يتصل بذلك مسائل: ۱/۱۶۷، رشيديه)
(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في صلاة الجنائز، الثامن في المتفرقات، ص: ۲۰۸، سهيل اكيڈمی، لاهور)

پہنچانا ثابت ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

میت کے لئے جلسۂ تعزیت

سوال[۴۳۵۵]: آج کل یہ طریقہ رائج ہے کہ کسی دینی ادارہ یا کسی مسلم جماعت کا کوئی رکن انتقال کر جاتا ہے تو جب اس ادارہ یا جماعت کا جلسہ ہوتا ہے جس سے اس شخص کا تعلق ہوتا ہے، تو اس کے لئے تعزیت کی تجاویز منظور کی جاتی ہیں، اور اس کے لئے دعائے مغفرت کی جاتی ہے جبکہ جلسہ تین دن کے بعد ہوتا ہے۔ اس طریقہ کے لئے شرعاً گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ تعزیت شرعی تعزیت نہیں، بلکہ ادارہ یا جماعت کی طرف سے اظہار تعلق ہے اور اظہار ہمدردی کے لئے اس سے بھی تقویت پہنچتی ہے اور میت کے اعزہ کے لئے صبر وتسلی بھی فی الجملہ اس سے ہو جاتی ہے، اس لئے شرعاً گنجائش ہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دیو بند۔

---

(۱) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من دخل المقابر فقرأ سورة يٰس، خفف الله عنهم، وكان له بعدد مَن فيها حسنات". (شرح الصدور للسيوطي، باب ماجاء في قراءة القرآن للميت أو على القبر، (رقم الحديث: ۷)، ص: ۳۰۴، دار المعرفة)

"والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أوقرأة قرآن أوذكراً أوطوافاً، أوحجاً، أوعمرةً، أوغير ذلک عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲۹۶/۱، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذافي التاتارخانية، كتاب المناسک، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۵۴۵/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "(قوله: وبتعزية أهله): أي تصبيرهم، والدعاء لهم به، قال في القاموس: العزاء الصبر أو حسنه". (ردالمحتار، باب صلوة الجنازة، قبيل مطلب في الثواب على المصيبة: ۲۳۹/۲، سعيد)

دفن کے بعد مکان پر مخصوص فاتحہ

سوال[۴۳۵۶]: میت کے دفن کے بعد اعزہ وغیرہ کا میت کے گھر پہونچ کر کھڑے ہوکر ہاتھ باندھ کر کھانے پر فاتحہ پڑھنا اور دوسروں کو بھی ہاتھ باندھنے پر مجبور کرنا اور جو نہ شریک ہو اس کو برا بھلا کہنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بالکل بے اصل اور خلاف سنت ہے، اس کو ترک کرنا لازم ہے(۱)، اس میں شریک نہ ہونے والے کو برا کہنا معصیت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) "وعرّفها الشمنی بأنها (البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق الملتقی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً". (رد المحتار، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعید)

(۲) "عن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "سباب المسلم فسوق". الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن أن یحیط عمله، الخ: ۱/۱۲، قدیمی)

فصل فی التلاوۃ عند القبر

(قبر پر تلاوت کا بیان)

قبر پر تلاوت

سوال[۴۳۵۷]: قرآن قبر پر پڑھنا کیسا ہے، کیونکہ درمختار جلد دوم میں مکروہ لکھا ہے اور بہت سی کتابوں میں لکھا ہے کہ قبر پر تلاوتِ قرآن نہ کرنا چاہئے، اس وجہ سے کہ جب آیاتِ عذاب کی وہاں پڑھی جاتی ہے تو مردے پر تکرار زیادہ ہوتی ہے جس کی وجہ سے عذاب میں زیادتی ہوتی ہے، اس لئے قبروں پر صرف آیاتِ رحمت پڑھنی چاہئے اور پورا قرآن نہ پڑھے، آیتِ رحمت جیسے: سورۂ یٰسین، مزمل، ألهاکم التکاثر، معوذتین، إخلاص، الحمد، درود وغیرہ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ہمارے نزدیک قبر پر قرآن شریف پڑھنا اور ایصال ثواب کرنا بلا التزامِ مالایلزم درست ہے(۱)۔

---

(۱) أن سعد بن عبادة رضی الله تعالیٰ عنه توفيت أمه وهو غائب عنها فقال: يارسول الله! -صلی الله تعالیٰ عليه وسلم- إن أمی توفيت وأناغائب عنها أينفعها شئ إن تصدقت به عنها؟قال: "نعم". قال: فإنی أشهدک أن حائطی المخراف صدقة عليها". (صحيح البخاری، كتاب الوصايا، باب: إذا قال: أرضی وبستانی صدقة لله عن أمی فهو جائز". ۱/۳۸٦،قديمی)

"صرح علماء نا فی باب الحج عن الغير بأن للإنسان بأن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أوصدقةً أوغيرها ....الأ فضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوی لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولاينقص من أجره شئ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة،مطلب فی القراء ة للميت وإهداء ثوابهاله: ۲/۲۴۳،سعيد)

"والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أوصدقةً أو قراء ة قرآن أو طوافاً أوحجاً أوعمرةً أوغير ذلک عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب =

درمختار کا حوالہ جوآپ نے دیا ہے وہ میں نے نہیں دیکھا، ذراتفصیل سے باب، فصل یا صفحہ کا حوالہ دے کرتحریر کیجئے تا کہ اس پر غور کیا جا سکے۔ مالکیہ کے نزدیک قبر پرقرآن شریف کی تلاوت کرنا مکروہ ہے اور بعض اوقات زیادتی عذاب کا سبب ہے، المدخل :۱/۲۶۲(۱)۔ سورۂ یٰسین، سورۂ مزمل، تکاثر میں بھی عذاب کا ذکر ہے، یہ تفصیل کتب میں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور، ۳/ ۷/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ،　　صحیح :عبداللطیف، مظاہرعلوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

قبر پر تلاوت جہراً ہو یا سراً؟

سوال[۴۳۵۸] : قبر پر تلاوت بلند آواز سے پڑھنی چاہئیے یا آہستہ سے؟ اور بزرگوں کے مزاروں پر کثرت سے قرآن خوانی بلند آواز سے ہوتی ہے۔ کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

دونوں طرح درست ہے بشرطیکہ کوئی عارض نہ ہو(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور، ۳/ ۷/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ،　　صحیح :عبداللطیف، مظاہرعلوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

= الحج عن الغير : ۳/۵ • ۱ ،رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في ا لرجل يحج عن الغير: ۲ /۵۴۵، إدارة القرآن ، كراچی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:(شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور للسيوطي، باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، ص: ۳۰۲،دار المعرفة)

(۱) وكذالك القراء الذين يقرأون القرآن بالترجيح والزيادة والنقصان في كتاب الله عزوجل ورفع الاصوات

(۲) "يجب على القارى احترامه بأن لايقرأه في الأسواق ومواضع الاشتغال، فإذا قرأه فيها كان هوالمضيع لحرمته، فيكون الإثم عليه دون أهل الاشتغال دفعاً للحرج". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، فصل في القراءة، مطلب: الاستماع للقرآن فرض كفاية : ۱ /۵۴۶، سعيد) .... =

قبر یا بیمار کے پاس تلاوت

سوال[۴۳۵۹]: ایک شخص بیمار کے پاس یا قبر کے پاس قرآن شریف پڑھتا ہے، پیسے وغیرہ کچھ بھی نہیں لیتا، جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر پیسے لیتا ہے تو کس کس موقعہ اور کون کون سی صورت میں جائز ہے اور کون سی صورت میں نا جائز؟ کھلم کھلا ایسا جواب لکھیں کہ ہر شخص سمجھ لے۔ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بلا پیسے بیمار کے پاس یا قبر کے پاس بنیتِ ثواب تلاوت کرنا شرعاً درست ہے (۱) اور اجرت لے کر

= ''رجل يكتب الفقه وبجنبه رجل يقرأ القرآن ولايمكن للكاتب الاستماع، فالإثم على القارى لقرأته جهراً في موضع اشتغال الناس بأعمالهم ولاشئ على الكاتب''. (الحلبي الكبير، كتاب الصلاة، تتمات فيمايكره من القرآن في الصلاة ومالايكره الخ، ص: ۴۹۷،سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۱) ''عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: ''من دخل المقابر فقرأ سورة يسٓ، خفف الله عنهم، وكان له بعدد مَن فيها حسنات''. (شرح الصدور في أحوال الموتى والقبور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ،باب في قراءة القرآن للميت أو على القبر، ص: ۳۰۴، دارالمعرفة، بيروت)

''إن سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه توفيت أمه وهو غائب عنها فقال: يارسول الله! –صلى الله تعالىٰ عليه وسلم– أمي توفيت وأناغائب عنها، أينفعها شئ إن تصدقت به عنها؟ قال: ''نعم''. قال: فإني أشهدك أن حائطي المخراف صدقة عليها''. (صحيح البخاري، كتاب الوصايا،باب:إذا قال: أرضي وبستاني صدقة لله عن أمي فهو جائز''.: ۱/۳۸۶،قديمي)

''صرح علماء نا في باب الحج عن الغير بأنّ للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أوصدقةً أوغيرها .... الأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم ولاينقص من أجره شئ''. (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة،مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابهاله: ۲/۲۴۳،سعيد)

''والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاة أو صوماً أوصدقةً أو قراءة قرآن أو طوافاً أوحجاً أوعمرةً أوغير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة''. (البحر الرائق، كتاب الحج،باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵،رشيديه) .... =

تلاوت کرنا حرام ہے، اجرت لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں اور ثواب حاصل نہیں ہوتا(۱)، خواہ پہلے سے نیت کی ہو یا نہ کی ہو، بلکہ رواج کی بناء پر ذہن میں ہو کہ فلاں جگہ سے اجرت ملے گی، بعض جگہ یہ طریقہ رائج ہے اور لوگوں نے قرآن شریف کو ذریعۂ معاش بنا رکھا ہے اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ ہم تو خدا کے واسطے پڑھتے ہیں، حالانکہ اگر ان کو علم ہو جائے کہ ہم کو کچھ نہ ملے گا تو وہ ہرگز نہ پڑھیں، اسی لئے اگر کسی جگہ سے کم ملے تو شکایت کرتے ہیں کہ فلاں شخص بہت بخیل ہے، غریب کے یہاں جانے میں حیلہ بہانہ کرتے ہیں اور مالدار کے یہاں دوڑ کر جاتے ہیں۔

اگر کسی جگہ رواج نہ ہو اور پڑھنے والا اپنے خیال میں سمجھتا ہے کہ مجھے کچھ نہ ملے گا اور نہ ملنے پر اس کا قلب مکدر نہیں ہوتا، محض خدا کے واسطے پڑھتا ہے اور پھر اس کو دیدیا جائے تو اس میں گنجائش ہے، لیکن آج کل ایسا آدمی ملنا متعذر ہے، خاص کر ان اطراف میں جن میں اس کا رواج ہے، والشاذ کالمعدوم۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۲/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۲/۱۲/۵۹ھ۔

قبرستان میں تلاوت دیکھ کر

سوال[۴۳۶۰]: قبرستان یا صرف ایک قبر پر دیکھ کر تلاوتِ کلامِ پاک کر سکتے ہیں یا نہیں؟

= (وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن، كراچي)

(۱) "وقال عبد الرحمن بن شبل رضي الله تعالىٰ عنه: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "اقرؤا القرآن ولا تغلوا فيه، ولا تجفوا عنه، ولا تأكلوا به، ولا تستكثروا به". (مسند أحمد، (رقم الحديث: ۱۵۱۰۳): ۴/۴۴۵، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"إن القرآن بالأجرة لايستحق الثواب، لا للميت ولا للقارى .... ويمنع القارى للدنيا، والآخذ والمعطى آثمان، فالحاصل أن ماشاع في زماننا من قراءة الأجزاء بالأجرة، لايجوز؛ لأن فيه الأمر بالقراءة وإعطاء الثواب للآمر والقراءة لأجل المال، فإذا لم يكن للقارئ ثواب لعدم النية الصحيحة، فأين يصل الثواب إلى المستأجر"؟ (ردالمحتار، كتاب الاجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے(۱)، لیکن اگر قبرستان میں کوئی جگہ مخصوص نماز پڑھنے، تلاوت کرنے کے لئے ہوتو وہاں بیٹھ کر دیکھ کر تلاوت کریں، تا کہ قرآن پاک کا ادب پورا ملحوظ رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۸۸ھ۔

قبرستان میں قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہونچانا

سوال[۴۳۲۱]: قبرستان میں قرآن شریف لیجا کر خود پڑھنا خواہ دوسرے سے اجرت پر پڑھوانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

قرآن شریف خود پڑھ کر ایصال ثواب کرنا یا دوسرے سے پڑھوا کر ثواب پہونچانا درست اور میت کے لئے نافع ہے(۲)، لیکن اُجرت دیکر پڑھوانا جائز نہیں گناہ ہے، اجرت کا لینا بھی ناجائز ہے، اس سے ثواب نہیں پہونچتا، اجرت لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں، جیسا کہ علامہ شامی نے ردالمحتار، جلد خامس،

---

(۱) "قراءة القرآن عند القبور عند محمد رحمه الله تعالىٰ لاتكره، ومشايخنا رحمهم الله تعالىٰ أخذوا بقوله". (الفتاوىٰ العالمكرية، كتاب الصلوة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من دخل المقابر فقرأ سورة يٰسٓ، خفف الله عنهم، وكان له بعدد مَن فيها حسنات". (شرح الصدور للسيوطى رحمه الله تعالىٰ، فى قراءة القرآن للميت أو على القبر، ص: ۳۰۴، دار المعرفة، بيروت)

"والأصل فيه ان الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أو قراءة قرآن أوذكراً أوطوافاً أوحجاً أوعمرةً أوغير ذلک عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(وكذافى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحج، الباب الرابع عشر فى الحج عن الغير: ۱/۲۵۷، رشيديه)

کتاب الاجارہ میں عینی وغیرہ سے بصراحت نقل کیا ہے(۱)۔قبر پر قرآن شریف پڑھنے میں اختلاف ہے، ملاعلی القاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

"ثم قراءة القرآن وإهداء ها له تطوعاً بغير أجرة يصل، وأما لو أوصىٰ بأن يعطى شيئاً من ماله لمن يقرء القرآن على قبره، فالوصية باطلة؛ لأنه فى معنى الأجرة، كذا فى الاختيار. وهذا مبنى على عدم جواز الاستيجار على الطاعات .... ثم القراءة عند القبور مكروهة عند أبى حنيفة ومالك وأحمد فى رواية؛ لأنه محدث لم تَرِد به السنة. وقال محمد بن حسن وأحمد فى رواية: لا يكره لما روى عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما أنه أوصىٰ أن يقرأ على قبره وقت الدفن بفواتح سورة البقرة وخواتمها"(۲)۔واللہ سبحانہ اعلم۔

طحاوی نے امام محمد کے قول کومختار لکھا ہے :"وأخذ من ذلك جواز القراءة على القبر، والمسئلة ذات خلاف، قال الإمام: تكره (لأن أهلها جيفة) ولم يصح فيها شيء عنده عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. وقال محمد تستحب لِوُرود الآثار، وهوالمذهب المختار، كما صرحوا به فى كتاب الاستحسان، اهـ". طحطاوى:٣٦٣(٣).

---

(۱) "إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب لا للميت ولا للقارى .... ويمنع القارى للدنيا، والآخذ والمعطى آثمان". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة:٦/٥٦، سعيد)

"قال عبد الرحمن بن شبل رضى الله تعالىٰ عنه: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: "اقرؤا القرآن، ولاتغلوا فيه، ولا تجفوا عنه، ولا تأكلوا به، ولا تستكثروا به". (مسند أحمد، (رقم الحديث:١٥١٠٣): ٤/٤٤٥، دارإحياء التراث العربى، بيروت)

(۲) (شرح الفقه الأكبر للملا على القارى، الدعاء للميت ينفع خلافاً للمعتزلة ،ص: ١٣١، قديمى)

(۳) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل فى زيارة القبور، ص: ٦٢١، قديمى)

"ولا يكره الجلوس للقراءة على القبر فى المختار لتأدية القراءة على الوجه المطلوب بالسكينة والتدبر والاتعاظ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فى وضع الجريد ونحوالآس على القبور: ٢/٢٤٦، سعيد)

قرآن شریف کو قبرستان میں لے جا کر تلاوت کرنا فی نفسہ مباح ہے، لیکن اس کا التزام منع ہے جیسا کہ بعض دیار میں رواج ہے، ثواب گھر سے بھی پہنچ جاتا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

ایضاً

سوال[۴۳۲۲]: مزارات پر جانا اور وہاں بیٹھ کر قرآن مجید پڑھ کر صاحبِ قبر کو بخشنا اور اس ارادے سے قبر پر جانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

درست ہے، كذا فى الدر المختار(۲)، مگر بہتر یہ ہے کہ قرآن پاک وہاں نہ لیجائے، بلکہ حفظ پڑھے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۸۸ھ۔

---

(۱) "من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أومنكر". (مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء فى التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶): ۳/۳۱، رشيديه)

"الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، فكيف إصرار البدعة التى لا أصل لها فى الشرع". (السعاية شرح شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، قبيل فصل فى القراءة: ۲/۲۶۵، سهيل اكيڈمى لاهور)

"وأماالسبب الذى لأجله لم يظهر ذلک فى السلف، فهو أنهم لم يكن لهم أوقاف على من يقرأ ويهدى إلى الموتى، ولا كانوا يعرفون ذلک ألبتة، ولا كانوا يقصدون القبر للقراءة عنده كما يفعله الناس اليوم". (كتاب الروح لابن قيم الجوزية، المسألة السادسة عشر: هل تنتفع أرواح الموتى بشىء من سعى من الأحياء أم لا، ص: ۱۸۵، مكتبه فاروقيه پشاور)

(۲) "لا يكره الدفن ليلاً ولا إجلاس القارئين عند القبر". (الدر المختار). "(قوله:ولا إجلاس القارئين =

قبر پر فاتحہ کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر ہو؟

سوال[۴۳۶۳]: قبر پر فاتحہ پڑھنا کھڑے ہوکر چاہئے یا بیٹھ کر یا دونوں طرح درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کھڑے ہوکر فاتحہ پڑھے:" قال في الفتح: والسنة زيارتها قائماً والدعاء عنده قائماً ". شامی (۱)، اگر کسی کو زیادہ دیر تک ٹھہرنا ہو، یا کھڑے ہونے میں تکان ہو تو بیٹھنا بھی درست ہے۔ اگر زندگی میں

= عند القبر) ......ولا يكره الجلوس للقرأة على القبر في المختار لتأدية القراءة على الوجه المطلوب بالسكينة والتدبر والاتعاظ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في وضع الجريد ونحوالآس على القبور: ۲/۲۴۵، ۲۴۶، سعيد)

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال:"من دخل المقابر فقرأ سورة يٰسٓ، خفف الله عنهم، وكان له بعدد مَن فيها حسنات". (شرح الصدور للسيوطي رحمه الله تعالىٰ، في قراءة القرآن للميت الخ، ص: ۳۰۴، دار المعرفة، بيروت)

"وأخذ من ذلك جواز القراءة على القبر، والمسئلة ذات خلاف، قال الإمام:تكره؛ لأن أهلها جيفة، ولم يصح فيها شيء عنده عنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم. وقال محمد رحمه الله تعالىٰ: تستحب لوُرود الآثار، وهوالمذهب المختار، كما صرحوا به في كتاب الاستحسان". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۱، قديمي)

(وكذا في شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، الدعاء للميت، ص: ۱۳۱، قديمي)

(۱) (رد المحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور : ۲/۲۴۲، سعيد)

"عن محمد بن قيس .... أنه قال يوماً: ألا أحدثكم عني و عن أمي؟ قال: فظننا أنه يريد أمه التي ولدته، قال: قالت: عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: ألا أحدثكم عني و عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم؟ قلنا: بلىٰ، قال: قالت: لما كانت ليلتي التي كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فيها عندي انقلب .... حتى جاء البقيع، فقام فأطال القيام، ثم رفع يديه ثلاث مرات". الحديث. "(قوله: جاء البقيع فأطال القيام) وفيه أن دعاء القائم أكمل من دعاء الجالس في القبور". (الصحيح لمسلم، كتاب الجنائز، فصل في الذهاب إلى زيارة القبور : ۱/۳۱۳، قديمي) .... =

بے تکلفی کے تعلقات تھے تو دونوں طرح ٹھیک ہے: " ينبغي أن يدنو من القبر قائماً و قاعداً بحسب ما كان يصنع لزواره فی حياته". طحاوی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

قبر کے سامنے قرآن شریف پڑھنا

سوال[۴۳۶۴] :۱......مقبرہ میں کسی خاص قبر کو سامنے لے کر قرآن شریف ناظرہ پڑھنا کیسا ہے؟ مع حوالہ کتاب وصفحہ تحریر فرمایئے۔

قبر کے سامنے مناجات

سوال[۴۳۶۵] :۲......دفن کے بعد اسی وقت قبر پر پڑھتے ہیں اور قبر سامنے رکھ کر مناجات کرتے ہیں۔

الجواب حامداًومصلياً:

۱......فی نفسہ تلاوتِ قرآن شریف کسی قبر کے پاس اُنسِ میت یا ایصالِ ثواب کے لئے راجح قول کے موافق ممنوع نہیں، بلکہ درست ہے: "ثم القراءة عند القبور مكروه عند أبي حنيفة ومالك وأحمد رحمهم الله تعالىٰ في رواية؛ لأنه محدث لم تَرِد به السنة. وقال محمد بن الحسن وأحمد رحمهما الله تعالىٰ في رواية: لايكره لماروى عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أنه أوصىٰ أن يقرأ على قبره وقت الدفن بفواتح سورة البقرة وخواتمها، اه". شرح فقه أكبر، ص: ١٦٠ (٢)۔

"قراءة القران في المقابر إذا أخفىٰ ولم يجهر لاتكره، ولا بأس بها، إنما يكره قراءة القران في المقبرة جهراً، أما المخافة فلا بأس بها وإن ختم . وكان الصدر أبو إسحق الحافظ

= "والدعا عندها قائماً". (فتح القدير، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، فصل في الدفن، قبيل باب الشهيد : ۲/۱۴۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية : كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيارة القبور : ۵/۳۵۰، رشيديه)

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، أحكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۰، قديمی)

" ثم يدعوا قائماً طويلاً، وإن جلس يجلس بعيداً أو قريباً بحسب مرتبته في حال حياته".

(ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في زيارة القبور : ۲/۲۴۲، سعيد)

(۲) (شرح الفقه الأكبر للملا على القاري، ص: ۱۳۱، الدعاء للميت ينفع خلافاً للمعتزلة، قديمی)

يحكي عن أستاذه أبي بكر محمد بن إبراهيمؒ : لا بأس أن يقرأ على المقابر سورة الملك، سواء أخفى أو جهر، وأما غيرها فإنه لايقرأ في المقابر، ولم يفرق بين الجهر والخفية. وإن قرأ القرآن عند القبور إن نوىٰ بذلك أن يؤنسه صوت القرآن، فإنه يقرأ، وإن لم يقصد ذلك فالله تعالىٰ يسمع قراءة القرآن حيث كانت، كذا في فتاوىٰ قاضي خان. ولومات رجلٌ وأجلس وارثُه على قبره من يقرأ، الأصحُ أنه لايكره، وهو قول محمدؒ، كذا في المضمرات". فتاوىٰ عالمگیری، مصری: ٥/ ٣٦٠(١)۔

نفسِ قرأت میں اختلاف، جہراًاورخفیۃً میں اختلاف ہے، تعیینِ قرأت میں اختلاف، غرض! قرأت میں اختلاف ہے، ناظرہ اورحفظ کی کوئی تفصیل نہیں۔ بعض جگہ اس کا ایسا رواج اوراہتمام ہے کہ اس کولازم اور ضروری سمجھا جاتا ہے، یہ ناجائز ہےاورتارک پرملامت کی جاتی ہے، یہ سخت ممنوع ہے:"فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصص من غير خصوص مكروهاً، كما صرح به على القاري في شرح المشكوة، اه". سباحة الفكر، ص: ٤٠(٢)۔

احتیاط یہ ہے کہ وہاں اس طرح تلاوت نہ کی جائے، بلکہ اپنے مکان یا مسجد میں تلاوت کرکے ثواب پہنچادیا جائے:"الأمر إذا داربين الكراهة والإباحة، ينبغي الإفتاء بالمنع؛ لأن دفع مضرة أولى من جلب منفعة، فكيف لايكون أولىٰ من فعل أمر باح، وقد مرّ أن الإصرار على المندوب يبلغه إلى حد الكراهة، اه". سعايه، ص: ٢٦٥(٣)۔ البتہ زیارتِ قبور میں اکیلے دعا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۲......میت کیلئے دعاء کرنا درست ہے(۴)، دعاء ایسی طرح نہ کی جائے جس سے دیکھنے والے کوشبہ

---

(١) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر في زيادة القبور وقراءة، القرآن عند المقابر: ٥/ ٣٥٠، رشيديه)

(٢) (سباحة الفكر في الجهر بالذكر من مجموعة رسائل اللكنوى: ٣/ ٣٤، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الصلوة، باب التشهد في الصلوة، (رقم الحديث: ٩٤٦): ٣/ ٣١، رشيديه)

(٣) (السعاية شرح شرح الوقاية، باب شروط الصلوة، قبيل فصل في القراءة: ٢/ ٢٦٥، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(٤) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم كلما كان ليلتهامن =

ہو کہ قبر سے کچھ مانگ رہے ہیں پڑھنے کا حکم نمبر: ا پر آ گیا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔
الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۹/محرم/ ۵۹ھ، صحیح: عبداللطیف، ۹/محرم/ ۵۹ھ۔

قبر پر مراقبہ

سوال[۴۳۶۶]: قبرستان میں کسی مخصوص قبر پر مراقبہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ، حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ، حضرت مجدّد الف ثانیؒ، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی کتابوں میں کسی بزرگ کے مزار پر مراقبہ کرنا موجود ہے، اس کا طریقہ تفصیل سے موجود ہے، بوادر النوادر، ص: ۸۸ میں ہے(۱)۔
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= رسول الله صلى الله عليه وسلم، يخرج من آخر الليل إلى البقيع، فيقول: "السلام عليكم دار قوم مؤمنين، وأتاكم ماتوعدون غداً مؤجلون، وإنا إنشاء الله بكم لاحقون، أللهم! اغفر لأهل بقيع الغرقد".
"(قوله: وإنا إنشاء الله بكم الخ) .... وفى هذاالحديث دليل استحباب زيارة القبور والسلام على أهلها والدعاء لهم والترحم عليهم". (الصحيح لمسلم مع شرحه للنووى، كتاب الجنائز، فصل فى الذهاب إلى زيارة القبور: ۱/۳۱۳، قديمى)

"ومن آدابها أن يسلم بلفظ "السلام عليكم" ....، ثم يدعوقائماً، وإن جلس يجلس بعيداً أوقريباً بحسب مرتبته فى حال حياته الخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب فى زيارة القبور: ۲/۲۴۲، سعيد)

"ولابأس بزيارة القبور والدعاء للأموات إن كانوا مؤمنين من غير وطء القبور". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، فصل: السلطان أحق بصلاته، قبيل باب صلاة الشهيد: ۲/۳۴۲، رشيديه)
(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السادس فى الدفن الخ: ۱/۱۶۶، رشيديه)

(۱) "اول کچھ پڑھ کر بخشے، پھر آنکھیں بند کر کے تصور کرے کہ میری روح اس بزرگ کی روح سے متصل ہوگئی ہے اور اس سے=

9

قبر سے استفادہ کی صورت

سوال[۴۳۶۷]: اہل اللہ کی قبر سے استفادہ حاصل کرنے کا بطور صوفیہ کیا طریقہ ہے، اوران کے مزار پرحسنِ اتفاق سے اگر جانا کبھی ہوگیا تو کیا کرنا چاہیے تا کہ ان کے فیضانِ روحانی سے طالب مستفیض ہو؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اول کچھ پڑھ کر بخشے، آنکھیں بند کرکے، تصور کرے کہ میری روح اس بزرگ کی روح سے متصل ہوگئی اوراس سے احوال خاصہ منتقل ہوکر پہونچ رہے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۱/۱۳۹۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

=احوالِ خاصہ منتقل ہوکر پہونچ رہے ہیں''۔(بوادر النوادر، غريبه:۵۷، دراستفاضه از اموات، ص: ۸۵، اداره اسلاميات، لاهور)

فصل فی أطعمة الأسبوع والأربعين وغيرهما

(میت کے سوئم، چہلم وغیرہ کے کھانوں کا بیان)

سوم، چہلم وغیرہ کا ثبوت ہے یا نہیں؟

سوال[۴۳۶۸]: آج کل کے طریقہ کے مطابق کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، حضرت امام حسن حسین، حضرات تابعین، حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت غوث پاک عبدالقادر جیلانی اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی کسی کا سوم، دسواں، بیسواں، چہلم کیا ہے؟ ان مقدس صاحبان کے چہلم بھی کئے گئے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان اسلافِ کرام واکابرِ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضیھم اللہ تعالیٰ سے یہ بدعاتِ قبیحہ ثابت نہیں، وہ حضرات حد درجہ متبعِ سنت تھے، بدعات کے پاس نہیں جاتے تھے، ان کا بہت قابلِ قدر سرمایۂ حیات ہے، اخلاف کو ان کا اتباع لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

سوم، چہلم وغیرہ

سوال[۴۳۶۹]: میت کے وارث میت کے نام پر چوتھے روز ودسواں وبیسواں وپندرھواں اور مولوی صاحبان وطلبہ کو کھانا کھلانا ان ایامِ مقررہ میں ایصال ثواب کے لئے شرع سے ثابت ہے یا نہیں؟ کیا کوئی دن شریعت کی جانب سے مقرر ہے تا کہ ایصال ثواب کریں؟

---

(۱) راجع، ص: ۲۷۱، رقم الحاشية: ۱، ۲، ۳

الجواب حامداً ومصلياً:

ایصال ثواب بہت اچھی چیز ہے، خواہ نماز، قرآن شریف، تسبیح وغیرہ پڑھ کر ہو یا غرباء کو کھانا کپڑا وغیرہ کچھ دیکر ہو(۱)، لیکن تیجہ دسواں، بیسواں، چالیسواں شرعاً ثابت نہیں، بلکہ ایصال ثواب جس قدر جلد ممکن ہو بہتر اور نافع ہے اور یہ دسواں وغیرہ جو کچھ ہے محض رسم اور بدعت ہے(۲) جو کہ واجب الترک ہے، اگر ورثاء نابالغ ہوں تو میت کے ترکہ میں سے بغیر وصیت بلا تقسیم دینا درست نہیں، تقسیم کے بعد بالغ ورثا اپنے حصہ میں سے دے سکتے ہیں، نابالغ کے حصہ میں سے دینا ناجائز ہے اور اگر میت نے وصیت کی ہو تو ایک تہائی میں وہ نافذ ہوسکتی ہے، زیادہ میں نافذ کرنے کے لئے جمیع ورثہ کی اجازت ضروری ہے اور نابالغ کی اجازت شرعاً معتبر نہیں، لہذا اس کے حصہ میں سے بعد اجازت بھی نافذ کرنا درست نہیں، ایک تہائی میں نافذ کرنے کے لئے بلوغ یا اجازت کی قید نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔

---

(۱) "فللإنسان أن يجعل ثواب عمله لغير عند أهل السنة والجماعة، صلاةً كان أو صوما أو حجاً أو صدقةً أو قراءةً للقرآن أو الأذكار أو غير ذلك من أنواع البر، ويصل ذلك إلى الميت، وينفعه، قال الزيلعي في باب الحج عن الغير". (مراقي الفلاح كتاب الصلوٰة، باب احكام الجنائز، فصل في زيارة القبور، ص: ۶۲۱، ۶۲۲، قديمي)

(والبحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۵، رشيديه)

(والهداية، باب الحج من الغير، ۱/۲۹۶، مكتبه شركت علميه، ملتان)

(۲) "ويكره اتخاذ الضيافة ثلاثة أيام وأكلها؛ لأنها مشروعة للسرور ...... ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع، والأعياد". (البزازية على هامش الهندية، قبيل الفصل السادس والعشرون في حكم المسجد: ۴/۸۱، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، باب صلوة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، سعيد)

(۳) "وتجوز (أي الوصية) بالثلث للأجنبي عند عدم المانع وإن لم يجز الوارث لا الزيادة عليه ...... ولا لوارثه .... إلا باجازة ورثته .... وهم كبار عقلاء فلم تجز إجازة صغير ومجنون". =

ایضاً

سوال[۴۳۷۰]: آج کل کے رائج طریقے سے سوئم، دسواں بیسواں، چہلم کرنا فرض، واجب، سنت، مستحب میں سے کیا ہے؟ ان کو نہ کرنے والے کو کیا کیا شرعی سزائیں اور آخرت کے عذاب کی وعیدیں آئی ہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

یہ چیزیں ادلۂ شرعیہ سے ثابت نہیں، بلکہ فقہاء نے ان کے بدعتِ ممنوعہ ہونے کی تصریح کی ہے جیسا کہ فتاویٰ بزازیہ(۱)، ردالمحتار وغیرہ میں مذکور ہے، اسلئے ان چیزوں کو ترک کیا جائے، فی نفسہ ایصال ثواب ہر نیک کام کا ہر وقت درست اور مفید ہے، اپنی طرف سے تخصیصات وتقییدات نہ کی جائیں:

"ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة. روى الإمام أحمد وابن ماجة بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله قال: كنا نعد الاجتماع إلىٰ أهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة اه وفي البزازية ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع، ونقل الطعام إلى القبر في المواسم، واتخاذ الدعوة لقرأة القرآن، وجمع الصلحاء والقراء للختم، أو لقراءة سورة الأنعام والإخلاص .... هذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لايدون بها وجه الله تعالىٰ، الخ".
شامي: ۱/۶۰۳(۲)۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

گیارہویں وغیرہ

سوال[۴۳۷۱]: زید گیارہویں کرتا ہے اور اس میں امیروں کو یعنی صاحبِ زکوٰۃ کو اور اپنے رشتہ داروں کو بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ اس پر ثواب ملے گا اور اس کا ثواب حضرت پیران پیر عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ

= (الدر المختار مع تنوير الأبصار، كتاب الوصايا: ۶/۶۵۰-۶۵۵، ۶۵۶، سعيد)

(۱) (البزازية على هامش الهندية، كتاب الصلوة، قبيل الفصل السادس والعشرون في حكم المسجد: ۴/۸۱، رشيديه)

(۲)(رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت، ۲/۲۴۰، سعيد)

تعالیٰ کی روح کو پہنچے گا۔عمر کہتا ہے کہ صاحبِ زکوٰۃ کو ایسا مال کھانا جائز نہیں ہے بلکہ حرام اور گناہ ہے، کیونکہ گیارہویں ہی کرنا حرام ہے،قرآن مجید میں صاف ہے کہ وہ چیز جو پکاری جائے غیر کے لئے حرام ہے۔

بکر کہتا ہے کہ گیارہویں کا کھانا صاحب زکوٰۃ کو یعنی امیروں کو بلاکراہت جائز ہے،البتہ امراء کے کھانے سے اہل میت کو اور اس شخص کو جس کو ایصال ثواب کرنا ہے نہ پہونچے گا، باقی گیارہویں یا دیگر خیرات ونیاز امیر غریب سب کھا سکتے ہیں اس میں کوئی گناہ نہیں ،اور دلیل میں پیش کرتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کنواں کھودنے کو فرمایا(۱) تو کنویں میں سب غریب امیر پانی پیتے تھے اور اس کا ثواب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ صاحبہ کو ملتا ہے۔عمر کہتا ہے کہ یہ حدیث اول تو کمزور ہے اس کی اسناد قوی نہیں ہے(۲)۔پھر وہ وقف تھا، وقف اور خیرات میں بڑا فرق ہے،خیرات ونیاز محض غریبوں کا حق ہے۔

پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ گیارہویں کرنا اور اس کے لئے پیسہ جدا نکال کر رکھنا کیسا ہے؟ اور امیروں کو کھانا حرام ہے یا ثواب ہے اور ہر وہ شخص جو غریب ہے اور مزدوری کرتا ہے اسی نذر معین کو کھا سکتا ہے یا نہیں؟ براہِ کرم،بحوالۂ کتب مفصل جواب ارقام فرمائیں۔

بندہ منظور احمد عفی عنہ۔

الجواب حامداًومصلياً:

نفسِ ایصال ثواب بغیر التزامِ تاریخ وہیئتِ غیر ثابتہ کے شرعاً درست اور فائدہ مند ہے(۳)،لیکن گیارہویں مروجہ بدعت اور ناجائز ہے(۴)۔کسی بزرگ کے لئے نذر ماننا حرام اور شرک ہے(۵)،وہ کھانا جائز

---

(۱)"عن سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه قال: يا رسول الله! إن أم سعد ماتت، فأيّ الصدقة أفضل؟ قال: "الماء". فحفر بئراً وقال: هذه لأم سعد". رواه أبو داؤد والنسائي". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الزكوٰة، باب فضل الصدقة، ص: ١٦٩، قديمي)

(۲) أبوداؤد اور نسائی دونوں نے اس کو نقل کیا ہے،لہذا سند اس کی کمزور نہیں، بلکہ صحیح ہے۔

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "سوم چہلم وغیرہ")

(۴) (تقدم تخريجه من الفتاوى البزازية تحت عنوان: "سوئم چہلم وغیرہ")

(۵) (راجع، ص: ٢٧٣، رقم الحاشية : ۴)

نہیں، البتہ خداوند تعالیٰ کے لئے نذر ماننا اور اس کا ثواب کسی بزرگ کو پہنچانا درست ہے(۱)، اور یہ کھانا فقراء اور محتاجوں کا حق ہے، کسی مالدار کو کھانا جائز نہیں (۲)۔صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کنویں سے استدلال صحیح نہیں وہ بطور نذر نہیں تھا بلکہ وہ عام مومنین امیر وغریب سب کے لئے وقف تھا (۳)۔

"أعلم أن النذر الذی یقع للاموات من أکثر العوام وما یؤخذ من الدراهم والشمع والزیت ونحوها إلی ضرائح الأولیاء الکرام تقرباً إلیهم فهو باطل وحرام. قال فی البحر: بوجوه: منها أنه نذر لمخلوق، ولا یجوز؛ لأنه عبادة، والعبادة لاتکون لمخلوق. ومنها أن المنذور له میت، والمیت لا یملك. ومنها أنه إن ظن أن المیت یتصرف فی الأمور دون الله تعالی کفر. أللهم! إلا أن یقول: یا الله! نذرت لك إن شفیت مریضی أورددت غائبتی .... أوزیتاً لوقودها أو دراهم لمن یقوم شعائرها إلی غیر ذلك مما یکون فیه نفع للفقراء، والنذر لله عزوجل۔

وذکر الشیخ: إنما هو بیان لمحل صرف النذر لمستحقیه القاطنین برباطه أو مسجده، فیجوز بهذا الاعتبار، إذ مصرف النذر الفقراء وقد وجد، ولا یجوز أن یصرف ذلك إلی غنی محتاج إلیه ولا لشریف منصب؛ لأنه لا یحل له الأخذ مالم یکن محتاجاً فقیراً، ولا لذی نسب لأجل نسبه مالم یکن فقیراً، ولا لذی علم لأجل علمه مالم یکن فقیراً. ولم یثبت فی الشرع جواز الصرف للأغنیاء للإجماع علی حرمة النذر للمخلوق، ولا ینعقد، ولا تشتغل به الذمة؛ لأنه حرام بل سحت". طحطاوی، ص: ۳۷۸، ۳۷۹(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۶/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۰/ جمادی الثانیہ/۶۴ھ۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''سوم چہلم وغیرہ'')

(۲) "الوصیة المطلقة لا تحل للغنی؛ لأنها صدقة، وهی علی الغنی حرام". (الدرالمختار، کتاب الوصایا، فصل فی وصایا الذمی وغیره: ٦٩٨/٦، سعید)

(۳) "فی النهر عن المحیط: لووقف علی الأغنیاء وَحُدَهم، لم یجز؛ لأنه لیس بقربة، أما لو جعل آخره للفقرآء، فإنه یکون قربة فی الجملة". (رد المحتار، کتاب الوقف: ۳۳۸/۴، سعید)

(۴) (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم ومالا یفسد، قبیل باب=

تیجہ دسواں کا کھانا

سوال[۴۳۷۲] : تیجا، دسواں، بیسواں، چالیسواں کھانا جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداًومصلياً:

ناجائز ہے(۱)، البتہ جوشخص فقیر محتاج ہو اس کو کھانے کو نہ ملتا ہو اس کے لئے جائز ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۶/۵۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۱/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

تیجہ مسجد پر یا مکان پر؟

سوال[۴۳۷۳] : تیجہ جس میں چنے پر کلمہ طیبہ اور قرآن خوانی اور پھولوں کا عرق گلاب میں ڈبونا اندرونِ مسجد، یہ فعل کیسا ہے؟ کیونکہ مولانا عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب آداب الصالحین میں لکھا ہے کہ سیپارۂ قرآن کو مسجد میں پڑھنا اور قرآن خوانی مسجد میں مکروہ ہے۔ یا چنے و پھول ڈبونا اور غم کے واسطے مسجد میں بیٹھنا کیسا ہے؟ اور اگر مکانوں میں صرف قرآن خوانی کرائے، بلا پابندئ رسم ورواج، تو کیسا ہے؟

= الاعتكاف: ۱/ ۴۷۱-۴۷۲، دار المعرفة، بيروت)

(وحاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصوم، باب ما يلزم الوفاء به، ص: ۶۹۳، قديمي)

(۱) "ويكره اتخاذ الضيافة ثلاثة أيام وأكلها؛ لأنها مشروعة للسرور .... ويكره اتخاذ الطعام في اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع والأعياد". (الفتاوى البزازية، كتاب الصلوة، قبيل الفصل السادس والعشرون في حكم المسجد: ۴/ ۸۱، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فمن اضطر في مخمصة غير متجانفٍ لإثم، فإن الله غفور رحيم﴾ (المائدة: ۳)

قال العلامة الآلوسي: "﴿فمن اضطر﴾ .... والاضطرار الوقوع في الضرورة: أي فمن وقع في ضرورة تناول شئ من هذه المحرمات، ﴿في مخمصة﴾: أي مجاعة تخمص لها البطون ...... ﴿فإن الله غفور رحيم﴾ لا يؤاخذه بأكله". (روح المعاني: ۶/ ۶۲، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

الجواب حامداً ومصلياً:

قرآن شریف پڑھنا اور ایصال ثواب کرنا بلاالتزامِ تاریخ وہیئت وغیرہ کے مسجد میں اور مکان میں درست اور ثواب (۱) تیجہ مروجہ وغیرہ بدعت ہے (۲)۔غم کے واسطے مسجد میں بیٹھنا تا کہ لوگ تعزیت کریں،مکروہ ہے،ردالمحتار : ۱/ ۹٤۱ (۳)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ۷/ ۶۱ ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ شعبان/ ۶۱ ھ۔

دفنِ میت سے پہلے کھانا

سوال [۴۳۷۴] : اگر کسی گاؤں میں میت ہوجائے تو جب تک اس کو دفنا نہ دیں تو ان گاؤں والوں پر کھانا پانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جائز ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ۶/ ۵۶ ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ۶/ ۵۶ ھ۔

میت کے گھر کھانا

سوال [۴۳۷۵] : ہمارے علاقہ میں کوئی ضعیف العمر مرد یا عورت مرجائے تو اسی روز یعنی وفات کے دن مرنے والے کے وارث کا کھانا یعنی چاول پکا کر گھی اور شکر کے ساتھ جتنے لوگ بھی نمازِ جنازہ میں امیر

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''سوم چہلم وغیرہ'')

(۲) (المرجع السابق: ''سوم چہلم وغیرہ'')

(۳) "وبالجلوس لها (أي للتعزية) في غير مسجد ثلاثة أيام". (الدر المختار). "أما فيه فيكره ...... قلت: وهل تنتفي الكراهة بالجلوس في المسجد وقراءة القرآن حتى إذا فرغوا، قام وليُّ الميت وعزاة الناس كما يفعل في زماننا؟ الظاهر لا، لكون الجلوس مقصوداً للتعزية لا للقراءة." (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة الجنائز، قبيل مطلب في زيارة القبور: ۲/ ۲۴۱، سعيد)

وغریب شریک ہوں سب کو کھلاتے ہیں، بعض لوگوں کو تو سب کچھ مہیا ہوتا ہے اور بعض کو کافی قرض اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر مرنے والے کے وارث غریب ہوں اور اس رسم کو ادا نہ کریں تو خوب لعن طعن کیا جاتا ہے، اس لئے امیر وغریب کو یہ رسم مجبوراً کرنی پڑتی ہے۔ شریعت کے حکم سے مطلع فرمادیں کہ فقہائے کرام کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کے مکان میں کوئی میت ہو جائے وہ لوگ میت کی تجہیز وتکفین میں مشغول رہتے ہیں، کھانا پکانے کی ان کو مہلت نہیں ملتی، اس لئے ان کے واسطے دوسرے لوگ کھانا پکا کر بھیج دیں، اہل میت میں سے جو شخص نہ کھلائے اس پر لعنت کرنا حرام ہے، ورثہ میں اگر نابالغ ہوں تو ان کا مال کھانا بھی حرام:

"قال فی الفتح: ويستحب لجيران أهل الميت والأقرباء الأباعد تهيئة طعام لهم يشبعهم يومهم وليلتهم لقوله صلى الله عليه وسلم: "اصنعوا لآل جعفر طعاماً، فقد جاء هم ما يشغلهم". حسّنه الترمذی. ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه شرع فی السرور لا فی الشرور، وهی بدعة مستقبحة. وروى الإمام أحمد و ابن ماجة بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله رضی الله تعالىٰ عنه قال: "كنا نعد الاجتماع إلى أهل الميت وصنعهم الطعام من النياحة، اه". وفی البزازية: ويكره اتخاذ الطعام فی اليوم الأول والثالث وبعد الأسبوع، ونقل الطعام إلى القبر فی المواسم .... وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالىٰ .... ولا سيما إذا كان فی الورثة صغار .... وما كان كذلك فلا شك فی حرمته، اه". الدر المختار: ۱/۶۰۳، نعمانيه (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۸۹ھ۔

---

(۱) (رد المحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب فی كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، سعيد)

(وكذا فی البزازية على هامش الهندية، كتاب الصلوة، قبيل الفصل السادس والعشرون فی حكم المسجد: ۴/۸۱، رشيديه)

(وكذا فی فتح القدير، باب صلوٰة الجنازة، قبيل باب الشهيد: ۲/۱۴۲، مصطفى البابی الحلبی مصر)

میت کے گھر کھانا

سوال[۴۳۷۶]: تعزیت کرنے والا اہلِ میت کے یہاں کھانا کھاسکتا ہے یانہیں؟ کیونکہ علماء نے مدلل لکھدیا ہے کہ اہلِ میت کے یہاں کھانا نہ کھائے، تین روزتک کے لئے اہل میت کے یہاں کچھ نہ کھانے کے متعلق اوردسویں چالیسویں کے بارے میں تو تحقیق ہے، مگرعرض یہ ہے کہ بغیرکسی مقررہ ومعینہ وقت کے تعزیت کے لئے اہلِ میت کے یہاں چلے جائیں تو اہلِ میت تعزیت کنندگان کے لئے جوکھانا تیارکریں اس کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

''طعامِ اہلِ میت'' وہ ہیں، جو رواجاً اہلِ میت کے ذمہ تیجہ، دہم، چہلم وغیرہ کے طور پر لازم کردیا جائے (۱)۔ اہل میت کومیت کی تجہیز وتکفین اورغم وحزن کی وجہ سے پکانے کی فراغت نہیں ہوتی، تو ایک دن، دو وقت کا کھانا قرابت دارلوگ ان کے پاس بھیج دیں، اگراہل میت خود پکائیں تب بھی منع نہیں۔ جوشخص بطورمہمان تعزیت کے لئے آیا ہے، اہل میت اس کو اپنے ساتھ کھلائیں گے وہ منع نہیں، یہ خیال کہ تین روزتک اہل میت کے گھر کوئی چیز نہ کھائی جائے اغلاط العوام میں سے ہے۔ فقط واللہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ جمادی الاول/ ۹۰ھ۔

انتقالِ میت پرکھانا دینا

سوال[۴۳۷۷]: اگرکسی کا انتقال ہوجائے تو رسم ہے کہ اس کی خوراک کا کھانا مسجد میں پہونچاتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

مرنے کے بعداس کی خوراک کا سوال ختم ہوگیا، جو کچھ اس نے چھوڑا ہے، ترکہ ہے جوکہ ورثاء کا حق ہے، بالغ ورثاء حسبِ توفیق جوکچھ مشروع طریقہ پرثواب پہونچائیں تو مفیداورنافع ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/ ۹۰ھ۔

---

(۱) (تقدم تخريجه في مواضع عديدة)

(۲) ''الأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صدقةً أو قراءة قرآن أو ذكراً أو =

طعام المیت

سوال[۴۳۷۸]: تعینِ دن یا بلاتعین کے رشتہ داروں وعام لوگوں کا کھانا مردہ کے لئے ثواب کی نیت سے کرتے ہیں، اگر کسی کو کھانا نہ کھلایا جائے تو وہ بُرا مانتا ہے، مگر ایک عالم صاحب کے قول کے مطابق یہ کھانا فقط غرباء کے لئے ہے اگر وسعت ہے، امیر کو کھلانے سے ثواب نہ ہوگا۔ مزید یہ کہ یوں ثواب کی نیت کے بجائے مُردہ پر جو فرائض رہ گئے ہیں ان میں سے حتی الوسع کسی کی نیت کر کے فقط غرباء کو غلہ، یا پکا ہوا کھانا کھلایا جائے، یا پیسے دیئے جائیں، تاکہ مروجہ رخ بدل کر ایک صحیح نیک عمل ہو اور فرض کی ادائیگی ہو سکے، اس میں مردہ کا زیادہ فائدہ ہے۔ کیا دلائلِ اربعہ میں سے اس کا کوئی ثبوت ہے؟ تو براہ کرم پیش فرمایا جائے۔ نیز عام لوگوں کے نام پر نیت کیا ہوا کھانا اپنے لئے ناجائز سمجھتے ہیں۔ کیا کسی درجہ میں کراہت ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایصالِ ثواب کے لئے اگر کچھ صدقہ دیا جائے تو وہ غرباء کو دیا جائے، رشتہ داروں کو تقریب کی صورت میں جمع کرنا اور کھلانا غلط طریقہ ہے، یہ صورت خیر القرون سے ثابت نہیں، عامۃً یہ ناموری اور فخر کے لئے کیا جاتا ہے ایسے کھانے کو حدیث شریف میں منع فرمایا گیا ہے:

"عن عكرمة عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن طعام المتبارئين أن يوكل". رواه أبو داؤد". مشكوٰة شريف، ص: ۲۷۹ (۱)۔ "إنما كره لما فيه من المباهات، اه". مرقاة(۲)۔ "يكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت؛ لأنه

= طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلك عند أصحابنا بالكتاب والسنة". (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه)

"ويصل ذلك إلى الميت وينفعه". (مراقي الفلاح، كتاب الصلوٰة، باب زيارة القبور، ص: ۶۲۲، قديمي)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الثاني، ص: ۲۷۹، قديمي)

(سنن أبي داؤد، كتاب الأطعمة، باب في طعام المتبارين: ۵۲۷/۲، مكتبه دار الحديث ملتان)

(۲)(المرقاة شرح المشكوٰة، كتاب النكاح، باب الوليمة، الفصل الثاني: ۳۷۶/۲، رشيديه)

شرع في السرور لا في الشرور، وهي بدعة مستقبحة. رواه الإمام أحمد وابن ماجة بإسناد صحيح عن جرير بن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه قال: كنا نعد الاجتماع إلىٰ أهل الميت وضنعهم الطعام من النياحة، اهـ"........... وهذه الأفعال كلها السمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالى، اهـ". شامي: ۱/۶۰۳(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

توشۂ میت

سوال[۴۳۷۹]: ہر جمعرات کو فاتحہ خوانی کرنا کہ اس سے روحیں خوش ہوتی ہیں، اسی طرح میت کے ساتھ توشہ یعنی دفن کرنے سے پہلے گندم، نمک، صابن وغیرہ تقسیم کرنا عندالشرع ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نفسِ ایصالِ ثواب بلا کسی غیر ثابت شدہ پابندی کے مفید اور نافع ہے اور کتبِ حدیث وفقہ سے ثابت ہے، کسی دن کی پابندی مثلاً: ''جمعرات کی پابندی ثابت نہیں بلکہ بدعت ہے۔ اسی طرح کسی تاریخ کی پابندی مثلاً: ۱۱/ ربیع الثانی، ۱۵/ شعبان، ۱۰/ محرم وغیرہ کی پابندی ثابت نہیں، یہ بھی بدعت ہے۔ اسی طرح کسی شئی کی پابندی مثلاً: حلوہ، کھچڑا، شربت، پیڑے وغیرہ بھی ثابت نہیں، یہ بھی بدعت ہے۔ اسی طرح کسی جگہ، کسی ہیئت وغیرہ کی پابندی بدعت ہے، میت کے ساتھ توشۂ مسئولہ بھی ثابت نہیں بدعت ہے، طحطاوی شرح مراقی الفلاح میں اس کی تصریح موجود ہے(۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (ردالمحتار، باب صلوٰة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/۲۴۰، سعيد)

(وكذا في البزازية على هامش الهندية، كتاب الصلوٰة، قبيل الباب السادس والعشرين في أحكام المسجد: ۴/۸۱، رشيديه)

(وفتح القدير، باب الجنائز، قبيل باب الشهيد: ۲/۱۸۲، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(۲) "(ويكره الجلوس على باب الدار) قال في شرح السيد: ولا بأس بالجلوس لها إلى ثلاثة أيام من غير ارتكاب محظور من فرش البسط، والأطعمة من أهل الميت، اهـ. فإن حمل قول المصنف: ويكره الجلوس الخ، على ما إذا كان بمحظور، ارتفعت المخالفة .... وكونه على باب الدار مع فرش بسط على قوارع الطريق من أقبح القبائح". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوٰة، قبيل فصل في زيارة القبور، ص: ۶۱۷، قديمي)

باب المتفرقات

ہندوستان سے پاکستان جاکر مرنا

سوال[۴۳۸۰]: ہندوستان سے پاکستان جاکر مرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جانا کس لئے ہے اور کیا مرنا اختیاری فعل ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/ ۶۸ھ۔

میت کے گھر سے سارا پانی گرادینا، نمازِ جنازہ کی اجرت

سوال [۴۳۸۱]: جس گھر میں موت ہوجائے اس گھر کا تمام پانی پھینک دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس پانی میں فرشتے چھری دھوتے ہیں۔ حقیقت کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔ جنازہ کی نماز پڑھانے کی اجرت لینا کیسا ہے؟

---

(۱) موت غیر اختیاری چیز ہے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو یہ علم نہیں کہ میں کب مرونگا اور کدھر مروں گا: قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن الله عنده علم الساعة، و ينزّل الغيث، و يعلم ما فى الأرحام، و ما تدرى نفس ما ذا تكسب غداً، و ما تدرى نفس بأىّ أرض تموت﴾ الاية (سورة لقمان، پ: ۲۱، آية: ۳۴)

قال ابن كثير تحت هذه الآية: "أى ليس أحد من الناس يدرى أين مضجعه من الأرض أفى بحر أم برّ، أوسهل أو جبل". (تفسير ابن كثير: ۴۵۵/۳، سهيل اكيڈمى لاهور)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (روح المعانى: ۱۱۱/۲۱، ۱۱۲، دار احياء التراث العربى بيروت)

"لأن أحداً من الناس لا يدرى بأى أرض يموت". (التاتارخانيه، كتاب الصلاة، الفصل الثانى والثلاثون فى الجنائز، نوع آخر من هذا الفصل فى القبر والدفن: ۱۷۲/۲، إدارة القرآن كراچى)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بے بنیاد اور افواہ ہے، ملائکہ کو چھری سے کوئی واسطہ نہیں (۱)۔ نماز جنازہ کی اجرت جائز نہیں: "ان المفتی به هولیس جواز الاستیجار علی کل طاعة" (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۹/۸۷ھ۔

حاملہ مرجائے تو وضعِ حمل کی کیا صورت ہے؟

سوال [۴۳۸۲]: اگر حاملہ عورت اپنے حمل کے وضع ہونے سے قبل مرگئی تو اس کا حمل اس کے پیٹ میں اسی طرح موجود ہے، اس عورت کا وضع حمل کس طرح سے ہوگا؟ قبر کے اندر وضع حمل ناممکن ہے تو جب قیامت کے دن مردے قبروں سے نکلیں گے تو وہ حمل پیٹ میں رہے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی تحقیق نہیں، حدیث میں صاف صاف دیکھنا یاد نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو ردٌ". (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود: ۱/۳۷۰، قدیمی)

"أنها (أی البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق الملتقی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من علم أو عمل أو حال، بنوع شبهة واستحسان، وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعید)

(۲) (رد المحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۵۶، سعید)

"والأصل أن کل طاعة یختص بها المسلم، لایجوز الاستیجار علیه عندنا". (الهدایة، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۳/۳۰۱، مکتبه شرکة علمیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ۶/۱۱۷، سعید)

(۳) حدیث سے صرف اتنی بات ثابت ہے کہ حاملہ عورت اگر مرجائے تو شہید ہے: "قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: =

جنازہ کی چادر، چٹائی، چارپائی صدقہ کرنا

سوال[۴۳۸۳] : مُردہ کےاوپر جو کپڑا بطورِ پردہ یا حفاظت کے دیا جاتا ہے وہ اور جو چٹائی اور چارپائی کےاوپر اور مُردہ کے نیچے دی جاتی ہے وہ دونوں چیزیں مسجد میں دینا اولیٰ ہے یا فقراء کو؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ دونوں چیزیں وارثوں کی ملک ہیں، جہاں ان کا دل چاہے صرف کریں، اپنے مکان میں بھی اپنی ضرورت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں، خاص کر جب کہ تنگ دستی ہوتو اپنے ہی استعمال میں لانا بہتر ہے، ان کا صدقہ کرنا لازم نہیں، غریبوں کو بھی دے سکتے ہیں، مسجد میں بھی دے سکتے ہیں (۱)، لیکن اس کا خیال رہے کہ وارثوں میں کوئی نابالغ نہ ہو، نابالغ کا حصہ صدقہ کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۷/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۷/ ۸۹ھ۔

= "الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد .... والمرأة تموت بجمع شهيد". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في فضل من مات بالطاعون: ۲/ ۸۷، إمداديه ملتان)

قال الملاعلي القاري رحمه الله تعالىٰ تحته: "في النهاية: أي تموت وفي بطنهاولدٌ ......وقال بعض الشراح .... أي تموت وولدهافي بطنها". (مرقاة المفاتيح، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض وثواب المرض، الفصل الثاني (رقم الحديث: ۱۵۶۱): ۴/ ۳۹، رشيديه)

(وكذافي بذل المجهود، كتاب الجنائز، باب في فضل من مات بالطاعون: ۵/ ۱۸۲، إمداديه ملتان)

(۱) "وصرح علماء نافي باب الحج عن الغير بأن للإنسان أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو غير ذلك، الخ". (ردالمحتار، باب صلاة الجنازة، مطلب في القراءة للميت وإهداء ثوابها له : ۲/ ۲۴۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۳/ ۱۰۵، رشيديه)

(۲) "ويكره اتخاذ الضيافة من الطعام من أهل الميت .... ولا سيماً إذا كان في الورثة صغارأو غائب، الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلاة الجنازة، مطلب في كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/ ۲۴۰، ۲۴۱، سعيد)

ماں کا بیٹے سے ناراض ہوکر جنازہ کو ہاتھ لگانے سے منع کرنا

سوال[۴۳۸۴] : میری والدہ ماجدہ کچھ عرصہ پہلے مجھ سے ناراض ہوگئی تھیں اس وقت میری والدہ نے یہ کہا کہ تو میرے جنازہ کو ہاتھ بھی نہ لگانا، اب کچھ دنوں سے ان کا غصہ ٹھنڈا ہے مگر میرے یہاں کھانا وغیرہ نہیں کھاتیں ہیں اور کہتی ہیں کہ کھانا جب کھاؤنگی جب دارالعلوم دیوبند سے فتویٰ آجائے گا کہ میرے یہ کہنے کا کہ میرے جنازہ کو ہاتھ نہ لگانا کیا کفارہ ہے، وہ ادا کردوں تب کھانا وغیرہ کھاؤنگی، لہذا اس بارے میں فتویٰ صادر فرمادیں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر والدہ نے غصہ میں یہ کہدیا تھا کہ میرے جنازہ کو ہاتھ نہ لگانا، پھر وہ غصہ ختم ہوگیا اور آپ کے مکان پر کھانا کھانے سے ان کو اپنے اس قول کی وجہ سے عذاب کا خطرہ ہے تو شرعاً یہ عذر معتبر نہیں ان کو آپ کے یہاں کھانا بلا شبہ درست اور جائز ہے، کوئی کفارہ ان پر یا آپ پر لازم نہیں .... جنازہ کو ہاتھ لگانا بھی منع نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۵/ ۸۹ھ۔

حیلۂ اسقاط

سوال[۴۳۸۵] : میت کو جنازہ گاہ میں لوگ لیجاتے ہیں تو قبل از جنازہ ایک قرآن شریف لے کر ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑا کر طواف کراتے ہیں، بعدہ کچھ رقم ملا صاحب کو دیجاتی ہے، یہ افعال بنیتِ اسقاط معاصی کے لئے کئے جاتے ہیں اور یہ ایک حیلہ سمجھا جاتا ہے۔ کیا یہ مسئلۂ اسقاط کسی حدیث نبویہ یا کسی صحابہ یا کسی ائمۂ مجتہدین میں سے ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا بالبرہان وتوجروا۔

بندہ خان محمد عفی عنہ، ۵/ ذی قعدہ/ ۵۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقۂ اسقاط معاصی کا بے اصل ہے، بدعت اور ناجائز ہے(۱)۔ اگر ملا صاحب غریب اور مستحق ہیں

---

(۱) "عن عائشة –رضي الله تعالىٰ عنها– قالت: قال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أحدث في =

تو ان کو خیرات کرنا اور میت کو ثواب پہونچانا درست ہے، اسی طرح دوسرے غرباء کو کھانا دینا، یا رقم نقد دینا، یا کپڑا، یا اَور کوئی چیز ایصالِ ثواب کی نیت سے دینا مستحسن ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ایضاً

سوال [۴۳۸۶]: اس علاقہ میں رواج ہے کہ جب میت ہوجاتی ہے تو نماز جنازہ کے بعد میت کے پاس بیٹھ کر چند لوگ قرآن شریف لے لیتے ہیں اور اس کے ساتھ کچھ حیلہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن میت کے گناہ کا ضامن ہوجاتا ہے، اس کو یہ لوگ حیلۂ اسقاط کہتے ہیں۔ نیز یہ کہتے ہیں کہ جب مقدمہ چل جاتا ہے تو عدالت میں کوئی سفارشی چاہئے جو سفارش کرے، لہٰذا قرآن ہمارا سفارشی ہے اس لئے حیلہ کرتے ہیں۔ بندہ ان چیزوں کا مخالف ہے کہ یہ قرآن کی توہین ہے، جب زندگی میں عمل نہ کیا تو اب کیا سفارش ہے؟

= أمرناهذامالیس منه فهورد". (صحیح البخاری، کتاب الصلح، بابٌ: إذا اصطلحوا علی صلح جور فهومردود: ۱/۳۷۰، قدیمی)

"وعرّفها (أی البدعة) الشمنیّ بأنها ماأحدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من علم أوعمل أوحال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دیناً قویماً وصراطاً مستقیماً". (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۱/۵۶۰، سعید)

(۱) "والأصل فیه أن الإنسان له أن یجعل ثواب عمله لغیره صلوةً أوصوماً أوصدقةً أو قراءة قرآن أوذکراً، أوطوافاً، أوحجاً، أوعمرةً، أوغیر ذلک عند أصحابنابالکتاب والسنة". (البحر الرائق، کتاب الحج، باب الحج عن الغیر: ۳/۱۰۵، رشیدیه)

"أن الإنسان له أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاةً أوصوماً أوصدقةً أوغیرهاعند أهل السنة والجماعة". (الهدایة، کتاب الحج، باب الحج عن الغ[illegible]: ۱/۲۹۶، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذافی التاتارخانیة، کتاب المناسک، الفصل الخامس عشر فی الرجل یحج عن الغیر: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صورت کہ میت کے گناہ بخشوانے کے لئے اس کی نماز جنازہ کے بعد قرآن کریم لیکر بیٹھ جائیں اور کوئی حیلہ کریں کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں، نہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ایسا منقول ہے، نہ ان کے کسی تلمیذ مجتہد سے، اس کو شرعی چیز سمجھنا غلط ہے اس کو ترک کیا جائے (۱)۔ البتہ میت کے لئے ایصال ثواب خوب کیا جائے خواہ قرآن شریف پڑھ کر ہو یا نفل نماز پڑھ کر ہو یا صدقہ غریبوں کو دیکر ہو یا نفل روزے رکھ کر ہو، غرض کوئی بھی نیک کام کر کے ہو۔ ایصال ثواب میں بھی اپنی طرف سے کوئی غیر ثابت چیز نہ کیا جائے، مثلاً کسی تاریخ یا دن کی پابندی، یا کسی ہیئت کا التزام وغیرہ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۲/۹۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

جنازہ کے بعد فدیۂ نماز کا حیلہ

سوال [۴۳۸۷]: ۱...... ایک شخص نے وصیت کی کہ میری کچھ نمازیں رہ گئیں تھیں جن کو میں قضا نہ کر سکا، اس لئے میری نمازوں کا فدیہ ادا کرنا۔ اب اگر اس کا صحیح فدیہ ادا کیا جائے تو اس کے گھر میں اتنا مال نہیں اور ورثاء میں بھی مقدور نہیں کہ اپنی طرف سے ادا کر دیں تو کیا اگر فدیہ حیلہ کے ساتھ ادا کیا جائے یعنی جتنا فدیہ پورا بنتا تھا اس قیمت کے عوض ایک قرآن شریف ایک مسکین پر فروخت کیا جائے، بعدہ اس سے کہا جائے کہ جو تم پر قرضہ ہو گیا تھا تم کو اس میت کے فدیہ میں بخشد یا ہے شاید کہ اللہ جل شانہ اس کی خلاصی فرمادیں۔ تو کیا خلاصی کی امید پر اس طرح کا حیلہ کرنا جائز ہے جس طرح طلاق اضافی کے متعلق فقہاء یہ لکھتے ہیں یا کہ نہیں؟

۲...... اگر ورثاء شرعاً کرنا چاہیں یعنی اس نے وصیت نہیں کی بلکہ ورثاء اپنی طرف سے کریں تو کیا ان کے لئے کوئی جواز کی صورت ہے یا کہ نہیں؟ مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بحالتِ افلاس اس نوع کے حیلہ کی اجازت ہے، مگر یہ قرآن شریف فروخت کرنے کی ضرورت نہیں

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسئلة السابقة)

(۲) (تقدم تخريجه تحت المسئلة السابقة)

بلکہ ایک ثلثِ ترکۂ میت مصرفِ زکوۃ کو دیا جائے اور حساب کر کے دیکھ لیا جائے کہ کس قدر نمازوں کا فدیہ اس کے ذریعہ سے ادا ہو گیا، پھر وہ فقیر اس ثلث ترکہ کو میت کے وصی کو ہبہ کر دے، اس کے بعد پھر وصی فقیر کو دیدے ثم وثم، یہاں تک کہ کل نمازوں کا فدیہ ادا ہو جائے، یہ اس وقت ہے جب کہ کل فدیہ ایک ثلث ترکہ سے ادا نہ ہوسکتا ہو، نیز یہ حیلہ لازم وواجب نہیں۔ بعض اطراف وبلاد میں اس حیلہ کا التزام ہے خواہ میت کے ترکہ میں وسعت ہو یا نہ ہو یہ ناجائز ہے، اس لئے ایسے واقعے پر احتراز لازم ہے بلکہ جس قدر ثلث ترکہ سے ادا ہوسکتا ہو، ادا کر دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مصنوعی دانتوں کا قبر میں جانا

سوال[۴۳۸۸]: میرے دانت مصنوعی ہیں اس میں چند اصلی ہیں، اگر میں مرگیا اور وہ دانت میرے منہ میں رہ گئے تو اس کے بارے میں قرآن وحدیث وفقہ کی روشنی میں مستند حوالات کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ کے مصنوعی دانت آپ کے منہ میں بعد الموت آپ کے ساتھ قبر میں چلے گئے تو آپ سے

---

(۱) "ولولم يترك مالاً، يستقرض وارثه نصف صاع مثلاً، ويدفعه لفقير، ثم يدفعه الفقير للوارث، ثم وثم حتى يتم". (الدرالمختار). "(قوله: ولولم يترك مالاً الخ): أى أصلاً أوكان ماأوصى به لايفى، زاد فى الامداد: أولم يوص بشيء، وأراد الولى التبرع الخ، وأشار بالتبرع إلى أن ذلك ليس بواجب على الولى. ونص فى تبيين المحارم فقال: لايجب على الولى فعل الدور وإن أوصى بهاالميت؛ لأنها وصية بالتبرع". (ردالمحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب فى إسقاط الصلاة عن الميت: ۲/ ۸۲، سعيد)

"ولولم يترك مالاً يستقرض ورثته نصف صاع يدفعه إلى مسكين، ثم يتصدق المسكين على بعض ورثته، ثم يتصدق، ثم وثم، حتى يتم لكل صلاة ماذكرنا". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلوة، الباب الحادى عشر فى قضاء الفوائت: ۱/ ۱۲۵، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب قضاء الفوائت: ۲/ ۱۶۰، رشيديه)

اس کی باز پرس نہیں ہوگی۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۲ھ۔

انتقالِ شوہر پر چوڑیاں توڑنا

سوال[۴۳۸۹]: عورتیں اپنے خاوند کے جنازہ پر چوڑیاں توڑتی ہیں کیا حکم ہے؟

قدیر اللہ، ہیڈ کانسٹیبل۔

الجواب حامداً ومصلياً:

چوڑیاں توڑ کر ضائع کرنا غلطی ہے، اتار کر رکھ لیں جب عدت ختم ہوجائے پھر پہن لیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

انتقال پر دودھ بخشنا

سوال[۴۳۹۰]: ادہر کہیں کہیں یہ رواج ہے کہ کمسن دودھ پیتے بچے کی وفات پر ماں مرحوم بچے کو دودھ بخشتی ہے، اس کے اصل کیا ہے اور شرعی حقیقت کس قدر ہے؟

---

(۱) "عن زينب بنت أبي سلمة رضى الله تعالىٰ عنها أنها أخبرته قالت: "دخلت على أم حبيبة رضى الله تعالىٰ عنها زوج النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقالت: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يقول: " لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تُحدّ على ميت فوق ثلاث، إلا على زوج أربعة أشهر و عشراً". الحديث. (صحيح البخارى، كتاب الجنائز، باب إحداد المرأة على غير زوجها: ۱/ ۱۷۱، قديمى)

"(تحد) .... (مكلفة مسلمة و لو أمة منكوحة) ...... إذا كانت معتدة بتٍ أوموت) وإن أمرها المطلق أو الميت بتركه؛ لأنه حق الشرع، إظهاراً للتأسف على فوات النكاح (بترك الزينة) بحلى أو حرير أو امتشاط بضيق الأسنان، الخ". (الدرالمختار). "(قوله: بحلى) .... المعتدة تجتنب عن كل زينة، الخ". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، فصل: فى الحداد: ۳/ ۵۳۰، ۵۳۱، سعيد)

"على المبتوتة والمتوفى عنها زوجها إذا كانت بالغة مسلمة الحداد فى عدتها، والحداد: الاجتناب عن الطيب والدهن والكحل .... و لبس الحلى والتزين والامتشاط". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فى الحداد: ۱/ ۵۳۳، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ دودھ بخشا شرعاً بے اصل ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) "عن عائشة رضی الله تعالىٰ عنها قالت : قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد". (صحیح البخاری ، کتاب الصلح، بابٌ: إذا اصطلحوا علی صلح جور فهو مردود : ۱/۳۷۰، قدیمی)

"بأنها (أی البدعة) ما أحدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان، وجعل دیناً قویماً و صراطاً مستقیماً".

(ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب : البدعة خمسة اقسام : ۱/۵۶۰ ،سعید)

باب أحكام الشهيد

(شہید کے احکام کا بیان)

شہداء سے حقوق العباد ساقط ہوجاتے ہیں یا نہیں؟

سوال[۴۳۹۱]: شہداء سے حقوق العباد ساقط ہوجاتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قانون تو یہ ہے کہ حقوق العباد بغیر ادا کئے یا بغیر صاحبِ حق کے معاف کئے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتے (۱)، البتہ یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ خوش ہوکر اپنے خزانہ سے عطا فرما کر صاحبِ حق کو خوش کردیں (۲) اور وہ

---

(۱) "يغفر للشهيد كل ذنب إلا الدين" ففيه تنبيه على جميع حقوق الآدميين وأن الجهاد والشهادة وغيرهما من أعمال البر لا تكفر حقوق الآدميين، و إنما تكفر حقوق الله تعالىٰ". (الكامل شرح النووى للمسلم، كتاب الأمارة، باب من قتل في سبيل الله كفرت خطاياه إلا الدين: ۲/۱۳۵، قديمى)

(وتكملة فتح الملهم، كتاب الأمارة، باب من قتل في سبيل الله كفرت خطاياه إلا الدين: ۳/۴۱۱، دار العلوم، كراچى)

"(يغفر للشهيد كل ذنب إلا الدين) أراد حقوق الآدميين من الأموال والدماء والأعراض، فإنها لا تعفى بالشهادة، كذا ذكره بعض الشراح". (مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار: ۶/۱۲۴، رشيديه)

(۲) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الدواوين ثلاثة: ديوانٌ لا يغفره الله: الإشراك بالله، يقول الله عزوجل ﴿إن الله لا يغفر أن يشرك به﴾ وديوان لا يتركه الله: ظلم العباد فيما بينهم حتى يقتص بعضهم من بعض. وديوان لا يعبأ الله به ظلم العباد فيما بينهم و بين الله، فذاك إلى الله إن شاء عذبه، وإن شاء تجاوز عنه".

قال الملاعلى القارى: "وفى الثانية لا يترك، فيؤذن بأن حق الغير لا يهمل قطعاً، إما بأن =

شخص جس کے ذمہ حق ہے عذاب سے بچ جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/محرم الحرام/ ۵۹ھ۔

شہداء کی انواع

سوال [۴۳۹۲]: پلیگ، چیچک یا اچانک حادثہ، آتش زدگی، غرق آبی، دیوار وغیرہ سے دب کر مرجانے والوں کو بھی حدیث شریف میں شہید کہا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ مجاہد فی سبیل اللہ جو میدان کارزار میں کافروں، مشرکوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے جن کے متعلق ﴿أحیاء عند ربهم یرزقون﴾ قرآن میں فرمایا گیا، جن کے گناہوں کو ان کے خون گرنے سے محو کر دیا، جن کی ارواح سبز پرندوں کے خول میں جنت میں سیر کرتی ہیں، جن کی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی آؤ بھگت ہے .... کیا یہی سلوک، اعزاز و اکرام ان وبائی امراض میں مرنے والے شہداء کے ساتھ کیا جاتا ہے یا فرق ہے؟ آخرت کے درجہ و مقام و حکم میں دونوں شہداء میں جو فرق ہے پوری وضاحت کریں کہ دونوں میں امتیاز بے غبار ہو کر سامنے آجائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص جہاد میں قتل ہوا وہ حقیقی شہید ہے، اس کے شرائط اور تفصیلات کتب فقہ میں مشہور ہیں (۱) اور ان

= يقتص من خصمه أو يرضيه الله تعالىٰ". (مرقاة المفاتيح: ۸/۸۵۸، كتاب الأدب، باب الظلم الفصل الثالث، رشيديه)

"لا عفو و لا شفاعة في حقوق العباد، إن شاء الله يرضى خصمه بما أراد". (مرقاة المفاتيح: ۸/۸۵۰، كتاب الأدب، باب الظلم، الفصل الأول، رشيديه)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: " الشهداء خمسة: المطعون والمبطون والغريق وصاحب الهدم والشهيد في سبيل الله". (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، بابٌ: الشهادة سبع سوى القتل: ۱/۳۹۷، قديمي)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، وصحب الحريق شهيد والذي يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجمع شهيد". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في فضل =

کے انعامات حدیث شریف میں ہیں(۱)۔اور جو شخص غرق ہوکر، ہیضہ، یا طاعون میں مرے، یا دیگر ایسے اسباب سے اس کی موت ہو کہ اس پر شہید ہونے کا حکم لگایا جائے وہ حکمِ دنیا کے اعتبار سے شہید نہیں، لہٰذا اس کو غسل وکفن عام مومنین کی طرح دیا جائے گا، البتہ آخرت کے اعتبار سے اس کو شہید جیسا اجر ملے گا(۲) لیکن وہاں بھی فرقِ مراتب ظاہر ہے(۳)۔

= من مات بالطاعون: ۲/۸۷، سعيد)

"(وكل مكلف مسلم طاهر) .... (قتل ظلماً) .... (ولم يجب بنفس القتل مال) .... بغير آلة جارحة، ويصلى عليه بلاغسل، ويدفن بدمه وثيابه .... فالمرتث شهيد الآخرة، وكذا الغريق والحريق والغريب والمهدوم عليه والمبطون والمطعون والنفساء الخ". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۲/۲۴۷-۲۵۲، سعيد)

(وكذافي البحر الرائق، كتاب الجنائز: ۲/۳۴۳، رشيديه)

(وكذافي الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السابع فى الشهيد: ۱/۱۶۷، ۱۶۸، رشيديه)

(۱) "حسناء بنت معاوية الصريمية قالت: حدّثنا عمي قال: قلت للنبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: مَن فى الجنة قال: "النبى فى الجنة، والشهيد فى الجنة، والمولود فى الجنة، الوئيد فى الجنة". (سنن أبى داؤد، كتاب الجهاد، باب فى فضل الشهادة: ۱/۳۴۸، إمداديه)

"قال الذماريّ: قال: حدثنى عمّى نمران بن عتبة الذماريّ، قال: دخلت على أمّ الدرداء ونحن أيتامٌ، فقالت: أبشروا، فإنى سمعت أبا الدرداء يقول: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يُشفّع الشهيد فى سبعين من أهل بيته". (أبوداؤد، كتاب الجهاد، باب فى الشهيد يُشفع: ۱/۳۴۹، إمداديه)

(۲) (راجع، ص: ۲۹۱، رقم الحاشية: ۱)

(۳) "هذه كلها ميتات فيها شدة تفضل الله عليه أمة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بأن جعلها تمحيصاً لذنوبهم وزيادة فى أجورهم، يبلغهم بها مراتب الشهداء .... (أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سئل: أىّ الجهاد افضل؟ قال: "من عقر جواده وأهريق دمه)" .... كل موتة يموت بها المسلم فهو شهيد غير أن الشهادة تتفاضل .... ويتحصل ممّا ذكر فى هذه الأحاديث أن الشهداء قسمان: شهيد الدنيا، وشهيد الآخرة. وهو من يقتل فى حرب الكفار مقبلاً غير مدبر مخلصاً. وشهيد الآخرة: وهو من =

اس کوایک مثال سے سمجھئے: ایک شخص وہ ہے جس نے عمرہ وحج کیا، ایک وہ ہے جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی پھراسی جگہ بیٹھا ذکر میں مشغول رہا یہاں تک کہ اشراق کی نماز پڑھی تو اس کوبھی حاجی کی طرح حج اورعمرہ کا ثواب ملا، مگر دونوں بالکل ایک درجہ میں نہیں ہونگے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۲/۸۷ھ۔

احادیث میں جن باتوں پرشہادت کا وعدہ ہے، وہ اگر فاسق میں ہوں تو؟

سوال[۴۳۹۳]: بہت سی احادیث میں ہے کہ اس (مندرجہ ذیل) بیماری سے یا فعل کا کرنے والا شہید کا اجر پاتا ہے۔

۱- پانی میں ڈوب کرمرنے والا، یا حادثہ میں ہلاک ہونے والا، یا جل کرمرنے والا۔

۲- وضو کی حالت میں مرنے والا۔

ان گروہوں میں مرنے والا اگر فاسق ہے یعنی کہ نماز، روزہ اور گناہِ کبیرہ کوکرنے والا تو وہ قبر کے عذاب سے رہا پائے گا، اور جنت کے شہیدوں کی جگہ پائے گا۔ آیا اگر وہ گروہوں میں مرنے والا صالح اور نیک ہے تو محض اسی کو یہ تین سعادتیں ملیں گی؟ یا فاسق کوبھی تین سعادتیں نصیب ہوں گی؟ اول گروہ میں مرنے والا یہ سعادتیں پائے گا، دوسرے گروہی والا اس سے محروم رہے گا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اللہ تعالیٰ جس بندہ پراپنی رحمت نازل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے وہ کسی قانون کا پابند نہیں (۱)، وہ چاہے تو بڑے سے بڑے فاسق کے سارے گناہ معاف کردے، بے تردّد جنت میں بھیج دے اور چاہے تو بہت چھوٹے سے عمل پر بہت بڑا اجر دے دے اور چاہے تو چھوٹی سی بات پربھی گرفت کرے، اس کے یہاں دوقسم کی

= ذكر، بمعنى أنهم يعطون من جنس آخر الشهداء ولاتجرى عليهم أحكامهم في الدنيا". (فتح الباري، كتاب الجهاد، باب الشهادة سبع سوى التقتل: ۶/۵۵، قديمى)

(۱) "أمره وحكمه من العفو والعقاب مفوّض إليه، فلا تجب عليه سبحانه عقاب عاص كما لايجب عليه ثواب مطيع على المذهب الحق". (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، الفصل الأول، (رقم الحديث: ۱۸): ۱/۱۷۵، رشيديه)

کچہری ہے ایک عدل کی، ایک فضل کی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

شہید کے درجے

سوال [۴۳۹۴]: شہید کے کتنے درجے ہیں؟ عالم ربانی فقیہ لاثانی حضرت مولانا الحاج سید اصغر حسین صاحب محدث دارالعلوم دیوبند نوراللہ مرقدہ نے چہل حدیث، ص: ۳۵ میں ۱۷/قسم کی شہادتیں صغریٰ لکھی ہیں۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ زید ٹرک حادثہ میں شہید ہوگیا اس کو غسل دیا گیا ہے تو وہ جائز ہے یا نہیں، غسل دینے والے گناہگار ہوئے یا نہیں؟ اس کے حق میں شہادت ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کس شہید کو کیا درجہ ملے گا، اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ زید کو غسل دینے والے گناہگار نہیں، اس کو غسل دینے ہی کا حکم ہے کیونکہ وہ احکامِ آخرت (ثواب) کے اعتبار سے شہید ہے، احکامِ دنیا (غسل وکفن) کے اعتبار سے شہید نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۹۵ھ۔

---

(۱) " قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:"الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد ، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد، والذى يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجمع شهيد". (سنن أبى داؤد، كتاب الجنائز ، باب فى فضل من مات بالطاعون: ۲/۸۷، سعيد)

"هو من قتله أهل الحرب والبغي .... قيد بكونه مقتولاً؛ لأنه لومات حتف أنفه، أوتردى من موضع، أواحترق بالنار، أومات تحت هدم، أوغرق، لايكون شهيداً: أى فى حكم الدنيا، وإلافقد شهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للغريق والحريق والمبطون والغريب بأنهم شهداء، فينالون ثواب الشهداء". (البحر الرائق: ۲/۳۴۳، باب الشهيد ، رشيديه)

(وكذافى رد المحتار: ۲/۲۵۲، باب الشهيد ، سعيد)

جوظلماً قتل ہووہ شہید ہے

سوال [۴۳۹۵]: ہندومسلم بلوہ میں جومسلمان مرتے ہیں، کسی حالت پر ایک صورت تو دونوں پارٹی کے مقابلہ میں لڑکر مارا جانا کسی مسلمان کا۔ دوسری صورت یہ کہ کوئی مسلمان آتا ہے اور کسی ہندو نے دھوکہ سے حملہ کر کے اسی مسلمان کو ماردیا تو دونوں صورتوں میں کس طرح کی موت مسلمان کی واقع ہوگی، کیا یہ شہید کی قسموں سے مرتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بلوہ کس بناء پر ہوا، کوئی شرعی وجہ تھی یا غیر شرعی اور اقوام مسلم نے کیا، یا ہندو نے۔ جس بے قصور مسلم کو ہندو نے ظلماً قتل کردیا ہے وہ شہید ہے(۱)۔

کافر کی لڑائی کی وجہ سے جومسلمان قتل ہوں ان کا حکم

سوال [۴۳۹۶]: دونوں جانب سے کافر لڑرہے ہیں، درمیان میں مسلمانوں کی آبادی ہے، دونوں جانب کی گولی سے وہاں کے لوگ مرجاتے ہیں، یا شبہ کی بنا پر قتل کردیتے ہیں، ان لوگوں کو شہید کہیں گے یا نہیں؟ فقط۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قتل دون مظلمة فهو شهيد" (مسند الإمام أحمد، مسند ابن عباس، (رقم الحديث: ۲۷۷۵): ۱/۱ ۰ ۵، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

"هو (أى الشهيد) كل مكلف مسلم طاهر .... (قتل ظلماً) بغير حق (بجارحة) الخ ".
(الدرالمختار، كتاب الصلاة ، باب الشهيد: ۲/۲۴۷، ۲۴۸، سعيد)

"هو من قتله أهل الحرب أو البغى أوقطاع الطريق، أووُجد فى المعركة وبه أثر، أوقتله مسلم ظلماً ولم يجب بقتله دية". (البحر الرائق، كتاب الجنائز، باب صلوة الشهيد: ۲/۳۴۳، رشيديه)

(وكذافى الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز ، الفصل السابع فى الشهيد: ۱/۱۶۷، ۱۶۸، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جولوگ بلاقصور ایسی حالت میں مرے ہیں وہ بھی حکماً شہید ہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۴/۳/۶۴ھ۔

دو مسلم ممالک کی باہمی جنگ میں مارے جانے والے کیا شہید ہیں؟

سوال[۴۳۹۷]: کیا دو مسلم ممالک کی باہمی جنگ میں مارے جانے والے مسلمان کو شہید کہا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان دونوں مسلم ممالک میں اہلِ علم حضرات ہونگے جو دونوں جگہ کے حالات سے واقف ہونگے کہ ان میں کون ظالم ہے کون مظلوم؟ ان سے ہی اس مسئلہ کی تحقیق کی جائے، امید ہے کہ وہ مظلوم کو شہید بتلائیں گے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۹۹ھ۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما عن النبی صلی الله تعالی علیه وسلم: "من قتل دون مظلمة فهو شهید".
(مسند الإمام أحمد، مسند ابن عباس، رقم الحدیث: ۲۷۷۵، ۱/۵۰۱، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت)

"هو کل مکلف مسلم طاهر .... (قتل ظلماً) بغیر حق (بجارحة)، الخ". (کتاب الصلاة، باب الشهید: ۲/۲۴۷، ۲۴۸، سعید)

"هو من قتله أهل الحرب أو البغی أو قطاع الطریق، أو وُجد فی المعرکة وبه أثر، أو قتله مسلم ظلماً ولم یجب بقتله دیة". (البحر الرائق، کتاب الجنائز، باب صلوة الشهید: ۲/۲۴۲، رشیدیه)

(وکذافی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السابع فی الشهید: ۱/۱۶۷، ۱۶۸، رشیدیه)

(۲) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من قتل دون مظلمة فهو شهید". (مسند الإمام أحمد، مسند ابن عباس، رقم الحدیث: ۲۷۷۵، ۱/۵۰۱، دار إحیاء التراث العربی، بیروت) .... =

فسادات میں قتل ہونے والے کیا شہید ہیں؟

سوال [۴۳۹۸]: فرقہ وارانہ فساد میں جو مسلمان قتل ہوئے، آیا وہ شہید ہوئے یا نہیں، یا ان کی نیت پردارومدار ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کوکس نے قتل کیا، وہ ابتداءً حملہ کرتے ہوئے قتل ہوئے یا مدافعت کرتے ہوئے، اگر وہ مظلوم ہوکر قتل ہوئے تو وہ شہید ہوئے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/ ۶۸ھ۔

= "هو (أی الشهید) كل مكلف مسلم طاهر .... (قتل ظلماً) بغیر حق (بجارحة) الخ". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الشهید: ۲/ ۲۴۷، ۲۴۸، سعید)

"هو من قتله أهل الحرب أوالبغی أوقطاع الطریق، أووُجد فی المعركة وبه أثر، أوقتله مسلم ظلماً ولم یجب بقتله دیة". (البحر الرائق، کتاب الجنائز، باب صلوة الشهید: ۲/ ۳۴۳، رشیدیه)

(وکذافی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السابع فی الشهید: ۱/ ۱۶۷، ۱۶۸، رشیدیه)

(۱) "عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من قتل دون مظلمة فهوشهید". (مسند الإمام أحمد، مسند ابن عباس، (رقم الحدیث: ۲۷۷۵): ۱/ ۵۰۱، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

"هو من قتله أهل الحرب أوالبغی أوقطاع الطریق، أووُجد فی المعركة وبه أثر، أوقتله مسلم ظلماً ولم یجب بقتله دیة". (البحر الرائق، کتاب الجنائز، باب صلوة الشهید: ۲/ ۳۴۳، رشیدیه)

(وکذافی الفتاوی العالمکیریة، کتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السابع فی الشهید: ۱/ ۱۶۷، ۱۶۸، رشیدیه)

"وكذالوقتله باغ أوحربی أوقاطع طریق ولوبغیر آلة جارحة". (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الشهید: ۲/ ۲۴۹، سعید)

ایضاً

سوال [۴۳۹۹]: فرقہ وارانہ فسادات میں جومسلمان مارے جاتے ہیں مقابلہ کرتے ہوئے، یااچانک کسی مسلمان کے چاقو ماردیا تو وہ شریعت کی نظر میں شہید ہوگا یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جوشخص ناحق قتل کردیا جائے وہ شہید ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۵/ ۸/ ۸۹ھ۔

دوقومی فسادات میں مرنے والے کاحکم

سوال[۴۴۰۰]: ہمارے یہاں ہندو ومسلم فسادات ہورہے ہیں،ان کی ابتدائی بنا خواہ کچھ ہی ہو لیکن اس وقت تو جنگ صرف مسلمان سے ہے خواہ کسی جماعت اورفرقہ سے تعلق رکھتا ہو، بہت سے مسلمانوں کو سُندہی (۲) بھی کرلیا ہے اوران کے سروں پر چوٹیاں رکھوادی ہیں۔بیس بیس،تیس تیس ہزار کی دھاڑیں بناکر مسلمانوں کی بستیوں پر چڑھ کرآتے ہیں، پہلے آگ لگادیتے ہیں اور پھر مسلمانوں کوشہید کرڈالتے ہیں، مال چھین لیتے ہیں، ہرقسم کے ہتھیاران کے پاس ہیں،ریاستوں میں ریاست کی دھاڑ کے آگے آگے ریاست کی ملٹری ہوتی ہے، اگر مقابلہ میں کوئی آوے تو فائر کرتی ہے اور دھاڑ ان کو لوٹ لیتی ہے،قتل کرڈالتی ہے۔ جو مسلمان مکان ....خالی کردیتے ہیں تو یہ لوگ تمام مال لوٹ کرآگ لگا دیتے ہیں۔اس قسم کے جانکاہ واقعات سامنے ہیں،اس لئے مندرجہ ذیل سوالات ہیں:

سوال[۴۴۰۱]: ۱......اگر کافر بستی پر چڑھ کرآجائیں توان سے لڑنا فرض ہوجاتا ہے یانہیں اور" من قُتل دون عرضه وماله"(۳). میں داخل ہوکر شہید ہوگا یانہیں؟

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت المسائل السابقة)

(۲)''سُندھی: وہ تحریک جوشردھانندایک ہندو نے ہندوستان میں مسلمانوں کودوبارہ ہندو بنانے کے لئے چلائی تھی''۔(فیروز اللغات،ص:۸۲۸، فیروز سنز،لاہور)

(۳) (الصحيح للامام مسلم رحمه الله تعالىٰ، كتاب الإيمان، باب الدليل على من قصد أخذ مال غيره بغير حق.......... وأن من قتل دون ماله فهو شهيد: ۱/ ۸۱، قديمی)

۲...... جو دو چند سے زائد آئیں اور کوئی چھپتا ہوا، بھاگتا ہوا مارا جائے تو شہید ہوگا یا نہیں؟

۳...... اگر یہ کافر فرسی یا بہالوں سے آلۂ دھاردار سے شہید کردیں تو غسل وکفن دیا جائے گا یا نہیں، بندوق وغیرہ کا کیا حکم ہے؟ لڑائی کی ابتداء بھی مسلمانوں کی طرف سے نہیں بلکہ ظلماً مارے جاتے ہیں۔

۴...... اسی طرح کسی راہگیر مسلمان کو موقع بموقعہ قتل کررہے ہیں، ان کو بھی غسل وکفن دیا جائے یا نہیں؟ تمام مسلمان حکام پاکستان چلے گئے ہیں، ان کی جگہ ہندو یا سکھ تمام آگئے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر مقابلہ کی قوت ہو تو ان سے لڑنا اور جان، مال، آبرو کی حفاظت کرنا ضروری ہے اور اس ذیل میں جو مسلمان قتل ہوگا وہ شہید ہوگا (۱)۔

۲...... وہ بھی شہید ہے (۲)۔

۳...... عین لڑائی میں مسلمان ماردیا جائے، خواہ کسی آلہ سے ہو، وہ شہید ہے، اس کے لئے غسل وکفن نہیں (۳)۔

۴...... اس کا بھی یہی حکم ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/شوال/ ٦٦ھ۔

(۱، ۲، ۳، ۴) "عن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنهما عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "من أرید ماله بغیر حق، فقاتل، فقتل، فهو شهید".

"عن سعید بن زید رضی الله تعالیٰ عنه، عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "من قتل دون ماله فهو شهید، ومن قتل دون أهله أو دون دمه أو دون دینه فهو شهید". (سنن أبی داؤد، کتاب السنة، باب فی قتال اللصوص: ۲/ ۳۰۹، إمدادیه)

"هو (أی الشهید) کل مکلف مسلم طاهر قتل ظلماً بجارحة .... وکذا لو قتله باغ أو حربی أو قاطع طریق ولو بغیر آلة جارحة .... ویصلی علیه بلا غسل، ویدفن بدمه وثیابه". (الدرالمختار، کتاب الصلاة، باب الشهید: ۲/ ۲۴۷ - ۲۴۹، سعید)

"وهو فی الشرع من قتله أهل الحرب والبغی وقطاع الطریق أو وُجد فی معرکة وبه جرح .... أو قتله مسلم ظلماً، ولم تجب به دیة .... وحکمه: أن لایغسل، ویصلی علیه، ویدفن =

''دق'' کی بیماری میں انتقال کرنے والے کوشہادت کا درجہ ملے گا یانہیں؟

سوال[۴۴۰۲] : میری والدہ کا انتقال چھ ماہ دق کی بیماری میں مبتلا رہ کر ہوگیا، کیا میں یہ جان سکتا ہوں کہ مرحومہ اب کیسی حالت میں ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

انشاء اللہ ان کوشہادت کا درجہ ملے گا(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۹/۶/۹۴ھ۔

جودَب کرمرجائے وہ شہید ہے

سوال [۴۴۰۳] : شاہد مشہور پہلوان تھا جو کہ اپنی طاقت سے فرعون کوشکست دینے کی گھات میں رہتا تھا، ناگاہ وہ ٹرک جس میں شاہد کام کرتا تھا درخت سے ٹکرایا اور پہلوان نے چوٹ کھائی، لیکن وہ جانبر نہ ہوسکا۔آپ تحریر فرمادیں گے، پہلوان کو مقامِ شہادت ملا یانہیں؟ شاہد ہمدردِ ملت تھا لیکن مزاج کا گرم تھا، اکھڑ ہندو اور کچھ متعصب مسلمان اس سے ڈرتے تھے، اس لئے موت کے بعد ان لوگوں نے طعنہ دیا کہ وہ بدخلق

= بدمه وثيابه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادى والعشرون فى الجنائز، الفصل السابع فى الشهيد: ١/١٦٧، ١٦٨، رشيديه)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، الجنائز، فصل فى الشهيد: ٢/٦٦، رشيديه)

(١) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الشهادة سبع سوى القتل فى سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد، والذى يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجمع شهيد". (سنن أبى داؤد، كتاب الجنائز، باب فى فضل من مات بالطاعون: ٢/٨٧، سعيد)

"هو من قتله أهل الحرب والبغى .... قيد بكونه مقتولاً ؛ لأنه لومات حتف أنفه، أوتردى من موضع، أواحترق بالنار، أومات تحت هدم أوغرق لايكون شهيداً: أى فى حكم الدنيا، وإلافقد شهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للغريق والحريق والمبطون والغريب بأنهم شهداء، فينالون ثواب الشهداء". (البحر الرائق: ٢/٣٤٣، باب الشهيد ، رشيديه)

تھا اس لئے جلدی مرگیا۔ آپ فرمادیں کہ انسان کی عمر کسی وجہ سے گھٹ بڑھ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جو شخص گر کر یا دب کر مرجائے وہ بھی شہادت کا ثواب پائے گا (۱) اب اس پر طعن نہیں کرنا چاہئے، بہت غلط طریقہ ہے (۲)۔

عمر میں حقیقۃً کمی وزیادتی نہیں ہوتی جتنی لکھ دی گئی ہے بس اتنی ہی رہتی ہے (۳)............البتہ بعض

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد، والذى يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجمع شهيد". (سنن أبى داؤد، كتاب الجنائز، باب فى فضل من مات بالطاعون: ۲/۸۷، سعيد)

"هومن قتله أهل الحرب والبغى .... قيد بكونه مقتولاً؛ لأنه لومات حتف أنفه، أوتردى من موضع، أواحترق بالنار، أومات تحت هدم، أوغرق، لايكون شهيداً: أى فى حكم الدنيا، وإلافقد شهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للغريق والحريق والمبطون والغريب بأنهم شهداء، فينالون ثواب الشهداء". (البحر الرائق: ۲/۳۴۳، باب الشهيد، رشيديه)

(۲) "عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لاتسبوا الأموات، فإنهم قد أفضوا إلى ماقدموا". (سنن النسائى، كتاب الجنائز، باب النهى عن سبّ الأموات: ۱/۲۷۴، قديمى)

"عن عبد الله رضى الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ليس المؤمن بالطعان ولااللعان ولاالفاحش ولاالبذىّ". هذاحديث حسن غريب". (جامع الترمذى، أبواب البر والصلة، باب ماجاء فى اللعنة: ۲/۱۸، سعيد)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿ولن يؤخر الله نفساً إذاجاء أجلها، والله خبير بماتعملون﴾ (سورة المنافقون، پ: ۲۸، آیت: ۱۱)

"قال: حدثناعبد الله قال: حدثنارسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وهوالصادق المصدوق "إن أحدكم يجمع خلقه فى بطن أمه أربعين يوماً، ثم يكون علقةً مثل ذلك، ثم يكون مضغةً مثل ذلك،

آدمیوں کی عمر میں برکت ہوتی ہے، اس طرح کہ وہ تھوڑی عمر میں بھی بہت کام کر لیتے ہیں کہ دوسرے زیادہ عمر میں بھی نہیں کر پاتے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۶ھ۔

ولادت کی وجہ سے مرنے والی عورت شہید ہے

سوال [۴۴۰۴]: مسماۃ فاطمہ کا انتقال ہوگیا جس کو آج ۲۳/ یوم ہوتے ہیں، اس درمیان میں مرحومہ مختلف رشتہ داروں کے خواب میں آئی جس میں یہ مطالبہ ضرور ہے کہ میں زندہ ہوں، مجھے نکال لیا جائے، وفات ولادت کے سلسلہ میں ہوئی تھی، شوہر کا مطالبہ قبر کھودنے کا ہو رہا ہے۔ شرعاً کیا حکم ہے اور یہ موت شہادت کے حکم میں ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

بچہ پیدا ہونے میں جس کا انتقال ہو جائے وہ بھی شہید ہے (۲)۔ ایسے خواب کی بناء پر قبر کھودنا درست

= ثم يبعث الله إليه ملكاً بأربع كلمات: فيكتب عمله وأجله ورزقه وشقيٌّ أوسعيدٌ. ثم ينفخ فيه الروح، فإن الرجل ليعمل بعمل أهل النار، حتى مايكون بينه وبينها إلاذراع، فيسبق عليه الكتاب فيعمل بعمل أهل الجنة، فيدخل الجنة. وإن الرجل ليعمل بعمل أهل الجنة حتى مايكون بينه و بينها إلا ذراعٌ، فيسبق عليه الكتاب، فيعمل بعمل أهل النار، فيدخل النار". (صحيح البخاری، كتاب الأنبياء، باب خلق آدم وذريته: ۱/ ۴۶۹، قديمی)

(۱) جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ ان کے شاگرد علامہ ابن قیم، علامہ جلال الدین سیوطی اور ہمارے اکابرین میں سے شاہ عبد الغنی، حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی، قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت حکیم الامت تھانوی (رحمہم اللہ تعالیٰ) کہ ان حضرات نے مختصر عمر میں علم دین کی بہت بڑی خدمت کی۔

(۲) "عن يعلى بن شداد، قال: سمعت عبادة بن الصامت رضى الله تعالىٰ عنه يقول: عادنی رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى نفر من أصحابه فقال: "هل تدرون مَن الشهداء من أمتى"؟ -مرتين أو ثلاثاً- فسكتوا، فقال عبادة رضى الله تعالىٰ عنه: أخبِرنا يا رسول الله! فقال: "القتيل فى سبيل الله شهيد والمبطون شهيد، والمطعون شهيد، والنفساء شهيد يجرّها ولدها بسرره إلى الجنة". (مسند الإمام =

نہیں (۱)، قبر میں رکھنے کے بعد برزخ کے امور شروع ہوجاتے ہیں، بعض دفعہ احوال اچھے نہیں ہوتے تو میت کے متعلق بدگمانی اور بدگوئی ہوتی ہے، بعض دفعہ ہیبت ناک احوال دیکھ کر قبر کھودنے والے پر وبال آجاتا ہے وہ پاگل یا بےچین ہوجاتا ہے اس لئے ہرگز قبر نہ کھودی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۸۷ھ۔

= أحمد، أحاديث عبادة بن الصامت رضى الله تعالىٰ عنه، (رقم الحديث : ۲۲۲۷۸): ۶/۴۴۱، دار إحياء التراث العربى بيروت)

"ولأحمد من حديث عبادة بن الصامت نحو حديث جابر بن عتيک رضى الله تعالىٰ عنه، ولفظه: "و فى النفساء يقتلها ولدها جمعاً شهادة" .... هذه كلها ميتات فيها شدة، تفضل الله على أمة محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بأن جعلها تمحيصاً لذنوبهم و زيادةً فى أجورهم، يبلغهم بها مراتب الشهداء". (فتح البارى، كتاب الجهاد والسير، باب الشهادة سبع سوى القتل : ۶/۵۴، ۵۵، قديمى)

(۱) اس لئے کہ خواب حجتِ شرعیہ نہیں ہے، بعض دفعہ یقینی بات معلوم ہوتی ہے بعض مرتبہ نہیں: "أن أباقتادة الأنصارى رضى الله تعالىٰ عنه -وكان من أصحاب النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و فرسانه- قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الرؤيا من الله، والحلم من الشيطان". الحديث. (صحيح البخارى، كتاب التعبير، باب الحلم من الشيطان : ۲/۱۰۳۷، قديمى)

"الصحيح ماعليه أهل السنة أن الله يخلق فى قلب النائم اعتقادات كما يخلقها فى قلب يقظان، فإذا خلقها، فكأنه جعلها عَلَماً على أمور أخرى يخلقها فى ثانى الحال، ومهما وقع منها على خلاف المعتقد، فهو كما يقع لليقظان. و نظيره أن الله خلق الغيم علامةً على المطر، وقد يتخلف. وتلک الاعتقادات تقع تارةً بحضرة الملک، فيقع بعدها ما يُسرّ، أو بحضرة الشيطان فيقع بعدها ما يضرّ، والعلم عند الله تعالىٰ". (كتاب المنامات للشيخ عبد السلام، الفصل الثالث فى حقيقة الرؤيا، ص: ۵۹، دار المعرفة، بيروت)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتح البارى، كتاب التعبير، باب أول ما بدىء به رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ، (رقم الباب : ۹۱): ۱۲/۴۳۷، قديمى)

"ولا يخرج منه بعد إهالة التراب (إلا) لحق آدمى، الخ". (الدرالمختار). "(قوله : إلا لحق=

ایکسیڈنٹ اور موذی جانور کے کاٹنے سے شہادت

سوال [۴۴۰۵]: اگر کوئی شخص ایکسیڈنٹ سے مرجائے، یا کسی موذی جانور نے کاٹ لیا، یا کسی صورت سے اچانک موت ہوگئی تو وہ شہید ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کو بھی شہادت کا ثواب ملے گا مگر اس کو غسل وکفن دیا جائے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ ربیع الاول/ ۸۸ھ۔

شہید کا غسل اور کفن

سوال [۴۴۰۶]: آج کل فرقہ وارانہ فسادات میں جس مسلمانوں کو محض مسلمان ہونے کے جرم میں قتل کردیا جاتا ہے، اس میں لوگ مقتول کو غسل دیتے ہیں اور جو کپڑے خون میں آلودہ ہیں ان کو نکال کر

= آدمی) احتراز عن حق الله تعالىٰ كما إذا دفن بلا غسل أو صلاة أو وضع على غير يمينه أو غير القبلة، فإنه لا ينبش عليه بعد إهالة التراب". (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة: ۲/ ۲۳۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السادس في الدفن والنقل: ۱/ ۱۶۷، رشيديه)

(۱) "هو (أي الشهيد) من قتله أهل الحرب والبغي .... قيد بكونه مقتولاً؛ لأنه لومات حتف أنفه أوتردى من موضع، أواحترق بالنار، أومات تحت هدم أوغرق، لايكون شهيداً: أي في حكم الدنيا، وإلا فقد شهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للغريق والحريق والمبطون والغريب بأنهم شهداء، فينالون ثواب الشهداء". (البحر الرائق: ۲/ ۳۴۳، باب الشهيد، رشيديه)

(وكذافي رد المحتار: ۲/ ۲۵۲، باب الشهيد، سعيد)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله: المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد، والذي يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجمع شهيد". (سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في فضل من مات بالطاعون: ۲/ ۸۷، سعيد)

دوسرے کپڑے میں تجہیز وتکفین کرتے ہیں۔ان کوغسل دلایا اور نئے کپڑے میں کفنایا جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

فرقہ وارانہ فسادات میں جو مسلمان قتل کردیئے جاتے ہیں، اگر وہ مرتد نہیں ہیں اور عاقل وبالغ اور مُحدِث بحدثِ اکبر نہیں ہیں تو انہیں (چاہے مرد ہو یا عورت) اسی خون اور کپڑوں میں کفنا کر بغیر غسل دیئے نماز پڑھ کر دفنایا جائے، خون آلودہ تمام کپڑے نکال دینا مکروہ ہے، البتہ جو زائد از کفنِ سنت ہو اس کو نکال دیا جائے۔ مرد اگر جنبی ہے، یا عورت حائضہ یا نفساء ہے تو انہیں اور بچہ مجنون کو غسل دیا جائے:

"والشهيد من قتله أهل الحرب مباشرةً أو تسبيباً .... وكان قبل القضاء الحرب لايكون الشهيد مرتثاً". مراقی الفلاح على هامش الطحطاوی، ص: ۳۱۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد الخ۔

جنازۂ شہید پر نماز

سوال[۴۴۰۷]: شہید کے اوپر بحسب الفتویٰ نماز جنازہ ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو ان احادیث کا

---

(۱) (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، كتاب الصلاة، باب أحكام الشهيد، ص: ۶۲۵، ۶۲۶، قديمی)

"عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم بقتلیٰ أحد أن ينزع عنهم الحديد والجلود، وأن يدفنوا بد مائهم وثيابهم". (سنن أبی داؤد، كتاب الجنائز، باب فی الشهيد يغسل: ۲/۹۱، إمداديه)

"وهو فی الشرع من قتله أهل الحرب والبغی وقطاع الطريق، أو وُجد فی معركة، وبه جرح .... أو غرق مسلم أو قتله مسلم ظلماً، ولم تجب به دية .... وحكمه أن لا يغسل، ويصلی عليه، ويدفن بدمه وثيابه .... وينزع عنه ماليس من جنس الكفن نحو السلاح والجلود والفرو والحشو والخف والقلنسوة والسراويل .... ويغسل إن قتل جنباً أوصبياً .... وكذا تغسل إن قُتلت حائضاً أو نفساء، الخ". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الحادی والعشرون فی الجنائز، الفصل السابع فی الشهيد: ۱/۱۶۷، ۱۶۸، رشيديه)

(وكذا فی الدر المختار مع ردالمحتار، باب الشهيد: ۲/۲۴۷، ۲۴۸، سعيد)

کیا جواب ہوگا جن میں یہ ہے کہ ان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور حدیثیں شرح نقایہ میں صفحہ:۱۴۱ "ولنا" سے لے کر" فإن قيل" تک ہیں (۱)؟ اگر کسی حدیث سے عدمِ صلوۃ بھی ثابت ہو تو ساتھ اس کے رُواۃ پر جرح وتعدیل کے اعتبار سے بھی بحث ہے۔ مع حوالہ مفصل جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک شہید پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی: "ودليله ماروى ابن عباس وابن زبير رضى الله تعالىٰ عنهم أنه عليه الصلوة والسلام صلى على شهداء أحد مع حمزة، وكان يؤتى بتسعةٍ تسعةٍ وحمزة عاشرهم، فيصلى عليهم". الحديث۔ وقد صلى عليه الصلوة والسلام على غيرهم، كماروى أنه عليه الصلوة والسلام أعطى أعرابياً نصيبه، وقال: "قسمته لك" قال: ماعلى هذا ابتعتك، ولكن ابتعتك على أن أرمى ههنا -وأشار إلى حلقه- فأموت وأدخل الجنة، ثم أتِي بالرجل، فأصابه سهم حيث أشار، وكفن في جبة النبي صلى الله عليه وسلم، فصلى عليه". الحديث۔

وقال عقبة بن عامر رضي الله عنه: إنه عليه الصلوة والسلام خرج يوماً، فصلى على أهل أحد صلوته على الميت، ثم انصرف إلى الميت، متفق عليه". زيلعى، ص: ۲٤٨ (۲)۔

جس روایت میں نفی مذکور ہے اس کا جواب یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک نفی اور مثبت میں جب تعارض ہو تو ترجیح مثبت کو ہوتی ہے، حدیثِ مثبت متفق علیہ ہے (۳)۔ جواب ان کے ذمہ ہے جو منکر ہیں ان منقولہ

(۱) "لماروى البخارى وأصحاب السنن الأربعة .... عن جابر بن عبدالله رضى الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يجمع بين الرجلين من قَتلىٰ أحد، وقال: "أيهما أكثر قرآناً" فإذا أشير إلى أحدهما، قدمه في اللحد، فقال: "أنا شهيد على هؤلاء يوم القيامة". وأمر بدفنهم في دمائهم، ولم يغسلهم". زاد البخارى والترمذى: "ولم يصل عليهم". قال الترمذى: حديث حسن صحيح. وقال النسائى: لا أعلم أحداً تابع الليث من أصحاب الزهرى على هذا الإسناد، واختلف عليه فيه. انتهى".

(شرح النقاية للملا على القارى رحمه الله تعالىٰ، كتاب الصلاة، باب الشهيد، ص: ۳۳۴، سعيد)

(۲) (تبيين الحقائق، كتاب الصلاة، باب الشهيد: ۱/ ۵۹۲، دارالكتب العلميه، بيروت)

(۳) "عن عقبة بن عامر رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خرج يوماً، فصلى على =

احادیث کا بھی اور شرحِ نقایہ کی راویت کا بھی۔ آثار سنن: ۲/۱۲۱ میں (۱)، نسائی (۲) طحاوی (۳)، ابن ماجہ (۴)، طبرانی (۵) اورابوداؤد (۶) سے بھی روایات نقل کی ہیں، جن میں بعض کی اسانید محدثین کے نزدیک صحیح ہیں، بعض کی اس سے کم درجہ کی ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱/۸۷ھ۔

= أهل أحد صلاته على الميت، ثم انصرف إلى المنبر". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهيد: ۱/۱۷۹، قديمى)

(والصحيح لمسلم، كتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبينا صلى الله عليه وسلم وصفاته: ۲/۲۵۰، قديمى)

(۱) (آثار السنن، أبواب الجنائز، باب في الصلاة على الشهداء، ص: ۳۳۲، ۳۳۳، مكتبه إمداديه)

(۲) "عن شداد بن الهاد رضى الله تعالىٰ أن رجلاً من الأعراب جاء إلى النبى صلى الله عليه وسلم فاٰمن به واتبعه". وذكر الحديث. وفيه: أنه استشهد، فصلى عليه النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". رواه النسائى والطحاوى وإسناده صحيح". (سنن النسائى، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهداء: ۱/۲۷۷، قديمى)

(۳) (الطحاوى فى شرح معانى الآثار، فى كتاب الجنائز، الصلاة على الشهداء: ۱/۳۳۹، سعيد)

(۴) "عن ابن عباس رضى الله عنهما قال: أتى بهم رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم أحد، فجعل يصلى عشرةً عشرةً، وحمزة هو كماهو، يرفعون، وهو كما هو موضوع". (سنن ابن ماجة، كتاب الجنائز، باب ماجاء فى الصلوة على الشهداء ودفنهم: ۱/۱۰۹، قديمى)

(والطحاوى فى شرح معانى الآثار فى كتاب الجنائز، باب الصلوة على الشهداء: ۱/۳۳۸، سعيد)

(۵) (السنن الكبرى للبيهقى، كتاب الجنائز، باب من زعم أن النبى صلى الله عليه وسلم صلى على شهداء أحد: ۴/۱۲، اداره تاليفات اشرفيه)

(ونصب الراية، كتاب الصلاة، باب الجنائز، أحاديث الصلاة على الشهيد والاختلاف فى ذلك: ۲/۳۰۸، موسسة الريان مكتبة المكيه)

(۶) "وعن أبى مالك الغفارى رضى الله تعالىٰ عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم صلى على قتلى أحدعشرةً عشرةً فى كل عشرة حمزة، حتى صلى عليه سبعين صلوٰةً". (مراسيل أبى داؤد، فى ماجاء فى الجنائز، فى الصلوة على الشهداء، ص: ۱۸، سعيد)

غیر مسلم کو "شہید مرحوم" لکھنا

سوال[۴۴۰۸]: اکثر اخبار والے غیر مسلم کو شہید مرحوم لکھتے ہیں۔کیا غیر مسلم کو شرعاً شہید مرحوم لکھنا درست ہے؟ جواب مسئلہ کا بالتشریح وبحوالہ کتب عنایت فرمائیں۔

سائل:عبدالکمال عبدالمجید مظفر پوری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"شہید" ایک شرعی اصطلاح ہے اس کے لئے مسلم ہونا شرط ہے:"الشہید ھو کل مسلم طاھر قتل ظلماً، الخ"(۱)، جس میں یہ شرط نہ ہو وہ شریعت کے اعتبار سے شہید نہیں ہوسکتا،اس کو شہید کہنا غلط ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار ، کتاب الصلاۃ، باب الشہید: ۲/۲۴۷، سعید)

"أما الأول فمبنیٌّ علی شرائط الشھادۃ وھی أنواع .... ومنھا کون المقتول مسلماً، الخ".

(بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ ، فصل بیان من یکون شھیداً ومن لایکون: ۲/۶۶، ۸۰، رشیدیہ)

"ولو أرید تصویرہ علی رأی أبی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ، قیل: کل مسلم مکلف لاغسل علیہ قتل ظلماً من أھل الحرب، الخ". (فتح القدیر، کتاب الصلاۃ، باب الشہید: ۲/۴۳ مصطفی البابی الحلبی، مصر)

کتاب الزکاۃ

جو غنی زکوۃ نہ دے، اس کا حکم

سوال[۴۴۰۹]: عمر کے پاس اتنا مال ہے کہ جس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے مگر نہ تو وہ زکوۃ دیتا ہے اور نہ خیرات کرتا ہے اور بہت ہی کنجوس ہے اس کے برابر میں اس کا پڑوسی زید رہتا ہے جو کہ بالکل غریب ہے بلکہ ایک دو وقت کا اس پر فاقہ گزر جاتا ہے، عمر کو اس کا ایسی حالت میں ہونا معلوم ہے مگر وہ اس کی کوئی امداد نہیں کرتا۔ عمر میں اَور ایک عادت بُری ہے کہ نماز روزہ بھی ادا نہیں کرتا۔ عمر جب کہ معلوم ہوتے ہوئے ایسا کرتا ہے تو اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

وہ بڑا بے مروت اور سخت گناہگار ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله، .... فذوقوا ما کنتم تکنزون﴾ (التوبة: ۳۴)

"عن خالد بن أسلم قال: خرجنا مع عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما فقال أعرابی: أخبرنی عن قول الله تعالی: ﴿والذین یکنزون الذهب والفضة﴾ قال ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما: "من کنزها فلم یؤدّ زکاتها، فویلٌ له إنما کان هذا قبل أن تنزل الزکاة، فلما أنزلت جعلها الله طهراً للأموال".

"عن أبی هریرة قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من آتاه الله مالاً فلم یؤد زکاته، مُثّل له ماله یوم القیامة شجاعاً أقرع، له زبیبتان یطوقه یوم القیامة، ثم یأخذ بلهزمتیه یعنی بشدقیه، ثم یقول: أنا مالک أنا کنزک، ثم تلا: ﴿ولا تحسبن الذین یبخلون﴾ الآیة............ ﴿بما آتاهم الله من فضله هو خیراً لهم، بل هو شر لهم﴾ الخ". (صحیح البخاری: ۱/ ۱۸۸، قدیمی) .... =

جس غلہ کی زکوۃ نہ دی جائے اس کا حکم

سوال[۴۴۱۰]: اکثر کھیتی کرنے والے جب کہ وہ غلہ اکٹھا کرتے ہیں اور حکم ہے کہ دس من غلہ سے ایک ایک من غلہ زکوۃ نکالیں اور وہ زکوۃ نہیں نکالتے تو کیا ایسے مال سے کوئی نیک کام مثل قربانی، عقیقہ یا میت کے لئے ایصالِ ثواب کر سکتے ہیں یا نہیں، اگر کر سکتے ہیں تو از روئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شخص واجب نہیں ادا کرتا تو وہ گنہ گار ہے(۱) لیکن اس سے وہ غلہ حرام نہیں ہوتا، اس کا استعمال اپنی ذاتی ضروریات میں بھی درست ہے اور اور عبادت میں بھی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

جو زکوۃ ادا نہیں کرتا اس کا ہدیہ قبول کرنا

سوال[۴۴۱۱]: جو لوگ اپنے حلال مال کی زکوۃ ادا نہیں کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے یہاں دعوت کھانا اور وہ کچھ تحفہ وغیرہ دیں تو قبول کرنا شرعاً کیا جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شخص زکوۃ ادا نہیں کرتا ہے حالانکہ اس کے ذمہ زکوۃ فرض ہے تو وہ سخت گناہگار ہے(۲)، زکوۃ اس کے ذمہ دین ہے مگر اس کی وجہ سے اس کا اصل مال حرام نہیں ہوا، اس کا ہدیہ تحفہ، دعوت قبول کرنا درست ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، ۲۴/۴/۹۰ھ۔

= (وسنن أبي داؤد: ۱/۲۱۸، باب الكنز ما هو الخ. دار الحديث، ملتان)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''جو غنی زکوۃ نہ دے، اس کا حکم'')

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''جو غنی زکوۃ نہ دے، اس کا حکم'')

(۳) "أهدىٰ إلى رجل شيئاً أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدية و لا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلالٌ ورثته أو استقرضته من رجل، كذا في الينابيع". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۴۲، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، رشيديه)

زکوۃ کو جمع رکھنا

سوال[۴۴۱۲]: ماہِ رمضان میں جو زکوۃ کا روپیہ جمع کیا ہے کیا وہ زکاۃ کا روپیہ عید کو نماز سے پہلے (حقدار تک) یعنی ضرورتمند نہ ملنے پر سال کے آخر تک یا ایک عرصہ تک کسی اور امدادی مصرف کے لئے جمع رکھا جاسکتا ہے، مندرجہ بالا سوال کی تفصیل اس طرح ہے کہ میں ''کوکنی مسلم انجمن'' کا سیکٹری ہوں، پچھلے دو سال سے ہماری انجمن نے ماہ رمضان میں زکوۃ کے نام پر کل ایک سوستّر ہیرے جمع کئے تھے، اس مال میں سے صرف ۲۵/ ۳۷/ دوضرورت مندوں کو دیئے گئے تھے اور باقی رقم ۷۵/۱۳۲/ ابھی تک انجمن کے پاس جمع ہیں۔

اس سال پھر انجمن ماہ رمضان میں زکوۃ کا روپیہ جمع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے، میں نے بحیثیتِ سیکریٹری انجمن کے اس ارادے کی مخالفت کی انجمن عاملہ کے چندممبران میری اس مخالفت کو ماننے کے لئے تیار نہیں، ان کا کہنا ہے کہ یہ جمع شدہ روپیہ ہم اپنے پاس رکھ کر کسی اور امدادی مصرف کے لئے صرف کر سکتے ہیں اور یہ ضروری نہیں ہے کہ زکوۃ کا روپیہ عید کی نماز سے پہلے ضرورت مندوں کو دیدیا جائے۔ لیکن میرا یہ کہنا ہے کہ جب ہماری انجمن کے ممبران میں کوئی ایسا ضرورت مند نہیں ہے جو حقیقی زکوۃ کا حقدار ہے تو جب تک کہ پہلے جمع شدہ زکوۃ کا روپیہ حقیقی حقداروں کو نہ پہنچ جائے اس سال زکوۃ جمع نہ کی جائے، جو ممبران زکوۃ دینے کی حیثیت رکھتے ہیں یا زکوۃ دینا چاہتے ہیں وہ اپنے قریبی رشتہ داروں یا پڑوسیوں یا محلّہ کی مسجد میں دیدیں۔ اب آپ ہی ہماری اس الجھن کو اسلام کی روشنی میں سلجھائیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

مستحق کو زکوۃ جلد از جلد پہونچا دینا بہتر ہے تا کہ فریضہ جلد ہی ادا ہو جائے (۱) مگر یہ ضروری نہیں کہ عید

---

(۱) (وافتراضها عمريٌّ): أي على التراخي، وصححه الباقاني وغيره (وقيل: فوري): أي واجب على الفور (وعليه الفتوى) كما في شرح الوهبانية (فيأثم بتأخيرها) بلا عذر". "(قوله: فيأثم يتأخيرها، الخ) .... وقد يقال: المراد أن لايؤخر إلى العام القابل: لما في البدائع عن المنتقى -بالنون-: إذ لم يؤدحتى مضى حولان، فقد أساء وأثم، اهـ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/ ۲۷۱، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل كيفية فرضية الزكاة: ۲/۷۷، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب الزكوة: ۲/۱۶۴، ۱۶۵، قديمى)

کی نماز سے پہلے ہی دیدی جائے، اگر مستحق موجود نہ ہوں تو تاخیر بھی کی جاسکتی ہے، لیکن سال بھر پورا ہونے سے پہلے ہی ادا کردی جائے، کسی اَور مد میں اس کو صَرف کرنا جائز نہیں، انجمن کے پاس جب زکوٰۃ کے صحیح مصرف موجود نہیں ہیں تو زکوۃ وصول نہ کرے بلکہ اس کے سب ممبر اپنے قریبی مستحق رشتہ داروں: بھائی بہن، خالہ، پھوپی، چچا، ماموں اور ان کی اولاد کو خود ہی حسبِ صوابدید دے دیا کریں، اس امانت کو محفوظ رکھنے اور اس کو مستحقین پر صرف کرنے کی ذمہ داری نہ لیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۱/۹۲ھ۔

زکوۃ دے کر احسان جتانا

سوال[۴۴۱۳]: میں نے زکوۃ فرض میں سے بیس روپے ایک بیوہ عورت کو دے دیئے مگر ایک مرتبہ غصہ میں یہ الفاظ نکل گئے کہ ''زکوۃ کھا کر مقابلہ کرتی ہے'' ان الفاظ سے زکوۃ باطل ہوجائے گی یا نہیں؟ جیسا کہ پارہ "تلك الرسول" کے الفاظ ہیں: ﴿یآأیها الذین امنوا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والأذی﴾ (۱) اور اب اس روپے کی مقدار دوبارہ دینا ضروری ہے یا نہیں؟ نیز یہ واقعہ زکوۃ دینے سے تقریباً ایک سال بعد کا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس زکوۃ کا تو دوبارہ ادا کرنا ضروری نہیں کیونکہ فریضہ ادا ہوگیا ہے، البتہ اس پر رضائے خداوندی مرتب نہیں ہوگی اس کے لئے معافی مانگنے اور اس کو خوش کرنے کی ضرورت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/۶/۹۲ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (البقرہ: ۲۶۴)

(۲) "أخبر الله تعالیٰ فی هذه الأیات أن الصدقات إذا لم تکن خاصةً لله عاریةً من منٍّ و أذی، فلیست بصدقة؛ لأن إبطالها هو إحباط ثوابها، فیکون فیها بمنزلة من لم یتصدق .... و ما لم یخلص لله تعالیٰ من القرب فغیر مثاب علیه فاعله الخ". (أحکام القرآن للجصاص: ۱/۶۳۳، باب الامتنان بالصدقة، قدیمی)

(و کذافی تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۲۵، مکتبه دار السلام، ریاض)

(و کذا فی الفقه الإسلامی و أدلته: ۳/۲۰۵۹، باب ما یحرم و یکره وما یستحب فی الصدقة، رشیدیه)

باب وجوب الزکاۃ

(وجوبِ زکوٰۃ کا بیان)

صاحبِ نصاب ہونے کے بعد سال کے آخر میں بقیہ رقم پر وجوب زکوۃ

سوال[۴۴۱۴]: حامد ۳۰/شعبان/ ۱۳۸۷ھ کو صاحبِ نصاب تھا اور یکم رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ کو بھی صاحب نصاب ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ شعبان میں اس کے پاس پانچ سو روپئے تھے اور یکم رمضان المبارک کو تین سو روپئے ہیں۔اب کس قدر روپیہ زکوۃ لگائے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مالکِ نصاب ہونے کے بعد سال پورا ہونے پر جتنے مال کا وہ مالک ہے اس کی زکوۃ لازم ہوگی، مثلاً صورتِ مسئولہ میں اس کے پاس سال پورا ہونے پر صرف تین سو روپیہ ہے تو بس اسی مقدار پر زکوٰۃ (ساڑھے سات روپے) لازم ہوگی (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۹/ ۸۸ھ۔

حولانِ حول میں قمری سال کے اعتبار سے حساب میں دشواری ہو تو کیا کیا جائے؟

سوال[۴۴۱۵]: بندہ سابقہ رمضان المبارک کی کسی تاریخ میں اپنے مال کا حساب کر کے زکوۃ ادا

---

(۱) "قال حسن بن عمار بن علي: وشرط وجوب أدائها حولان الحول على النصاب الأصلي". (مراقي الفلاح، ص: ۴۱۷، كتاب الزكوة، قديمي)

(وكذا في الدرالمختارشرح تنوير الأبصار: ۲/۲۵۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۵۶، كتاب الزكوة، رشيديه)

وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۲۲، كتاب الزكوة، دار الكتب العلمية بيروت)

کردیا کرتا تھا اس کے بعد ‌ال تمام کے لئے رمضان المبارک کی بیس تاریخ معین کرکے زکوۃ ادا کرنے لگا، لیکن اب تجارت میں شرکت کی وجہ سے رمضان شریف میں حساب کرنا بہت دشوار ہے، دشواری اس لئے بھی ہے کہ سرکاری انکم ٹیکس وغیرہ کا حساب انگریزی سال سے ہوتا ہے، اسی لئے تمام کمپنیوں وغیرہ میں انگریزی سال تمام تر لاکھوں روپیہ کے آمدوخرچ وقرض اور موجود مال وغیرہ کا حساب کیا جاتا ہے جس کے لئے کافی وقت کی ضرورت ہے اور یہ حساب کا کمائی شرکاء کمپنی میں سے صرف ایک کی مرضی پر نہیں ہوسکتا ہے۔ پس ارشاد ہے کہ آیا شرعاً اس کی گنجائش ہے کہ ہمیشہ آخر دسمبر میں حساب کے بعد اس کے مطابق زکوۃ ادا کیا کریں؟ اسلامی سال تقریباً ۳۶۰/ دن کا اور انگریزی سال ۳۶۷/ دن کا ہوتا ہے، پس گنجائش ہونے کی حالت میں انگریزی سال کے سات دن زائد کا حساب کس طرح کیا جائے، نیز یہ کہ ہمیشہ ۲۰/ رمضان کو حساب کیا کرتا تھا اور اب اس کے بعد آخر ماہ دسمبر میں حساب کرنے کی حالت میں ڈیڑھ دو ماہ اور ہوجائیں گے، پس اس ڈیڑھ دو ماہ زائد مدت کا شرعاً کیا حکم ہے؟ فقط والسلام۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

"فی القنیة: العبرة فی الزکوة للحول القمری". بحر: ۲/۹ ۲(۱)۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شرعاً زکوۃ میں قمری سال کا اعتبار ہوتا ہے لہذا مقدار واجب میں تو قمری سال ہی کا اعتبار کیا جائے، البتہ ادائے زکوۃ میں تقدیم وتاخیر کی بھی گنجائش ہے، مثلاً رمضان کی ۲۰/ تاریخ کو سال پورا ہوا اس تاریخ کی مالیت مقدار واجب میں معتبر ہوگی، لیکن ادا کرنے کے لئے اس وقت روپیہ موجود نہیں بلکہ وہ ایک یا دو ماہ بعد ملا ہے تو روپیہ ملنے پر ادا کردیا جائے اور یہ نہ سمجھا جائے کہ زکوۃ اب واجب ہوئی بلکہ زکوۃ تو ۲۰/ رمضان کو واجب ہوچکی تھی مگر اس کی ادائیگی اب ہوئی، یہ روپیہ کچھ عرصہ پہلے ہی مل گیا ہوتا تو زکوۃ پہلے ہی ادا کردی جاتی۔ بہتر تو یہ ہے

---

(۱) (البحر الرائق: ۳۵۶/۲، کتاب الزکوة، رشیدیه)

"و منها حولان الحول علی المال، العبرة فی الزکاة للحول القمری، کذا فی القنیة".

(الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۷۵/۱، الباب الأول فی تفسیر ها و صفتها الخ، رشیدیه)

"(قوله: هو نسبة للحول): أی الحول القمری لا الشمسی". (ردالمحتار: ۲۵۹/۲، کتاب الزکاة، سعید)

کہ ۲۰/ رمضان کو بہر صورت زکوۃ ادا کردی جائے اور حساب ہونے پر ۲۰/ رمضان کی مالیت کو دریافت کر کے کمی بیشی کے فرق کو پورا کر دیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم، ۶/۲/۶۰ ۱۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

وسطِ سال کی آمدنی بھی سال تمام کی آمدنی کے تابع ہوگی

سوال[۴۴۱۶]: زید ہر سال شعبان میں زکوۃ نکالتا ہے، شعبان کے بعد اس کے پاس جو روپیہ آیا اس پر تو حولانِ حول نہیں ہوا، اب جو اگلا شعبان آئے گا تو اس وقت درمیانی سال والے روپیہ جس پر سال نہیں گزرا ہے، اس کی زکوۃ نکالے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس روپیہ پر سال گزر چکا ہے اس کے تابع یہ روپیہ ہو کر مجموعہ پر زکوۃ واجب ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

مالِ زکوۃ سال گذرنے سے دوبارہ زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

سوال[۴۴۱۷]: ایک شخص صاحبِ نصاب نے زکوۃ یا خیرات کی مد میں کچھ روپیہ نکال کر رکھ دیا اور تقسیمِ غرباء کے بعد اس رقم میں سے کچھ روپیہ آئندہ پورے ایک سال تک بچا رکھا رہا تو کیا سال آئندہ اس بچے ہوئے روپیہ پر بھی زکوۃ واجب ہوگی یا یہ کہ یہ رقم زکوۃ سے مستثنیٰ ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ رقم فقراء یا ان کے کسی وکیل کی ملک اور قبضہ میں نہیں پہونچی ہے بلکہ صاحبِ نصاب ہی کی ملک

---

(۱) "المستفاد فی أثناء الحول، فیضم إلی مجانسه، ویزکی بتمام الحول الأصلی". (مراقی الفلاح، ص: ۴۱۷، کتاب الزکوٰۃ، قدیمی)

(وکذا فی الهدایة: ۱/۱۹۳، فصل فی الغنم، مکتبه شرکة علمیه، ملتان)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۲۲، باب صدقة الغنم، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۲/۴۰۰، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیه، بیروت)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۰۷، باب زکاة الذهب والفضة، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

میں رہی، گوسال پھر گزر رہا نے سے اس دوسری مملوک رقم کی طرح زکوۃ واجب نہ ہوگی گو محض علیحدہ رکھدینے سے یہ رقم نہ اس کی ملک سے خارج ہوئی نہ فقراء کے ملک میں داخل ہوئی (۱)، آئندہ سال اس رقم کو ہٹا کر کے زکوۃ ادا کی جائے اور اس رقم کو گذشتہ زکوۃ واجبہ شمار کر کے مستقلاً ادا کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/۲/۵۹ ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، یکم/ربیع الاول۔

مقدارِ نصاب اور دین اور مالِ صبی میں زکوۃ کا حکم

سوال[۴۴۱۸]: کاشتکار جو کہ سرکاری لگان بھی دیتا ہے، کیا اس پر بھی زکوۃ واجب ہے کیونکہ لگان جبراً ناجائز طور پر لے جاتی ہے، اگر ہے تو کتنا اور کس مقدار میں اور کتنے غلہ پر وجوب ہوتا ہے؟ اگر ایک شخص نوکری کرتا ہے اور ہمیشہ پچاس روپے ملتے ہیں تو زکوۃ واجب ہے یا نہیں اور جو شخص کھیت والا ہے یعنی بطورِ قبالہ یا بطورِ رہن ہے تو وہ صاحبِ نصاب ہوگا اور زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں اور صدقۃ الفطر اور قربانی ایسے شخص پر واجب ہوگی یا نہیں؟

زیور اگر ہو تو اس کا وزن وجوب کے لئے کتنا ہونا چاہئے، اگر بعضے زیور غالب چاندی نہ ہو تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اور وہ ایک شخص کے ہوں مگر وہ یہ کہتا ہے کہ اپنی بہو کو دیدیا ہے حالانکہ ابھی اس کے لڑکے کی شادی بھی نہیں ہوئی، یا کہتا ہے کہ چھوٹی لڑکی کو دے دیا اور رکھتا ہے اپنے ہی پاس تو واجب ہوگی یا نہیں؟ نقودِ مروجہ کو

---

(۱) چونکہ یہ فقراء کا حق ہے اور وہ اب تک مالک نہیں بنے اور ان پر زکوۃ نہیں "وسببه: أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي". (الدر المختار). وفي ردالمحتار: "فلا زكوٰة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك".
(كتاب الزكاة: ۲/۲۵۹، سعيد)

(۲) "وشرطه صحة أدائها .... أو مقارنة بعزل ما وجب كله أو بعضه، و لا يخرج عن العهدة بالعزل، بل بالأداء للفقراء الخ". (الدر المختار: ۲/۲۷۰، كتاب الزكاة، سعيد)
(و كذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۸، كتاب الزكاة، امداديه)
(و كذا في تبيين الحقائق: ۲/۳۰، كتاب الزكوة، دار الكتب العلميه بيروت)
(و كذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۱۵، كتاب الزكاة، قديمي)

چاندی کا حکم ہے یا عروض کا، یا کیا حکم ہے؟ مفصل تحریر کریں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو غلہ غیر عشری زمین میں پیدا ہوتا ہے اس میں عشر نہیں ہوتا، غلہ میں عشر ہوتا ہے زکوۃ نہیں ہوتی بشرطیکہ عشری زمین میں ہو(۱) اور جس شخص کے پاس مقدارِ نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو یا اتنی قیمت کا تجارتی مال ہو اس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے بشرطیکہ سال پورا گزر جائے (۲)، پس اگر ماہوار یہ تنخواہ ختم کر دیتا ہے تو اس پر زکوۃ واجب نہیں اور اگر کچھ مقدار نصاب کے پورا ہونے کے بعد وسطِ سال میں زیادتی رہتی ہے تو ختم پر موجودہ رقم کی زکوۃ واجب ہوگی بشرطیکہ اخیر میں بھی مقدارِ نصاب موجود ہو (۳)۔

جو جائیداد پیسے سے خریدی ہے اس پر زکوۃ نہیں ہے، رہن کی صورت میں قرض جو روپیہ دیا گیا ہے اس پر زکوۃ ہے مگر اس کی ادائیگی بعد وصولی ہے (۴)، بقدرِ ضرورت اگر جائیداد ہے تو اس سے صاحبِ نصاب نہیں

---

(۱) " وأما شرائط المحلية: فأنواع: منها أن تكون الأرض عشريةً، وإن كانت خراجيةً، يجب فيها الخراج ". (بدائع الصنائع: ۲/۱۰۵، فصل في شرائط المحلية، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۵، الباب السادس في زكوة الزرع و الثمار، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۳۰، الفصل الثالث فيمن يجب عليه العشر و فيمن لا يجب، إدارة القرآن، كراچى)

(۲) "ونصاب الذهب عشرون مثقالاً، والفضة مائتا درهم، كل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقيل".

(الدرالمختار: ۲/۲۹۵، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۳۶، باب زكاة المال، امداديه ملتان)

(وكذا في المبسوط: ۱/۱۷۴، باب زكاة المال، حبيبيه كوئٹه)

(۳) "ويضم مستفاد من جنس نصاب إلى النصاب في حوله وحكمه: أي في حكم المستفاد أو الحول، وحكم الحول وجوب الزكاة أيضاً، فمن ملك مائتي درهم و حال الحول و قد حصلت في أثنائه أو في وسطه مأة درهم يضمها إليه و يزكي عن الكل". (مجمع الأنهر: ۱/۲۰۷، زكوة الذهب والفضة، دارإحياء التراث، بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق : ۲/۲۲، باب صدقة الغنم، دارالكتب العلميه، بيروت)

(۴) "قسّم أبو حنيفة الدّين على ثلاثة أقسام: قويٌّ: و هو بدل القرض و مال التجارة، ومتوسط .... =

ہوتا، نہ اس پر زکوۃ وصدقہ وقربانی واجب ہوئی ہے۔

زیور کا نصاب بھی وہی ہے جو پہلے بتلایا گیا ہے، جس زیور میں چاندی غالب ہو وہ چاندی کے حکم میں ہوگا ورنہ جو چیز غالب ہوگی اس کے حکم میں ہوگا۔ نقودِ مروجہ جن میں چاندی غالب ہے وہ چاندی کے حکم میں ہیں ورنہ وہ مستقل اپنا حکم رکھتے ہیں (۱)۔ جب بہوا بھی تک موجود نہیں ہے تو اس کے لئے وہ ہبہ نہیں ہوا، اس کی زکوۃ دینی واجب ہے، چھوٹی لڑکی کو اگر دے دیا ہے خواہ اپنے پاس رکھے تو زکوۃ واجب نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

دَینِ مہر کیا مانعِ وجوبِ زکوۃ ہے؟

مندرجہ ذیل مسائل میں مفتیٰ بہ قول کیا ہے:

سوال[۴۴۱۹]: ۱...... زوجہ کا مہر زوج کے لئے مانع زکوۃ ہوتا ہے یا کہ نہیں؟ مہر مؤجل ومعجّل ہر دو کا حکم بیان فرمادیں۔

= ففی القوی تجب الزكاة إذا حال الحول و يتراخى القضاء إلى أن يقبض أربعين درهماً الخ ".

(البحر الرائق: ۲/۳۶۳، کتاب الزکاۃ، رشیدیہ)

(وکذا فی خلاصۃ الفتاوی: ۱/۲۳۸، الفصل السادس فی الدیون، امجد اکیڈمی، لاہور)

(۱) " ويكمل نصاب الفضة بنصاب الذهب، و نصاب الذهب بنصاب الفضة، و بعروض التجارة أيضاً، إلا أن عند أبي حنيفة يكمل نصاب الفضة بنصاب الذهب باعتبار القيمة". (فتاویٰ قاضی خان: ۱/۲۵۰، فصل فی مال التجارۃ، رشیدیہ)

وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۰۰، باب زکاۃ المال، رشیدیہ)

(وغالب الفضة والذهب فضة وذهب، وماغلب غشه) منهما (يقوم) كالعروض". (الدرالمختار، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال: ۲/۳۰۰، سعید)

(۲) "و شرط افتراضها عقل، و بلوغ، وإسلام، و حرية ". (تنویر الأبصار مع الدرالمختار: ۲/۲۵۸، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وکذا فی ملتقی الأبحر علی هامش مجمع الأنهر: ۱/۱۹۲، کتاب الزکاۃ، دار إحياء التراث العربي بيروت)

کیا عورت کے دَینِ مہر پر زکوۃ لازم ہے؟

سوال[۴۴۲۰]: ۲.....مہر کو مانعِ زکوۃ نہیں تو زوجہ کے ذمہ اس مہر کی زکوۃ لازم ہوگی یا کہ نہیں؟ دَین کی زکوۃ دَین دینے والے پر ہوتی ہے، یہ حکم یہاں اس صورت میں لگے گا یا کہ نہیں؟ جب کہ دَینِ مہر کو زوج نے دین مستغرق نصاب قرار دیا ہے؟

مسائلِ مذکورہ میں الجھن کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے دیار میں دَینِ مہر کو مانعِ زکوۃ نہیں کرتے ہیں، اس لئے زوجہ کے ذمہ مہر کی زکوۃ قبل قبض نہیں سمجھتے ہیں۔

اصول الشاشی میں ہے:"وفرع محمد على هذا فقال: إذا تزوج امرأة على نصاب، وله نصاب من الغنم و نصاب من الدراهم، يصرف الدين إلى الدراهم، حتى لو حال عليها الحول تجب الزكوة عنده في نصاب الغنم، و لا تجب على الدراهم"۔ بین السطور میں ہے:"لكونها مستغرقة بالدين". اورحاشیہ پر ہے:"و هو نصٌّ على أن دَين المهر يمنعه، معجلًا كان أو مؤجلاً"(۱)۔

اس قاعدہ سے کہ:''وہ دَین جس کا مطالبہ عبد کی جانب سے ہو مانعِ زکوۃ ہے''، مہر کو مانع زکوۃ ہونا چاہئے کیونکہ زوجہ کوحقِ مطالبہ ہے اور جب مہر مانعِ زکوۃ ہے تو زوجہ کے ذمہ اس کی زکوۃ ہونی چاہئے حالانکہ فقہائے کرام مہر کے دَین کو دینِ ضعیف قرار دیتے ہیں۔حضرت امام صاحب اس کا حکم یہ بیان کرتے ہیں کہ بعد قبض حولانِ حول ہونے پر مہر کی زکوۃ عورت ادا کرے۔امید کہ جواب شافی سے مطلع فرمائیں گے۔

الجواب حامداً و مصلياً:

۱.....زوج کے ذمہ دَینِ مہر واجب ہے، اگر وہ معجّل ہے یعنی جس وقت بھی زوجہ طلب کرے اس کا ادا کرنا ضروری ہے، یا مؤجل ہے لیکن زوج خود ہی اس کو ادا کرنے کی فکر اور سعی میں لگا ہوا ہے اور جمع کر رہا ہے تا کہ ادا کرے تو ایسا دین مانع عن وجوب زکوۃ ہے، اس مقدار دَین کے علاوہ اس کے پاس بقدرِ نصاب مال ہوگا تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں، اگر زوج ادا کرنے کی فکر وسعی میں لگا ہوا نہیں بلکہ اس کو اطمینان ہے کہ ادا

(۱) (أصول الشاشي مع الحواشي، بحث الحقيقة والمجاز، ص: ۳۱، المكتبة الغفورية العاصمية، كراتشي)

نہیں کرنا ہے تو ایسا دین مانع عن وجوب زکوۃ نہیں ہے، کذا فی الطحطاوی علی الدر المختار (۱)۔

۲......شوہر کے ذمہ یہ دین مانع ہو یا نہ ہو بہرصورت زوجہ پر اس کی زکوۃ لازم نہیں، وجوبِ زکوۃ کے لئے ملک لازم ہے اور دَینِ مہر پر ابھی ملک ہی زوجہ کی متحقق نہیں ہوئی ہے، جب وصول ہوکر اس کی ملک ثابت ہوجائے گی اور اس پر سال بھر گزر جائے گا تب زوجہ کے ذمہ زکوۃ لازم ہوگی (۲) محض نکاح ہوجانے سے مہر پر ملک زوجہ ثابت نہیں ہوجاتی ہے صرف استحقاق ثابت ہوتا ہے وہ ابھی معرض زوال میں رہتا ہے، مثلاً اگر خلوتِ صحیحہ سے قبل شوہر طلاق دیدے تو نصف مہر کا استحقاق بھی ختم ہوجاتا ہے اور زوجہ کی ناشائستہ حرکت کی وجہ سے حرمت وتفریق ہوجاوے تو کل مہر ساقط ہوجاتا ہے، یہ شواہد ہیں کہ ابھی زوجہ کی ملک تو کیا ثابت ہوتی استحقاق بھی مؤکد نہیں ہوا۔

---

(۱) "قوله: المؤجل) و قيل: المهر المؤجل لا يمنع؛ لأنه غير مطالب به عادةً، بخلاف المعجل، و قيل، إن كان الزوج عزم على الأداء منع، وإلا فلا". (الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۳۹۱، دارالمعرفة بيروت)

" فإن كان عنده مال آخر للتجارة، يصير المقبوض من الدين الضعيف مضموناً إلى عنده، فتجب الزكاة وإن لم يبلغ نصاباً، الأولىٰ أن يقول، الخ". (الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۴۱۱، دارالمعرفة بيروت)

"المهر المؤجل لا يمنع؛ لأنه غيرمطالب به عادةً، بخلاف المعجل، وقيل: إن كان الزوج عزم على الأداء منع، وإلا فلا؛ لأنه لا يعدّ ديناً، كذا فی غاية البيان ". (البحر الرائق : ۲/۳۵۷، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا فی مجمع الأنهر: ۱/۱۹۳، كتاب الزكاة، دارإحياء التراث العربی ، بيروت)

(۲) "واعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة .... و عند قبض مائتين مع حولان الحول بعده: أی بعد القبض من دين ضعيف، و هو بدل غيرمال كمهر و دية و بدل كتابة و خلع، الخ ". (الدرالمختار: ۲/۳۰۶، زكاة المال، سعيد)

(وكذا فی البحر الرائق: ۲/۳۶۳، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا فی مجمع الأنهر: ۱/۱۹۵، كتاب الزكاة، دارإحياء التراث العربی، بيروت)

(وكذا فی خلاصة الفتاویٰ: ۱/۲۳۸، الفصل السادس فی الديون، امجد اکیڈمی لاهور)

اور جب کہ فقہاء نے دین کی تین قسمیں لکھ کر دَینِ مہر کا حکم لکھ دیا ہے کہ وہ وصول ہونے کے بعد سال بھر گزر جائے تب اس پر زکوۃ لازم ہوگی تو یہ مسئلہ بے غبار ہوگیا، ہاں اس میں بحث ہے کہ جس کا دَینِ مہر زوج پر لازم ہے اور وہ بقدرِ نصاب ہے تو آیا وہ مصرف زکوۃ ہے یا نہیں؟ جب کہ اس کے پاس فی الحال مقدارِ نصاب مانع عن اخذ زکوۃ موجود نہیں، علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

"وفي فتح القدير: و لو دفع إلى فقيرةٍ لها مهر دين على زوجها يبلغ نصاباً، و هو موسرٌ بحيث لو طالبت أعطاها، لا يجوز. وإن كان بحيث لا يعطي لو طلبت، جاز، اه، و هو مقيد لعموم ما في الخانية: والمراد من المهر ما تعورف تعجيله؛ لأن ما تعُرف تأجيله، فهو دينٌ مؤجل لا يمنع أخذ الزكوة، و يكون في الأول عدم إعطائه بمنزلة إعساره، و يفرق بينه و بين سائر الديون بأن رفع الزوج للقاضي مما لا ينبغي للمرأة بخلاف غيره، لكن في البزازية: وإن كان موسراً والمعجل قدر النصاب، لا يجوز عندهما، و به يفتي للاحتياط، وعند الإمام يجوز مطلقاً، الخ". البحر الرائق، المصرف(۱)۔

دَینِ مہر اور دیگر دیون میں کچھ فرق بھی ہے جس کو عبارت بالا میں بیان کر دیا گیا ہے، دَینِ مہر کے بحق زوج مانع عن وجوب الزکوۃ ہونے اور بحق زوجہ موجب الزکوۃ ہونے میں تلازم نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۹۰ھ۔

مقروض پر وجوبِ زکوۃ کی ایک صورت

سوال[۴۴۲۱]: زید سات ہزار روپیوں کا نو مہینوں سے مالک ہے اور قرضہ بھی تین ہزار روپیہ کا ہے واجب رمضان کی برکت حاصل کرنے کے لئے اس مہینہ میں زکوۃ دینا چاہتا ہے تو اب کتنی زکوۃ دینی چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کہ سات ہزار کا مالک ہے اور تین ہزار کا مقروض ہے اور ابھی صرف نو ماہ ہوئے ہیں، تو ابھی زکوۃ کا

---

(۱) (البحر الرائق: ۲/۴۲۰، باب المصرف، رشیدیه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۴۲، كتاب الزكاة، امجد اكيدمى لاهور)

ادا کرنا واجب نہیں، لیکن اگر ابھی زکوۃ ادا کردی جائے تب بھی ادا ہوجائے گی (۱)، صرف چار ہزار کی ادا کردے اور تین ہزار قرض میں منہا ہوجائیں گے، پھر سال ختم ہونے پر حساب کرلیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۷/ ۸/ ۹۰ھ۔

مقروض پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں

سوال [۴۴۲۲]: حامد کاروباری آدمی ہے کمپنی میں بطور ضمانت اس کا روپیہ ہے، لیکن جس قدر ضمانت ہے، اس سے زیادہ وہ مقروض ہے، کیونکہ قرض خواہ کو اس پر اعتماد ہے اس لئے تقاضا نہیں ہے تو ضمانت والے کا کیا ہوگا، زکوۃ دے یا نہیں؟ اگر دیتا ہے تو پہلے قرض دے اور قرض دیتا ہے تو کچھ نہیں رہتا، کمپنی سے روپیہ لینے پر کاروبار معطل ہوجاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس صورت میں اس پر زکوۃ واجب نہیں (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/ ۹/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "يجوز التعجيل بعد ما ملك النصاب، ولا يجوز قبله". (خلاصة الفتاوىٰ: ۱/ ۲۴۱، الفصل الثامن في أداء الزكاة، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۷۶، الباب الأول في تفسيرها و صفتها، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۶۶، باب صدقة الغنم، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وإن كان ماله أكثر من دينه، زكّى الفاضل إذا بلغ نصاباً لفراغه عن الحاجة الأصلية". (فتح القدير: ۲/ ۱۶۰، كتاب الزكاة، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الدر المختار: ۲/ ۲۶۳، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۲۶، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۳) " و من كان عليه دين يحيط بماله، و له مطالب من جهة العباد سواء كان من النقود أو من غيرها، وسواء كان حالاً أو مؤجلاً، فلا زكاة عليه". (فتح القدير: ۲/ ۱۶۰، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي، مصر) .... =

مالکِ زمین مقروض پر زکوۃ

سوال[۴۴۲۳]: ایک شخص کے پاس اسّی نوے بیگہ زمین ہے وہ اس کا مالک ہے، لیکن چار پانچ ہزار روپے کا مقروض ہے اور وہ اس زمین کی پیداوار سے بمشکل تمام اپنی ضروریات پوری کرتا ہے اور تھوڑا بہت جو کچھ بچتا ہے اس کو وہ بسلسلۂ قرض، قرض خواہوں کو دیدیتا ہے۔ تو ایسا انسان شرعی طریقہ پر صاحب نصاب سمجھا جائے گا یا نہیں؟ اور اس پر زکوۃ فرض ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسے شخص پر زکوۃ قربانی وغیرہ واجب نہیں بلکہ وہ خود مستحق زکوۃ ہے: " و لا زکوة فی ثیاب البدن وأثاث المنزل ودور السکنیٰ ونحوها کالحوانیت والعقارات". درمختار شامی: ۳/۱۰(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۳/۲۱ھ۔

مقروض دوالیہ پر وجوبِ زکوۃ وقربانی کا حکم

سوال[۴۴۲۴]: زید آج سے پہلے دس ہزار کا مقروض تھا اور قرض خواہوں نے حکومت میں مقدمہ دائر کرادیا تھا مگر زید کے پاس کوئی ایسی ملک نہ تھی کہ حکومت کے قانون کے موافق قرض خواہوں کو دی جاتی، اس وجہ سے حکومت کا قانون زید سے اٹھ گیا۔ اب زید فی الحال کچھ رقم یعنی پانچ ہزار کا مالک ہوا ہے مگر قرض خواہوں کو رقم ادا کرنے میں وہ رقم پوری نہیں ہوسکتی، ایک قرض خواہ کو کچھ رقم دے تو دوسرا قرض خواہ پریشان کرتا ہے اور

= (وکذا فی الدر المختار: ۲/۲۶۳، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۲۴، کتاب الزکاۃ، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۸۷، الفصل العاشر فی بیان ما یمنع وجوب الزکاۃ، إدارة القرآن کراچی)

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/۲۶۴، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۲۳، کتاب الزکاۃ، دار الکتب العلمیه، بیروت)

(وکذا فی خلاصة الفتاویٰ: ۱/۲۳۸، الفصل الخامس فی زکاۃ المال، امجد اکیڈمی، لاهور)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/۴۱۵، کتاب الزکاۃ، إمدادیه)

زید کے پاس اتنی رقم نہیں کہ سب کو ادا کر سکے۔ سوال یہ ہے کہ زید اس پانچ ہزار کی زکوۃ، فطرہ، قربانی وغیرہ ادا کرنا چاہے تو ہو سکتا ہے یا نہیں؟ زید سمجھتا ہے کہ قرض ادا کرنا مقدم ہے مگر رقم کافی نہ ہونے کی بنا پر اور قرض خواہوں کے پریشان کرنے کی وجہ سے ادا نہیں کر سکتا۔ اس صورت میں وہ صاحبِ نصاب ہوگا یا نہیں؟ اور زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قانونِ سرکاری کی رو سے اگر کوئی قرض خواہ قرض وصول نہ کر سکے تو زید شرعاً سبکدوش نہیں ہوا بلکہ زید کے ذمہ حتی الوسع اس کی ادائیگی فرض ہے اور جب تک قرض سے فاضل مقدارِ نصاب نہ ہو، زکوۃ فرض نہیں ہوگی (۱)، لہذا زید کو چاہئے کہ اولاً جس ترکیب سے مناسب اور مصلحت ہو قرض خواہوں کا قرض ادا کرے، پھر اگر فرض ہو، زکوۃ ادا کرے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۳/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ربیع الاول/ ۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ربیع الاول/ ۶۴ھ۔

حرام مال پر زکوۃ نہیں

سوال [۴۴۲۵]: حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کسی کتاب میں دیکھا تھا، یاد نہیں وہ کون سی کتاب تھی کہ حرام مال میں بھی زکوۃ واجب ہے البتہ اس پر ثواب نہیں ملے گا۔ تو یہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حرام مال جس پر ملکیت ہی حاصل نہیں ہوتی اس میں زکوۃ لازم نہیں، بلکہ اس مال کی واپسی یا اس کا

---

(۱) "سببه: أي سبب افتراضها ملک نصاب حولي، تام، فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد".

(الدر المختار: ۲/ ۲۵۹، ۲۶۰، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۱۷۲، الباب الأول في تفسيرها و صفتها، رشيديه)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۱۹، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في العناية على فتح القدير: ۲/ ۱۶۰، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

تصدق لازم ہے جیسا کہ ''ردالمحتار'' میں ہے (۱)۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت یا کتاب سامنے ہوتو اس میں غور کیا جائے کہ کیا ارشاد فرمایا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱/۹۵ھ۔

مال حرام پر زکوۃ

سوال [۴۴۲۶]: اصل مال مثلاً ایک ہزار روپے میں سود کے ایک سو شامل ہوکر گیارہ سو روپے ہوگئے، کیا سود کی رقم کی بھی زکوۃ ادا کرنی ہوگی یا نہیں؟ ایک مرتبہ مرادآباد میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا تھا: حرام، چوری، رشوت وغیرہ کیا ان اموال میں زکوۃ دینی ہوگی؟ حضرت نے فرمایا تھا کہ (جہاں تک مجھے یاد ہے) جب مال ہیں تو زکوۃ دینی ہوگی۔

الجواب حامداً و مصلياً:

حرام مال اگر جدا ہو مخلوط نہ ہوتو اس پر ملکیت ثابت نہیں اس پر زکوۃ بھی نہیں لیکن اگر وہ حرام مال حلال مال کے ساتھ مخلوط کردے تو یہ استہلاک ہے جو کہ موجبِ ملک ہے، غالباً حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ کا جواب اسی بنیاد پر مبنی ہے لیکن جب کہ مقدار حرام مال کا تصدق واجب ہے تو پھر اس پر زکوۃ ہونے کا کوئی مطلب نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ حرام مال کا ربع عشر بھی ادا کرے اور کل کو بھی صدقہ کرے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "و لو خلط السلطان المال المغصوب بماله الخ .... هذا إذا كان له مال غير مستهلك بالخلط الخ .... وإلا فلا زكاة كما لو كان الكل خبيثاً، كما في النهر عن الحواشي السعديه". (الدرالمختار).

وفي ردالمحتار: "في القنية: لو كان الخبيث نصاباً، لا يلزمه الزكاة؛ لأن الكل واجب التصدق عليه، فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه، اهـ". (كتاب الزكوة: ۲/۲۹۱، باب زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا في البزازية: ۱/۸۲، كتاب الزكاة، الثاني في المصرف، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۲۴۵، الفصل التاسع الحظر والإباحة، امجد اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۸۹، ما يمنع وجوب الزكاة، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) (تقدم تخريجه. تحت عنوان: ''حرام مال پر زکوۃ نہیں'')

سنیما کی آمدنی پر زکوٰۃ اور اس کا مسجد اور مدرسہ میں خرچ کرنا

سوال[۴۴۲۷]: مسجد یا مدرسہ میں سنیما کی آمدنی خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص سنیما ہاؤس مسجد یا مدرسہ کو ہبہ کرنا چاہے تو اس کو کرایہ پر دینا یا فروخت کر کے اس کی رقم مسجد یا مدرسہ میں لگانا درست ہوگا یا نہیں؟ اور حرام اور سود سے کمائی ہوئی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سنیما یا کوئی بھی ناجائز آمدنی کا مسجد یا مدرسہ میں خرچ کرنا درست نہیں (۱)، ایسی آمدنی کا تصدق ضروری ہے، غریب مسکین طلبہ ہی اس کے مصرف ہیں، تنخواہ وتعمیر وغیرہ میں خرچ نہ کریں۔ اگر سنیما ہاؤس جو کہ جائز آمدنی سے بنایا گیا تھا اس کو مسجد یا مدرسہ میں دے تو اس کو خالی کرا کے جائز محل میں صرف کیا جائے (کرایہ پر دیا جائے یا فروخت کیا جائے)۔ جس رقم (حرام کی ملک) پر ملک ثابت نہیں اس پر زکوٰۃ نہیں بلکہ اس کو واپس کرنا یا صدقہ کرنا ضروری ہے، کسی کام میں لانا بھی درست نہیں (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد اور مدرسہ کی رقم پر زکوۃ ہے یا نہیں؟

سوال[۴۴۲۸]: اگر کسی مسجد یا مدرسہ کی رقم نصاب کو پہونچ گئی، سال بھر گزرنے کے بعد اس پر زکوۃ

---

(۱) "ولا بأس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب لوبماله الحلال لامن مال الوقف فإنه حرام". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار)

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "قال تاج الشريعة: أمالو أنفق في ذلك مالا خبيثا ومالا سببه الخبيث والطيب فيكره؛ لأن الله تعالىٰ لايقبل إلا الطيب، فيكره تلويث بيته بمالا لايقبله، اهـ". (ردالمحتار: ۱/۶۵۸، كتاب الصلوة، باب الاستخلاف، مطلب: كلمة "لابأس" دليلٌ علىٰ أن المستحب غيره، سعيد)

(۲) "لو كان الخبيث نصاباً، لا يلزمه الزكاة؛ لأن الكل واجب التصدق عليه، فلا يفيد إيجاب التصدق ببعضه، اهـ". (ردالمحتار: ۲/۲۹۱، باب زكاة الغنم، سعيد)

(و كذا في البزازية: ۱/۸۶، الثاني في المصرف، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۳۴۵، الفصل التاسع في الحظر والإباحة، امجد اكيڈمی، لاهور)

واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مدرسہ یا مسجد کے پاس جب رقم بقدرِ نصاب ہوتو اس میں زکوۃ لازم نہیں (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

’’فقیر‘‘ قوم پر زکوۃ

سوال[۴۴۲۹]: زید تجارت کرتا ہے، صاحبِ نصاب ہے مگر قوم سے فقیر ہے، اب بھی وہی پیشہ کرتا ہے تو زید پر زکوۃ وقربانی فرض ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوۃ کی فرضیت کا تعلق کسی خاص قوم سے نہیں بلکہ جو شخص بھی صاحبِ نصاب ہوگا اس پر قاعدہ شرعی کے موافق زکوۃ فرض ہوجائے گی خواہ وہ کسی قوم سے ہو، جب زید کو اللہ تعالیٰ نے مالدار بنادیا ہے تو اس پر زکوۃ لازم ہے (۲) اور اس کو مانگنا جائز نہیں ہے (۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۱۲/۲۴ھ۔

---

(۱) "فلا زكاة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك". (ردالمحتار: ۲/۲۵۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۹، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "وسبب افتراضها ملك نصاب حوليّ، تامٍ، فارغٍ عن دَينٍ له مطالب من جهة العباد، الخ".
(الدرالمختار: ۲/۲۵۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب: ۱/۱۳۶، كتاب الزكاة، قديمی)

(وكذا في حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، ص: ۷۱۳، كتاب الزكاة، قديمی)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۹، كتاب الزكاة، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۳) "ولا يحل أن يسأل شيئاً مِن القوت مَن له قوت يومه بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب، ويأثم معطيه إن علم بحاله لإعانته على المحرم". (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۵۴، ۳۵۵، سعيد)

قوم فقیر پر زکوٰۃ

سوال[۴۴۳۰]: بکر کاشتکار ہے مگر قوم سے فقیر ہے، مانگنے کا پیشہ بھی کرتا ہے، صاحبِ نصاب ہے اور ساتھ ہی مزار کے چڑھاوے کا استعمال بھی کرتا ہے، بکر کہتا ہے کہ چونکہ ہماری قوم فقیر ہے اس لئے ہم پر زکوۃ اور قربانی کرنا فرض نہیں ہے۔ کیا بکر کا یہ کہنا درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کہ بکر صاحبِ نصاب ہے تو اس کے ذمہ بھی زکوۃ لازم ہے، قوم فقیر ہونے کی وجہ سے زکوۃ معاف نہیں (۱)، مزار پر چڑھاوا جو کہ صاحبِ مزار پر چڑھایا جاتا ہے اس کا چڑھانا بھی ناجائز ہے اور اس کا کھانا بھی ناجائز ہے، بکر کو ہرگز نہیں کھانا چاہئے (۲)۔ مالدار ہونے کی وجہ سے قربانی بھی اس کے ذمہ لازم ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۴ھ۔

ہبہ پر زکوۃ

سوال[۴۴۳۱]: آج سے تقریباً ایک سال ہوا ہے بیرونِ ہند سے میرے پاس رقم بھیجی تھی اور خط

---

(۱) "الزكاة إنما تجب إذا ملك نصاباً تاماً نامياً حولاً كاملاً، الخ". (خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۳۵، كتاب الزكاة، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۱۷، كتاب الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۲، كتاب الزكاة، إمداديه)

(۲) "ولايجوز أن يصرف ذلك لغني غير محتاج ولالشريف منصب؛ لأنه لايحل له الأخذ مالم يكن محتاجاً فقيراً .... ولم يثبت في الشرع جواز الصرف للأغنياء للإجماع على حرمة النذر للمخلوق ولاينعقد ولاتشتغل الذمة به، ولأنه حرام بل سحت". (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في النذر: ۲/۵۲۱، رشيديه)

(۳) "(فتجب) التضحية (على مسلم مقيم موسر) يسار الفطرة. اهـ". (الدر المختار: ۶/۳۱۳-۳۱۴، سعيد)

میں یہ لکھا کہ اس میں میرے اور زید وبکر کے ہیں، خیال ہوا کہ ان تین حضرات کی امانت ہے کہ اس قسم کی امانتوں کا سلسلہ ناچیز کے پاس رہتا ہے۔ ابھی چند دنوں پر میں نے ان کو خط لکھا کہ آپ کی اس رقم کی ابھی تک تفصیل معلوم نہیں ہوئی ہے، زید وبکر میرے یہاں تشریف لائے تھے لیکن انہوں نے بھی مطالبہ نہیں کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ رقم ہم تین کے لئے ہدیہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ رقم کب سے میری ملک شمار ہوگی؟ میں اپنی زکوۃ کا سال ابتدائے رمضان سے شمار کر کے ابتدائے رمضان میں جو کچھ ہوتا ہے اس کی زکوۃ ادا کرتا ہوں، اب ربیع الاول میں معلوم ہوا کہ یہ رقم میری ملکیت ہے۔ کیا اس گذشتہ سال کی اس رقم کی زکوۃ مجھ پر ہوگی؟ جب رقم آئی تھی، نہ انہوں نے لکھا کہ یہ ہدیہ ہے اور نہ مجھے معلوم ہوا۔ اس بارے میں رہنمائی فرمادیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ہبہ کے لئے قبول لازم ہے، قبول کے بعد سے موہوب پر ملک حاصل ہوتی ہے، پس جب تک آپ نے قبول نہیں کیا، آپ کی ملک اس پر حاصل نہیں ہوئی، جس وقت قبول کرلیا اس وقت سے آپ مالک ہیں (۱)۔ اسی وقت سے اس پر زکوۃ کا حساب ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۵/ ۹۰ھ۔

بیوہ پر زکوۃ

سوال [۴۴۳۲]: بیوہ عورت کے پاس تخمیناً دوسو روپے مع زیور کے ہوئے اور اپنی گذراوقات اپنے حقیقی لڑکے کے یہاں کرتی ہے اور لڑکا نان ونفقہ وعلاج اپنی ذاتی آمدنی سے کرتا ہے۔ تو ایسی عورت پر معمولی رقم

---

(۱) "و تصح بقبول: أی فی حق الموهوب له، أما فی حق الواهب فتصح بالإيجاب و حده ؛ لأنه تبرع". (الدرالمختار). "(قوله: و تصح بقبول): أی و لو فعلاً، الخ. و ما فی المحيط من أنها تدل علی أنه لا يشترط فی الهبة القبول مشكل. قلت: و يظهر أنه أراد بالقبول قولاً، و عليه يحمل كلام غيره الخ. نعم القبول شرط لو كان الموهوب فی يده". (ردالمحتار: ۵/ ۶۹۰، كتاب الهبة، سعيد)

(و كذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/ ۲۵۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۲) "وشرطه: أی شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو فی ملكه". (الدرالمختار، كتاب الزكوة: ۲/ ۲۶۷، سعيد)

پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

واجب ہے جب کہ بقدرِ نصاب ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

وکالت کی آمدنی پر زکوٰۃ

سوال[۴۴۳۳]: موجودہ وقت کے پیشِ نظر وکالت سے جو رقم زکوٰۃ کے نصاب کو پہونچ جاتی ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں اور اس رقم سے حج واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حوادث الفتاویٰ حصہ ثانیہ، ص:۱۵۳(۲) میں کچھ توجیہات کی ہیں جن سے پیشۂ وکالت کا جواز بعض

---

(۱) "وسببه: أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي تام". (الدر المختار: ۲/۲۵۹، کتاب الزکاة، سعید)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۵۵، کتاب الزکاة، رشیدیه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۹، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الخلاصة: ۱/۲۳۵، کتاب الزکاة، امجد اکیڈمی، لاهور)

(۲) **سوال**: "لیکن اگر وکالت کی فیس واجب یا حرام کی اجرت نہ کہا جاوے، بلکہ مثل نفقہ قاضی یا حاکم کے اس کو بھی نفقہ کہا جاوے تو جواز کی گنجائش ہو سکتی ہے یا نہیں اور اگر تاویل نہ چل سکے تو پھر یہ تاویل ہو سکتی ہے کہ وکیل نصرت کی اجرت نہیں لیتا ہے، بلکہ ایک خاص وقت اور خاص دن میں محبوس رہنے کی اجرت لیتا ہے کیونکہ غایت مافی الباب وکیل پر مؤکل کو قانونی مشورہ دینا واجب ہوگا، اب مؤکل کو چاہیے کہ اس کے مشورہ کے موافق عمل کرے اگر خود عمل کرنے پر قادر نہیں تو وکیل اس کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا، باوجود اس کے وکیل کو عدالت میں لے جانا اور اپنے کام کے لئے محبوس رکھنا یہ غالباً متقوم عند الشرع ہو سکتا ہے اس میں بھی کسی قدر اس کی تائید ہو سکتی ہے کہ بسا اوقات ایک مقدمہ میں کئی وکیل کرتے ہیں جن میں سے بعض گفتگو کرتے ہیں اور بعض خاموش بیٹھے رہتے ہیں جب عدالت کا وقت ختم ہو جاتا ہے، چلے جاتے ہیں اب ان وکیلوں نے جنہوں نے خاموشی کی حالت میں عدالت کے وقت کو پورا کر دیا باوجودیکہ مقدمہ میں نصرت نہیں مگر فیس لے لی اس سے معلوم ہوا کہ محض حبس کی فیس لی ہے =

قیود کے ساتھ مستفاد ہوتا ہے، لیکن وہ قیود عامۂ ملحوظ نہیں ہوتی، اس لئے فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول، ص:۵۳ (۱) میں لکھا ہے کہ "اس زمانہ کی وکالت اور مختنانہ حلال نہیں (۲)، ان کا کھانا بھی اچھا نہیں مگر بتاویل۔ پس اگر محض ناجائز وکالت کی آمدنی ہے تو اس پر نہ زکوٰۃ ہے نہ حج بلکہ واجب الرد ہے، ارباب اموال کو واپس کرے، وہ مر گئے ہوں تو ان کے ورثہ کو دیا جائے، اگر اربابِ اموال کا علم نہ ہو تو غرباء پر صدقہ کردی جائے اس نیت سے کہ اللہ پاک اس کے وبال سے نجات دے:

"والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام، لايحل ويتصدق به بنية صاحبه". ردالمحتار: ۲/ ۱۳۰ (۳)۔

اگر مال مخلوط ہو کچھ حرام ہو اور کچھ حلال تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسے مال پر زکوٰۃ بھی فرض اور حج بھی، بشرطیکہ مقدارِ حلال بقدرِ نصاب ہو، مقدارِ حرام کا ضمان ادا کرنا لازم ہے:" لو أن سلطاناً غصب مالاً وخلطه، صار ملكاًله حتى وجبت عليه الزكاة، الخ". فتح القدير: ۱/ ٤٨٢ (٤)۔

اگر مال حرام سے حج کیا تو فریضہ ساقط ہو جائے گا، مگر حج قبول نہیں ہوگا:"ويجتهد من تحصيل نفقة حلال، فإنه لايقبل الحج بالنفقة الحرام مع أنه يسقط الفرض معها وإن كانت مغصوبةً،

= ورنہ ان کو کچھ ملنا نہیں چاہیے تھا کیونکہ مقدمہ میں نصرت نہیں کہ آیا اس تاویل سے وکالت جائز ہوسکتی ہے یا نہیں، فقط بینوا توجروا۔

الجواب: سائل نے جو توجیہات اس کے جواز کی لکھی ہیں وہ کافی ہیں اور ان سب سے سہل تر توجیہ یہ ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ حرمت استیجار مخصوص ہے، طاعۃ مختصر بالمسلم کے ساتھ اور نصرت مظلوم منجمد طاعات کے ہے پس اس میں اس حرمت کا حکم نہ کیا جاوے گا حاصل یہ کہ پیشہ وکالت فی نفسہ جائز ٹھہرا، مگر شرط یہ ہے کہ سچے مقدمات لیتا ہو۔ ۲۷/ رمضان المبارک/۱۳۳۲ھ (حوادث الفتاویٰ، اولیٰ، ص:۱۵۳)

(وکذا فی امداد الفتاویٰ: ۳/ ۳۱۹، دارالعلوم)

(۱) (فتاویٰ رشیدیہ، حصہ اول، ص: ۳۴۷، إدارہ اسلامیات)

(۲) "مختنانہ: محنت کا صلہ، وکیل کی فیس"۔ (فیروز اللغات، ص:۱۲۱۵، فیروز سنز، لاہور)

(۳) (ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورّث مالاً حراماً: ٦/ ٩٩، سعيد)

(۴) (فتح القدير، كتاب الزكاة: ۲/ ۱۵۴، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

ولا تنافِيَ بين سقوطه وعدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب في الآخرة عقاب تارك الحج". فتح القدير: ۲/۲۱۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۴/۰ ۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۴/۰ ۷ھ۔

جو روپیہ نابالغ کو دیدیا اس پر زکوٰۃ نہیں

سوال [۴۴۳۴]: زید نے پینشن یا پراویڈنٹ فنڈ سے مندرجہ ذیل طریقہ سے روپیہ خرچ کیا:

۱- مکان خریدا جس کا کرایہ سو روپیہ ماہوار ملتا ہے۔

۲- پانچ ہزار روپیہ اپنی لڑکی کی تمام شادی کے لئے جمع کر دیئے، لڑکی زیر تعلیم ہے۔

۳- پانچ تولہ سونے کے زیور لڑکی کو بنوا دیئے۔

۴- چار ہزار روپیہ اپنے چھوٹے لڑکے کے نام جو کہ ابھی زیر تعلیم ہے، بینک میں جمع کرا دیئے۔

اب زید کو سوا سو روپیہ ماہوار پنشن ملتی ہے اور سو روپیہ مکان کا کرایہ آتا ہے جس سے وہ اپنے، اپنی اہلیہ کے اور دونوں بچوں کے اخراجات اٹھاتا ہے، اس کی بیوی کے پاس شادی کے وقت کے پانچ تولہ، ۸/ ماشہ سونے کے اور ۴۵/ تولہ چاندی کے زیور ہیں اس کے پاس نقد بارہ سو روپے ہیں۔ اس صورت میں صرف اہلیہ کے زیورات پر زکوٰۃ فرض ہے یا ان رقوم اور زیورات پر بھی زکوٰۃ فرض ہے جو اس کے بچوں کے نام ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو روپیہ اور زیور زید نے اپنی ملک سے نکال کر دوسرے لڑکے لڑکی وغیرہ کی ملک میں دے کر اس کا اس پر قبضہ کرا دیا (یعنی ہبہ شرعی کر دیا) اس کی زکوٰۃ زید کے ذمہ نہیں، نابالغ کا قبضہ ضروری نہیں صرف زبان سے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ میں نے یہ روپیہ یا زیور اس کو دیدیا ہے، اتنا کہنے سے بھی ہبہ صحیح ہو جاتا ہے۔ نابالغ کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے (۲)، جب وہ بالغ ہو جائے تب لازم ہوگی۔ اور کرایہ کے مکان میں بھی زکوٰۃ نہیں، کرایہ کا

---

(۱) (فتح القدير، كتاب الحج: ۲/۴۰۷، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(۲) " و شرط افتراضها عقل و بلوغ". (الدرالمختار). وفي ردالمحتار: "فلا تجب على مجنون و صبي؛ لأنها عبادة محضة، و ليسا مخاطبين بها، وإيجاب النفقات و الغرامات لكونها من حقوق العباد =

روپیہ جو سالانہ خرچ ہوجاتا ہے سال بھر باقی نہیں رہتا اس میں بھی زکوۃ نہیں (۱)۔ بیوی کے مال میں زکوۃ بیوی کے ذمہ ہے، اس کی اجازت سے شوہر دیدے تب بھی ادا ہوجائے گی (۲)۔ بالغ اولاد کے مال میں خود اولاد کے ذمہ زکوۃ ہے، اس کی اجازت سے والد دیدے تب بھی ادا ہوجائے گی (۳)۔ بارہ سو روپیہ جو زید کے پاس حاجتِ اصلیہ سے زائد موجود ہیں اس کی زکوۃ زید کے ذمہ ہے۔ زکوۃ چالیسواں حصہ ہے یعنی بارہ سو روپیہ کی زکوۃ

= والعشر الخ". (كتاب الزكوة: ۲/۲۵۸، مطلب في أحكام المعتوة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۲، الفصل الأول في تفسيرها و صفتها، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۲۰، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "و ملك نصاب حولي فارغ عن الدين، وحوائجه الأصلية، نام، ولو تقديراً". (البحر الرائق: ۲/۳۵۵، كتاب الزكاة، رشيديه)

(و كذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۳، كتاب الزكاة، إمداديه)

(وكذا في المبسوط: ۱/۲۲۵، الجزء الثاني، كتاب الزكاة، المكتبة الغفاريه)

(۲) "من أدى زكاة مال غيره من مال نفسه بأمر من عليه الزكاة، جاز، بخلاف ماإذا أدى بغير أمره، ثم أجاز، شرح الطحاوى. ولو تصدق عن غيره بغير أمره، جازت الصدقة عن نفسه ولاتجوز عمانوى عنه وإن أجازه ورضى به. وهذا إذا كان المال الذى تصدق به مال نفسه، فأما إذا كان المال مال المتصدق عنه فإن أجازه جاز، إن كان المال قائماً، وإن كان المال هالكاً جاز عن التطوع". (الفتاوىٰ التاتارخانيه: ۲/۲۸۴، كتاب الزكوة، المسائل المتعلقة بمعطى الزكاة، إدارة القرآن كراچى)

"رجل أدّى زكاة غيره عن مال ذلك الغير فأجازه المالك، فإن كان المال قائماً فى يد الفقير جاز، وإلافلا، كذا فى السراجية". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۱، كتاب الزكوة، الباب الأول فى تفسيرها وصفتها وشرائطها، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل في شرائط الركن: ۲/۲۶۰، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۳) "ومثل هذه الولاية لاتتأدى بها العبادات بخلاف ماإذا وكل بالأداء بعد البلوغ، فتلك نيابة عن اختيار، وقد وجدت النية والعزيمة منه، وبه فارق صدقة الفطر، فإن وجوبها لمعنى المؤنة حتى تجب على الغير بسبب الغير، وفيه حق للأب، فإنا لولم فوجب فى ماله، احتجنا إلى الإيجاب على الأب كما إذا لم يكن للصبى بخلاف الزكاة". (المبسوط للسرخسى: ۲/۲۱۹، كتاب الزكوة، غفاريه)

تمیں روپے ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

بینک میں جمع روپے پر زکوۃ

سوال[۴۴۳۵]: ایک شخص کے پاس ایک ہزار روپے ہیں اوران روپیوں پر ابھی ایک سال نہیں گزرا کہ زکوۃ اس پر فرض ہوجائے بلکہ چھ ماہ یا نو ماہ ایک سال سے کم کم ہے اوراس نے اس روپے کو بینک یا مسلم فنڈ میں جمع کردیا ہے، بقیہ ماہ سال کے پورے ہوتے ہیں، لہٰذا جب بینک میں پہونچ کر ایک سال پورا ہوجائے تو اس پر زکوۃ واجب ہوجائے گی یا نہیں؟ یا اپنے پاس رہنا شرط ہے جب کہ وہ روپیہ بینک میں جمع شدہ اپنی ملکیت ہے یا ملکیت سے خارج ہوجاتا ہے، کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب بینک میں جمع کیا ہے تو اس کو ہر وقت لینے پر قدرت ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ اپنے پاس ہوتا، پس اس کی زکوۃ ادا کرتا رہے، جتنے ماہ سال پورا ہونے میں باقی ہیں جب وہ پورے ہوجائیں تو زکوۃ ادا کردے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۶/۹ھ۔

---

(۱) "والخلاصة: أنه تجب زكاة الأسهم والسندات بمقدار ربع العشر أي: ۲،۵٪ من قيمتها مع بحرما في نهاية كل عام على مالكها الذي حال عليه الحول بعد تملكها". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۱۸۳۶/۳، كتاب الزكوة، زكاة الأوراق النقدية، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۷۹/۱، كتاب الزكوة، باب زكاة الذهب والفضة، رشيديه)

(۲) "و شرط افتراض أدائها حولان الحول، و هو في ملكه، و ثمنية المال كالدراهم والدنانير، الخ". (الدرالمختار). "(و هو في ملكه): أي والحال أن نصاب المال في ملكه التام كما مر، الخ".

(ردالمحتار: ۲۶۷/۲، كتاب الزكاة، سعيد) ....=

نابالغ کے نام بینک میں جمع شدہ روپیہ پر زکوۃ

سوال[۴۴۳۶]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

زید نے اپنے نابالغ لڑکے کے نام سے بینک یا ڈاکخانہ میں روپیہ جمع کیا ہے اور وہ روپیہ نصاب سے زیادہ ہے تو اب اس روپے کی زکوۃ زید دیگا، یا اس کا نابالغ لڑکا دے گا، یا نہیں دے گا؟ اور ڈاکخانے والے اس روپیہ کا سود بھی دیتے ہیں، اگر نہ لیا جائے تو وہ اپنے مشن وغیرہ میں لگا دیتے ہیں، اگر سود لے کر کسی غریب وغیرہ کو دیدیا جائے اور ثواب کی امید نہ رکھی جائے تو کوئی حرج ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس صورت میں وہ نابالغ لڑکا اس روپیہ کا مالک ہوگیا، نابالغ پر زکوۃ واجب نہیں لہذا اس کی زکوۃ نہ زید دے گا نہ وہ نابالغ لڑکا (۱)۔ سود کے نام پر جو کچھ وہاں سے ملے اس کو وصول کرلیا جائے۔ پَر احتیاط یہ ہے کہ اس کو محفوظ رکھا جائے، جب لڑکا بالغ ہوجائے تو وہ خود ہی وہ روپیہ غریبوں کو دیدے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۹۱، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۳۹۰، فصل في الشرائط التي ترجع إلى المال، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) "شرط افتراضها عقل و بلوغ وإسلام .... سبب افتراضها ملك نصاب حوليّ تام، اهـ".

(الدرالمختار: ۲/۲۵۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۲، كتاب الزكاة، امداديه ملتان)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱/۲۱۷، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "وتصرف الصبي ...... إن كان نافعاً ...... صح ...... وإن ضاراً كالطلاق ...... والصدقة والقرض، لا". (الدرالمختار). "(قوله: وإن ضاراً الخ): أي من كل وجه: أي ضرراً دنيوياً وإن كان فيه نفع أخروي كالصدقة والقرض .... وإن أذن به وليهما، لاشتراط الأهلية الكاملة، وكذا لو أجازه بعد بلوغه، إلا إذا كانت بلفظ يصلح لابتداء العقد، الخ". (ردالمحتار، كتاب المأذون: ۶/۱۷۳، سعيد)

"الحاصل أنه إن علم أرباب الأموال، وجب رده عليهم ...... ويتصدق بنية صاحبه ...... إذلو اختلط بحيث لا يتميز يملكه ملكاً خبيثاً، لكن لايحل له التصرف فيه مالم يؤد بدله، الخ".

(ردالمحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۹۹، سعيد)

بیٹے کے نام سے بینک میں جمع شدہ روپیہ پر زکوۃ

سوال[۴۴۳۷]: ایک شخص کے نام اس کا باپ گورنمنٹ کے بینک میں روپیہ جمع کرتا ہے، روپیہ جمع کرنے کی شرط اور وصول کرنے کے پہلے استفتاء میں مذکور ہو چکی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس شخص کے نام اس کے باپ نے اس کے بچپن میں روپیہ جمع کیا اس میں زکوۃ ہے تو کس پر؟ اس شخص کے نام روپیہ جمع ہونا بند بھی ہوسکتا ہے۔ اس شخص کی ضروریات شادی وغیرہ میں روپیہ نکالنے کا حق باپ ہی کو رہتا ہے نکالتے وقت مقدار نقد گورنمنٹ کے یہاں سے منظور کرانی پڑتی ہے پھر دینا ہوتی ہے، پنشن یا موت سے پہلے نہ باپ نکال سکتا ہے اور نہ بیٹا، یہ شخص فی الوقت نادار بھی ہے اور محتاجِ تصدق، اس کے لئے احکام شرعیہ تفصیلاً بیان ہوں۔

عبید اللہ بلیاوی مظاہری۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں روپیہ بچہ کی ملک نہیں بلکہ باپ ہی کی ملک ہے لہذا باپ ہی پر زکوۃ واجب ہے(۱)، جب بچہ بڑا ہو کر روپیہ پر قبضہ کرلے گا اس کی زکوۃ بعد حولانِ حول خود اس پر واجب ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۳/۶۱ھ۔

جہاز کمپنی نے میت کے ورثہ کو جو رقم دی اس پر زکوۃ

سوال[۴۴۳۸]: ایک جہاز میں بہت سے مسافر سوار تھے، راستے میں جہاز گر گیا اور سارے مسافر مر گئے، اب ان کے ورثاء کو کمپنی نے چالیس ہزار روپیہ رقم دی ہے، بیمہ وغیرہ نہیں کیا تھا بلکہ کمپنی نے اپنے قانون کے تحت یہ رقم دی ہے۔ کیا سال گزرنے کے بعد اس پر زکوۃ پڑے گی؟

---

(۱) "سبب افتراضها ملک نصاب حولي نام فارغ عن دينٍ له مطالب. الخ". (الدرالمختار: ۲/۲۵۹، ۲۶۰، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۷۲، الفصل الأول في تفسیرها و صفتها، رشیدیه)

(وکذا في تبیین الحقائق: ۲/۱۹، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیه، بیروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جورقم کمپنی نے جس کودی ہے وہ اس کی ملک ہے(۱)، دوسرے مملوکہ مال کی طرح اس کی بھی زکوۃ لازم ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

حج کے ٹکٹ کے لئے جمع کی گئی رقم پر زکوۃ

سوال [۴۴۳۹]: جتنی مقدار کرایہ جہاز میں حج کے لئے جا چکا ہے جس کی منظوری بھی ہو چکی ہے، کیا اس کی زکوۃ دی جائے جب کہ سال پورا نہیں ہوا؟ سال ماہِ رمضان میں پورا ہوتا ہے، روپیہ پہلے جا چکا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو روپیہ حج کے ٹکٹ کے لئے دے دیا اور اس کا ٹکٹ خرید لیا اور اس پر سال پورا نہیں ہوا تھا تو اس روپیہ کی زکوۃ لازم نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۹/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۹/ ۸۷ھ۔

---

(۱) "(هی) لغة: التفضل علی الغیر ولو غیر مال. وشرعاً (تملیک العین مجاناً): أی بلاعوض (فحکمها ثبوت الملک للموهوب له غیر لازم) فله الرجوع والفسخ". (الدرالمختار، کتاب الهبة: ۵/۶۸۷، ۶۸۸، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الهبة، الباب الأول: ۴/۳۷۴، رشیدیه)

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "بینک میں جمع رقم پر زکوۃ")

(۳) "إذا أمسکه لینفق منه کل مایحتاجه فحال الحول وقد بقی معه منه نصاب، فإنه یزکی ذلک الباقی وإن کان قصده الإنفاق منه أیضاً فی المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلی حوائجه الأصلیة وقت حولان الحول، بخلاف ماإذا حال الحول وهو مستحق الصرف إلیها، الخ". (ردالمحتار، کتاب الزکاة: ۲/۲۶۲، سعید)

جو روپیہ کھیت میں لگا اس پر زکوۃ کا حکم

سوال [۴۴۴۰]: ایک مقام پر عامۃ الناس ہزاروں روپیہ لگا کر کھیتی کرتے ہیں، تقریباً چھ ماہ تک وہ روپیہ کھیت میں لگا رہتا ہے پھر چھ ماہ تک اپنے پاس رہتا ہے، ان پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

روپیہ کا سامان (بیج وغیرہ) خرید کر جب کھیت میں لگا دیا تو روپیہ ختم ہوگیا، کھیت تیار ہونے کے بعد جب غلہ فروخت کیا اس کی قیمت کا روپیہ وصول ہوا، اگر اس کے علاوہ کوئی اَور نقد موجود نہیں اور اس روپیہ پر سال بھر نہیں گزرا بلکہ اس سے پہلے ہی کھیت کے کام میں خرچ ہوگیا تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوئی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۸۸ھ۔

حج کے روپیہ پر زکوۃ

سوال [۴۴۴۱]: ہم لوگ نصف رمضان تک زکوۃ نکال دیتے ہیں لیکن اس سال ہمارے والد صاحب رمضان سے قبل حج کو جارہے ہیں تو اس روپیہ کی بھی زکوۃ نکالنی ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو رقم والد صاحب لیکر حج کو جائیں گے اگر اس پر سال پورا ہو چکا ہے تو اس کی زکوۃ چالیسواں حصہ نکالنا واجب ہے، اگر سال بھر پورا ہونے سے قبل وہ خرچ میں آجائے تو اس پر زکوۃ نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۸/۸۹ھ۔

---

(۱) "سبب افتراضها ملک نصاب حوليّ، نسبة حولٍ لحولانه عليه". (الدر المختار: ۲/۲۵۹، کتاب الزکاة، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۱۵۵، كتاب الزكاة: مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في التبيين الحقائق للزيلعي: ۲/۲۲، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

البتہ کھیتی سے جو پیداوار حاصل ہوجائے اس پر عشر یا نصف عشر لازم ہے۔

(۲) "في المعراج في فصل زكوة العروض: إن الزكاة تجب في النقد كيفما أمسک للنماء أو للنفقة". =

مکان کے لئے جمع رقم پر زکوۃ

سوال[۴۴۴۲]: انڈیا کا ایک آدمی انگلینڈ میں ہے اس کے پاس ۸/ ہزار روپے بنک میں جمع ہے، اب اس شخص کا ارادہ وہاں مکان بنانے کا ہے، ممکن ہے کچھ قرض بھی ہوجائے تو اب اس جمع کردہ پیسوں پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

خرچ کرنے سے پہلے جب اس جمع شدہ روپیہ پر سال بھر گزر گیا تو اس پر زکوۃ فرض ہوگئی، زکوۃ ادا کرکے پھر مکان وغیرہ بنائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

نفع پر بھی زکوۃ واجب ہے یا صرف سرمایہ پر

سوال[۴۴۴۳]: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ میرے پاس رمضان ۹۲ھ کی پہلی تاریخ کو دو ہزار روپے تھے، دو مہینہ تک ایک دو ہزار میں کوئی زیادتی نہیں ہوئی بلکہ دو مہینے بعد اس میں زیادتی ہوئی تجارت کے وسیلہ سے، یہاں تک کہ ۹۳ھ کی پہلی تاریخ کو مبلغ پانچ ہزار روپے ہوگئے اور مجھ پر زکوۃ صرف دو ہزار پر واجب ہے یا پورے پانچ ہزار پر؟ مہربانی فرما کر فوری طور پر جواب ارسال فرمائیں۔

= (ردالمحتار: ۲/۲۶۲، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۱۵، کتاب الزکاۃ، قدیمی)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۳۶۱، کتاب الزکاۃ، رشیدیه)

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "حج کے ٹکٹ کے لئے جمع کی گئی رقم پر زکوۃ"۔)

"الزکاة إنما تجب إذا ملک نصاباً تاماً نامیاً حولاً کاملاً". (خلاصة الفتاوی: ۱/۲۳۵، کتاب الزکاۃ، امجد اکیڈمی، لاهور)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۵، کتاب الزکاۃ، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا افی التاتارخانیة: ۲/۲۱۷، کتاب الزکاۃ، إدارة القرآن، کراچی)

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس صورت میں پانچ ہزار کی زکوۃ لازم ہوگی، درمیانِ سال میں جس قدر آمدنی میں اضافہ ہوختم سال پراس تمام پر زکوۃ ہوتی ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح :بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

حیلۂ عدمِ وجوبِ زکوۃ

سوال[۴۴۴۴]: کوئی شخص سال آنے پر اپنا مال اپنے لڑکے کو ہبہ کردے پھر جب دوسرا سال آنے لگے تو بیٹا باپ کو ہبہ کردے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے اور کیا یہ بھی حیلہ بازی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اس سے مقصود یہ ہے کہ زکوۃ فرض نہ ہو تو ایسا کرنا مکروہ ہے:

"وإذا فعله حيلةً لدفع الوجوب كإن استبدل نصاب السائمة بآخر أو أخرجه عن ملكه، ثم أدخله فيه، قال أبو يوسف: لا يكره؛ لأنه امتناع عن الوجوب، لا إبطال حق الغير. و فی المحيط: إنه الأصح. و قال محمد رحمه الله تعالىٰ : يكره، و اختاره الشيخ حميدالدين الضرير؛ لأن فيه إضراراً بالفقراء، وإبطال حقهم مآلاً، و كذا الخلاف فی حيلة دفع الشفعة قبل وجوبها، وقيل: الفتوىٰ فی الشفعة على قول أبی يوسف رحمه الله تعالىٰ ، و فی الزكوة على قول محمد رحمه الله تعالىٰ ، و هذا تفصيل حسنٌ، شرح درر البحار".(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "المستفاد ولو بهبةٍ أو إرثٍ وسطَ الحول يضمّ إلى نصاب من جنسه، فيزكيه بحول الأصل".

(الدرالمختار: ۲۸۸/۲، باب زكاة الغنم، سعيد)

(و كذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۷۵/۱، كتاب الزكاة، رشيديه)

(و كذا فی تبيين الحقائق : ۲۲/۲، باب صدقة الغنم، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا فی مجمع الأنهر: ۲۰۷/۱، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (ردالمحتار، باب زكاة الغنم: ۲۸۴/۲، سعيد) .... =

زکوۃ واجب نہ ہونے کا حیلہ

سوال[۴۴۴۵]: زکوۃ سے بچنے کے لئے حیلہ کرنا کہ سال ختم ہونے سے پہلے اپنا مال دوسرے کی طرف منتقل کردے کسی امام کے نزدیک جائز ہے اور آیا امام شافعی یا ان کے علماء نے امام مذکور بالا پر لعن طعن کی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس مسئلہ میں امام صاحب کی جو اس کے جواز کے قائل نہیں تکذیب کرے تو اس کا یہ فعل کیسا ہے؟ نیز تکذیب کے کیا معنی ہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

"قال فی البحر: اعلم أنه لو وهب النصاب فی خلال الحول، ثم تم الحول و هو عند الموهوب له، ثم رجع الواهب بعد الحول بقضاء أو بغیره، فلا زکوة علی واحد منهما، کما فی الخانیه. و هی من حیل إسقاط الزکوة قبل الوجوب. و فی المعراج: و لو باع السوائم قبل تمام الحول بیوم فراراً عن الوجوب قال محمد رحمه الله تعالیٰ: یکره، و قال أبو یوسف رحمه الله تعالیٰ: لا یکره، و هو الأصح. ولو باعها للنفقة، لا یکره بالإجماع، و لو احتال لإسقاط الواجب یکره بالإجماع، و لو فر من الوجوب بخلاً لا تأثّمًا یکره بالإجماع، اهـ". طحطاوی ص:۴۲۲(۱)۔

= قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: "ومنها أن یهبه لطفله قبل التمام بیوم". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدینؒ: "هذه المسئلة من حیل إسقاط الزکوة، بأن یهب النصاب قبل الحول بیوم مثلاً، ثم یرجع فی هبته بعد تمام الحول، والظاهر أنه لورجع قبل تمام الحول یسقط عنه الزکوة أیضاً، لبطلان الحول بزوال الملک، تأمل. وقد منا الاختلاف فی کراهیة الحیلة عند قوله: ولا فی هالک بعد وجوبها بخلاف المستهلک". (ردالمحتار، کتاب الزکوة، باب زکوة المال، مطلب فی وجوب الزکوة فی دین المرصد: ۳۰۸/۲، سعید)

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۱۸، کتاب الزکاة، قدیمی)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳۸۴/۲، فصل فی الغنم، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۹۱/۲، الفصل الثالث فی مسائل الزکاة، رشیدیه)

اس سے معلوم ہوا کہ بعض مجتہدین کے نزدیک بعض صورتوں میں حیلہ درست ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ ہے اور بعض صورتوں میں سب کے نزدیک درست ہے اور بعض صورتوں میں سب کے نزدیک مکروہ ہے۔ لعنت کرنا کسی مسلمان پر درست نہیں، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے ارفع ہے۔ اگر تکذیب کا مطلب یہ ہے کہ بعض مجتہدین کی طرف اس مسئلہ کا انتساب غلط ہے تب تو یہ ناواقفیت پر مبنی ہے اور اگر مطلب یہ ہے کہ یہ مسئلہ ہی غلط ہے یعنی حیلہ بعض صورتوں میں ناجائز ہے تو یہ بعض مجتہدین کے قول کے موافق صحیح ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ کسی صورت میں حیلہ درست نہیں تو غلط ہے کیونکہ بعض صورتوں میں بالاجماع ایسا کرنا درست ہے۔ فقط. واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ۷/ ۵۶ھ۔

کیا اولاد کا نکاح حوائجِ اصلیہ میں ہے؟

سوال[۴۴۴۶]: کیا ارشاد ہے علمائے کرام کا اس مسئلہ میں کہ:

ایک آدمی کے پاس نصابِ شرعی نقد روپیہ موجود ہے مگر اس کی اولاد کا نکاح نہیں ہوا ہے، زمانہ موجودہ کے لحاظ سے اگر لڑکی کے والدین اپنی دختر کو سفید ہاتھوں بیاہ دیں تو دولہا اور اس کی قوم کی نگاہوں میں وہ لڑکی کس قدر ذلیل وخوار ہوتی ہے بلکہ تمام عمر لڑکی کی زندگی برباد ہوتی ہے اور نیز نرینہ اولاد کے واسطے ظاہری اسبابِ معاش بھی نہیں ہیں۔ غالباً کسی صحیح حدیث شریف کا مضمون بھی ہے کہ اولاد کو لوگوں کا دست نگر نہ چھوڑو (۱)۔ ضروریات مذکورہ بالا حوائج اصلیہ میں داخل ہیں یا نہیں؟ بحوالہ آیت مقدسہ یا صحیح حدیث شریف یا روایاتِ فقہیہ حنفیہ۔ بینوا و توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اولاد اگر بالغ ہے تو اس کا نکاح باپ کے ذمہ فرض نہیں بلکہ نکاح کی ذمہ داری شرعاً اولاد پر خود ہے،

---

(۱) "قال النبي صلى الله عليه وسلم: "إنک إن تذر ورثتک أغنياء خيرٌ من أن تذرهم عالةً يتكففون الناس". الحديث. (مشكوٰة المصابيح، باب الوصايا، الفصل الأول: ۱/ ۲۶۵، قديمى)

(والصحيح للبخاري، كتاب النفقات، باب فضل النفقة على الأصل: ۲/ ۸۰۶، قديمى)

اگر اولاد نابالغ ہے تو اس کے نکاح کا شرعاً ضروری نہ ہونا بالکل ظاہر ہے، اولاد کا نکاح حوائجِ اصلیہ میں داخل نہیں صرف عدمِ بلوغ کی حالت میں باپ کے ذمہ نفقہ واجب ہوتا ہے وہ بھی جب کہ خود اولاد کی ملک میں اتنا مال نہ ہو کہ جس کے ذریعہ سے نفقہ پورا ہو سکے، اگر اولاد کی ملک میں مال ہے تو نفقہ باپ کے ذمہ نہیں بلکہ اس مال سے دیا جائے گا:

" تجب النفقة والكسوة عليه لأولاده الصغار الفقراء، لقوله تعالىٰ: ﴿و على المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف﴾ والمولود له هو الأب، فأوجب عليه رزق النساء لأجل الأولاد، فلأن تجب عليه نفقة الأولاد بالطريق الأولى .... : و بقيده بالطفل والفقير يفيد عدم وجوبها إذا كان الولد غنياً أوكبيراً، و هذا صحيح، اهـ". زيلعي: ٣/٦٢(١)۔

حدیث شریف کا یہ مطلب نہیں کہ اولاد کی تمام عمر کا انتظام کر کے مَرو اور صدقاتِ واجبہ بھی ادا نہ کرو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر اولاد کے پاس مال نہیں ہے اور یہ احتمال قریب ہے کہ تمہارے بعد وہ دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرے گی تو تمہارے لئے صدقاتِ نافلہ میں خرچ کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اپنی اولاد کے لئے رہنے دو اور یہ بھی اس وقت ہے جب کہ اولاد صالح ہو، اگر یہ خیال ہو کہ بعد میں اولاد فسق و فجور اور معصیت میں خرچ کرے گی تو اپنی زندگی میں تمام مال مصارفِ خیر پر صرف کرے تو بہتر ہے:

"ولو كان ولده فاسقاً وأراد أن يصرف ماله إلى وجوه الخير و يحرمه من الميراث، هذا خير من تركه، كذا في الخلاصة". عالمگیری، ص: ١٦٠(٢)۔

اور صورتِ مسئولہ میں اگر اس نقد روپیہ پر ایک سال پورا گزر چکا ہے تو اس پر زکوۃ فرض ہے: "إنه كان

(١) (تبيين الحقائق: ٣/٣٢٥، باب النفقة، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في فتح القدير: ٤/١٠ ٤، فصل: و نفقة الأولاد الصغار الخ: مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في المحيط البرهاني: ٣/٦ ٣ ١، الفصل الثالث في نفقة ذوي الأرحام، غفاريه كوئٹه)

(٢) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٤/ ١ ٩ ٣، الباب السادس في الهبة للصغير، رشيديه)

(وكذا في الخلاصة: ٤/ ٠ ٠ ٤، جنس آخر في الهبة من الصغير، امجد اكيڈمى لاهور)

تجب فی النفقة کیفما أمسکه للنماء أو النفقة". ردالمحتار: ۸/۲(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱۱/۵۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ذیقعدہ/۵۴ھ۔

حکومتِ پاکستان کی طرف سے انتالیس سوالات پر مشتمل استفتاء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترمی! السلام علیکم

جیسا کہ آپ جناب کو علم ہوگا کہ حکومت پاکستان نے ایک زکوٰۃ کمیٹی مقرر کی ہے جو زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کے مسئلے پر غور کر رہی ہے۔ زکوٰۃ کمیٹی نے ایک سوالنامہ مرتب کیا ہے جس کی ایک نقل ارسالِ خدمت ہے، کمیٹی شکر گزار ہوگی اگر آپ اپنے قیمتی وقت میں سے تھوڑا سا وقت نکال کر سوالنامے کا جواب عنائت فرمائیں گے، چونکہ کمیشن کو اپنی رپورٹ جلد از جلد حکومت کو پیش کرنا ہے، لہٰذا درخواست ہے کہ آپ جناب ۳۱/ اگست/ ۱۹۴۹ء سے پہلے اپنا جواب مرحمت فرمائیں۔

والسلام! وقار احمد سیکرٹری زکوٰۃ کمیشن وزارتِ مالیات حکومتِ پاکستان۔

زکوۃ کی تعریف

[۴۴۴۷]: ۱...... زکوٰۃ کی تعریف کیا ہے؟

زکوۃ کن کن لوگوں پر واجب ہے؟

[۴۴۴۸]: ۲...... کن کن لوگوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ اس سلسلے میں عورتوں، نابالغوں، مسافروں، فاتر العقل افراد، مستأمنوں یعنی غیر ملک میں مقیم لوگوں کی کیا حیثیت ہے؟

وجوبِ زکوۃ کے لئے کتنی عمر ہے؟

[۴۴۴۹]: ۳...... زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہونے کے لئے کتنی عمر کے شخص کو بالغ سمجھنا چاہیے؟

---

(۱) (ردالمحتار: ۲۶۲/۲، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۳۶۱/۲، کتاب الزکاۃ، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق: ۴۱۵/۱، کتاب الزکاۃ، إمدادیه ملتان)

وجوبِ زکوۃ کے لئے عورت کے زیور کی حیثیت

[۴۴۵۰]: ۴...... زکوۃ کی ادائیگی واجب ہونے کے لئے عورت کے ذاتی استعمال کے زیور کی حیثیت کیا ہے؟

زکوۃ کمپنی پر ہے یا فرداً فرداً تمام حصہ داروں پر؟

[۴۴۵۱]: ۵...... کیا کمپنیوں کو زکوۃ ادا کرنی چاہیے، یا ہر حصہ دار کو اپنے اپنے حصہ کے مطابق فرداً فرداً زکوۃ ادا کرنے کا مجاز ٹھہرایا جائے؟

اداروں پر زکوۃ

[۴۴۵۲]: ۶...... کارخانوں اور تجارتی اداروں پر زکوۃ کے وجوب کے حدود بیان کیجئے۔

قابلِ انتقال حصوں والے کمپنیوں کے خریدکنندہ پر زکوۃ ہے یا بیچنے والے پر؟

[۴۴۵۳]: ۷...... جن کمپنیوں کے حصے قابلِ انتقال ہیں ان کے سلسلے میں تشخصِ زکوۃ کے وقت کس پر ادائیگی زکوۃ واجب ہوگی، خریدکنندہ پر یا بیچنے والے پر؟

کن کن چیزوں پر کن کن حالات میں زکوۃ واجب ہے؟

[۴۴۵۴]: ۸...... کن کن اثاثوں اور چیزوں پر اور موجودہ سماجی حالات کے پیشِ نظر کن کن حالات میں زکوۃ واجب ہوتی ہے؟ بالخصوص ان چیزوں کے بارے میں یا ان (مندجہ ذیل) سے پیدا شدہ حالات میں کیا صورت ہوگی؟

(الف) نقدی سونا، چاندی، زیورات اور جواہرات۔

(ب) دھات کے سکے (جن میں طلائی، نقرئی اور دوسری دھاتوں کے سکے شامل ہیں) اور کاغذی سکے۔

(ج) بینکوں میں بقایا امانت یا کسی دوسری جگہ رکھی ہوئی چیزیں، لئے ہوئے قرضے اور دیئے ہوئے قرضے، مرہونہ جائیداد اور ایسی جائیداد جو قابلِ ارجاع نالش ہو۔

(د) عطیات۔

(ہ) بیمے کی پالیسیاں اور پراویڈنٹ فنڈ کی رقمیں۔

(و)مویشی،شیر خانہ کی مصنوعات،زرعی پیداوارمع اناج،سبزیاں،پھل اور پھول۔

(ز)معدنیات۔

(ح)برآمد شدہ دفینہ۔

(ط)آثارِ قدیمہ۔

(ی)جنگلی یا پالتو مکھی کا شہد۔

(ک) مچھلی،حوض اور پانی سے نکلنے والی دوسری چیزیں۔

(ل)پیٹرول۔

(م)درآمد برآمد۔

دورِنبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے املاکِ زکوۃ پرخلفائے راشدین کا اضافہ

[۴۴۵۵]:۹......رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جن املاک پر زکوۃ واجب تھی کیا خلفائے راشدین (رضوان اللہ علیہم) نے ان کی فہرست میں کوئی اضافہ کیا؟ اگر کوئی اضافہ یا تبدیلی کی تو کن اصولوں پر؟

نِکل،سونے چاندی کے علاوہ یا منسوخ شدہ سکوں پر زکوۃ

[۴۴۵۶]:۱۰...... کیا نکل کے سکوں اور سونے چاندی کے سوا دوسری دھاتوں کے رائج الوقت سکوں پر زکوۃ واجب ہوگی؟ جو سکے رائج نہیں رہے جو خراب ہیں یا جو حکومت نے واپس لے لئے ہیں یا جو دوسرے ملکوں کے سکے ہیں ان کا بھی اس سلسلے میں شمار ہونا چاہیے یا نہیں؟

مالِ ظاہر و مالِ باطن کی تعریف اور بینک کی رقوم پر زکوۃ

[۴۴۵۷]:۱۱......مالِ ظاہر اور باطن کی کیا تعریف ہے؟ اس سلسلہ میں بینکوں کے اندر جمع شدہ رقوم کی کیا حیثیت ہے؟

مالِ نامی کے حدود

[۴۴۵۸]:۱۲......اعراضِ زکوۃ کے لئے مالِ نامی (نمود پذیر) کے حدود بیان کیجئے؟ کیا صرف مالِ نامی پر زکوۃ واجب ہوگی؟

مکان، زیورات اور کرایہ کے اشیاء پر زکوۃ کے قواعد

[۴۴۵۹]: ۱۳...... جو مکان، زیورات، دوسری چیزیں کرایہ پر دی جائیں ان پر اور ٹیکسی گاڑی موٹر وغیرہ پر زکوٰۃ لگانے کے کیا قاعدے ہیں؟

کن کن مملوکہ جانورں پر کتنی مقدار اور کن حالات میں زکوۃ واجب ہے؟

[۴۴۶۰]: ۱۴...... کسی آدمی کے کن کن مملوکہ جانوروں پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے؟ اس سلسلہ میں بھینسوں، مرغیوں دوسرے پالتو اور شوقیہ پالے ہوئے جانوروں کی حیثیت کیا ہے؟ کیا ان کی زکوٰۃ نقدی کے شکل میں یا جنس کی صورت میں یا دونوں طرح دی جاسکتی ہے؟ کسی آدمی کے مختلف مملوکہ جانوروں کی کتنی مقدار پر اور کن حالات میں زکوٰۃ واجب ہونی چاہیے؟

اموالِ زکوۃ پر زکوۃ کی شرح

[۴۴۶۱]: ۱۵...... جن مختلف سامانوں اور چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ان پر زکوٰۃ کس شرح سے لی جائے؟

کیا دورِ خلفائے راشدین میں بعض اموالِ زکوۃ کی شرح میں تبدیلی ہوئی؟

[۴۴۶۲]: ۱۶...... خلفائے راشدین کے دور میں نقدی سکوں، مویشیوں، سامانِ تجارت زرعی پیداوار پر زکوٰۃ کی شرح میں کوئی تبدیلی کی گئی ہے؟ اگر ایسا ہو تو سند کے ساتھ تفصیلی وجوہ بیان کیجئے۔

دوسو نقرئی درہم، بیس طلائی مثقالی کے حساب سے پاکستانی روپے پر زکوۃ

[۴۴۶۳]: ۱۷...... نقدی کی صورت میں اگر زکوٰۃ دوسو نقرئی درہم اور بیس طلائی مثقال میں واجب ہو تو یہ سکے کتنے پاکستانی روپوں کے برابر ہوں گے، اناج کی صورت میں (صاع وو سق) پاکستان کے مختلف علاقوں میں کن مروجہ اوزان کے برابر ہوں گے؟

موجودہ حالات کے پیشِ نظر شرحِ زکوۃ میں تبدیلی

[۴۴۶۴]: ۱۸...... کیا موجودہ حالات کے پیشِ نظر نصاب (وہ کم از کم سرمایہ جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے) اور زکوٰۃ کی شرح میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی؟ اس مسئلے پر اپنے خیالات دلائل کے ساتھ پیش کریں۔

مختلف اثاثوں پر وجوبِ زکوۃ کی مدت

[۴۴۶۵]:۱۹...... مختلف اثاثوں اور سامانوں پر کتنی مدت گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہے؟

کیا سال میں کئی فصلوں پر ایک زکوۃ ہے؟

[۴۴۶۶]:۲۰...... اگر ایک سال میں کئی فصلیں ہوں تو کیا سال میں صرف ایک بار زکوٰۃ ادا کی جائے یا ہر فصل پر؟

ادائے زکوۃ میں شمسی وقمری مہینوں کا اعتبار اور کسی ایک مہینہ کی تعیین

[۴۴۶۷]:۲۱...... زکوٰۃ قمری سال کے حساب سے واجب ہونی چاہیے یا شمسی سال کے حساب سے؟ کیا زکوٰۃ کی تشخیص اور وصولی کے لئے کوئی مہینہ مقرر ہونا چاہیے؟

زکوۃ کے مصارف

[۴۴۶۸]:۲۲...... زکوٰۃ کی رقم کن مصارف میں خرچ ہونی چاہیے؟

مصارف کے حدود اور "فی سبیل اللّٰہ" کا مفہوم

[۴۴۶۹]:۲۳...... قرآن حکیم میں جن مختلف مصارف میں زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کی حدود بیان کیجئے بالخصوص اصطلاح "فی سبیل اللّٰہ" کے معنیٰ ومفہوم کی وضاحت کیجئے؟

تمام زکوۃ کو تمام مصارف میں یا متعین حصہ متعین مصرف میں صَرف کیا جائے؟

[۴۴۷۰]:۲۴...... کیا یہ لازمی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کا ایک حصہ ان مصارف میں سے ہر ایک مصرف پر خرچ کرنے کے لئے الگ رکھا جائے جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے، یا زکوٰۃ کی پوری رقم قرآن مجید میں بتائے ہوئے تمام مصارف پر خرچ کرنے کی بجائے ان میں سے کسی ایک یا چند مصارف میں بھی خرچ کی جاسکتی ہے؟

مستحقینِ زکوۃ کے استحقاق کے حالات اور بنی ہاشم کو زکوۃ کا حق

[۴۴۷۱]:۲۵...... مستحقینِ زکوٰۃ کے ہر طبقے میں کسی فرد کو کن حالات میں زکوٰۃ لینے کا حق پہنچتا ہے، پاکستان کے مختلف حصوں میں جو حالات پائے جاتے ہیں ان کی روشنی میں اس امر کی وضاحت کی جائے کہ سیدوں بنی ہاشم سے تعلق رکھنے والے دوسرے افراد کو زکوٰۃ لینے کا کہاں تک حق پہنچتا ہے؟

مصرفِ زکوۃ افراد ہیں یا ادارے؟

[۴۴۷۲]:۲۶......کیا زکوٰۃ صرف افراد کو دی جاتی ہے یا اداروں کو (مثلاً تعلیمی اداروں، یتیم خانوں اور محتاج خانوں) کو بھی دی جاسکتی ہے؟

غریب، مسکین، بیوہ اور گزارہ الاؤنس والے معذوروں کے لئے زکوۃ

[۴۴۷۳]:۲۷......کیا زکوٰۃ کی رقم میں سے مستحق غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور ان لوگوں کو جو اپاہج یا ضعیف ہونے کی وجہ سے روزی کمانے سے معذور ہوں عمر بھر کی پنشن کے طور پر گزارہ الاؤنس دیا جاسکتا ہے؟

زکوۃ رفاہِ عامہ کے کاموں میں صَرف کرنا

[۴۴۷۴]:۲۸......کیا زکوٰۃ کی رقم رفاہِ عامہ کے کاموں مثلاً مسجدوں، ہسپتالوں، سڑکوں، پلوں، کنوؤں اور تالابوں وغیرہ کی تعمیر پر خرچ کی جاسکتی ہے؟ جس سے ہر آدمی بلا لحاظِ مذہب وملت فائدہ اٹھا سکے۔

زکوۃ کی رقم بطورِ قرض دینا

[۴۴۷۵]:۲۹......کیا زکوٰۃ کی رقم کسی شخص کو قرضۂ حسنہ یا قرض بلا سود کے طور پر دی جاسکتی ہے؟

مصرفِ زکوۃ اپنا علاقہ ہے یا دیگر علاقوں میں مصیبت زدگان بھی ہیں؟

[۴۴۷۶]:۳۰......کیا یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ جس علاقہ سے وصول کی جائے اسی میں صَرف کی جائے، یا اس علاقے سے باہر، یا پاکستان سے باہر تالیفِ قلوب کے لئے، یا آفاتِ ارضی وسماوی مثلاً زلزلہ، سیلاب وغیرہ کے مصیبت زدگان پر خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں آپ کے نزدیک علاقہ کی تعریف کیا ہے؟

ترکۂ میت سے زکوۃ لینا

[۴۴۷۷]:۳۱......متوفی کے ترکہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا کیا طریقہ ہونا چاہیے؟

عدمِ وجوبِ زکوۃ کے حیلہ سے لوگوں کو روکنے کی تدابیر

[۴۴۷۸]:۳۲......ایسی کیا احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں کہ لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی سے بچنے کے لئے حیلے نہ کرسکیں؟

تحصیلِ زکوۃ مرکز کے زیرِ انتظام ہو یا صوبوں کے؟

[۴۴۷۹]:۳۳...... زکوٰۃ کی تحصیل اور اس کا انتظام مرکز کے ہاتھ میں ہونا چاہیے یا صوبوں کے ہاتھ میں، اگر مرکز جمع کرے تو اس میں صوبوں یا دوسرے علاقوں کے حصے مقرر کرنے کے کیا اصول ہیں؟

زکوۃ کے نظم ونسق کا طریقہ اور وصولِ زکوۃ کے لئے الگ محکمہ

[۴۴۸۰]:۳۴...... آپ کی نظر میں زکوٰۃ کے نظم ونسق کو چلانے کا بہترین طریقہ کیا ہے؟ کیا زکوٰۃ جمع کرنے کے لئے کوئی الگ محکمہ قائم کیا جائے یا حکومت کے موجودہ محکموں میں سے ہی کام لیا جائے؟

زکوۃ سرکاری محصول ہے یا سرکار صرف ذمہ دار ہے؟

[۴۴۸۱]:۳۵...... کیا زکوٰۃ کو سرکاری محصول قرار دیا جائے، یا وہ کوئی ایسا محصول ہے کہ حکومت محض اس کی وصولی اور انتظام کی ذمہ دار ہے؟

دورِ خلفائے راشدین میں اغراضِ عامہ کے لئے زکوۃ وغیرہ

[۴۴۸۲]:۳۶...... کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں، یا خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دورِ حکومت میں اغراضِ عامہ کے کاموں کے لئے زکوٰۃ کے علاوہ بھی کوئی سرکاری محصول وصول کیا گیا ہے، اگر کیا گیا ہے تو وہ کیا تھا؟

اسلامی ممالک میں وصولیٔ زکوۃ کا طریقہ

[۴۴۸۳]:۳۷...... اسلامی ملکوں میں زکوٰۃ کی وصولی اور انتظام کرنے کا کیا طریقہ تھا اور اب کیا ہے؟

انتظامِ زکوۃ صرف حکومت کے پاس ہو یا کسی مجلس کے پاس؟

[۴۴۸۴]:۳۸...... کیا زکوٰۃ کی وصولی اور خرچ کا انتظام صرف حکومت کے پاس رہنا چاہیے، یا کوئی مجلسِ اُمناء مقرر ہو کر اس کا انتظام حکومت اور عوام کی مشترکہ نگرانی میں ہونا چاہیے؟

منتظمینِ زکوۃ کی تنخواہوں اور فنڈز کی شرائط

[۴۴۸۵]:۳۹...... زکوٰۃ جمع کرنے اور اس کا انتظام کرنے کے لئے جو عملہ رکھا جائے ان کی تنخواہیں،

الاؤنس، پنشن، پراء یڈنٹ فنڈ اور شرائطِ ملازمت کیا ہیں؟

نوٹ: حکومت پاکستان نے ۳۹ سوالات پر مشتمل استفتاء دارالافتاء مظاہر علوم میں بھیجا، حضرت والا دامت برکاتہم نے جوابات تحریر فرمائے، مگر افسوس کہ سوالات دستیاب نہ ہوسکے اس لئے صرف جوابات کو درج کیا جارہا ہے (☆)۔

نحمده ونصلي على رسوله الكريم:

۱...... مالِ مخصوص (نصاب کا چالیسواں حصہ، یا جو شرعاً اس کے قائم مقام ہو جیسے جانوروں میں زکوۃ کا متعینہ حصہ) کا شخصِ مخصوص (مصرف) کو مالک بنادینا اور اس میں اپنی کوئی منفعت نہ ہو، محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہو:

"هي تمليك مال مخصوص و هو ربع عشر النصاب أو ما يقوم مقامه من صدقات السوائم لشخص مخصوص، اهـ". مراقی الفلاح و طحطاوی(۱)۔ "أي مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالىٰ، اهـ". درمختار(۲)۔

۲...... جو شخص عاقل، بالغ مسلم، حر (آزاد) مالکِ نصابِ نامی ہو (جس پر سال بھر گزر چکا ہو اور وہ حاجتِ اصلیہ سے زائد اور دیونِ انسانی سے فارغ ہو) اس پر زکوۃ فرض ہے۔ عورتوں، قیدیوں، مسافروں، مستأمنوں میں اگر یہ صفات موجود ہوں تو ان پر بھی فرض ہے۔ نابالغوں پر فرض نہیں۔ وہ مجنون جس کو افاقہ نہ ہو اس پر فرض نہیں، جس کو افاقہ بھی ہوتا ہو اس میں تفصیل ہے، کتبِ فقہ میں ملاحظہ کیجئے۔ فاتر العقل یعنی کم عقل پر حسبِ شرائط فرض ہوگی:

"و شرطُ افتراضها عقل، و بلوغ، وإسلام، و حرية، والعلم به و لو حكماً لكونه في دارنا. وسببه: أي سبب افتراضها ملك نصاب حولي، تام، فارغ عن دينٍ له مطالب من جهة

(☆) الحمدللہ! ہمیں خیر الفتاویٰ سے وہی سوالات مل گئے اور شروع میں منسلک کر دیئے ہیں۔

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۱۳، كتاب الزكاة، قديمي)

(۲) (الدرالمختار: ۲/۲۵٦، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۵۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

العباد، وعن حاجته الأصلية، اھ". در مختار۔ "(قوله: عقل و بلوغ) فلا تجب علی مجنون و صبی، اھ". شامی(۱)۔

۳...... پندرہ سال کی عمر ہونے پر بلوغ کا حکم ہوجائے گا، اس سے قبل اگر علاماتِ بلوغ ظاہر ہوں تو علامات کے ظہور کے وقت سے بالغ تصور کیا جائے گا:

" بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال، والجارية بالاحتلام والحيض والحبل، فإن لم يوجد فيهما شيء،فمتىٰ يتم لكل منهما خمس عشرة سنةً، به يفتىٰ، اھ". درمختار(۲).

۴......سونے چاندی کے زیورات میں اوران میں جن میں سونا چاندی غالب ہوزکوۃ فرض ہوگی جب کہ وہ بقدرِ نصاب ہوں اگرچہ ذاتی استعمال کے لئے ہوں:

"و لو كانت الفضة أو الذهب حلياً أو غيره، تجب فيهما الزكاة، اھ". زیلعی(۳)۔ "واللازم في كل منهما و معموله و لو تبراً أو حلياً مطلقاً مباح الاستعمال أو لا،و لو للتجمل، والنفقة ربع عشر، اھ". در مختاربحذف۔ "(قوله: أو حلياً) ما تتحلى به المرأة من ذهب أو فضة. (قوله: أو لا) كخاتم الذهب للرجال والأواني مطلقاً و لو من فضه. (قوله: ولو للتجمل): أي التزين بهما في البيوت من غير استعمال، اھ". شامی(٤).

---

(۱) (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۲/ ۲۵۸، کتاب الزکاۃ، سعید)

(و کذا فی النهرالفائق: ۱/ ۴۱۲، کتاب الزکاۃ، امدادیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۲/ ۱۹، کتاب الزکاۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(۲) (الدرالمختار: ۲/ ۱۵۳، بلوغ الغلام بالاحتلام، سعید)

(کذا فی فتح القدیر: ۹/ ۲۷۰، فصل فی حد البلوغ، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ: ۱/ ۶۱، الفصل الثانی فی معرفۃ حد البلوغ، رشیدیہ)

(۳) (تبیین الحقائق، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال: ۲/ ۸۲، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

(۴) (الدرالمختار: ۲/ ۲۹۸، باب زکاۃالمال، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق : ۲/ ۷۲، باب زکاۃ المال، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(و کذا فی مجمع الأنهر: ۱/ ۳۰۵، کتاب الزکاۃ، دارالکتب العلمیہ بیروت)

۵......اگر حصہ داروں نے کمپنی کو ادائے زکوۃ کا وکیل بنادیا ہے تو کمپنی ادا کردے ورنہ حصہ داران ادا کریں(۱)۔

۶......جس کا حصہ خود یا اس کے دوسرے مالِ زکوۃ کے ساتھ مل کر مقدار نصاب ہو اس پر زکوۃ فرض ہوگی، لیکن مشینری اور سامان جو کارخانہ چلانے کے لئے ہے، تجارت کے لئے نہیں اس میں زکوۃ نہیں:

"وشرط حولان الحول و ثمنية المال كالدراهم والدنانير أو السوم أو نية التجارة فى العروضِ إما صريحاً و لا بد من مقارنتها لعقد التجارة، أو دلالةً بأن يشترى عيناً بعرض التجارة. اهـ". در مختار (۲)۔

۷......اگر مالک نے سال بھر گزرنے پر فروخت کیا ہے تو فروخت کرنے والے پر زکوۃ فرض ہوگی، اگر اس سے پہلے فروخت کیا ہے تو اس پر فرض نہیں بلکہ خریدنے والے پر فرض ہوگی جب کہ اس کی ملک میں سال بھر پورا ہوجائے، یا اس کے پاس کوئی اَور مال بقدرِ نصاب ہو تو اس مالِ سابق کا سال پورا ہونے پر اس کے ساتھ اس خرید کردہ حصہ پر بھی زکوۃ ہوگی (۳)۔

۸......سونا چاندی رائج الوقت سکے، سوائم، زمین کی پیداوار:

---

(۱) "و شرط صحة أدائها نية مقارنة له: أى للأداء، ولو كانت المقارنة حكماً". (الدرالمختار). "وأما المقارنة للدفع إلى الوكيل فهى من الحكمية."(ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۶۸، سعيد)

(وكذا فى التاتارخانية: ۲/۲۶۲، الفصل السابع فى أداء الزكاة، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى فتح القدير: ۲/۱۶۹، كتاب الزكاة، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(۲) (الدرالمختار: ۲/۲۶۷، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا فى بدائع الصنائع: ۲/۲۸۷، فصل فى حولان الحول، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى التاتارخانية: ۲/۲۱۷، كتاب الزكاة، إدارة القرآن كراچى)

(۳) "ولا فى هالك بعد وجوبها .... والمستفاد و لو بهبة أو إرث وسط الحول، يضم إلى نصاب من جنسه، فيزكيه بحول الأصلي الخ". (الدرالمختار: ۲/۲۸۸، فصل فى زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۲/۵۶، باب صدقة الغنم، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى البحرالرائق: ۲/۳۸۰، فصل فى الغنم، رشيديه)

(الف) نقدی سونا چاندی کے زیورات، وہ زیورات جن میں سونا چاندی غالب ہو،ان میں بہرصورت زکوۃ فرض ہوگی،خواہ یہ تجارت کے لئے ہوں خواہ کسی اَورغرض کے لئے ہوں(۱)۔جواہرات اگر تجارت کے لئے ہوں تو زکوۃ ہوگی ورنہ نہیں:

"لا زكوة في اللالي والجواهر وإن ساوت ألفاً اتفاقاً، إلا أن تكون للتجارة، والأصل أن ما عدا الحجرين والسائم إنما يزكى بنية التجارة، اهـ". در مختار (۲)۔

(ب) جن سکوں میں سونا چاندی غالب ہواوردوسری دھات مغلوب ہو،وہ خالص چاندی سونے کے حکم میں ہےاور جو سکے دوسری دھات کے ہوں یاان میں دوسری دھات غالب ہوان میں قیمت کےاعتبار سے زکوۃ فرض ہوگی یعنی اگران کی قیمت سونے یاچاندی کےنصاب کوپہونچ جائےتو زکوۃ ہوگی ورنہ نہیں اورنوٹ میں اس کےروپیوں کی قیمت کااعتبار ہوگا:

"غالب الفضة والذهب فضة وذهب، اهـ".در مختار۔" الفلوس إن كانت أثماناً رائجةً أو سلعةً للتجارة، تجب الزكوة في قيمتها، و إلا فلا، اهـ". شامی(۳)۔

(ج) جوامانت بینک یاکسی دوسری جگہ محفوظ ہواس میں بھی زکوۃ واجب ہوگی، جوقرض کسی سے لیا ہو اس پرزکوۃ نہیں، جوقرض کسی کودیا ہواس پرواجب ہے،مگروصول سے پہلے اداکرنا واجب نہیں (۴)۔مرہونہ

(۱) "واللازم في مضروب كل منهما و معموله و لو تبراً أو حلياً .... غالب الذهب والفضة فضةٌ وذهبٌ ما غلب غشه يقوّم كالعروض، الخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۲۹۸، باب زكاة المال،سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۸، الفصل الأول في الذهب والفضة، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۰۵، باب زكاة الذهب والفضة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) (الدرالمختار: ۲/۲۷۳، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۰، الفصل الثاني في العروض، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۴۴، باب زكاة عروض التجارة، إدارة القرآن، كراچی)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة رقمها: ۱)

(۴) " فتجب زكاتها إذا تم نصاباً أو حال الحول، لكن لا فوراً بل عند قبض أربعين درهمًامن الدين =

جائیداد کی زکوۃ راہن پر نہیں (۱)۔ متنازعہ فیہ جائیداد کا فیصلہ جس کے حق میں ہوگا اس پر زکوۃ ہوگی بشرطیکہ وہ اموالِ زکوۃ میں سے ہو، زمینِ کاشت پر زکوۃ نہیں۔

(د) اگر عطیات ان اموال میں سے ہوں جن میں زکوۃ واجب ہوتی ہے اور معطیٰ لہ کو مالک بنادیا گیا ہوتو شرائطِ زکوۃ کے مطابق زکوۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں (۲)۔

(ہ) پراویڈنٹ فنڈ میں جو حصہ تنخواہ سے جمع کیا جاتا ہے اس کی زکوۃ شرائط کے مطابق واجب ہوگی اور جو گورنمنٹ خود جمع کرتی ہے اس پر ابھی واجب نہیں، وصول ہونے کے بعد شرائط کے مطابق واجب ہوگی (۳)۔ بیمہ پالیسیاں کی ہمیں تحقیق نہیں کیا ہے (۴)۔

= القوی کقرض و بدل التجارة، الخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۵ ۰ ۳، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا فی التاتارخانية: ۲/۰ ۰ ۳، باب زکاة الديون، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۵ ۷ ۱، کتاب الزکاة، رشيديه)

(۱) "ومن موانع الوجوب الرهن إذا کان فی يد المرتهن لعدم الملک إليه". (البحرالرائق: ۲/۳۵۵، کتاب الزکاة، رشيديه)

(وکذا فی الدرالمختار: ۲/۲۶۳، کتاب الزکاة، سعيد)

(وکذا فی التاتارخانية: ۲/۶ ۰ ۳، المال الذی يتوی ثم يقدر عليه، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "الزکاة واجبة علی الحر العاقل البالغ المسلم إذا بلغ نصابًا ملکاً تاماً، وحال عليه الحول. الملک التام أن يکون ملکه ثابتاً من جميع الوجوه، و لا يتمکن النقصان فيه بوجهٍ کما فی المديون والمکاتب، الخ". (التاتارخانية: ۲/۷ ۱ ۲، کتاب الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی فتح القدير: ۲/۱۵۳، کتاب الزکاة، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی: ۱/۲۳۵، کتاب الزکاة، امجد اکيڈمی، لاهور)

(۳) "یہ ظاہر ہے کہ یہ رقم جو ملازم کی تنخواہ سے وضع کی جاتی ہے ملازم کی خدمت کا معاوضہ ہے جو ابھی اس کے قبضہ میں نہیں آیا، لہٰذا وہ محکمہ کے ذمہ ملازم کا "دَین" ہے۔ زکوۃ کے معاملہ میں فقہاء نے دَین کی تین اقسام کی ہیں جن میں سے بعض پر زکوۃ واجب ہوتی ہے اور بعض پر نہیں ہوتی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ دَین کی کون سی قسم کا ہے؟ اس کے بعد ہی اس مسئلہ کا فیصلہ ہوسکتا ہے کہ اس دین پر زکوۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں۔ دین کی تین قسمیں فقہاء کی تصریح کے مطابق یہ ہیں:

دینِ قوی: وہ دین ہے جو کسی مالِ تجارت کے بدلہ میں کسی پر واجب ہو، مثلاً زید نے کچھ سامانِ تجارت عمرو کے ہاتھ =

....

=فروخت کیا۔عمرو کے ذمہ اس کی قیمت واجب ہوگئی یہ قیمت جب تک وصول نہ ہوعمرو کے ذمہ زید کا دَین قوی ہے۔اس دین کا حکم یہ ہے کہ اس کی زکوۃ دائن پرواجب ہوتی ہے یعنی جب یہ رقم اسے وصول ہوجائے گی اس وقت اس پراس تمام عرصہ کی زکوۃ کا ادا کرنا واجب ہوگا جس میں وہ مدیون کے ذمہ دین تھی،نقدرقم جوکسی کوقرض دی گئی ہو،اس کاحکم بھی یہی ہے۔

دینِ متوسط: وہ دین ہے جوکسی غیرتجارتی مال کے بدلہ میں کسی پرواجب ہوا ہو،مثلاً زید نے اپنے استعمال کے کپڑے عمروکو بیچ دیئے،اس کی قیمت جب تک وصول نہ ہوعمرو کے ذمہ دینِ متوسط ہے۔اس دَین کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ سے دوروایتیں ہیں:

صاحبِ بدائع وغیرہ نے ترجیح اس کودی ہے کہ یہ رقم جب تک دائن کووصول نہ ہوجائے اس وقت تک زکوۃ واجب نہیں ہوتی اور جتنے عرصہ یہ وصول نہیں ہوئی اس عرصہ کی زکوۃ وصول یابی کے بعد بھی دینی نہیں پڑے گی (کماھو مصرح فی آخر عبارۃ البدائع الآتیۃ)

دینِ ضعیف: اس دَین کو کہتے ہیں جو یاتو کسی چیز کا معاوضہ ہی نہ ہوجیسے وراثت یاوصیت کے ذریعہ حاصل ہونے والا مال،یا معاوضہ تو ہولیکن کسی مال کا معاوضہ نہ ہو،جیسے عورت کا دَین مہر،اور بدل خلع وغیرہ۔اس دَین کا حکم بھی یہ ہے کہ جتنے عرصہ یہ رقم وصول نہیں ہوئی،اس عرصہ کی زکوۃ واجب نہیں ہوتی۔یہ تین قسمیں علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں زیادہ تفصیل سے بیان کی ہیں..........اھ۔

خلاصہ اس بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ پراویڈ ینٹ فنڈ میں دواحتمال ہیں:ایک یہ کہ وہ دَین متوسط ہواور دوسرے یہ کہ اُسے دَینِ ضعیف قرار دیا جائے اور دین ضعیف ہونے کا احتمال راجح ہے،لہٰذا اس راجح احتمال کی بنیاد پرتو اس پرزکوۃ واجب ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں اور اگر اُسے دَین متوسط قرار دیا جائے تب بھی امام کرخیؒ،صاحب بدائع اور صاحبِ غایۃ البیان کی تصریح کے مطابق اصح روایت یہی ہے کہ اس پرسنینِ ماضیہ کی زکوۃ واجب نہیں ہوتی،علامہ شامی کارجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔شامی: ۳۶/۲، ومنحۃ الخالق: ۲۲۳/۲. البتہ صاحبِ بحر نے دینِ متوسط پرزکوۃ کے وجوب کوترجیح دی ہے،لیکن اجرتِ عبد کے سلسلہ میں انہوں نے ہی یہ تصریح بھی کردی ہے کہ اگرعبدتجارت کے لئے نہ ہوتو اس کی اجرت پرزکوۃ واجب نہیں ہوتی، تاوقتیکہ اس پرقبضہ ہوکرسال نہ گزرجائے اور جب خدمتِ عبد کی اجرت پرانہوں نے یہ حکم لگایا ہے تو پھر خدمتِ حُر پر یہ حکم بطریقِ اولیٰ ثابت ہوگا،لہٰذا امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق پراویڈینٹ فنڈ پرزکوۃ سالہائے گزشتہ کی واجب نہیں ہوتی''۔(پراویڈنٹ فنڈ پرزکوۃ اورسود کا مسئلہ،تالیف مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ،عنوان: پراویڈنٹ فنڈ پرزکوۃ کا مسئلہ، ص:۴،۵،دارالاشاعت،کراچی)

(۴) دیکھئے رسالہ:(بیمہ زندگی ، مؤلف مولانا مفتی محمد شفیعؒ) .... =

(و) سائمہ جانور اور تجارتی اشیاء پر زکوۃ واجب ہے، شیر خانہ کی مصنوعات جو تجارتی ہوں ان میں ان کی قیمتوں کا اعتبار ہوگا۔ زرعی پیداوار اور پھلوں میں عشر ہے یا نصفِ عشر بشرطیکہ زمین عشری ہو۔ سبزیات اور پھلوں کی تفصیلات کتبِ فقہ میں ملاحظہ فرمائی جائیں، بعض میں عشر ہے بعض میں نہیں:

"ویجب العشر في ثمرة جبل وفي مسقی سماء وسیحٍ بلا شرط نصاب و بقاء، اهـ". در مختار (۱)۔

(ز) جو چیز پگھلنے، ڈھلنے والی ارضِ خراجی یا عشری سے ملے اس میں خمس یعنی پانچواں حصہ واجب ہوگا:

"وجد مسلم أو ذمي معدن نقد و حدید في أرض خراجیة أو عشریة، خمّس، اهـ" در مختار (۲)۔

(ح) جس دفینہ پر اسلام کی علامت نہ ہو اس میں بھی خمس ہے اور جس پر اسلامی علامت ہو وہ لقطہ ہے:

"و لو وجد دفین الجاهلیة خمّس، و ما علیه سمة الإسلام من الکنوز فلقطة، و ما علیه سمة الکفر خمّس". در مختار (۳)۔

(ط) اس کا مفہوم واضح نہیں ہوا۔

= "وسببه: أي سبب افتراضها ملک نصاب حولي". (الدرالمختار). "فلا زکوة في سوائم الوقف والخیل المسبلة لعدم الملک". (ردالمحتار، کتاب الزکوة: ۲/۲۵۹، سعید)

(۱) (الدرالمختار: ۲/۳۲۵، کتاب الزکاة، باب العشر، سعید)

(وکذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۱۷، باب زکاة الخارج، دار الکتب العلمیه بیروت)

(وکذا في البحر الرائق: ۲/۴۱۳، باب العشر، رشیدیه)

(۲) (الدرالمختار: ۲/۳۱۸، باب الرکاز، سعید)

(وکذافي فتح القدیر: ۲/۲۳۲، باب في المعادن، الخ، مصطفی البابي الحلبي مصر)

(وکذا في تبیین الحقائق: ۲/۹۳، باب في المعادن والرکاز، مصطفی البابي الحلبي مصر)

(۳) (الدرالمختار: ۲/۳۲۲، باب الرکاز، سعید)

(وکذا في البحرالرائق: ۲/۴۱۱، باب الرکاز، رشیدیه)

(وکذا في المحیط البرهاني: ۲/۵۳۶، باب المعادن و الرکاز، غفاریه کوئٹه)

(ی) اس میں بھی عشر ہے جب کہ خراجی زمین نہ ہو: "یجب العشر فی عسل أرض غیرالخراج، اهـ". درمختار(۱)۔

(ک) ان میں عشر نہیں البتہ موتی وغیرہ تجارت کے لئے ہوں تو حسبِ شرائط زکوۃ واجب ہوگی: "و لا فی لؤلؤ وغیرہ، و کذا جمیع ما یستخرج من البحر، اهـ". در مختار(۲)۔

(ل) اس میں عشر نہیں، اگر تجارت کے لئے ہوتو شرائط کے موافق زکوۃ ہوگی: "و لا فی عین قیر و نفط اه". درمختار (۳)۔

(م) مسلمان تاجر سے زکوۃ لیجائے گی اور ذمی سے نصف عشر لیا جائے گا اور غیر ملکی کافروں سے ان کے ملک کا معاملہ دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا یعنی وہ جتنا مسلمان سے لیتے ہیں اسی قدر لیا جائے گا، مگر کل مال نہیں لیں گے، ہمارا معاملہ بہرحال بہتر ہونا چاہئے (۴)۔

---

(۱) (الدرالمختار: ۲/۳۲۵، باب العشر، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۰۱، باب العشر، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۸۶، الباب السادس فی زکاة الزروع والثمار، رشیدیه)

(۲) (الدرالمختار: ۲/۳۲۲، باب الرکاز، سعید)

(وکذا فی الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۱/۳۱۶، باب الرکاز، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۱۲، باب الرکاز، رشیدیه)

(۳) (الدرالمختار: ۲/۳۳۱، باب العشر، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/۴۵۷، باب العشر، امدادیه ملتان)

(وکذافی فتح القدیر: ۲/۲۵۸، باب العشر، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۴) "وأما القدر المأخوذ مما یمرّبه التاجر علی العاشر، فالمار لا یخلو: إما إن کان مسلمًا أو ذمیًا أو حربیًا، فإن کان مسلمًا یؤخذ منه فی أموال التجارة رُبعُ العشر؛ لأن المأخوذ منه زکاة، فیؤخذ علی قدر الواجب. وأصله ما روینا عن عمر رضی الله عنه أنه کتب إلی العشار فی الأطراف أن خُذوا من المسلم رُبعَ العشر، ومن الذمی نصف العشر، من الحربی العشر، الخ". (بدائع الصنائع: ۲/۴۵۵، فصل فی بیان القدر الماخوذ مما یمر به، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الدرالمختار: ۲/۳۱۴، باب العاشر، سعید) .... =

۹......اموالِ زکوۃ کی تفصیل احادیثِ مرفوعہ میں موجود ہے، خلفائے راشدین نے اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا(۱)۔

۱۰......سونے چاندی کے سکے یا وہ سکے جن میں سونا چاندی غالب ہے ان میں زکوۃ واجب ہوگی خواہ وہ رائج ہوں یا نہ ہوں، یا کسی دوسری حکومت کے ہوں سب کا ایک ہی حکم ہے، ایسے سکوں کے علاوہ دوسرے سکے اگر رائج ہوں تو قیمت کے اعتبار سے زکوۃ ہوگی، اگر رائج نہ ہوں تو زکوۃ نہیں، کما مر (۲)۔

۱۱......مالِ ظاہر کہتے ہیں گائے، بکری وغیرہ بقدرِ نصاب کو اور اس مالِ تجارت کو جس کو تاجر لیکر عاشر پر گزرے۔ مالِ باطن جو اس کے علاوہ ہو جیسے سونا چاندی اور وہ مالِ تجارت جو مکان یا دوکان میں ہو، بینک میں جمع شدہ رقوم مالِ باطن کے حکم میں ہیں:

"مال الزکوۃ نوعان: ظاهر: وهو المواشی و ما یمر به التاجر علی العاشر، و باطن: وهو الذهب والفضة وأموال التجارة فی مواضعها، اهـ". شامی (۳)۔

= (وکذا فی النهر الفائق: ۱/۴۴۶، باب العاشر، امدادیه)

(۱) "أموال الزکاة أنواع ثلاثة: أحدها: الأثمان المطلقة، و هی الذهب والفضة، والثانی: أموال التجارة، وهی العروض المعدة للتجارة، والثالث: السوائم". (بدائع الصنائع: ۲/۴۰۵، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته: ۳/۱۸۱۹، أنواع الأموال، رشیدیه)

(۲)" وغالب الفضة والذهب فضة وذهب، وما غلب غشه منهما یقوّم کالعروض، و یشترط فیه النیة، إلا إذا کان یخلص منه ما یبلغ نصابًا أو أقل، و عنده ما یتم به أو کانت أثماناً رائجةً وبلغت نصابًا من أدنی، فقد تجب زکاته فتجب، وإلا لا". (الدرالمختار: ۲/۳۰۰، باب زکاة المال، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۲/۴۰۸، فصل فی بیان صفة النصاب، دار الکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۳۹۷، باب زکاة المال، رشیدیه)

(۳) (ردالمحتار: ۲/۱۰، باب العاشر، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۰۳، باب العاشر، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۲/۴۴۸، فصل فی مَن له المطالب بأداء الوجوب، دارالکتب العلمیة، بیروت)

۱۲......صرف مالِ نامی پر زکوۃ واجب ہوگی، نامی کے معنی بڑھنے والا، اس کی دوصورتیں ہیں. ایک حقیقۃً جیسے مویشی کہ ان کی نسل بڑھتی ہے اور مالِ تجارت۔ دوسرے تقدیراً، اس کا مصداق سونا چاندی اور وہ سکہ جو رائج ہو:

قال ابن عابدینؒ: "النمأ فی اللغة: الزیادة، وفی الشرع: هو نوعان: حقیقی و تقدیری، فالحقیقی الزیادة بالتوالد والتناسل والتجارات، والتقدیری تمکنه من الزیادة بکون المال فی یده أو ید نائبه، اهـ". شامی (۱)۔

"هوقسمان: خلقی و فعلی، فالخلقی الذهب والفضة؛ لأنها تصلح للانتفاع بأعیانها: أی فی دفع الحوائج، فلا حاجة إلی الإعداد من العبد للتجارة بالنیة لتعیینها لها بأصل الخلقة، فتجب الزکوة فیهما نوی التجارة أو لم ینو أصلاً أو نوی النفقة. والفعلی فیماسوی الذهب والفضة، وإنما یکون الإعداد للتجارة فیه بالنیة إذا کانت عروضاً أو بنیة الإسامة إن کانت سائمةً، اهـ". طحطاوی(۲)۔

۱۳......سونے چاندی کے زیورات پر بہرصورت زکوۃ ہے، کرایہ کو دخل نہیں، دوسری کرایہ کی چیزوں پر زکوۃ نہیں، اگر وہ کرائے کے لئے ہوں تو ان پر زکوۃ ہوگی، جو چیزیں کرائے پر چلتی ہیں ان کی آمدنی پر شروط کے موافق زکوۃ ہوگی (۳)۔

۱۴......جو جانور تجارت کے لئے ہوں ان پر زکوۃ ہوگی، جو جانور شوقیہ، نسل یا دودھ کے لئے ہوں ان میں سے اونٹ گائے، بھینس، بھیڑ، بکری، دُنبہ پر زکوۃ ہوگی جب کہ یہ جانور سال کا اکثر حصہ جنگل میں چرنے پر

---

(۱) (ردالمحتار: ۲/۲۶۳، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق: ۲/۳۶۲، کتاب الزکاۃ، رشیدیه)

(۲) (حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۳۹۱، کتاب الزکاۃ، دارالمعرفة، بیروت)

(۳) "و لا (زکوة) فی ثیاب البدن .... و دور السکنی و نحوها: أی کثیاب البدن الغیر المحتاج إلیها کالحوانیت والعقارات". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۲۶۴، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر: ۲/۱۶۲، کتاب الزکاۃ، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۳۶۱، کتاب الزکاۃ، رشیدیه)

اکتفا کرتے ہوں، بقیہ مرغیوں وغیرہ پر زکوۃ نہیں۔تجارتی جانوروں کی زکوۃ قیمت لگا کر چالیسواں حصہ ادا کردی جائے،نسل کے جانوروں کی زکوۃ کا طریقہ تفصیل سے کتب فقہ میں مذکور ہے،ایسے جانوروں کا کم ازکم نصاب یہ ہے،اونٹ پانچ،گائے بھینس تیس،بکری چالیس (۱)۔

۱۵......سونے چاندی کے نصاب سے چالیسواں حصہ واجب ہوتا ہے یہی حساب مالِ تجارت کی زکوۃ کا ہے(۲)۔جانوروں کی زکوۃ میں بہت تفصیل ہے۔زمین کی پیداوار کی زکوۃ بعض صورتوں میں دسواں حصہ ہے، بعض میں بیسواں،یہ سب تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں (۳)۔

۱۶......کوئی تبدیلی نہیں ہوئی،جو احکام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صاف صاف بیان فرمادیئے خلفائے راشدین نے ان پر عمل کر کے مستحکم کردیا، احکام منصوصہ بالخصوص مقادیر میں تبدیلی ہو بھی نہیں سکتی (۴)۔

۱۷......نہ سکوں کی تفصیل معلوم نہ اوزان کی،لہٰذا جواب سے معذوری ہے۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۲/۲۷۵، ۲۹۵، کتاب الزکاۃ، سعید)

(ومجمع الأنهر: ۱/۲۹۲، ۳۰۳، کتاب الزکاۃ، دار الکتب العلمیة بیروت)

(والنهر الفائق: ۱/۴۲۰، ۴۳۵، کتاب الزکاۃ، امدادیه)

(۲)" نصاب الذهب عشرون مثقالاً، والفضة مائتا درهم کل عشرة ...... أو فی عرض تجارة قیمة نصاب من ذهب و ورق مقوّماً بأحدهما، الخ". (الدرالمختار: ۲/۲۹۵، باب زکاۃالمال، سعید)

(وکذا فی النهرالفائق: ۱/۴۳۶، باب زکاۃ المال، إمدادیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۰۳، باب زکاۃ الذهب والفضة والعروض، دار الکتب العلمیه بیروت)

(۳)" یجب العشر فی ثمرة جبل أو مفازة .... وتجب فی مسقی سماء وسیح کنهر بلاشرط نصاب وبلا شرط بقاء .... یجب نصفه فی مسقی غرب و دالیة، الخ ". (الدرالمختار: ۲/۳۲۵، ۳۲۸، باب العشر، سعید)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۳۲۶، باب النصاب بوجوب العشر، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی فتح القدیر: ۲/۲۴۲، باب زکاۃ الزروع والثمار، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۴) "بأن نصب المقادیر بالرأی، لایجوز". (ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب اللعان: ۳/۴۹۱، سعید)

۱۸......کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی کیونکہ مقادیر توقیفی ہیں، اجتہادی اور قیاسی مسائل پر ان کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، کسی کو یہ حق نہیں کہ احکامِ وحی کو منسوخ کرسکے: ﴿الیوم أكملت لكم دينكم﴾ الآية (۱)۔

۱۹......ہر قسم کے مالِ زکوۃ پر سال بھر گزرنے سے زکوۃ ہوگی: "لا زكوة في المال حتى يحول عليه الحول". (۲)۔ زمین کی پیداوار اور معدنیات کے لئے سال گزرنا شرط نہیں۔

۲۰......اگر زمین پر خراجِ موظف ہے تو وہ صرف ایک مرتبہ واجب ہوگا، اگر خراجِ مقاسمہ ہے یا عشر ہے تو وہ ہر فصل پر واجب ہوگا: "ولا يتكرر خراج الوظيفة بتكرار الخارج، بخلاف خراج المقاسمة والعشر؛ لأنهما يتكرران ، اهـ". مجمع الأنهر (۳)۔

۲۱......قمری سال متعین ہے، کسی خاص مہینہ کی تعیین نہیں، بلکہ جس وقت سے نصاب کا مالک ہوا ہے اسی وقت سے سال بھر پورا ہونے پر زکوۃ پوری ہوگی: "و حولها (أي الزكوة) قمريٌّ لا شمسيٌّ، اهـ". درمختار (٤)۔

۲۲......مسلم فقیر، مسکین، عامل، مکاتب، غارم، فی سبیل اللہ، ابن السبیل، لقوله تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء﴾ الآية (٥)۔ بشرطیکہ یہ لوگ ہاشمی نہ ہوں اور جس مسافر کے ساتھ مال نہ ہو اس کو بقدرِ

(۱) [المائدہ: ۳]

(۲) (الهداية: ۱/۱۸۵، كتاب الزكاة، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/۲۵۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۲۲، كتاب الزكاة، دار الكتب العلميه بيروت)

(۳) (مجمع الأنهر: ۱/۶۶۹، باب العشر والخراج، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الدر المختار: ۴/۱۹۲، باب العشر والخراج والجزيه، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۲۳۸، باب السابع في العشر والخراج، رشيديه)

(۴) (ردالمحتار: ۲/۲۵۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى: ۱/۲۸۵، كتاب الزكاة دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۴، كتاب الزكاة، امداديه)

(۵) (سورة التوبة: ٦٠)

حاجت زکوۃ دی جائے (۱) غیر مسلم زکوۃ کا مصرف نہیں (۲)۔

۲۳......فقیر: جوقدر نصاب سے کم کا مالک ہو۔ مسکین: جس کی ملک میں کچھ نہ ہو۔ عامل: جس نے اپنے نفس کوزکوۃ وصول کرنے کے لئے فارغ کرلیا ہوجیسے عاشراورساعی، بقدرِعمل اس کوزکوۃ دیجائے۔

مکاتب: جس غلام کا مولیٰ سے معاملہ ہوگیا ہو کہ اتنی مقدار ادا کردو، آزاد ہوجاؤگے بشرطیکہ اس کا مولیٰ ہاشمی نہ ہو۔

غارم: مقروض جس کے پاس اتنا نہ ہو کہ قرض ادا کرکے بقدر نصاب بچ جائے۔

"فی سبیل اللّٰہ" کے مصداق تین ہیں: ۱-منقطع الغزاۃ، ۲-منقطع الحاج، ۳-طلبۂ علمِ دین۔

ابن السبیل: جس کے ساتھ مال نہ ہو اگرچہ وطن میں مال ہے، کذا فی الشامی (۳)۔

۲۴......کسی ایک پر بھی خرچ کی جاسکتی ہے، تمام مصارف پر صرف کرنا ضروری نہیں: "و یصرف علی کلهم و بعضهم و لو واحداً من أیّ صنف کان، اهـ". در مختار (٤)۔ کسی مصرف کواس قدر

---

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها﴾ الخ [التوبة: ٦٠]

"مصرف الزكاة والعشر هو الفقير، و هو من له أدنى شيء: أى دون صاحب نصاب أو قدر نصاب غير نام، مستغرق فى الحاجة. ومسكين مَن لا شيء له. وعامل. فيعطى و لو غنياً، لا هاشمياً، بقدر عمله، و مكاتب، و مديون لا يملك نصاباً فاضلاً عن دَينه و فى سبيل الله وابن السبيل، الخ".

(الدرالمختار: ۲/۳۳۹-۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۲/۱۱۱، باب المصرف، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۷، الباب السابع فى المصارف، رشيديه)

(۲) "و لا تدفع إلى ذمى لحديث معاذ". (الدر المختار: ۲/۳۵۱، باب المصرف، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع فى المصارف، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲/۴۲۳، باب المصرف، رشيديه)

(۳) (راجع حاشية رقم: ۳۸)

(۴) (الدرالمختار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع فى المصارف، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير: ۲/۲۶۴، باب المصرف، مصطفى البابى الحلبى مصر)

زکوۃ دینا مکروہ ہے جس سے کہ وہ خود صاحبِ نصاب ہو جائے (۱)۔

۲۵......مصارفِ زکوۃ کے ہر طبقہ اور ہر فرد کو زکوۃ دی جاسکتی ہے، بنو ہاشم اور ان کے موالی کو لینا جائز نہیں، ایسے حضرات کی خدمت غیر زکوۃ سے کیجائے، حکومتِ اسلام کو چاہئے کہ احترام کے ساتھ بیت المال کے دوسرے مدات سے ان کی خدمت کرتی رہا کرے اور اس کا خاص طور پر اہتمام رکھے: "لا إلى بني هاشم و مواليهم، اهـ". در مختار (۲)۔مزکی کو اختیار ہے کہ حسبِ صوابدید جس کو چاہے دے۔

۲۶......زکوۃ کے لئے تملیک ضروری ہے، اگر اداروں کے منتظمین کو زکوۃ دی جائے اور وہ مصارفِ زکوۃ پر تملیکاً صرف کردیں تو زکوۃ ادا ہو جائے گی، اگر تعمیر وغیرہ دوسرے مصارف پر صرف کریں تو جائز نہیں:

"لا يصرف إلى بناء نحو مسجد كبناء القناطير والسقاية وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد، وكل ما لا تمليك فيه، اهـ". شامی (۳)۔

۲۷......دیا جاسکتا ہے جب تک وہ مصرف رہیں۔

۲۸......ایسے موقع میں خرچ کرنا درست نہیں، لما مر من أنه لاتمليك فيها۔

۲۹......نہیں دی جاسکتی (۴)۔

---

(۱) "وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر، إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً، أو كان صاحب عيال لو فرّقه عليهم لا يخص كلا، الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۵۳، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۲، باب في بيان المصارف، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۸، باب المصرف، امداديه)

(۲) (الدرالمختار: ۲/۳۵۰، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۹، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۴۲، الفصل الثامن في أداء الزكاة، امجد اکیڈمی لاهور)

(۳) (الدرالمختار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۴۳، الباب الثامن في أداء الزكاة، امجد اکیڈمی لاهور)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصرف، دار الكتب العلميه بيروت)

(۴) "رجل دفع إلى رجل عشرة دراهم، وأمره أن يتصدق بها، فأنفقها الوكيل، ثم تصدق عن الآمر

۳۰......بہتر یہ ہے کہ جس بستی کی زکوۃ ہو اسی بستی میں خرچ کی جائے، بلاضرورت دوسری بستی میں بھیجنا مکروہ تنزیہی ہے، لیکن اگر دوسری بستی میں زیادہ حاجتمند ہوں، یا لڑکی کے رشتہ دار ہوں، یا زیادہ دیندار ہوں، یا طلبائے علمِ دین ہوں تو مکروہ نہیں: "و کرہ نقلها من بلد إلی بلد اٰخر إلا إلی ذی قرابة أو أحوج أو أصلح أو أورع"(۱)۔ پاکستان سے باہر بھی بوقتِ حاجت بھیجنا درست ہے بشرطیکہ مصرف میں خرچ کی جائے۔

۳۱......متروکہ سے جبراً زکوۃ وصول نہیں کی جاسکتی، البتہ اگر متوفی نے وصیت کی ہے اور مالِ ظاہر کی زکوۃ ہے تو وصول کی جاسکتی ہے ورنہ نہیں، اگر مالِ باطن ہو اور وصیت کی ہو تو حسبِ شرائط ورثہ اس وصیت کو پورا کریں(۲)۔

۳۲......زکوۃ کے فضائل اور ترکِ زکوۃ کی وعید کی تدریس، تعلیم، تذکیر کا اہتمام ان شاء اللہ مفید ہے، جائز

= بعشرة دراهم من ماله، لایجوز ویکون ضامناً للعشرة. ولو کانت الدراهم قائمةً، فأمسکها الوکیل وتصدق من عنده بعشرة، جاز استحساناً". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوکالة، الباب العاشر فی المتفرقات: ۶۴۴/۳، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ التاتار خانیه، کتاب الزکاة، الفصل التاسع فی المسائل المتعلقة بمعطی الزکاة: ۲۱۴/۲، ۲۱۵، قدیمی)

(۱) (الدرالمختار: ۳۵۳/۲، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱۹۰/۱، الباب السابع فی المصارف، رشیدیه)

(وکذافی تبیین الحقائق: ۱۳۱/۲، باب المصرف، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "إذا مات مَن علیه زکوة، سقطت الزکاة عنه بموته، حتی أنه إذا مات عن زکاة سائمة، فالساعی لا یجبر الوارث علی الأداء .... و لو أوصی بأدائها، لا تسقط بالاتفاق، و لو أوصیٰ بأداء الزکاة یجب تنفیذ الوصیة من ثلث ماله". (التاتارخانیة: ۲۹۶/۲، من جملة الأسباب المسقطة للزکاة، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۴۵۵/۲، من جملة الأسباب المسقطة للزکاة، غفاریه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۲۵۶/۱، فصل فی مال التجارة، رشیدیه)

تدابیر بھی اختیار کی جاسکتی ہیں۔

۳۳...... مقامی اہلِ علم اہلِ اصلاح و ورع کے مشورہ سے مرکز انتظام کرے اور حسبِ ضرورت دوسرے صوبوں اور علاقوں میں صَرف کا انتظام کیا جائے، مگر یہ انتظام ان ہی اموال کے متعلق ہے جن کی زکوۃ وصول کرنے کا حکومت کو حق ہے۔

۳۴...... بیت المال کا محکمہ علیحدہ ہونا چاہئے جس میں دیندار، اہلِ تقوی مسائلِ زکوۃ وغیرہ سے واقف کام کرنے والے ہوں اور یہ شعبہ کسی مخصوص شیخ الاسلام کے تحت ہو۔

۳۵...... زکوۃ حقِ فقراء ہے حقِ حکومت نہیں، حکومت کی ذمہ داری اتنی ہی ہے کہ اغنیاء سے وصول کرکے مستحقین پر اپنے انتظام سے صرف کردے اور وہ بھی اموالِ ظاہرہ کی زکوۃ وصول کرسکتی ہے اموالِ باطنہ کی زکوۃ وصول کرنے کی ذمہ داری نہیں۔ اور نہ اہلِ اموال پر اموالِ باطنہ کی زکوۃ وصول کرنے کے لئے جبر کرسکتی ہے، ہاں اہلِ اموال کے ذمہ خود ادا کرنا ازبس ضروری ہے۔ زکوۃ سرکاری محصول نہیں، یہ حقِ فقراء ہے(۱)۔

۳۶...... وقتی ضروریات وحوادث کے لئے چندہ کی ترغیب دی گئی ہے، بطورِ محصول کوئی چیز وصول نہیں کی گئی بعض دفعہ کسی مالک کی ضرورت سے زائد مال بطورِ عاریت لیا گیا ہے، مثلاً کسی کے پاس دو گھوڑے ہیں تو جہاد کے لئے اس کا ایک گھوڑا استعار لیا گیا جو پھر واپس کردیا گیا، باقی ضروریاتِ عامہ جزیہ، خراج وغیرہ سے پوری کی جاتی تھیں:

"و مصرف الجزية والخراج ومال التغلبي و هديتهم للإمام، و ما أخذ منهم بلا حرب مصالحنا كسد ثغور، و بناء القنطرة، والجسور، وكفاية العلماء والمتعلمين، والقضاة، و رزق المقاتلة، وذراريهم، اهـ". درمختار (۲)۔

---

(۱) "صحح الولوالجي عدم الجواز في الأموال الباطنة، قال: و به يفتي؛ لأنه ليس للسلطان و لاية الزكاة في الأموال الباطنة، فلم يصح الأخذ، اهـ". (البحر الرائق: ۲/۳۹۰، فصل في الغنم، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۸۹، باب زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۳۳، فصل في الغنم، امداديه)

(۲) (الدرالمختار: ۴/۲۱۷، مطلب في مصارف بيت المال، سعيد) .... =

۳۷...... پہلے زمانے میں عامل، ساعی، عاشر، مصدق مقرر تھے، ان کے ذریعہ سے صدقات وصول کئے جاتے تھے اور اربابِ اموال کے اموال کی حفاظت کی جاتی تھی، بیت المال کی حدود مقرر تھیں، ان کے مصارف مقرر تھے۔ موجودہ حکومتوں کا حال حکومتِ پاکستان معلوم کرسکتی ہے(۱)۔

۳۸......اس کا جواب نمبر: ۳۳و۳۴ سے واضح ہے۔

۳۹......تنخواہ مدِ زکوۃ سے اس محکمہ کو دی جاسکتی ہے جب کہ وہ ہاشمی نہ ہوں۔ سب سے اعلیٰ شرط دیانت داری سے کام کرنا ہے، بقدرِ عمل تنخواہ دی جائے جو عامل کو اور اس کے اہل وعیال کو توسط کے ساتھ کافی ہو جس میں حسبِ عمل وضرورت کمی وبیشی ہوتی رہے گی اور جب خیانت کا ثبوت ہوجائے علیحدگی لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ذیقعدہ/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۵/ ذیقعدہ/ ۶۹ھ۔

جوابات صحیح ہیں: بندہ منظور احمد عفی عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/ ذیقعدہ/ ۶۹ھ۔

مجھے ان جوابات سے کامل اتفاق ہے، محمد اسعد اللہ غفرلہ، الجواب صحیح: زکریا کاندھلوی۔

صحیح: جمیل احمد تھانوی، مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

☆......☆......☆......☆......☆

= (وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۴۸۵، كتاب الجهاد والسير، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۰، فصل فيما يوضع في بيت المال أربعة أنواع، رشيديه)

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لمعاذ بن جبل حين بعثه إلى اليمن: "إنک ستأتي قومًا أهل الكتاب، فإذا جئتهم .... إن الله قد افترض عليهم صدقةً تؤخذ من أغنيائهم، و تُردّ على فقرائهم، فإن هم أطاعوا لک بذلک، الخ". (صحيح البخاري: ۱/۲۰۳، باب أخذ الصدقة من أغنيائهم، قديمي)

(۲) (راجع، ص: ۳۶۳، رقم الحاشية: ۱)

باب الزکوٰۃ فی الذهب والفضة والفلوس الرائجة

(سونے چاندی اور نوٹ پر زکوۃ کا بیان)

زیور کی زکوۃ

سوال[۴۴۸۶]: ا...... ہندہ اوراس کا شوہر ہندہ کے خسر کی شرکت میں زندگی بسر کررہے ہیں، اگر ہندہ اوراس کا شوہر اس شرکت کے بجائے الگ ہوکر زندگی بسر کریں تو گزراوقات مشکل ہے یعنی دونوں وقت کھانا اور کپڑا بھی مشکل سے میسر آئے گا۔ ہندہ کے پاس کوئی شکل آمدنی کی نہیں ہے مگر اس کوشادی کے موقعہ پر اپنے والد کی جانب سے جہیز میں تقریباً ایک ہزارروپیہ کا زیور ملا ہے اور نصف ہزار کی مالیت کے قریب خسر سے ملا ہے مگر بوجہ روزی تنگ ہونے کے زکوۃ نہیں نکال سکی۔ اس کا خسر باوجود مقدور ہونے کے ادانہیں کرتا، اس حالت میں ہندہ کو کیا کرنا چاہئے؟

۲...... ہندہ کو جو زیور اس کے خسر سے ملا ہے وہ ہندہ ہی کے قبضہ میں ہے اور ابتدائی زمانہ میں اس کو استعمال بھی کیا مگر اب بوجہ زکوۃ ادانہ ہونے کے اس کا استعمال ترک کردیا لیکن قبضہ ہندہ ہی کا ہے، اس صورت پر اس کی زکوۃ کس پرواجب ہے آیا ہندہ پر یا اس کے شوہر پر؟ اگر ہر دوصورت میں زکوۃ ہندہ پرواجب ہے تو ادائیگی کی کیا صورت ہے؟ ہندہ کو کسی قسم کی آمدنی نہیں اور شوہر میں اس قدر وسعت نہیں۔ حکم شرع سے مطلع فرمائیں۔ فقط والسلام۔

احقر: الناس محمد احسن کوچہ آتشبازاں، سہارنپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ا...... جب کہ وہ زیور استعمال کے لئے ہے اور اس لڑکی کی ملک ہے اور اسی کے قبضہ میں ہے تو اس کی زکوۃ بھی اسی کے ذمہ ہے اس کے خسر کے ذمہ نہیں ہے، اگر ادانہیں کرے گی تو گناہگار ہوگی (۱) خواہ حساب کر

---

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " ما من صاحب ذهب ولا فضة لا يؤدى منها حقها إلا اذا كان=

کے زیور زکوۃ میں دے یا کوئی اَور چیز زکوۃ میں دے:

"لم يختلفوا أن الحلى إذا كان فى ملك الرجل تجب فيه الزكوة، فكذالك إذا كان فى ملك المرأة كالدراهم و الدنانير، و أيضاً لا يختلف حكم الرجل والمرأة فيما يلزمها من الزكوة، فوجب أن لا يختلفا فى الحلى، اهـ". أحكام القرآن: ۱۳۳/۳ (۱)۔

۲......اگر ہندہ اپنا زیور اپنی ملک سے نکال کر اپنے شوہر کو دیدے تو شوہر کے ذمہ زکوۃ ہوگی ورنہ ہندہ کے ذمہ ہوگی خواہ زیور زکوۃ میں دے خواہ اسے فروخت کر کے اس کے پیسے وغیرہ دیدے، یا اس کی قیمت کی کوئی اَور شئے خرید کر دے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/۶/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ جمادی الثانیہ/ ۵۵ھ۔

جس زیور میں پتھر جُڑے ہوں ان پر زکوۃ

سوال [۴۴۸۷]: قیمتی پتھر یعنی فیروزہ، یاقوت وغیرہ اگر زیور میں جڑے ہوئے ہیں تو ان کی زکوۃ کس اصول کے تحت ادا کرنا چاہئے؟ اور کیا اس پر زکوۃ واجب ہے؟

= يوم القيامة صُفِحت له صفائحُ من نار، فأُحمِيَ عليها فى نار جهنم فيُكوى بها جَنْبُه وجبِيْنُه وظهرُه" الخ (الصحيح لمسلم، كتاب الزكاة، باب إثم مانع الزكاة: ۱/۳۱۸، قديمى)

(۱) (أحكام القرآن للجصاص: ۱۵۸/۳، باب زكاة الحلى، قديمى)

(وكذا فى التاتارخانية: ۲۳/۲، الفصل الثانى فى زكاة المال، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۷۸/۱، الفصل الأول فى زكاةالمال والفضة، رشيديه)

(۲) "ولو كان له إبريق فضة، وزنه مائتان، و قيمته لصياته ثلث مأة إن أدّى من العين يؤدّى ربع عشره، و هو خمسة قيمتها سبعة و نصف، وإن أدّى خمسةً قيمتها خمسة، جاز، و لو أدّى من خلاف جنسه يعتبر القيمة إجماعاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۷۹/۱، الفصل الأول فى زكاة الذهب والفضة، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۷۴/۲، باب زكاة المال، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق: ۳۹۴/۲، باب زكاة المال، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسے پتھروں پرزکوۃ واجب نہیں (۱) ان کے وزن کومحسوب کرکے سونے چاندی کے زیور کی زکوۃ ادا کی جائے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودعفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند،۲۳/۴/۸۹ھ۔

چاندی کا نصاب

سوال[۴۴۸۸]: ایک شخص کے پاس دوسوپچاس تولہ چاندی اورایک تولہ سونا ہےاب جب کہ ۸/ تولہ چاندی اور۳۷/ روپیہ تولہ سونے کا نرخ ہے،زکوۃ کی کیارقم ادا کرنا چاہئے، کتنے روپیہ زکوۃ ادا کی جائے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔بینوا و توجروا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوۃ کے وجوب اورادا میں رقم کا اعتبار نہیں بلکہ وزن کا اعتبار ہے لہذا ایک تولہ سونے کی قیمت بازار سے معلوم کرلی جائے کہ کتنے میں آتی ہے پھراسی ایک تولہ سونے کواتنے تولہ چاندی کے قائم مقام مان کرمجموعہ میں سے زکوۃ یعنی چالیسواں حصہ ادا کردیا جائے (۲) مثلاً اگراس ایک تولہ سونے سے چاندی خریدنا چاہیں تو پچاس تولہ چاندی آتی ہے (رقم خواہ کسی قدر ہو) پس یہ سونا بمنزلہ پچاس تولہ چاندی کے ہوکرمجموعہ تین سوتولہ

---

(۱)"و أما اليواقيت واللآلي والجواهر، فلا زكاة فيها، وإن كانت حلياً، إلا أن تكون للتجارة".

(الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۰، الفصل الأول فی زكاة الذهب والفضة، رشيديه)

(وكذا فی الدرالمختار: ۲/۲۷۳، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا فی التاتارخانية: ۲/۲۴۵، باب زكاة عروض التجارة، إدارة القرآن كراچی)

(۲)"والمعتبر وزنهما أداءً و وجوباً و لا قيمتهما". (الدرالمختار). "أی من حيث الأداء، يعنی يعتبر أن يكون المؤدی قدر الواجب وزناً عند الإمام والثانی، و قال زفر: تعتبر القيمة، واعتبر محمد الأنفع للفقراء، فلو أدى عن خمسة جيدة خمسةً زيوفاً الخ". (۲/۲۹۷، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۲/۷۴، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فی بدائع الصنائع: ۲/۴۱۲، فصل فی مقدار الواجب، دار الكتب العلميه، بيروت)

چاندی ہوگئی اور تین سوتولہ چاندی کا چالیسواں حصہ ساڑھے سات تولہ چاندی ہے، اب یا تو اتنی چاندی دیدی جاوے یا اس قیمت کی چاندی کے علاوہ کوئی اَور چیز کسی غریب کی ضرورت کے موافق دیدی جاوے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ۱۱/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　صحیح: عبد اللطیف، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

چاندی کی زکوۃ

سوال[۴۴۸۹]: میری بیوی کے پاس نہ تو ساڑھے سات تولہ سونا ہے اور نہ ہی ساڑھے باون تولہ چاندی ہے، دونوں کو ملا کر دیکھا جاوے، سونے کی قیمت چاندی میں بدل کر دیکھیں تو اتنا وزن ہوجاتا ہے، چاندی کی قیمت کو سونے میں بدل کر دیکھیں تو ساڑھے سات تولہ نہیں ہوتا تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ البتہ تعداد میں سچا گوٹہ اور ٹھپا بھی آتا ہے یا نہیں؟ سب کو ملا کر سونے کی قیمت اور سب سامان کی قیمت قریب قریب ٹھیک ہوجاتی ہے۔

میرے پاس نقد روپیہ چار سو ہے اور ایک ہزار روپیہ ایک سال سے ادھار رکھا ہے، سرکاری ملازم ہونے کی وجہ سے فنڈ میں ایک ہزار روپیہ سے زیادہ جمع ہے جس میں آدھا روپیہ تنخواہ میں سے کٹا ہے اور آدھا حکومت نے دیا ہے، دونوں ملا کر پانچ روپیہ فی صد سود لگادیا جاتا ہے، یہ روپیہ ریٹائرڈ ہونے کے بعد ملتا ہے۔ کیا میں ان روپیوں کے اوپر زکوۃ ادا کروں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

سونے کو بھی ملا کر چاندی تصور کرلیں یعنی اس سونے کے عوض جتنی چاندی ملتی ہو تو یوں سمجھیں کہ یہ

---

(۱) "وجاز دفع القیمة فی زکاة وعشر وخراج، الخ". (تنویر الأبصار مع الدر المختار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم: ۲/۲۵۵، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الزکاة، مسائل شتیٰ: ۱/۱۸۱، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، فصل وأما صفة الواجب فی سوائم: ۲/۳۳، سعید)

چاندی ہے پھر مجموعہ کی زکوۃ ادا کریں (۱)۔ چاندی سونے کے گوٹے ٹھپے کی بھی زکوۃ ہوگی (۲)۔ جونقدر روپیہ آپ کے پاس ہے اس کی زکوۃ لازم ہے (۳)، جو روپیہ ادھار دے رکھا ہے اس کے وصول ہونے پر لازم ہوگی، جو روپیہ فنڈ سے ملے گا اس کی زکوۃ اس وقت دوسرے نصاب چاندی سونا، نقد کے ساتھ اس کو بھی زکوۃ لازم ہوگی ابھی لازم نہیں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۹/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "و يضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمةً، و قالا: بالأجزاء. الخ". (الدرالمختار).

"إن ما ذكر من وجوب الضمّ إذا لم يكن كل واحد منهما نصاباً بأن كان أقل، الخ". (ردالمحتار: ۲/ ۳۰۳، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۷۹، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۴۰۰، باب زكاة المال، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/ ۱۱۴، فصل في مقدار الواجب، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "الدراهم إذا كانت مغشوشةً، فإن كان الغالب هو الفضة، فهي كالدراهم الخالصة: (أي فتجب في كل مائتي درهم خمسة دراهم الخ.......... وإن غلب الغش فليس كالفضة كالستوقة، فينظر: إن كانت رائجة أونوى التجارة، اعتبرت قيمتها، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة: ۱/ ۱۷۹، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۰۰، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا في البدائع: ۲/ ۴۰۸، فصل في بيان صفة النصاب، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۳) "و شرط وجوبها العقل، والبلوغ، والإسلام، والحرية، و ملك نصاب حولي، فارغ عن الدين وحاجته الأصلية، نام ولو تقديراً، الخ". (تبيين الحقائق: ۲/ ۱۸، باب زكاة المال، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/ ۲۳۵، كتاب الزكاة، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۲۸۵، كتاب الزكاة، دار الكتب العلميه، بيروت)

(۴) "وأما على قولهما، فالديون كلها سواء، و هي نصاب كله، تجب فيه الزكاة قبل القبض إذا حال =

سونا چاندی مخلوط کی زکوۃ

سوال[۴۴۹۰]: اگر کسی شخص کے پاس ساٹھ تولے یا ستر تولے چاندی اور دو تولے یا ایک تولہ سونا ہوتو سونے کی زکوۃ چاندی میں تول کر دی جائے یا سونے کی قیمت لگا کر زکوۃ دی جائے ؟

الجواب حامداً و مصلياً:

سونے کی قیمت لگا کر اس قیمت کو چاندی میں شامل کر کے زکوۃ دی جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

سونے چاندی کو ملا کر زکوۃ دینا

سوال[۴۴۹۱]: زید کے پاس چاندی زائد از نصاب اور سونا سات مثقال سے کم موجود ہے اس صورت میں سونے کو چاندی کے ساتھ ملا کر زکوۃ ادا کرنا واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً و مصلياً:

چاندی کے ایک نصاب کی تو مستقل زکوۃ ادا کر دی جائے، بقیہ جتنی مقدار ایک نصاب سے زائد ہے اس کو دیکھا جائے، اگر اس کی قیمت اتنے سونے کی مساوی ہے کہ اس کے ذریعہ سے سونے کا نصاب پورا ہو سکتا

= الحول، و لكن لا يجب الأداء قبل القبض، وإذا قبض شيئاً منه يجب الأداء بقدر ما قبض قليلاً كان أو كثيراً. الخ". (التاتارخانية: ۲/۳۰۰، في زكاة الديون، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مراقي الفلاح: ص: ۷۱۶، كتاب الزكاة، قديمی)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۱۶۷، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "و يضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمةً. الخ: أي من جهة القيمة، فمن له مأة درهم وخمسة مَثاقيل قيمتها مأةٌ عليه زكاتها، خلافاً لهما". (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۰۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۰۰، باب زكاة المال، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۸۰، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۴۲، باب زكاة المال، رشيديه)

ہے تو مجموعہ کو سونے کا نصاب قرار دے کر زکوۃ دینا واجب ہے(۱)، اگر اس صورت سے سونے کا نصاب پورا نہیں ہوسکتا تو سونے کی قیمت اگر اتنی چاندی کے مساوی ہے کہ بقیہ چاندی میں ملا کر چاندی کا نصاب پورا ہوسکتا ہے تو چاندی کا نصاب اس مجموعہ کو قرار دے کر اس کی زکوۃ دینا واجب ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۵۳/۱۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح :عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/ ذی الحجہ/۵۳ھ۔

سونے اور چاندی کی زکوۃ الگ الگ دیجائے

سوال [۴۴۹۲] : ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا رکھنے والے پر فطرہ، زکوۃ، قربانی، حج لازم وضروری ہے مگر یہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ ساڑھے باون تولہ چاندی اور ساڑھے سات تولہ سونے کی زکوۃ الگ الگ کر کے دی جائے یا کس طریقہ سے نکالا جائے؟ مالِ تجارت میں کس طرح زکوۃ ادا کرے؟

---

(۱) "وفي الينابيع: ولو فضل من النصابين أقل من أربعة مثاقيل وأقل من أربعين درهماً، فإنه يضم إحدى الزيادتين إلى الأخرى حتى يتم أربعين درهماً أو أربعة مثاقيل". (التاتار خانية، كتاب الزكاة، زكاة المال: ۲/۲۳۳، إدارة القرآن، كراچی)

"ويضم الذهب إلى الفضة والفضة إلى الذهب، ويكمل إحدى النصابين بالآخر عند علمائنا .... ويقوّم الدراهم بالدنانير، فإن بلغت قيمتها عشرين مثقالاً، تجب فيها الزكاة". (التاتارخانيه، زكاة المال، كتاب الزكاة: ۲/۲۳۲، إدارة القرآن، كراچی)

(۲) "هذا إذا كان له فضة مفردة، أو ذهب مفرد، فأما إذا كان له الصنفان جميعاً، فإن لم يكن كل واحد منهما نصاباً، بأن كان له عشرة مثاقيل و مأة درهم؛ فإنه يضم أحدهما إلى الآخر في حق تكميل النصاب عندنا .... و هذا الذي ذكرنا كله من وجوب الضمّ، إذا لم يكن كل واحد منهما نصاباً، بأن قلّ من النصاب، فأما إذا كان كل واحد منهما نصاباً تاماً و لم يكن زائداً عليه، لا يجب الضم، الخ". (بدائع الصنائع، فصل في مقدار الواجب: ۲/۱۴۱، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۳۲، الفصل الثاني في زكاة المال، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة: ۱/۱۷۹، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

فطرہ، قربانی، زکوۃ کے لئے تو اتنا نصاب کافی ہے مگر حج کے لئے یہ کافی نہیں بلکہ پورے سفرِ حج کا معہ نفقہ واجبہ کی مقدار کا ہونا ضروری ہے(۱)۔ چاندی، سونا دونوں الگ الگ بقدرِ نصاب ہوں تو دونوں کی زکوۃ بھی چالیسواں حصہ الگ الگ کر کے ادا کریں، مجموعہ کی زکوۃ یکجائی بھی ادا کرنا درست ہے(۲)۔ مال تجارت کی زکوۃ صرف نفع میں نہیں بلکہ اصل مال اور نفع کا کل مجموعہ چالیسواں ادا کرے(۳)۔ زیور پر بھی زکوۃ لازم ہوگی، جس کی ملک ہو اسی کے ذمہ واجب ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (سورة ال عمران)

"هو (أى الحج) فرض على مسلم حر مكلف صحيح بصير ذى زادٍ وراحلة فضلاً عمالا بدمنه وفضلاً عن نفقة عياله إلى حين عوده الخ". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الحج: ۲/۴۵۴، ۴۶۳، سعيد)

(۲) "فلو كان كل منهما نصاباً تاماً بدون الزيادة، لا يجب الضم، بل ينبغى أن يؤدى من كل واحد زكاته، فلو ضمّ حتى يؤدّى كله من الذهب والفضة، فلا بأس به عندنا، و لكن يجب أن يكون التقويم بما هو أنفع للفقراء رواجاً، وإلا يؤدى من كل منهما ربع عشرة". (ردالمحتار: ۲/۳۰۳، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا فى البدائع: ۲/۴۱۴، فصل فى مقدار الواجب، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۹، الفصل الأول فى زكاة الذهب والفضة، رشيديه)

(۳) "واعلم أن نية التجارة فى الأصل تعتبر ثابتة فى بدله وإن لم يتحقق شخصها فيه، وهو ما قوبض به مال التجارة، فإنه يكون للتجارة بلا نية به؛ لأن حكم البدل حكم الأصل، وكذا ...... أجرة دار التجارة وعبد التجارة بمنزلة ثمن مال التجارة فى الصحيح (وفى عروض التجارة يجب ربع العشر إذا بلغ نصاباً من أحدهما)". (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۹۹، رشيديه)

(۴) "واللازم فى مضروب كل منهما ومعموله ولو تبراً أو حلياً مطلقاً .... ربع عشر". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۲۹۷، ۲۹۹، سعيد)

(وكذا فى التاتار خانية، كتاب الزكاة، باب زكاة عروض التجارة: ۲/۲۴۵، إدارة القرآن، كراچى)

لڑکی کے زیور پرزکوۃ

سوال[۴۴۹۳]: جوزیورلڑکیوں کی شادی کے لئے بنایا جاتا ہے یا بنوا کر رکھا جاتا ہے،لڑکی کے ایسے زیور پراس کے والدین پرزکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ یا بعد بلوغ کے لڑکی کے مال پراس کے والدین کے ذمہ واجب ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ زیورلڑکی کی ملک کر دیا ہے تواس پرزکوۃ قبل از بلوغ فرض نہیں نہ لڑکی پر نہ والدین پر، بعداز بلوغ خودلڑکی پرفرض ہوگی (۱)۔ اگرلڑکی کی ملک نہیں کیا تو جس کی ملک ہے اس پرزکوۃ فرض ہوگی، کذا قال الحصکفی فی الدر المختار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعیداحمدغفرلہ، صحیح :عبداللطیف۔

مرہون زیور کی زکوۃ

سوال[۴۴۹۴]: کسی کے پاس کچھ سونے کا زیوررہن رکھا ہوا ہے اور مدتِ معینہ سے بھی زائد وقت گزرگیا، اس صورت میں زکوۃ کون دے گا؟

---

(۱) "(وشرط وجوبها العقل، والبلوغ، والإسلام) خرج المجنون والصبی، فلا زكاة فی مالهما .... وإنما يعتبر ابتداء الحول من وقت الإفاقة كالصبی إذا بلغ، يعتبر ابتداء الحول من وقت البلوغ". (البحر الرائق: ۲/۳۵۳، ۳۵۴، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا فی تبيين الحقائق: ۲/۲۰، باب زكاة المال، دار الكتب العلميه، بيروت)

(وكذا فی بدائع الصنائع: ۲/۳۷۸، فصل فی شرائط الفرضية، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲)" واللازم فی مضروب كل منهما و معموله و لو تبراً أو حلياً مطلقاً مباح الاستعمال أو لا و لو للتجمل و النفقة؛ لأنهما خلقا أثماناً، فيزكيهما كيف كانا، الخ". (الدرالمختار: ۲/۲۹۸، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا فی التاتارخانية: ۲/۲۳۰، الفصل الثانی فی زكاة المال، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۰۶، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً و مصلياً:

اس کی زکوۃ نہ راہن پر واجب ہے نہ مرتہن پر، وہ واپس کر دیا جائے گا تب بھی رہن کی (گذشتہ ایام کی) زکوۃ مالک کے ذمہ لازم نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

مہر کی رقم پر زکوۃ کا حکم

سوال [۴۴۹۵]: دَینِ مہر نکاح کی زکوۃ مرد عورت کے ذمہ واجب ہے یا نہیں؟ اور مہر ادا نہیں ہوا، لہٰذا کسی صورت سے ہو مہر کے اوپر زکوۃ کا ہونا لازم ہے یا نہیں؟

محمد ابراہیم مغل مزرعہ پرگنہ، سہارنپور۔

الجواب حامداً و مصلياً:

مرد جب دَینِ مہر عورت کو دیدے اور وہ مقدارِ نصاب ہو اور اس پر سال بھی گزر جائے تب عورت کے ذمہ اس کی زکوۃ واجب ہوگی، اگر وہ مقدارِ نصاب نہیں بلکہ اس سے کم ہے اور عورت کے پاس اتنی مقدار موجود ہے جس کو مہر کے ساتھ ملا کر پورا نصاب ہو سکتا ہے تو اس کو ملا کر زکوۃ ادا کی جائے گی، اگر نصاب پورا نہیں ہو سکتا تو اس پر زکوۃ نہیں اسی طرح وصول ہونے سے پہلے زکوۃ واجب نہیں:

" و عند قبض مأتين مع حولان الحول بعده: أى بعد القبض من دين ضعيف، و هو بدل غير مال كمهر، ودية، و بدل كتابة، و خلع، إلا إذا كان عنده ما يضم إلى الدين الضعيف". درمختار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ ۲۵/۲/۵۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۶/صفر/۵۳ھ۔

---

(۱) "(و لا: أى لايجب الزكوة فى مرهون بعد قبضه): أى لا على المرتهن لعدم ملك الرقبة، و لا على الراهن لعدم اليد، وإذا استرده الراهن، لا يزكى عن السنين الماضية." (الدرالمختار مع رد المحتار: ۲/۲۶۳، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲/۳۵۵، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۲) (الدرالمختار. ۲/۳۰۶، مطلب فى وجوب الزكاة فى دين المرصد، سعيد) ....=

زیور کی زکوۃ میں کس قیمت کا اعتبار ہے؟

سوال[۴۴۹۶]: چاندی اور سونے کا زیور پورے بھاؤ سے تو فروخت نہیں ہوتا، کیونکہ وہ پُرانا ہوتا ہے اور نصف قیمت پر فروخت ہوتا ہے تو اب جو زکوۃ ادا کی جائے گی وہ نئے حساب سے یا پرانے حساب سے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

چاندی اور سونے کے زیور میں قیمت کا اعتبار نہیں وزن کا اعتبار ہے، چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے، نئے اور پُرانے سب کا یہی حکم ہے۔ چالیسواں حصہ زکوۃ لازم ہے، مثلاً اگر دوسو تولہ چاندی کا زیور ہے تو زکوۃ پانچ تولہ لازم ہے خواہ چاندی دے خواہ پانچ تولہ کے بازار کے بھاؤ سے قیمت دے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۸۹ھ۔

ادائے زکوۃ کے وقت سونے چاندی کی کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟

سوال[۴۴۹۷]: سونا چاندی کے زیورات کی زکوۃ کس حساب سے دی جائے جب کہ خرید کے وقت سونا چاندی کی قیمت اس وقت کے حساب سے بہت کم تھی، چنانچہ خرید کے زمانہ میں سونا ۲۴/ روپیہ بھر کے حساب سے ملتا تھا اور اب ۱۱۵/ روپیہ بھر ملتا ہے۔

المستفتی: حکیم حبیب الرحمٰن، گورنمنٹ رجسٹرڈ نمبر: ۶۱، ماٹ لین دھرم تلہ کلکتہ۔

= (وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۰۰، الفصل الثاني عشر في زكاة الديون، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في خلاصة الفتاویٰ: ۱/۲۳۸، الفصل السادس في الديون و مسائلها، امجد اكیڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۵، الباب الأول في تفسيرها، وصفتها الخ، رشيديه)

(۱) "والمعتبر وزنهما أداءً ووجوباً لا قيمتهما". (الدرالمختار). وفي ردالمحتار: "و هذا إن لم يؤدّ من خلاف الجنس، وإلا اعتبرت القيمة إجماعاً كماعلمت". (كتاب الزكاة: ۲/۲۹۸، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۷۴، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۹۵، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلياً:

سونا چاندی دونوں وزنی چیز ہیں، ان میں نصاب اور ادائے زکوۃ ہر دو کے لئے وزن کا اعتبار ہوگا، قیمت کا اعتبار نہیں ہوتا، لہٰذا اگر دونوں کا نصاب کامل ہوتو دونوں کی زکوۃ میں چالیسواں حصہ دیدیا جائے، خواہ قیمت کچھ ہو، البتہ اگر سونا چاندی زکوۃ میں دینا مقصود نہ ہوتو ادا کرتے وقت جو قیمت قدرِ زکوۃ کی ہو اس کی کوئی اَور شیٔ دیدی جائے مثلاً اگر قدرِ زکوۃ دوتولہ سونا واجب ہوتو یا دوتولہ سونا دیا جائے یا اتنی مالیت کی کوئی دوسری چیز دی جائے۔غرض مستحق زکوۃ کے پاس دوتولہ سونے کی مالیت کا پہونچنا ضروری ہے تب زکوۃ ادا ہوگی، خریدتے وقت سونے کی قیمت کا اعتبار نہیں:

"والمعتبر وزنهما أداءً ووجوباً، لا قيمتهما، اهـ". در مختار- "أي من حيث الأداء يعتبر أن يكون المؤدى قدر الواجب وزناً، و أجمعوا أنه لو أدى من خلاف جنسه اعتبرت القيمة، اهـ". شامي: ۲/ ۱٤۰(۱)- فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/شوال/ ۶۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/شوال/ ۶۵ھ۔

چاندی کی زکوٰۃ میں کس قیمت کا اعتبار ہے؟

سوال[۴۴۹۸]: میں چاندی کو لیکر دکان پر جاؤں تو اس کو آدھی قیمت کے حساب سے خریدیں گے، اگر لینے جاؤں تو اصل بھاؤ میں دیں گے تو اب کس حساب سے زکوۃ دیں گے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر زکوٰۃ میں آپ چاندی نہیں دیتے بلکہ اس کی قیمت دیتے ہیں، تو جس قیمت پر وہ بازار میں فروخت

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/ ۲۹۸، کتاب الزکاۃ، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/ ۷۴، باب زکاۃ المال، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/ ۳۹۵، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال، رشیدیہ)

ہوگی اس قیمت کا اعتبار ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۱/۸۹ھ۔

بذریعۂ قیمت سونے چاندی کی زکوۃ

سوال [۴۴۹۹]: عرض یہ ہے کہ میری زکوۃ میں اب تک دو غلطی ہوتی رہیں: ایک تو دو چار تولہ سونے کو چاندی کے وزن میں شمار کرتا رہا، سونے کی قیمت کا کوئی حساب نہیں لگایا، اب تک جتنے سالوں کی زکوۃ دی ہے سونے کا مختلف بھاؤ رہا ہے، اب کس صورت سے پچھلی زکوۃ ادا کی جائے؟ دوسرے چاندی کے زیور کی چاندی کا وزن لگا کر اس کی قیمت لگا کر قیمت دی ہے اور چاندی کی قیمت دینا جائز نہیں ہے۔ ایسی صورت میں کیا زکوۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

ایک اشکال یہ ہے کہ چاندی کی زکوۃ میں چاندی منگا کر دینے میں لینے والوں کو اور دینے والوں کو دونوں کو دقت ہے، لینے والوں کو ضرورت تو ہے پیسوں کی اور دی جائے چاندی وہ کہاں بیچتے پھریں گے۔ پیشگی زکوۃ میں کوئی شرط ہے، آیا کل ادا کی جائے یا جتنی چاہے وقتِ ضرورت دے سکتا ہے؟ فقط والسلام۔

کریم علی خان از ڈسنہ میرٹھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

سونے کو چاندی کے ساتھ ملا کر زکوۃ ادا کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ سونے کو قیمت لگا کر چاندی کے اعتبار

---

(۱) "و تعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا: يوم الأداء .... و يقوّم في البلد الذي المالُ فيه، و لو في مفازة ففي أقرب الأمصار إليه". (الدرالمختار). "(قوله: وهو الأصح): أي كون المعتبر في السوائم يوم الأداء إجماعاً هو الأصح، فإنه ذكر في البدائع أنه قيل: إن المعتبر عنده فيها يوم الوجوب، وقيل: يوم الأداء، اهـ. وفي المحيط: يعتبر يوم الأداء بالإجماع، وهو الأصح اهـ. فهو تصحيح للقول الثاني الموافق لقولهما، عليه فاعتبار يوم الأداء يكون متفقاً عليه عنده وعندهما". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۸۶، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/۴۰۰، باب زكاة المال، رشيديه)

(و كذا في فتح القدير ۲/۲۱۹، فصل في العروض، مصطفى البابي الحلبي مصر)

سے چاندی فرض کرلی جاوے، مثلاً کسی کے پاس ایک تولہ سونا ہے باقی چاندی ہے اور اس ایک تولہ سونے کی قیمت بازار میں ساٹھ تولہ چاندی ہے تو سونے کو ساٹھ تولہ چاندی فرض کر کے دوسری چاندی کے ساتھ مجموعہ کی زکوۃ ادا کی جائے، ایک تولہ سونے کو بلا حساب قیمت کے ایک تولہ چاندی فرض کر کے زکوۃ ادا نہیں ہوگی، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے (۱)، لہٰذا غور وفکر کر کے گذشتہ ایام کی زکوۃ کی تصحیح کردی جائے اور جب قلب شہادت دیدے کہ بس اس سے زیادہ میرے ذمہ باقی نہیں رہی تو ذمہ داری پوری ہوجائے گی، پھر بھی اگر کچھ کوتاہی رہے تو اللہ پاک سے توقع ہے کہ معاف فرمادیں گے۔

چاندی کے زیور کی قیمت لگا کر اگر زکوۃ میں چاندی ہی دی جائے تو اس میں وجوبِ زکوۃ اور ادائے زکوۃ دونوں میں وزن کا اعتبار کرنا ہوگا، قیمت کا اعتبار نہیں، تاہم جب دونوں جانب میں قیمت کا اعتبار کرلیا ہے تو حساب برابر ہی ہوگیا (۲)، اگر چاندی کے علاوہ کوئی اَور چیز دی جائے مثلاً سلور کی ریزگاری پیسے، غلہ وغیرہ تو اس میں قدرِ واجب کی قیمت کا اعتبار ہوگا (۳) اور اس میں لینے والے اور دینے والے دونوں کو سہولت رہے گی۔

پیشگی زکوۃ جب کہ نصاب موجود ہو ہر طرح ادا ہوجاتی ہے چاہے یکمشت ادا کردے چاہے تھوڑی

---

(۱) "و يضم الذهب إلى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمةً، وقالا: بالأجزاء، فمن له مأة درهم وخمسة مثا قيل قيمتها مأة، عليه زكاتها، خلافاً لهما". (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۰۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۰۰، باب زكاة المال، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۴۲، باب زكاة المال، رشيديه)

(۲) "والمعتبر وزنهما أداءً و وجوباً، لا قيمتهما، الخ". (الدرالمختار: ۲/۲۹۷، باب زكوة المال، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۷۴، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۹۵، باب زكاة المال، رشيديه)

(۳) "وجاز دفع القيمة في الزكاة، فلا تعتبر القيمة في نصاب كيلي أو وزني ...... وهذا إذا أدى من جنسه وإلا فالمعتبر هو القيمة اتفاقاً، الخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۷۵، سعيد) .... =

تھوڑی اس میں کوئی فرق نہیں ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

سونا اور چاندی دونوں کا نصاب پورا نہ ہو تو زکوۃ کس طرح ادا کی جائے

سوال[۴۵۰۰]: زید کے پاس ۳۳/تولہ چاندی ہے اور ساڑھے چار تولہ سونا اب زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کس طرح؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مذکورہ سونے کو بازار سے معلوم کرلیا جائے کہ یہ کتنی چاندی کا ہے، پھر اسی چاندی کے مقام اس سونے کو قرار دیکر ۳۳/تولہ چاندی سے ملاکر مجموعہ کا چالیسواں حصہ حسبِ قواعدِ شرع زکوٰۃ میں ادا کردیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

چاندی پر سونے کا پانی پھیرنے اور پتھر چڑھانے سے اس کی زکوۃ کا حکم

سوال[۴۵۰۱]: ملمع شدہ چیزوں کی زکوۃ کس طرح دی جائے مثلاً ایک زیور بنوایا، نیچے چاندی اوپر

---

(۱) "ولو عجّل ذو نصاب زکوته ا سنین أو لنصب صحّ، لوجود السبب". (الدرالمختار: ۲/۱۹۳، باب زکاۃ الغنم، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنھر: ۱/۳۰۸، باب زکاۃ الذھب والفضۃ والعروض، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(وکذا فی خلاصۃ الفتاویٰ: ۱/۲۴۱، الفصل الثامن فی أداء الزکاۃ، امجد اکیڈمی لاھور)

(۲) "ویضم الذھب إلی الفضۃ وعکسه بجامع الثمنیۃ قیمةً، وقالا: بالأجزاء، الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۰۳، باب زکاۃ المال، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۰۰، باب زکاۃ المال، رشیدیه)

(وکذا فی النھر الفائق: ۱/۴۴۲، باب زکاۃ المال، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۸۰، باب زکاۃ المال، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

سونے کا پانی یا پتھر چڑھوایا، آیا چاندی کے ساتھ ملا کر زکوۃ دیں گے یا سونے کے ساتھ؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

چاندی کا زیور بنوا کر اس پر سونے کا پانی پھیرنے سے وہ زیور سونے کا نہیں ہوگیا، وہ پانی اس سے جدا نہیں ہوسکتا تو وہ کالعدم ہے، چاندی ہی کی زکوۃ لازم ہوگی (۱) اگر سونے کے پتھری چڑھوادیئے ہیں جو کہ جدا ہوسکتے ہیں تو ان پتھروں کی زکوۃ سونے کے حساب سے ہوگی، سنار یا صرّاف سے وزن کرالیا جائے وہ بتادے گا کہ سونا کس قدر ہے اور چاندی کس قدر ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱/۹۴ھ۔

نصاب دوسو درہم اور ماخذ اس کا ہندی حساب سے

سوال [۴۵۰۲]: نصابِ زکوۃ چاندی سے کیا ہے؟ ساڑھے باون تولہ چاندی جو مشہور ہے اس کی اصلیت کیا ہے؟ درہم کی کیا مقدار ہے جس سے ساڑھے باون تولہ درست ہوجاوے اور اس کا ماخذ کیا ہے اور آج کل روپیہ جس میں چاندی تھوڑی سی رہتی ہے اور زیادہ تر تانبا رہتا ہے اس کا نصاب کیا ہے؟ بحوالۂ کتب تحریر فرماویں۔

---

(۱) "وإن لم ينوها فإن كانت بحيث يتخلص منها فضة تبلغ نصاباً وحدها أولا تبلغ، لكن عنده مايضمه إليها ...... وإن لم يخلص فلا شئ عليه ؛ لأن الفضة هلكت فيه ...... والذهب المخلوط بالفضة ...... وإن بلغت الفضة نصابها فزكاة الفضة، لكن إن كانت الغلبة للفضة". (فتح القدير، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۲۱۳، ۲۱۴، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۲) "الدنانير الغالب عليها الذهب كالمحمودية حكمها حكم الذهب والغالب عليها الفضة............ وإلا يعتبر قدر ما فيها من الذهب والفضة وزناً به؛ لأن كل واحد منهما يخلص بالإذابة، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۰۲، سعيد)

"لا يعتبر في هذا النصاب صفة زائدة على كونه فضة، فتجب الزكاة فيها سواء كانت دراهم مضروبةً أو نقرة أو تبراً أو حلياً مصوغاً أو حلية سيف أو منطقة إذا كانت تخلص عند الإذابة إذا بلغت مائتى دراهم، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل: أما الأثمان المطلقة: ۲/۱۶، ۱۷، سعيد)

الجواب حامداً و مصلیاً:

چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے اس کی اصل یہ حدیث ہے: "لیس فیما دون خمس أواقٍ صدقةٌ، والأوقية أربعون درهماً". بخاری(۱) ومسلم(۲) سے اس حدیث کی تخریج امام زیلعی نے نصب الرایہ: ۲/۳۶۳ (۳) میں کی ہے، پھر اس مقدار کو علمائے ہندوستان نے وزن سے اعتبار کیا تو ساڑھے باون تولہ چاندی ہوئی، بعض کے حساب سے کچھ زائد ہوئی، بعض کے حساب سے کچھ کم۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اس کی مقدار چھبیس روپیہ سکہ دہلی تحریر فرمائی ہے اور محشی نے سکوں کے اختلاف سے کچھ تفاوت بھی لکھا ہے(۴) ایک درہم کی مقدار ستر جو دُم بُریدہ ہے جیسا کہ فتاوی رشیدیہ ص: ۴۰۲ میں لکھا ہے (۵) تو درہم بھی مختلف ہوئے اور جو بھی مختلف، لہٰذا نصاب کی مقدار میں بھی اختلاف ہوا۔ مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ لکھنوی نے نصاب کی مقدار بہت ہی کم تحریر فرمائی ہے(۶)۔ مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے کچھ تخطیہ کیا ہے، منشائے خطا اگر دیکھنا ہو تو العرف الشذی ص: ۲۷۶ دیکھئے (۷)، آج کل کے روپیہ کا نصاب قیمت سے ہوگا وزن سے نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (صحيح البخاری، كتاب الزكاة، بابٌ: ليس فی مادون خمس ذود صدقة: ۱/۱۹۶، قديمی)

(۲) (الصحيح لمسلم، كتاب الزكاة: ۱/۳۱۵، ۳۱۶، قديمی)

(۳) (نصب الراية، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۷۳، حقانيه پشاور)

(۴) أقول: إن هذا لايصلح ردًّا على مانقل البيهقی، ووزن صاع العراقيين على تقدير علماء الهند فيه أقوال: منها أنه مائتان وسبعون تولجة، وأحسن ماصنف فی صاعنا رسالة الشيخ المخدوم هاشم بن عبدالغفور السندی -رحمه الله- وقال فيها: إن فلس السلطان عالمكير مساوٍ لمثقال شرعی .... قال القاضی ثناء الله البانی بتی: إن نصاب الفضة اثنان وخمسون تولجة، ونصاب الذهب سبعة تولجات ونصفها. والقاضی المرحوم من خداقنا". (العرف الشذی على هامش جامع الترمذی: ۱/۲۰، أبواب الطهارة، باب الوضوء بالمد، سعيد)

(۵) (فتاویٰ رشیدیہ، صدقہ فطر کا بیان: ۴۴۲، سعید)

(۶) (عمدة الرعاية، كتاب الزكاة، باب زكاة الأموال، (رقم الحاشية: ۵): ۱/۲۲۹، سعيد)

(۷) "ولقد أخطأ مولانا عبدالحیؒ فی نصاب الفضة والذهب، فإن حسابه غير مستقيم، واعتبر بأحمر الأطباء وهو أربع شعيرات". (العرف الشذی على جامع الترمذی، كتاب الطهارة، باب الوضوء بالمُدّ: ۱/۲۰، سعيد)

نوٹ پرزکوۃ

سوال[۴۵۰۳]: (الف) آج کل روپیہ دوروپیہ کےنوٹ کارواج عام ہوگیا ہے، چاندی کاروپیہ نہیں رہا، بعض لوگ عذر کرتے ہیں کہ زکوۃ تو سونے چاندی یااس کے سکے پر ہے، ہمارے پاس سونا چاندی یااس کا سکہ نہیں ہےنوٹ ہیں جو وجوبِ زکوۃ کے حکم میں نہیں۔ نیز یہ کہ زکوۃ ادا کرتے وقت علماءفرماتے ہیں کہ چاندی کے روپے یا سکہ دھات وغیرہ سےنوٹ بدل کرزکوۃ ادا کرو، جب نوٹ سے زکوۃ ادانہیں ہوتی تو پھراس پرزکوۃ کیسے واجب ہوتی ہے؟ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ نوٹ پرزکوۃ ہے یانہیں؟ اورنوٹ سے زکوۃ اداہوسکتی ہے یانہیں؟ یانوٹ کودوسرے سکہ دھات وغیرہ سے بدل کرزکوۃ اداکریں شرعاً کیاحکم ہے؟

(ب) بعض حضرات علماءفرماتے ہیں کہ نوٹ دراصل سکہ نہیں بلکہ روپیہ کی رسید ہے، اگر پھٹ جائے یاخراب ہوجائے تونمبر دکھانے سے دوسرامل جاتا ہے، اس کاروپیہ گورنمنٹ کے ذمہ قرض ہے جوگورنمنٹ کے ذمہ ہوگیااور چونکہ رسید ہےسکہ نہیں ہےاس لئے اس سے بھی زکوۃ ادانہ ہوگی، چونکہ زکوۃ میں نوٹ دینامال دینانہ ہوا، رسید دینی ہوئی۔اس جواب پرمندرجہ ذیل شبہات پیدا ہوتے ہیں:

۱-نوٹ کے ساتھ یہ تخصیص کہ اگرخراب ہوجائے یاپھٹ جائے تونمبر دکھانے سےمل جاتا ہے، اسی طرح روپیہ نقرئی بھی اگرخراب ہویاٹوٹ جائےتوگورنمنٹ اس کے بدلنےکی ذمہ دارہوتی ہے، اس لئے صرف نمبردکھاکر بدلنےکورسیدقراردینا کیونکردرست ہوا؟ جب کہ چاندی کے روپےخراب ہونے یاٹوٹ جانے کی صورت میں بھی دوسرامل جاتا ہے؟ اس صورت میں یاتوروپیہ کوبھی رسیدقراردیاجائے ورنہ نوٹ کوبھی سکہ رائج الوقت قراردیکرزکوۃ کالین دین مثل چاندی سونے کےدرست قراردیاجائے۔

۲-یہ کہ گورنمنٹ کاکوئی اس طرح اعلان نہیں جس سے یقین کرلیاجائے کہ نوٹ واقعی رسید ہےسکہ نہیں، بلکہ حکومت کوہروقت اختیار ہے کہ وہ بجائےنوٹ کےمٹی یاگارے یاکپڑے وغیرہ کے سکے چلادے، اگر بالفرض ومُحال یہ تسلیم کرلیاجائے کہ گورنمنٹ کے ذمہ قرض ہےتوگورنمنٹ کےقرض کی ذمہ داراس کی رعایاہوا کرتی ہے، جیسے ہندوستان سے کروڑہاروپیہ قرض کاوصول کیاجاتا ہےتو جب بہرصورت رعایاہی مقروض ہوتی ہےتوپھرمسلمان رعایاکے پاس خواہ چاندی ہویاسونایانوٹ، مقروض ہونےکی صورت میں اس پرزکوۃ بھی فرض نہ ہوناچاہئے۔

۳- اب جب کہ بعض علمائے کرام نوٹ کو رسید قرار دے چکے تو ادائیگی زکوۃ کی صورت ملاحظہ فرمائیں کہ روپیہ لیکر ریز گاری میں یا نوٹ سے غلہ کپڑا وغیرہ خرید کر دیں یا کہ مال دیا جائے تب زکوۃ، فطرہ، صدقہ، قربانی کی کھال کی قیمت ادا ہوگی جس کی آسان صورت یہ بتلائی گئی کہ اگر کسی شخص کو دس روپیہ کے نوٹ زکاۃ میں دینا ہے تو اس روپیہ کا کوئی مال خرید کر رکھ لے مثلاً کپڑا، غلہ، کتابیں وغیرہ مسکین کو دیدیں، اس سے کہو کہ اس کو تم بازار میں فروخت کروگے تو اگر تمہارا جی چاہے تو ہمیں فروخت کر دیں تو دس روپے کے نوٹ دیکر اس کو خرید لیں اس کو نوٹ دیدیں وہ شیٔ پھر سے قبضہ میں آ گئی۔

اس فرمان عالی پر عرض ہے کہ موجودہ روپے یا سابق چاندی کا روپیہ یا ریز گاری کا اتنا قحط ہے کہ شہر اور دیہات میں کسی زائد قیمت پر بھی دستیاب نہیں ہوسکتی، اب صرف نوٹ ہیں، اس شکل میں خواص کا تو ذکر ہی نہیں عام مسلمان جو پہلے سے تنگدلی کے ساتھ زکوۃ ادا کرتے ہیں اس قدر احتیاط کس طرح کر سکتے ہیں تو اس صورت میں ادائیگی میں خطرات ہیں کہ کہیں عام مسلمان زکوۃ دینا ترک نہ کر دیں۔

۴- ریز گاری کی قلت کی وجہ سے نوٹ کے بارہ آنے یا چودہ آنہ دینا لینا سودی لین دین میں شامل ہے یا نہیں؟ جب کہ قانوناً ہر نوٹ اور روپیہ کے سولہ آنے مقرر ہیں تو حکم شرعی کیا ہے؟ اس کا مرتکب کس گناہ میں شامل سمجھا جائے گا؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

(الف) نوٹ خود چاندی یا سونے کا سکہ نہیں ہے بلکہ یہ اس کی رسید ہے جو گورنمنٹ یا بینک کے ذمہ بطور قرض موجود اور اس کی وصولیابی پر اس نوٹ کے ذریعے قدرت حاصل ہے لہٰذا درحقیقت اس مال پر زکوۃ واجب ہے بہتر یہ ہے کہ اس کی یا اس کی قیمت کی کوئی شیٔ غلہ، کپڑا وغیرہ زکوۃ میں ادا کریں تا کہ بالیقین زکوۃ ادا ہو جائے، اگر زکوۃ میں نوٹ دیا اور مصرفِ زکوۃ فقیر نے اس کے عوض سکہ غلہ وغیرہ کوئی مال حاصل کر لیا تب بھی زکوۃ ادا ہوگئی لیکن اگر وہ نوٹ فقیر سے ضائع ہوگیا مثلاً جل گیا، گھل گیا، گم ہوگیا، یا اس نے کسی کرایہ، اجرت وغیرہ میں دیدیا، یا اس کے ذریعہ سے اپنا قرض ادا کر دیا تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی (۱)۔

---

(۱) دور حاضر کے اکثر علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہوگیا ہے کہ اب یہ نوٹ قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ اس پر مروجہ سکوں کے احکام جاری ہونگے، چنانچہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی ''فقہی مقالات'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ:=

(ب)۱- روپیہ میں فی حد ذاتہ خود مال موجود ہے، اگر گورنمنٹ کی طرف سے اس کے بدلنے کی ذمہ داری نہ ہوتو اس کی قیمت ہی کچھ نہیں، لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ آج کل چھوٹے نوٹ پر ایسی عبارت درج نہیں، بڑے نوٹ پر اب بھی درج ہے۔

= ''جب کرنسی نوٹ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر پہنچ جائیں تو ان پر بالاتفاق زکوۃ واجب ہوجائے گی اور چونکہ اب یہ قرض کی دستاویز کی حیثیت نہیں رکھتے، اس لئے ان نوٹوں پر قرض کی زکوۃ کے احکام بھی جاری نہیں ہونگے بلکہ اس پر مروجہ سکوں کے احکام جاری ہونگے، وجوبِ زکوۃ کے مسئلے میں مروجہ سکوں کا حکم سامانِ تجارت کی طرح ہے یعنی جس طرح سامانِ تجارت کی مالیت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی تک پہنچ جائے تو ان پر زکوۃ واجب ہوتی ہے بعینہ یہی حکم مروجہ سکوں اور موجودہ کرنسی نوٹوں کا ہے۔

اور جس طرح مروجہ سکے کسی غریب کو بطورِ زکوۃ کے دیئے جائیں تو جس وقت وہ فقیر ان سکوں کو اپنے قبضے میں لے گا اسی وقت اس کی زکوۃ ادا ہوجائے گی، بعینہ یہی حکم کرنسی نوٹوں کا ہے کہ فقیر کے ان پر قبضہ کرنے سے زکوۃ فی الفور ادا ہوجائے گی، ان نوٹوں کو استعمال میں لانے پر زکوۃ کی ادائیگی موقوف نہیں رہے گی''۔ (فقہی مقالات: ۱/۳۰، میمن اسلامک پبلشرز)

''وفي الشرنبلالية: الفلوس إن كانت أثماناً رائجةً أو سلعاً للتجارة، تجب الزكاة في قيمتها، وإلا فلا اهـ''. (الدرالمختار: ۲/۳۰۰، باب زكاة المال، سعيد)

''وإذا اشترى الرجل فلوساً بدراهم، و نقد الثمن، و لم تكن الفلوس عند البائع، فالبيع جائز؛ لأن الفلوس الرائجة ثمن كالنقود''. (المبسوط للسرخسي: ۷/۲۲، كتاب الصرف، باب البيع بالفلوس، الجزء الثاني، الغفاريه، كوئٹه)

''إن الزكاة تجب في الغطارفة إذا كانت مائتين؛ لأنها اليوم من دراهم الناس وإن لم تكن من دراهم الناس في الزمن الأول، وإنما يعتبر في كل زمان عادة أهل ذلك الزمان، ألا ترى أن مقدار المائتين لوجوب الزكاة من الفضة إنما تعتبر بوزن سبعة الخ''. (البحر الرائق: ۲/۳۹۷، باب زكاة المال، رشيديه)

''(وفي عروض تجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب) يعني في عروض التجارة، يجب ربع العشر إذا بلغت قيمتها من الذهب أو الفضة نصاباً، يعتبر فيهما الأنفع أيهما كان، الخ''. (تبيين الحقائق: ۲/۷۷، باب زكاة المال، دار الكتب العلميه، بيروت)

''ويجوز دفع القيم في الزكاة والعشر والخراج، الخ''. (مجمع الأنهر: ۱/۳۰۰، فصل في الخيار، دارالكتب العلمية بيروت)

۲- یہ فرضِ مُحال نہیں بلکہ حقیقتِ نفس الامری ہے، گورنمنٹ کے ذمہ رعایا کا قرض ہے (۱) جس کی رسید نوٹ ہے اور اس کے ذریعہ سے رعایا کو گورنمنٹ قرض دیکر وصول کرتی ہے، یہ نہیں کہ رعایا کے ذمہ گورنمنٹ کا کوئی قرض ہے جس کی وجہ سے رعایا کے ذمہ سے زکوۃ ساقط کردیا جائے اور جنگ کا روپیہ جو گورنمنٹ لیتی ہے وہ بھی قرض لیتی ہے، بعد اختتامِ جنگ اس کی واپسی کا وعدہ کرتی ہے، اس سے رعایا مقروض نہیں ہوئی پھر اس کے ذمہ سے زکوۃ کیوں ساقط ہوئی۔

۳- اگر ہر شخص کو یہ صورت سہل نہیں جس قدر زکوۃ واجب ہے اس کا کوئی مال خرید کر فقیر کو دیدیا جائے (۲)، ریزگاری اگر نہیں ملتی تو مال تو ملتا ہے اس میں کیا اشکال ہے، نوٹ کے ذریعہ سے بازار میں بہت مال ملتا ہے۔

۴- نوٹ کے عوض کمی زیادتی جائز نہیں (۳)، روپیہ کے عوض کمی زیادتی درست ہے، ریزگاری روپے خالص بیع صرف نہیں، البتہ اگر ایک جانب خالص چاندی یا غالب چاندی ہو اور دوسری جانب بھی ایسا ہی ہو تو

---

(۱) دیکھئے: (فقهي مقالات لمولانا المفتي محمد تقي العثماني دامت فيوضه ''کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم'': ۱/۱۳، ۲۳، میمن اسلامک پبلشرز''۔

(وفقهي مسائل لخالد سيف الله رحماني: ۱/۱۱۷، المصباح)

(۲) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "فلو أطعم يتيماً ناوياً الزكاة، لايجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم كمالو كساه بشرط أن يعقل القبض، إلا إذا حكم عليه بنفقته". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: إلا إذا دفع إليه المطعوم)؛ لأنه بالدفع إليه بنية الزكاة يهلكه، فيصير آكلاً من ملكه .... (قوله: إلا إذا حكم عليه بنفقتهم) .... قلت: هذا إذا كان على طريق الإباحة دون التمليك كما يشعر به لفظ الإطعام، ولذا قال في التاتارخانية عن المحيط: إذا كان يعول يتيما ويجعل مايكسوه ويطعمه من زكاة ماله، ففي الكسوة لاشک في الجواز لوجود الركن وهو التمليك، وأما الطعام فما يدفعه إليه بيده يجوز أيضاً". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۲۵۷، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة: ۲/۳۵۳، رشيديه)

(۳) ''موجودہ زمانے میں کاغذی کرنسی کا تبادلہ مساوات اور برابری کے ساتھ کرنا جائز ہے، کسی زیادتی کے ساتھ نہیں''۔ (فقہی مقالات، ملکی کرنسی نوٹوں کا آپس میں تبادلہ: ۱/۳۷، میمن اسلامک پبلشرز)

مساوات شرط ہے (۱) ورنہ چاندی کے مقابلہ میں چاندی اور کھوٹ یا دوسری دھات کے مقابلہ میں کھوٹ یا چاندی یا دوسری دھات ہونے سے بیع درست ہوجائے گی (۲)۔ فقط۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ جامع العلوم کانپور۔

نوٹ کی زکوۃ

سوال [۴۵۰۴]: اگر کسی کے پاس سوروپیہ کا نوٹ ہے تو اس کی زکوۃ میں ڈھائی روپیہ دینا واجب ہے یا ڈھائی تولہ چاندی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

خواہ ڈھائی روپیہ دے خواہ ڈھائی تولہ چاندی دے، خواہ ڈھائی تولہ چاندی کی قیمت کی کوئی اَور شئ دیدے سب جائز ہے (۳)۔ فقط۔

نوٹ سے زکوۃ کا حکم

سوال [۴۵۰۵]: ۱...... مدِ زکوۃ کے روپے مدرسہ کے غریب فنڈ میں جس سے غریب طلبہ کی خرچ برداری کی جاوے داخل کردینے سے زکوۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں، یا کہ حیلہ کرنا ہوگا؟ آپ کے مدرسہ میں اس کا

---

(۱) "فإن كان الغالب الذهب فی الدنانیر والفضة فی الدراهم فهما كالذهب الخالص والفضة الخالصة اعتباراً للغالب.........، وإذا كان كالخالصين، فلا يجوز بيعهما بالخالص مع الذهب والفضة إلا متساويين فی الوزن، وكذا بيع بعضها ببعض". (فتح القدير، كتاب الصرف: ۱۵۲/۷، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۲) "وإن كان الغالب عليهما الغش، فليسا فی حكم الدراهم والدنانير .... فإن بيعت بجنسها متفاضلاً، جاز صرفاً للجنس إلى خلاف الجنس، فهی فی حكم شيئين: فضة وصفر، الخ". (الهداية، كتاب الصرف: ۱۰۹/۲، شركت علميه، ملتان)

(۳) اب نوٹ کا حسابِ زکوٰۃ قیمت کے اعتبار سے ہوگا یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر جس قدر نوٹ ہوں، ان پر زکوۃ واجب ہوگی اور اس کے چالیسواں حصہ کی جو قیمت ہوا تنے نوٹ واجب ہونگے۔

(تقدم تخريجه تحت عنوان: "نوٹ پر زکوۃ")

کیا طریقہ ہے؟

۲......امدادالفتاوی میں مرقوم ہے کہ زکوۃ، فدیہ، فطرہ وغیرہ میں نوٹ دینے سے ادا نہیں ہوتی بوجہ حوالہ ہونے کے، کیونکہ نوٹ عین روپیہ نہیں بلکہ سند ہے، جب بیت المال میں اس کو داخل کردے، روپیہ مل جاوے(۱)۔ اس پر موجودہ حالت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اب تو یہ نوٹ بعینہ روپیہ ہوگا بوجہ اس کے کہ اس نوٹ کو بیت المال میں داخل کرنے سے بھی چاندی کے روپیہ یا موجودہ لیکن کے روپیہ نہیں ملتا ہے۔ غایۃ الامر اتنا ہوتا ہے کہ زیادہ رقم کے نوٹ دینے سے وہ ایک روپیہ والا نوٹ دے دیتا ہے اس معذوری کی وجہ سے نوٹ سے زکوۃ و غیرہ ادا ہونے کا حکم ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۱......ہمارے مدرسہ میں جو نوٹ زکوۃ میں آتے ہیں وہ بعینہ طلباء کو نہیں دیئے جاتے یا ان کو بھنا کر ریز گاری نقد وظیفہ کی صورت میں دیتے ہیں، یا کپڑا خرید کر، یا جوتہ خرید کر، یا غلہ خرید کر اس کی روٹی پکا کر، یا کتابیں خرید کر دیتے ہیں اس سے بلاشبہ زکوۃ ادا ہوجاتی ہے(۲)۔

۲......نوٹ خود روپیہ نہیں بلکہ حوالہ ہے جیسا کہ امدادالفتاوی میں ہے اس لئے نوٹ کی کوئی شئے خرید کر زکوۃ میں دی جائے تا کہ زکوۃ ادا ہوجائے، اگر نوٹ زکوۃ میں دیا گیا تو اس سے زکوۃ ادا ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ فقیر اس نوٹ کے عوض کوئی مال حاصل کرلے تب زکوۃ ادا ہوگی اگر فقیر سے وہ نوٹ کسی طرح ضائع ہوگیا، یا

---

(۱) (امداد الفتاویٰ، کتاب الزکوۃ والصدقات: ۲/۴ • ۵، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) قال العلامة زين الدين ابن نجيم رحمه الله تعالیٰ: "وقيد بالتملک احترازاً عن الإباحة، ولهذا ذكر الولواجي وغيره أنه لو عال يتيماً، فجعل يكسوه ويطعمه وجعله من زكاة ماله، فالكسوة تجوز لوجود ركنه وهو التمليک، وأما الإطعام إن دفع الطعام إليه بيده، يجوز أيضا لهذ العلة". (البحر الرائق، كتاب الزكوة: ۲/۳۵۳، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكوة: /۲۵۷، سعيد)

لیکن اس صورت میں زکوۃ اس لئے ادا ہوجائے گی کہ زکوۃ میں دفع القیمت جائز ہے: (كما مرّ تحت عنوان: "چاندی کا نصاب"، وتحت عنوان "سونے چاندی کی زکوۃ بذریعہ قیمت"۔)

اس نے کسی ڈاکٹر کی فیس، یا کرایہ ریل وغیرہ میں دیدیا، یا اس کے ذریعہ سے قرض ادا کیا تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ جمادی الأولی/ ۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

نوٹ کے ذریعہ سے زکوۃ کی ادائیگی

سوال [۴۵۰۶]: اگر کسی نے زکوۃ میں نوٹ ادا کئے تو زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ مدارسِ عربیہ میں اکثر لوگ بذریعہ ڈاک یا دوسرے ذرائع سے زکوۃ میں نوٹ ہی ادا کرتے ہیں۔ اس صورت میں زکوۃ کیسے ادا ہوگی جیسا کہ حضرت مفتی صاحب نے آنے والے فتاویٰ میں اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

نوٹ اپنی اصل کے اعتبار سے حوالہ اور سند ہے (مال نہیں) لیکن اس دور میں تقریباً روپیہ معدوم ہے، سب کاروبار نوٹ سے ہی ہوتا ہے اور سب جگہ نوٹ ہی بلاتردد روپیہ کے قائم مقام بلکہ روپیہ سے زیادہ قابلِ قدر شمار ہوتا ہے اس لئے اب نوٹ کے ذریعہ سے بھی زکوۃ ادا ہوجاتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹/ ۱۰/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۰/ ۱۰/ ۸۸ھ۔

نوٹ کے ذریعہ زکوۃ کی ادائیگی

سوال [۴۵۰۷]: ملفوظات حصہ ہفتم، ص: ۳۰۵، رسالہ المبلغ نمبر: ۸، جلد نمبر: ۱۳، بابت ماہ جمادی الاولی/ ۶۱ھ، ملفوظ نمبر: ۴۴۶، ایک نواب صاحب نے بذریعۂ تحریر یہ مسئلہ دریافت کیا کہ آج کل روپیہ تو ملتا نہیں صرف نوٹ ملتا ہے جس سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں کس طرح ادا کی جائے؟ حضرت اقدس

---

(۱) اصل حکم نوٹ کا یہی ہے لیکن اب اس کا رواج اور تعامل بالکل روپے (درہم) کی طرح ہے اور یہی اب نقد کے حکم میں ہوگیا، حوالہ نہیں رہا اب نوٹ سے زکوۃ ادا ہوجائے گی۔ (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''نوٹ پر زکوٰۃ''۔)

(۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''نوٹ پر زکوٰۃ'')

نے تحریر فرمایا کہ زکوۃ غلہ ودیگر اشیاء سے بھی ادا ہوسکتی ہے پھر زبانی فرمایا کہ یہ فتویٰ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

اشکال: ا......اب تک زکوۃ کے ادا کرنے کا یہ عمل رہا ہے کہ بذریعۂ منی آرڈر مدارس میں دوسری جگہ زکوۃ ارسال کی گئی اور نوٹ ڈاکخانہ میں آ گئے اور وہاں ڈاکخانہ سے نوٹ وصول کئے گئے تو ایسی صورت میں زکوۃ ادا ہوئی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو گذشتہ عمل کے درستی کی کیا صورت ہوسکتی ہے اور آئندہ کس صورت سے زکوۃ ادا کرنی چاہئے، یا جس شخص نامستحقِ زکوۃ کو اصالۃً زکوۃ دی گئی اور اس کو نوٹ دیا گیا اور اس کو یہ نہیں بتلایا گیا کہ یہ بمدِ زکوۃ ہے کیونکہ بتلانا مناسب نہیں تھا۔ اب اگر زکوۃ ادا نہیں ہوئی تو اس کی درستی کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

۲......ہم ملازمین کو تنخواہ میں نوٹ ہی ملتے ہیں اور نوٹ ہی ہم لوگوں کی جائیداد ہے، چاندی یا سونا یا روپیہ نہیں ہے تو نوٹوں پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر نوٹوں پر زکوۃ واجب ہے تو اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہے؟

۳......آج کل جو روپیہ ملتا ہے اس میں بھی چاندی نہیں ہوتی ہے تو اس کا حکم مثلِ نوٹ کے ہے یا مثلِ چاندی کے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ا......نوٹ روپیہ نہیں بلکہ رسید اور حوالہ ہے، نوٹ کے ذریعہ سے زکوۃ ادا کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ فقیر سے ضائع نہ ہو بلکہ وہ اپنے تحصیلِ مال میں صرف کرے خواہ اس کا روپیہ بنالے یا اس کے ذریعہ سے کوئی اَور شئ خرید لے، اگر خود نوٹ فقیر سے ضائع ہوگیا تو زکوۃ ادا نہیں ہوئی (ا)، لہٰذا اگر کسی مقام پر یہ علم ہوجائے کہ فلاں فقیر سے زکوۃ میں دیا ہوا نوٹ ضائع ہوگیا ہے تو اتنی مقدار زکوۃ کو دوبارہ دی جائے ورنہ گذشتہ ادا کی ہوئی زکوۃ کی تجدید کی ضرورت نہیں۔

۲......نوٹ اگر چہ خود روپیہ نہیں لیکن ایسے قرض کی رسید ہے جس پر ہر وقت قدرت ہے لہٰذا اس پر زکوۃ

(ا) یہ حکم اس وقت کا ہے جب نوٹ کا روپیہ عام طور پر ملتا تھا، اب نوٹ ہی بمنزلۂ روپے کے ہے، لہٰذا اس کے ذریعے سے زکوۃ ادا ہوجاتی ہے۔ (تقدم تفصیله تحت عنوان: ''نوٹ پر زکوۃ''۔)

(وأیضا تقدم تخریجه تحت عنوان: ''نوٹ سے زکوۃ کا حکم''۔)

واجب ہے(۱) جوادائیگی کی صورت دوسرے مال میں زکوٰۃ کی ہے وہی نوٹ میں ہے۔

۳......اس روپیہ میں اگر چاندی کم ہے لیکن قیمت میں بالکل چاندی کے برابر ہے لہٰذا جوحکم خالص چاندی کے روپیہ کا ہے وہی اس کا ہے قیمت کے اعتبار سے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۸/۶۱ھ۔

صحیح: عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ شعبان/۶۱ھ

نوٹ اور ریز گاری سے زکوٰۃ

سوال[۴۵۰۸]: زید کے پاس ایک ہزار روپیہ کے نوٹ ہیں وہ اس کی زکوۃ ادا کرنا چاہتا ہے، زکوۃ ادا کرنے کے لئے پہلا روپیہ جس میں چاندی غالب تھی نہیں ملتا، ذیل کی چار صورتوں میں سے کوئی ایک صورت اختیار کی جا سکتی ہے:

۱- زکوۃ نوٹ سے ہی ادا کردی جائے اس صورت میں زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر ادا ہوگی تو کیا پہلے روپیہ کی طرح بلا قید ادا ہوگی یا کسی قید کے ساتھ؟

(**نوٹ**) نوٹوں کی اور دیگر مال مثل نقدی یا زیور وغیرہ کی زکوۃ ادا کرنے میں کچھ فرق ہے یا مطلقاً زکوۃ ادا ہو جائے گی؟

۲- نیا سکہ جو اب جاری ہوا (اس میں چاندی محض چار آنہ بھری ہوتی ہے) اس سے زکوۃ ادا کرے

---

(۱) (دیکھئے: **فقهی مقالات** "کرنسی نوٹ اور زکوٰۃ": ۱/ ۳۰، **میمن اسلامک پبلشرز**)

(۲) "وما غلب غشه منهما يقوّم كالعروض، وحاصله أن مايخلص منه نصاب أو كان ثمناً رائجاً، تجب زكاته، سواء نوى التجارة أولا، الخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/ ۳۰۰، سعيد)

"وكان الشيخ أبو بكر محمد بن الفضل يوجب الزكاة في الغطريفية والعادلية في كل مائتي درهم خمسة دراهم عدداً؛ لأن الغش فيهما غالب، فصار فلوساً فوجب اعتبار القيمة فيه، لا الوزن، الخ". (تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/ ۷۷، عباس احمد الباز)

تو زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اس سے زکوۃ پہلے روپیہ کی طرح بلا قید ادا ہوگی یا مشروط طریق سے اور وہ شرائط کیا ہیں؟ کیا اس روپیہ سے زکوۃ مطلق ادا ہو جائے گی یا بموجب جنس مال (یعنی نوٹ، زیور، نقد) زکوۃ ادا کرنے میں کچھ فرق ہوگا اور وہ فرق کیا ہے؟

(**نوٹ**) اس روپیہ سے زکوۃ ادا کرنے کی صورت میں یہ شبہ ہے کہ یہ روپیہ چاندی نہیں کیونکہ اس میں صرف چار آنہ کی مقدار چاندی ہے اور باقی دوسری دھات یعنی کھوٹ اور چاندی، اگر غیر چاندی سے مل جائے اور غیر چاندی کا عنصر غالب ہو تو مرکب پر چاندی کا حکم نہیں لگایا جاتا ہے بلکہ وہ اسباب کے حکم میں ہے۔

اور ظاہر بات ہے کہ نیا روپیہ پہلے کھرے روپیہ کی قیمت کا ہی نہیں بلکہ اس سے کم قیمت ہے، اگر کہا جائے کہ نیا روپیہ سرکاری طور پر پہلے کھرے روپیہ کا قائم مقام ہے پہلے اسے کھرے روپیہ کی قیمت سمجھ کر اس کو زکوۃ میں دینا درست ہوگا تو اسی طرح نوٹ بھی تو سرکاری طور پر کھرے روپیہ کی قیمت قرار دیا گیا ہے پس زکوۃ میں روپیہ کے بجائے اگر نوٹ دیدیا جائے تو زکوۃ ادا ہو جانی چاہئے، اگر اندریں صورت بھی نوٹ سے زکوۃ ادا نہیں ہوئی تو اس مروجہ روپیہ میں اور نوٹ میں کیا فرق ہے؟

۳- پیسوں سے یا غیر چاندی اِکنیوں، دونیوں، چونیوں سے زکوۃ ادا کرے، اس صورت میں زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اور ان کی ادائیگی بلا قید طریقہ سے ہے اور قیود کیا ہیں اور اس میں وہ تمام باتیں ملحوظ ہونگیں جو نئے روپے کی بحث میں گزرا، اس میں اور نئے روپے میں فرق ہے تو کیا؟

۴- چاندی خرید کر زکوۃ ادا کرے، اس میں مشکل یہ ہے کہ چاندی خریدنے کے لئے اور کھری چاندی میں فرق دشوار ہے ہر شخص نہیں کرسکتا، زکوۃ لینے والے کو بھی نقصان۔ براہِ مہربانی تمام صورتوں پر غور فرمایا جائے اور بالوضاحت جواب تحریر فرمایا جائے مع حوالۂ کتب۔

نوٹ یا ریزگاری کی صورت میں اگر مال جمع ہو تو اس پر زکوۃ کیوں واجب ہے جب کہ براہ راست نوٹ یا ریزگاری سے زکوۃ دے تو ادا نہیں ہوتی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱- نوٹ روپیہ نہیں مگر روپیہ کی سند ہے لہذا نوٹ کے ذریعہ سے زکوۃ ادا ہو جائے گی بشرطیکہ مصرف کے پاس پہونچکر مصرف اس کو اپنے کام میں صرف کرلے، اگر اس سے پہلے پہلے وہ نوٹ ضائع ہوگیا او، مصرف اس

کو اپنے کام میں نہیں لاسکا تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔نوٹ اور ہر قسم کے مال کی زکوۃ نوٹ کے ذریعہ سے ادا کرنا بشرط مذکور صحیح ہے(۱)۔

۲- نیا سکہ جو کہ اب جاری ہوا ہے اس میں چاندی مغلوب ہے اور دوسری دھات غالب ہے لیکن بحیثیت ثمنیت ورواج پہلے روپیہ میں اور اس میں کوئی فرق نہیں،لہذا جس طرح پہلے روپیہ سے زکوۃ ادا کرنا درست ہے اسی طرح اس سے بھی بلا تامل درست ہے اور جس طرح پہلے روپیہ پر زکوۃ واجب ہوتی ہے اسی طرح اس پر بھی واجب ہوتی ہے،فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے روپیہ میں چاندی غالب ہونے کی وجہ سے وجوباً واداءً وزن کا اعتبار ہوگا اور نئے روپیہ میں قیمت کا اعتبار ہوگا:

"وكان الشيخ أبو بكر محمد بن الفضل يوجب الزكوة في الغطريفية بقيمته، و العادلية في كل مائتي درهم خمسة دراهم عدداً؛ لأن الغش فيهما غالب فصارا فلوساً، و وجب اعتبار القيمة فيه لا الوزن، الخ". زيلعي شرح كنز ١/٢٧٩(٢)۔

قال الشلبي في هامشه: "روى الحسن عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالىٰ أن الزكوة تجب في الجياد، و من الدراهم والزيوف والنبهرجة، قال: لأن الغالب فيها كلها الفضة و ما تغلب فضته على غشه، يتناوله اسم الدرهم مطلقاً، والشرع أوجب باسم الدراهم وإن كان الغالب هو الغش، والفضة فيها مغلوبة، فإن كانت رائجةً أو كان يمسكها للتجارة يعتبر قيمتها، فإن بلغت قيمتها مائتي دراهم من أدنى الدراهم التي تجب فيها الزكاة، وهي التي الغالب عليها الفضة، تجب فيها الزكاة، وإلا فلا، اه". بدائع"(٣)۔

وإن لم تكن رائجةً ولا معداً للتجارة، فلا زكوة فيها، إلا أن يكون مافيها من الفصة يبلغ مائتي دراهم بأن كانت كبيرةً الخ"۔ والمسئلة مذكورة في الدرالمختار

(۱) (تقديم تخريجه تحت عنوان: "نوٹ پر زکوۃ"۔)

(۲) (تبيين الحقائق للزيلعي، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۷۷، عباس احمد الباز)

(۳) حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۳/۷۶، دارالكتب العلميه، بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۰۸، فصل في بيان النصاب، دارالكتب العلميه، بيروت)

وردالمحتار: ۴۷/۲ (۱)، والدر المنتقی ومجمع الأنهر: ۲۰۶/۱ (۲)،والفتاویٰ العالمکیریة: ۱۷۹/۱ (۳)۔

اس روپیہ میں اورنوٹ میں فرق یہ ہے کہ یہ روپیہ سرکاراوررعایا سب کے نزدیک روپیہ اورسکہ ہے،جس کی قیمت سولہ ہےاورنوٹ کسی کے نزدیک بھی روپیہ اورسکہ نہیں نہ اس کی قیمت سولہ ہے بلکہ یہ تو ایک سنداوررسید ہے،جس کے ذریعہ سےحکومت یا بینک سےحسبِ معاہدہ تحریرنوٹ سولہ وصول ہوسکتے ہیں اس لئے نوٹ کے ذریعہ سے زکوۃ مشروط بالشرط بالمذکور ہےاورروپیہ کے ذریعہ سے بلاشرط ہی اداہوجاتی ہے۔

۳- زکوۃ اداہوجائے گی اوراس میں قیمت کا اعتبار ہوگا یعنی جس قدر چاندی وزن کے اعتبار سے لازم ہواس کی قیمت جس قدر اِکنیاں وغیرہ ہوں، دیدی جائے ،مثلاً اگر دوتولہ چاندی لازم ہواور بازار میں دس تولہ چاندی فروخت ہوتی ہےتو بیس اِکنیاں یادس دونیاں اداکریں زکوۃ اداہوجائے گی:"وأجمعواأنه لو أدى من خلاف جنسه، اعتبرت القيمة، الخ". رد المحتار ۴۵/۲ (٤)۔

۴- چاندی خرید کراس کے ذریعہ سے بھی زکوۃ دینا درست ہےنوٹ کے ذریعہ زکوۃ ادا ہوجاتی ہے کمامر۔قربانی کی کھال کی قیمت اپنی بیٹی کودینا درست نہیں ہے بلکہ کسی اَور مستحقِ زکوۃ کودیدی جائے کیونکہ اس کا تصدق واجب ہے: "فإن بدل اللحم، والجلد به: أي بما ينتفع بالاستهلاك، جاز، ولا يبيعه بالدراهم لينفق الدراهم على نفسه و عياله، الخ". مجمع الأنهر ۵۲۱/۲ (۵)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی غفرلہ،۶۰/۱۲/۲۵ھ۔

الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ، صحیح:عبداللطیف،مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور۔

---

(۱) (رد المحتار على الدر المختار: ۳۰۰/۲، باب زكاة المال، سعيد)

(۲) (مجمع الأنهر مع هامشه الدر المنتقى: ۳۰۲/۱، باب زكاة الذهب والفضة، والعروض، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۳) (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱۷۹/۱، الفصل الأول في زكاة الذهب والفضة، رشيديه)

(۴) (ردالمحتار: ۲۹۷/۲، باب الزكاة والفضة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۷۴/۲، باب زكوة المال.، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۹۶/۲، باب زكاة المال، رشيديه)

(۵) (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۵۲۱/۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

غیر ملکی سکہ سے ادائے زکوۃ

سوال[۴۵۰۹]: فرانسیسی سکہ مُروجہ کو"فرانک" کہا جاتا ہے، زید کے ذمہ زکوۃ فرض ہے، زید اپنی زکوۃ ہندوستان میں مستحقین اور مساکین ذوی القربی کو ادا کرنا چاہتا ہے چونکہ فرانک ہندوستان میں رائج نہیں ہے اس لئے اس کا تبادلہ یہاں کے انگریزی (ہندی) روپیہ سے کرنے کی دو مختلف صورتیں ہیں:

۱- وہاں کی حکومت سے تبادلہ۔

۲- وہاں کے تُجّار کو دیکر ان سے چیک لے کر اس چیک کو یہاں ہندوستان بنک میں بُھنا کر۔ صورتِ اولیٰ میں حکومت چالیس فرانک کے عوض ہندوستانی ایک روپیہ دیتی ہے اور وہ بھی اس شخص کے اہل وعیال کی طرف سے یہاں کے حکام کی تصدیق کے ساتھ درخواست کئے جانے پر اور وہ بھی صرف نان نفقہ کے لئے یعنی ادائے زکوۃ یا بخشش وغیرہ کے لئے وہاں کی حکومت تبادلہ نہیں کرتی۔

صورتِ ثانیہ میں وہاں کے تُجّار بعوض ستر فرانک ایک روپیہ ہندوستانی کے حساب سے چیک حوالہ کرتے ہیں۔ بس قابلِ دریافت یہ امر ہے کہ زید نے تُجار سے چیک لے کر یہاں پر زکوۃ ادا کی، اب چونکہ وہاں کی سرکاری قیمت فی روپیہ چالیس فرانک ہے (مگر تبادلہ متعذر رہے کما ذکر آنفاً) اور تاجرانہ قیمت فی روپیہ ستر ہے جو ممکن ہے، لہٰذا اگر زید نے تاجرانہ قیمت سے فرانک کے روپیہ بنا کر ہندوستان میں زکوۃ ادا کی تو بہ نسبت سرکاری قیمت فی روپیہ تیس فرانک زائد خرچ ہوئے، پس اس مزید خرچ کے حساب کا کیا حکم ہوگا یعنی مُزکّی خود متحمل ہوگا یا زکوۃ کی رقم مؤدّی میں سے خرچ کی جائے گی؟

الراقم: غلام رسول بن حاجی اسماعیل، مقام تاراپور ضلع کھیڑا گجرات، ۲۹/شوال/ ۶۷ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ادائے زکوۃ کے لئے ضروری ہے کہ مقدارِ واجب مستحقین کے پاس پہونچ جائے اور اس پہونچانے میں جو کچھ خرچ ہوگا، اس کا متحمل خود مزکی ہوگا، زکوۃ کی رقم سے اس کا وضع کرنا درست نہیں، ورنہ مقدارِ واجب میں نقصان رہ جائے گا اور زکوۃ پوری ادا نہیں ہوگی (۱)۔

---

(۱) "درمختار میں ہے:"ویقوم فی البلد الذی المال فیه ولو فی مفازة ففی اقرب الأمصار الیه".

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:"فلو بعث عبداللتجارة فی بلد آخر یقوم فی البلد الذی فیه=

جو حکم فیس منی آرڈر کا ہے وہی حکم اس بٹہ کا ہے جو تُجار لیتے ہیں، یہ اس وقت ہے کہ چاندی کے سکہ کا چاندی کے سکہ سے تبادلہ کیا جائے جس میں وزناً کمی زیادتی جائز نہیں (۱)۔ اگر چاندی کے سکہ کا تبادلہ کسی اَور شیئ سے کیا جائے تو اس میں وزناً برابری لازم نہیں، وہاں زیادتی کمی درست ہے (۲)، پس اگر فرانک چاندی کا سکہ ہے اور ہندوستانی روپیہ سے اس کا تبادلہ ہو تو اس میں جس قیمت پر بھی تبادلہ ہو جائے درست ہے کیونکہ اس روپیہ میں چاندی بالکل نہیں، یا اگر ہے تو اس قدر مغلوب ہے کہ کالعدم ہے۔ تُجار کو بھی درست ہے کہ ستر فرانک کے حساب سے معاملہ کریں یا جس طرح چاہیں اس صورت میں مزکی پر کوئی مزید ذمہ داری نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ ذیقعدہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶/ ذیقعدہ/ ۶۷ھ۔

روپے کی زکوۃ وزن سے ہے یا قیمت سے؟

سوال [۴۵۱۰]: علم الفقہ جلد چہارم، ص: ۳۲، میں تحریر ہے کہ روپیہ کی زکوۃ گنتی سے دینا خلافِ

= العبد . اس جزئیہ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں سو روپیہ خام بکری کا واجب ہے، خرچہ نکالنے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم"۔ (خیر الفتاویٰ، کتاب الزکاۃ: ۳/ ۴۸۰، جامعة خیر المدارس، ملتان، پاکستان)

(وکذا فی الفتاویٰ الحقانیہ، کتاب الزکوۃ، باب العشر: ۳/ ۵۷۷، جامعة دارالعلوم حقانیه، اکوڑہ خٹک)

"ویقوّم فی البلد الذی المال فیه، ولو فی مفازة ففی أقرب الأمصار إلیه". (الدرالمختار). وقال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: ویقوم فی البلد الذی المال فیه) فلو بعث عبداً للتجارة فی بلد آخر، یقوم فی البلد الذی فیه العبد". (ردالمحتار، کتاب الزکوة: ۲/ ۲۸۶، سعید)

(۱) "فإن باع فضةً بفضة أو ذهباً بذهب، لایجوز إلا مثلاً بمثل". (الهدایة، کتاب الصرف: ۷/ ۱۳۴، شرکة علمیه)

(۲) "ویجوز بیع الذهب بالفضة مجازفةً، وکذا سائر الأموال الربٰویة بخلافِ جنسها؛ لأن المساواة غیر مشروطة فیه". (الهدایة مع فتح القدیر، کتاب الصرف: ۷/ ۱۴۰، ۱۴۱، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

احتیاط ہے (۱) تو کیسے دینا چاہئے؟ اس قسم کی عبارت دوسری کتابوں میں بھی دیکھنے میں آئی، اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ نصابِ زکوۃ میں روپے کی قیمت کا اعتبار نہیں بلکہ وزن کا اعتبار ہے، لہٰذا اگر کسی کے پاس سو روپے ہیں جو وزن کے اعتبار سے سو تولہ ہوتے ہیں جن کا چالیسواں حصہ ڈھائی روپیہ ہوا جن کا وزن ڈھائی تولے ہوا، ایسی صورت میں ڈھائی تولہ چاندی دینے سے زکوۃ ادا ہو جائے گی یا ڈھائی روپے دینے چاہئیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ سو روپیہ کا وزن کر لیا جائے اور پھر اس کا چالیسواں حصہ وزن ہی کے اعتبار سے ادا کر دیا جائے (۲) خواہ چاندی (۳) روپیہ پورا تولہ کا نہیں ہوتا بلکہ کچھ کم کا ہوتا ہے، نیز ہر روپیہ برابر نہیں ہوتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۰ھ۔

چاندی کی زکوۃ میں قیمت دینا

سوال [۴۵۱۱]: اگر صورت مذکورہ میں ڈھائی روپیہ دینا ضروری نہیں بلکہ ڈھائی تولہ چاندی دینے سے بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی تو ڈھائی تولہ چاندی دینا چاہئے یا اس کی قیمت بھی دے سکتا ہے یعنی دونوں صورت

---

(۱) (علم الفقه، کتاب الزکاة، حصه چهارم، چاندی سونے اور تجارتی مال کا نصاب، ص: ۴۹۰، دارالاشاعت کراچی)

(۲) "والمعتبر وزنهما أداءً وجوباً يعني يعتبر أن يكون المؤدى قدر الواجب وزناً عندالإمام والثاني .... وأجمعو أنه لوأدى من خلاف جنسه، اعتبرت القيمة .... قوله: ووجوباً: أى من حيث الوجوب، يعني يعتبر في الوجوب أن يبلغ وزنهما نصاباً". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۲۹۷، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوى، كتاب الزكاة، ص: ۷۱۷، قديمى)

(وفي الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثالث في زكاة الذهب: ۱/۱۷۸، رشيديه)

(۳) "وجاز دفع القيمة في زكاة وعشر وخراج وفطرة ونذر وكفارة غير الإعتاق، وتعتبر القيمة يوم الوجوب، وقالا: يوم الأداء ...... وفي المحيط: يعتبر يوم الأداء بالإجماع، وهو الأصح ...... فاعتبار يوم الأداء يكون متفقاً عليه عنده وعندهما". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۸۵، ۲۸۶، سعيد)

جائز ہیں یا ایک صورت؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب ڈھائی تولہ چاندی واجب ہوتی تو اس میں اختیار ہے خواہ چاندی یا زیور وغیرہ دے خواہ روپیہ، اٹھنی چونی دے، خواہ ڈھائی تولہ چاندی کی قیمت کی کوئی اَورشئی کپڑا وغیرہ دیدے سب درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۰ھ۔

نصابِ زکوۃ روپے کے اعتبار سے

سوال [۴۵۱۲]: کم سے کم کتنے روپے پر زکوۃ ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جتنے روپے میں ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

دفینہ پر زکوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ سے قبل مسجد کا صحن بنوانا

سوال [۴۵۱۳]: ایک بڑھیا نے پہلے زمانہ میں چار ہزار روپیہ دفن کئے اور لڑکوں سے کہہ دیا تھا

---

(۱) "(جاز دفع القيمة في الزكاة) فلا تعتبر القيمة في نصابٍ كيلي، أو وزني .... و هذا إذا أدى من جنسه، و إلا فالمعتبر هو القيمة اتفاقاً، لتقوم الجودة في المال .... ثم إن المعتبر عند محمد الأنفع للفقير من القدر والقيمة، الخ". (ردالمحتار على الدرالمختار: ۲/۲۸۵، باب زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۱/۲۱۰، الفصل الثالث، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۰۰، فصل في زكاة الخيل، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "وإن كان الغالب هو الغش والفضة فيها مغلوبة، فإن كانت أثماناً رائجةً أو كان يمسكها للتجارة، يعتبر قيمتها، فإن بلغت قيمتها مائتي درهم من أدنى الدراهم التي تجب فيها الزكاة وهي التي الغالب عليها الفضة تجب فيها الزكاة، وإلافلا". (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل في بيان صفة النصاب: ۲/۴۰۸، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۰۰، سعيد)

میرے بعد نکال لینا، اب بڑھیا کے انتقال کے بعد بھائیوں نے اس مدفون کو نکالا، وہ سکہ بارہ ہزار کا ہوا۔ اس میں سے ایک بھائی نے اپنا حصہ لے لیا، باقی تینوں نے اپنا حصہ مسجد میں دے دیا جس سے مسجد کا صحن بنوایا گیا تو اب اس مدفون پر زکوٰۃ واجب تھی یا نہیں؟ اور اس صحن پر نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خود اس بڑھیا کے ذمہ زکوٰۃ واجب تھی، اس کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے مالک ہوئے (۱)، اس وقت سے سال بھر گذرنے پر حسبِ ضابطۂ شرعیہ ان کے ذمہ واجب ہوگی۔ اس فرشِ صحن میں نماز درست ہے، سال سے پہلے مسجد میں دینے سے زکوٰۃ واجب نہیں (۲)۔

دَینِ قوی اور دَینِ ضعیف

سوال [۴۵۱۴]: ہمارے یہاں نیپالی لوگ آتے ہیں اور مال لے جاتے ہیں، قیمت کبھی کبھار تو آٹھ دس سال تک دیتے ہیں۔ یہ مسئلہ معلوم ہے کہ سوداگری کے مال کی قیمت قرضِ قوی کی صورت ہے، جیسا کہ بہشتی زیور میں لکھا ہے اور اس کا حکم بھی یہی ہے کہ جب وہ روپے وصول ہوجائیں تو سب برسوں کی زکوۃ دینا ہوگی حساب سے، لیکن ہمارے یہاں صورت یہ ہے کہ نیپالی لوگ دوسری حکومت کے رہنے والے ہیں جن پر نہ ہم دعویٰ کرسکتے ہیں نہ کوئی کچہری عدالت کرسکتے ہیں اور وہ لوگ دس دس، بارہ بارہ، چودہ چودہ دن کا سفر کر کے آتے ہیں اس لئے ہم خود وہاں جا کر وصول نہیں کرسکتے اور اگر بالفرض وہاں پہونچ بھی جائیں تو اخلاقی طریقہ پر وصول کرسکتے ہیں، لیکن غیر حکومت ہونے کی وجہ سے کوئی زبردستی نہیں کرسکتے۔ اب ان کی مرضی ہے دیں یا نہ

---

(۱) "إذا مات من عليه زكاة، سقطت عنه بموته، حتى انه إذا مات عن زكاة سائمة فالساعي لا يجبر الوارث على الأداء". (التاتارخانية: ۲/۲۹۶، الأسباب المسقطةللزكاة، إدارة القرآن، كراچى)

(وكذا فى المحيط البرهانى: ۲/۴۵۵، الأسباب المسقطة للزكاة، غفاريه)

(وكذا فى فتاویٰ قاضى خان: ۱/۲۵۶، فصل فى مال التجارة، رشيديه)

(۲) "وسبب افتراضها ملک نصاب حولى نسبة للحول لحولانه عليه تام، الخ". (الدرالمختار مع رد المحتار: ۱/۲۸۶، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۲/۲۲، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

دیں، ہم اتنے کمزور ہیں کہ ان سے جبراً وصول نہیں کر سکتے۔

تو سوال یہ ہے کہ ہمارا قرض قرضِ ضعیف کی صورت ہوگا جس کا حکم یہ ہے کہ اگر وصول شدہ قرض بقدرِ نصاب ہے اور اس پر سال وصول کے وقت سے گزر جائے تب زکوۃ فرض ہوگی یا قرضِ قوی کی صورت ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ دَین اس صورت میں بھی دَینِ قوی ہے، اس کے وصول ہونے کا آپ کو پورا اطمینان ہے (اگرچہ دیر میں ہو) ورنہ آپ ان لوگوں کے ہاتھ اپنا مال فروخت نہ کرتے اس لئے اس کا حکم وہی ہے جو دَینِ قوی کا ہوتا ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۴/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹۲/۵/۱ھ۔

قرض پر زکوۃ

سوال [۴۵۱۵]: ایک شخص نے کسی کو دو ہزار روپیہ قرض حسنہ دیا ہے اور اس کی ادا کرنے کی امید ہے لیکن چار سال سے اب تک کچھ بھی پیسے قرض میں ادا نہیں ہوئے، آیا جس شخص نے قرض دیا ہے اس پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر زکوۃ دیتا ہے تو اس کی کیا شکل ہے؟ مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس قرض کے وصول ہونے پر اس کی زکوۃ دینا لازم ہوگا، جتنے سال میں وصول ہو ہر سال کی زکوۃ دے گا، کذا فی رد المحتار (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "واعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة: قوى و متوسط و ضعيف، فتجب زكاتها إذا تم نصاباً و حال الحول، و لكن لا فوراً، بل عند قبض أربعين درهماً من الدين القوى كقرض و بدل مال تجارة، الخ". (الدر المختار: ۲/۳۰۵، باب زكاة المال، سعيد)

(و كذا فى التاتارخانية: ۲/۲۹۹، الفصل الثانى عشر فى زكاة الديون، ادارة القرآن كراچى)

(و كذا فى خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۳۸، الفصل السادس فى الديون، امجد اكيڈمى لاهور)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "دینِ ضعیف وقوی"۔)

قرض کی زکوۃ

سوال[۴۵۱۶]: ایک شخص نے اپنے زیورات قریب ایک ہزار روپیہ کی ملکیت کے ایک قریبی رشتہ دار کو جب کہ وہ بہت مصیبت میں مبتلا تھا اس کے اصرار پر دیدیئے، آج چھ سال سے زائد ہو چکے ہیں مگر وہ زیورات یا اس کی رقم واپس نہ کر سکا، تھوڑا عرصہ ہوا اس کا انتقال ہو گیا، متوفی کے لواحقین اور اولاد فی الحال اس قابل نہیں کہ ان زیورات کی رقم ادا کرسکیں گویا کہ زیادہ تر مایوسی نظر آتی ہے۔ کیا اس صورت میں زیورات کے مالک پر زکوۃ واجب الاداء ہے اور بعد ادائیگی کے مالک کو گذشتہ ایام چھ سال کی ادائیگی زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

فی الحال اس کی زکوۃ کی ادائیگی واجب نہیں، اگر وصول نہ ہو تو اس کی زکوۃ بالکل ساقط ہو جائے گی، اگر وصول ہو جائے تو زکوۃ کی ادائیگی لازم ہوگی، اگر ایکدم وصول نہ ہو تو کم از کم بقدرِ چالیس درہم (ایک نصاب کا پانچواں حصہ) وصول ہونے پر اتنی مقدار کی زکوۃ لازم ہے اور گذشتہ تمام سالوں کی زکوۃ کی ادائیگی لازم ہوگی، ہر سال کی زکوۃ ادا کرنے پر بقیہ رقم کو دیکھا جائے گا اس پر زکوۃ لازم ہوگی۔ تمام سالوں کی اس مجموعہ ایک ہزار پر زکوۃ لازم نہ ہوگی بلکہ اس مجموعہ پر صرف ایک سال کی لازم ہوگی۔ اور جس قدر لازم ہوگی اس کو منہا کرنے کے بعد جو رقم بچی ہے ایک سال کی اس پر لازم ہوگی اور بقدر لازم منہا کر کے بقیہ پر تیسرے سال کی لازم ہوگی اسی طرح تمام سالوں کی زکوۃ کا حساب ہوگا:

"و تجب عند قبض أربعين درهماً من الدين القوى كقرض و بدل مال تجارة، فكل ما قبض أربعين درهماً يلزم درهم، اهـ" درمختار۔ "رجل له ثلث مأة درهم دين، حال عليها ثلاثة أحوال، فقبض مائتين، فعند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ يزكّي للسنة الأولى خمسةً، و للثانية والثالثة أربعةً أربعةً عن مأة و ستين، و لا شيء عليه في الفضل، لأنه دون الأربعين". ردالمحتار: ۲/۵۳(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكوة المال: ۲/۳۰۵، سعيد)

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ

سوال[۴۵۱۷]: زید کا ایک ہزار روپیہ پراویڈنٹ فنڈ میں گورنمنٹ کے یہاں جمع ہے اور یہ روپیہ نوکری چھوڑنے پر ملتا ہے، نیز اس پر سات سو روپے کا قرض بھی ہے تو اب اس ایک ہزار روپے پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب وہ روپیہ مل جائے گا تو اس پر گذشتہ کی زکوۃ لازم نہیں ہوگی (۱) اور آئندہ جس قدر قرض سے فاضل بچے گا اس پر زکوۃ ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ کا حکم

سوال[۴۵۱۸]: پراونڈنٹ فنڈ پر زکوۃ ہے یا نہیں؟ اس میں نصف رقم مالک کی ہوتی ہے اور نصف ادارہ شامل کر کے اس کو محفوظ کر دیتا ہے مگر مالک کا اس پر قبضہ نہیں ہوتا ہے اگر زکوۃ ہے تو مجموعہ پر ہے یا صرف اپنی رقم پر؟ نیز بعد القبض سے زکوۃ کا حکم ہوگا یا سال کے سال اپنی باقی رقوم کے ساتھ اس کا حساب شامل رکھا جائے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جتنی مقدار ادارہ شامل کرتا ہے اس پر ابھی تو ملک ہی ثابت نہیں ہوتی لہذا اس پر تو ابھی زکوۃ نہیں،

---

(۱) "روی ابن أبی شیبة فی مصنفه عن عمرو بن میمون قال: أخذ الولید بن عبد الملک مال رجل من أهل الرقة یقال له: أبوعائشة عشرین ألفاً، فألقاها فی بیت المال، فلما وُلّی عمر بن عبد العزیز، أتاه ولده فرفعوا مظلمتهم إلیه، فکتب إلی میمون أن: ادفعوا إلیهم أموالهم وخذوا زکوة عامهم هذا". (فتح القدیر: ۲/۱۶۶، کتاب الزکاة، مصطفی البابی الحلبی مصر)

"وفی الضعیف لا تجب ما لم یقبض نصاباً، و یحول الحول بعد القبض علیه". (البحر الرائق: ۲/۳۶۳، کتاب الزکاة، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار: ۲/۳۰۵، باب زکاة المال، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۷۵، کتاب الزکاة، رشیدیه)

جتنی مقدار تنخواہ سے وضع کی گئی ہے اس پر بھی زکوۃ لازم نہیں (۱)، بحث وتحقیق کے بعد حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ اگر ہر سال اپنی وضع شدہ رقم کی زکوۃ ادا کردی جائے تو یہ احتیاط وتقویٰ ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

پراویڈنٹ فنڈ اور زرِ ضمانت پر زکوۃ

سوال[۴۵۱۹]: پراویڈنٹ فنڈ اور ضمانت کی رقوم جو زید کو کئی سال کے بعد ملی ہیں اور اب تک اس کے قبضہ میں نہیں تھیں ان پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو کس طریقہ سے نکالی جائے گی؟

الجواب حامداً و مصلياً:

زرِ ضمانت پر حسبِ ضابطۂ شرعیہ زکوۃِ گذشتہ زمانۂ وصول سے قبل کی بھی لازم ہوگی (۳)، تنخواہ جمع شدہ پر گذشتہ کی زکوۃ لازم نہیں (۴) وہ تو ایسی رقم ہے کہ گویا اب وصول ہونے پر ملک میں آئی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ختمِ ملازمت پر ملے ہوئے روپیہ کی زکوۃ

سوال[۴۵۲۰]: زید ایک مسلمان کے فرم میں عرصہ ۲۳/ سال سے کام کر رہا تھا، افسران اور منتظمین

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ''۔)

(۲) حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی تحقیق کو دیکھ کر اس کی تصریح وتصویب فرمائی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ''آپ صاحبوں کی تحقیق صحیح ہے، لہٰذا میں بھی اسی کو اختیار کرتا ہوں اور اس کے خلاف سے رجوع کرتا ہوں''۔ (امداد الفتاوی: ۲/۴۸، فصل: در تنقیحِ وجوب یا عدمِ وجوبِ زکوۃ بر پراویڈنٹ الخ: دار العلوم کراچی)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''دین قوی وضعیف''۔)

(۴) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ''۔)

کی نیت خراب ہوئی اس کو نکالنا چاہا، چنانچہ ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے کہ زید سخت کش مکش میں مبتلا ہو گیا۔ زید کا تبادلہ ۲۳/ سال کے بعد ایک دم دہلی سے ہزار میل دور کر دیا گیا، اس نے بہت کوشش کی کہ تبادلہ منسوخ ہو جائے مگر کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔ زید جب اس جگہ پہونچا تو معلوم ہوا کہ یہاں پر کوئی کام نہیں ہے اور آپ واپس جائیں، چنانچہ زید چلا آیا، دو ماہ بعد زید کا تبادلہ اس سے بھی دور ۱۲۰۰/ میل کر دیا گیا، پھر زید نے عدمِ تبادلہ کی بے انتہا کوشش کی مگر ناکام ہی رہا، کیونکہ افسران و منتظمین کی نیت دور بھیجنے کی ہی تھی۔

چنانچہ زید کو مجبور کیا گیا کہ یا تو دہلی چھوڑ کر باہر چلے جاؤ ورنہ استعفیٰ دیدو۔ زید نے بہت سارے اعذار پیش کئے کہ میری عدم موجودگی میں جو میرے بچے دہلی میں رہتے ہیں وہ برباد ہو جائیں گے، ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کون کرے گا؟ لیکن سب عذر بیکار ہوئے اور مجبوراً زید کو استعفیٰ دینا پڑا۔ چنانچہ زید نے اپنے واجبات کی مکمل فوری ادائیگی کا مطالبہ کیا، جواب ملا کہ ایک سال میں کی جائے گی اور اگر یکمشت فوراً چاہئے تو ۸۰۰/ روپیہ کم کر کے ادا کئے جاسکتے ہیں، چنانچہ زید نے منظور کر لیا۔ چونکہ شدید مالی پریشانی میں تھا، زید کی کل رقم کا میزان ۱۱۸۹۲/ روپیہ ہوتا ہے، اس رقم سے خوشامد کرنے کے بعد ۵۰۰/ نقد لیکر جب چیک دیا گیا حساب کتاب میں ۳۰۰/ کم لگاتے ہیں، اس طرح زید کی کل رقم سے ۸۰۰/ روپیہ کم کر دیا گیا اور اپنے فرم کے حساب میں رقم کی ادائیگی مکمل دکھائی گئی، یہ رقم جو غصب کر لی گئی وہ زید کی محنتِ شاقہ اور اس کے بال بچوں کا حق تھا۔ ایسی صورت میں شریعت کا حکم ان افسران کے لئے کیا ہے؟

زید کو جو رقم ملی ہے اس میں ۳۰۰/ منافع بھی شامل ہیں، اس رقم پر زکوۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں؟ یا جو رقم ۵۰۰، ۳۰۰، ۸۰۰/ افسران نے زبردستی بے کسی اور مجبوری سے فائدہ اٹھا کر نقد حاصل کیا ہے اس کو زکوۃ کی حد میں سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوٰۃ کا نصاب چاندی میں ساڑھے باون تولہ ہے اور سونا میں ساڑھے سات تولہ ہے، پس جس رقم سے اتنی چاندی خریدی جاسکے اس پر زکوۃ واجب ہوگی بشرطیکہ اس رقم پر ایک سال گزر جائے اور ایک سال کے ختم پر رقم بقدرِ نصاب موجود ہو اگرچہ وہ نصاب والی رقم درمیانِ سال میں بقدرِ نصاب نہ رہے بلکہ کچھ کم ہو جائے اور ذمہ میں اتنا دَین بھی نہ ہو کہ دین کی ادائیگی میں کمی آجائے:

"وسببه ملك نصابٍ حولي، تام، فارغ عن دَين له مطالب من جهة العباد، و فارغ عن حاجته الأصلية، وشرط كمال النصاب في طرفي الحول، فلا يضر نقصانه بينهما". كذا في الدر المختار على هامش رد المحتار: ۲/۵،٦ (۱)۔

ظاہر ہے کہ فرم کے افسران و منتظمین نے زید کا مال ناحق اور باطل طریقہ پر لیا جس کی حرمت نصوصِ شرعیہ میں موجود ہے، کما قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلا أن تكون تجارةً عن تراضٍ منكم﴾ الآية(۲)۔

حرام مال کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات کتبِ احادیث میں موجود ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ ایک لقمہ حرام بھی جو منہ تک پہونچ جاتا ہے اس کے وبال سے ۴۰/ روز تک اس کی دعاء قبول نہیں ہوتی، اگر دس درہم کی پوشاک میں ایک درہم بھی چار آنے کی مقدار بھی حرام مال ہو تو جب تک وہ لباس بدن پر رہتا ہے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی اور اپنے پیچھے جو چھوڑ جائے وہ اس کو دوزخ میں لے جانے کے لئے رہبر بن جاتا ہے اور جو بدن مالِ حرام سے پلا ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا:

"عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "لا يدخل الجنة لحمٌ نبت من السحت، و كل لحم نبت من السحت فالنار أولى به"۔

"وعن أبي بكر رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "لا يدخل الجنة جسدٌ غُذي بالحرام"۔

"وعن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما:" من اشترى ثوباً بعشرة دراهم، و فيه درهم

---

(۱) (الدر المختار: ۲/۲۵۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۲/۲۲، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/۳۵۵، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۲) (النساء: ۲۹)

قال أبو بكر الجصاص رحمه الله تعالىٰ: "قد انتظم هذا العموم النهي عن أكل مال الغير بالباطل، وأكل مال نفسه بالباطل، وذلك؛ لأن قوله تعالىٰ ...... نهى كلَّ أحد عن أكل مال نفسه و مال غيره بالباطل، الخ". (أحكام القرآن للجصاص: ۲/۲۴۴، باب التجارات و خيار البيع، قديمي)

حرام، لم يقبل الله تعالىٰ صلوةً مادام عليه. ثم أدخل إصبعيه في أذنيه، وقال: صمّتا إن لم يكن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم سمعته يقوله". كذا في المشكوة: ص:۲٤۲، ۲٤۳(۱)۔

جو رقم افسران اور منتظمین نے زبردستی لی ہے اس کو زکوۃ میں شمار نہیں کیا جائے گا، افسران اور منتظمین کے حق میں خداوند تعالیٰ سے دعاء کی جائے کہ ان کو ایسے افعالِ شنیعہ سے توبہ اور اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمائے:

"أشار إلى أنه لا اعتبار للتسمية، فلوسماها هبةً أو قرضاً. وإلى أن الساعي لوأخذها منه كرهاً، لا يسقط الفرض عنه في الأموال الباطنة بخلاف الظاهرة، هو المفتى به". كذا في الشامي، ص:۲/۱۱(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۳/۶ھ۔

الجواب صحیح، بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کسور پر زکوٰۃ اور اس کی مثال

سوال[۴۵۲۱]: کسور میں بھی زکوۃ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کو تفصیل کے ساتھ مثال دیکر بیان فرمادیں تو باعثِ شکریہ ہوگا۔

الجواب حامداً و مصلياً:

جو کسر خُمسِ نصاب تک پہونچ جائے اس میں بھی زکوۃ آئے گی، یہ تو بالاتفاق ہے۔ جو کسر خُمس سے کم رہ جائے اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زکوۃ نہیں، صاحبین کے نزدیک اس میں بھی زکوۃ ہے، مثلاً

---

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثالث: ۱/۲۴۳، قديمى)

"عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلا بطيب نفسٍ منه". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني: ۱/۲۵۵، قديمى)

(۲) (ردالمحتار: ۲/۲۶۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۶۹، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۸، كتاب الزكاة، امداديه ملتان)

چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے اس کا خُمس چالیس ہے، پس اگر کسی کے پاس دوسو چالیس درہم ہوں تو اس پر بالاتفاق چھ درہم زکوۃ ہوگی، اگر کسی کے پاس دوسوبیس درہم ہوں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف دوسودرہم پر زکوۃ ہوگی یعنی پانچ درہم، اور بیس ایسی کسر ہے جو خُمس سے کم ہے وہ معاف ہے اس کی زکوۃ نہیں آئے گی اور صاحبین کے نزدیک ان بیس پر بھی نصف درہم واجب ہوگی، یعنی دوسوبیس درہم پر ساڑھے پانچ درہم زکوۃ ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۶/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

☆......☆......☆......☆......☆

---
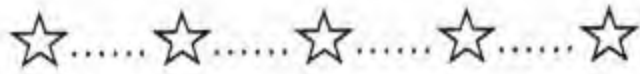
(۱) "و فی کل خمس بحسابه، ففی کل أربعین درهماً درهم، و فی کل أربعة مثاقیل قیراطان، و ما بین الخمس إلی الخمس عفوٌ، وقالا: و ما زاد بحسابه، و هی مسألة الکسور". (الدرالمختار: ۲/۲۹۹، باب زکاة المال، سعید)

" ذکر البیهقی فی باب فرض الصدقة، وهو کتابه علیه السلام الذی بعثه إلی الیمن مع عمرو بن حزم، وفیه: "وفی کل خمس أواقٍ من الورق خمسة دراهم، وما زاد ففی کل أربعین درهماً درهم". ودلالته هذا الحدیث والذی بعده علی أنه لازکاة علی زیادة النصاب من الفضة حتی تبلغ تلک الزیادة إلی أربعین درهماً، فإذا بلغت ففی أربعین درهماً درهم واحد ظاهرةٌ، وهو مذهب إمام الأمصار إمام الأقطاب أبی حنیفة وأرضاه، خلافاً لصاحبیه رحمهما الله تعالیٰ .... وأیضاً فقد ذکر عبدالحق فی أحکامه: روی أبو أویس .... عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه کتب هذا الکتاب ..... وفیه:

"لیس فیها (الفضة) صدقة حتی تبلغ مائتی درهم ففیها خمسة دراهم، وفی کل أربعین درهماً درهمٌ، ولیس فیما دون الأربعین صدقة". (إعلاء السنن، کتاب الزکاة، باب ماجاء فی کسور الذهب والفضة: ۹/۴۷، ۴۸، إدارة القرآن کراچی)

"ولو زاد علی نصاب الفضة شئ فلا شئی فی الزیادة حتی تبلغ أربعین فیجب فیها درهمٌ فی قول أبی حنیفة، وعلی هذا أبدًا فی کل أربعین: درهم. وقال أبو یوسف ومحمد والشافعی: تجب الزکاة فی الزیادة بحساب ذلک قلت: أو کثرت حتی لوکانت الزیادة درهماً یجب فیه جزءٌ من الأربعین جزأ من درهم". الخ (بدائع الصنائع، کتاب الزکاة، الأثمان المطلقة فصل: وأما صفة هذا النصاب: ۲/۱۷، ۱۸، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۳۹۴، باب زکاة المال، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/۴۳۷، باب زکاة المال، امدادیه ملتان)

باب زکاۃ العروض

(سامانِ تجارت پر زکوۃ واجب ہونے کا بیان)

سامانِ تجارت پر زکوۃ

سوال [۴۵۲۲]: ہمارا اپنا پریس ہے، اپنی کتابیں بھی چھاپتے ہیں اور دوسروں کے کام بھی اجرت لے کر کرتے ہیں، کتابوں کی فروخت اور چھپائی کے بل وصول ہوتے ہیں تو روپیہ آجاتا ہے، کاغذ وغیرہ ہم خود خریدتے ہیں اور اس کا ذخیرہ ہمارے پاس رہتا ہے مگر اس میں سے وہی بچتا ہے جو چھپائی سے رہ جائے، کتب خانہ میں کتابوں کا ذخیرہ رہتا ہے۔ مذکورہ بالا روپیہ کچھ تعمیری کاموں میں صرف ہوجاتا ہے اور کچھ ذاتی اخراجات ہیں، جس قدر مال بچ رہتا ہے اس کی مقدار اس قرض سے بہت کم ہوتی ہے جو کاغذ وغیرہ کا لوگوں کا بھی ہمارے ذمہ ہے، انکم ٹیکس والے کل آمد کو خرچ معلوم کر کے ایک رقم نفع کی متعین کر دیتے ہیں اور اس پر ٹیکس لگا دیتے ہیں مگر ہمارے پاس کوئی روپیہ نفع کا جمع نہیں رہتا۔ اس حالت میں زکوۃ کیسے ادا کی جائے؟ کیا انکم ٹیکس والے جو نفع متعین کرتے ہیں اسی کو نفع سمجھ کر اس کے حساب سے زکوۃ دے دی جائے یا کوئی اَور شکل کی جائے اور وہ کیا شکل اختیار کی جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

آپ نے تحریر کیا ہے کہ ''جس قدر مال بچ رہتا ہے اس کی مقدار اس قرض سے بہت کم ہے جو کاغذ وغیرہ کا لوگوں کا ہمارے ذمہ ہے''۔ اس مال سے مراد روپیہ ہے یا کل سامانِ تجارت، اگر روپیہ مراد ہے تو اس روپیہ کے ساتھ کل سامانِ تجارت کو ملا کر دیکھئے کہ یہ مجموعہ قرض کے مجموعہ سے زیادہ ہے یا برابر یا کم ہے، اگر برابر یا کم ہو تب اس پر زکوۃ فرض نہیں ہے، اگر زیادہ ہو اور مقدارِ نصاب سے زیادہ ہے تو اس پر زکوۃ فرض ہوگی۔ نقد روپیہ کو قرض میں محسوب کیا جائے اور جس قدر قرض اس کے بعد بچے اس کو سامانِ تجارت سے منہا کر کے بقیہ پر

زکوۃ فرض ہوگی (۱)۔نفع کی رقم معین کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اصل سامانِ تجارت (بعد منہائی مقدارِ فرض) کا حساب کرکے اور قیمت لگا کر زکوۃ ادا کی جائے (۲)۔اگر اس مال سے مراد کل سامان تجارت ہے تو اس پر زکوۃ فرض نہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ، صحیح :عبداللطیف، ۶۰/۶/۱۶ھ۔

سامان تجارت کی زکوۃ

سوال[۴۵۲۳] : اگر کسی کے پاس سو روپیہ کا مالِ تجارت ہے تو زکوۃ میں ڈھائی روپیہ دینا واجب ہے یا ڈھائی تولہ چاندی؟

عرضگذار: محمد عبدالرؤف، مقیم حال سلطان پور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ڈھائی روپیہ دے یا اس کی قیمت کی چاندی وغیرہ، نیز مالِ تجارت کا چالیسواں حصہ دینا بھی درست ہے (۳)،لیکن اگر اس کے پاس صرف سو روپیہ کا سامانِ تجارت ہے اور نقد، چاندی، سونا کچھ اس کے پاس نہیں تو

---

(۱) "من كان عليه دين يحيط بماله، فلا زكوة عليه، وإن كان ماله أكثر من دينه زكّى الفاضل إذا بلغ نصاباً". (الهداية: ۱/۱۸۶، كتاب الزكاة، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدرالمختار: ۲/۲۶۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۲۴، دار الكتب العلمية ،بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۸۷، الفصل العاشر في بيان ما يمنع وجوب الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "شرط وجوب أدائها حولان الحول على النصاب الأصلي". (مراقي الفلاح: ص:۷۱۴، كتاب الزكاة، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۵، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۰۰، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۳) "وفي عروض التجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب: يعني في عروض التجارة، يجب ربع العشر إذا بلغت قيمتها من الذهب أو الفضة نصاباً إلى آخره". (تبيين الحقائق: ۲/۷۷،باب زكوة المال، دار الكتب العلمية، بيروت) =

اس پر زکوۃ ہی واجب نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۱۱/۶۰ھ۔

مالِ تجارت میں زکوۃ

سوال[۴۵۲۴]: میں نے صرف پچاس روپیہ کے سرمایہ سے کتب خانہ شروع کیا، جوں جوں فروختگی ہوتی رہی یوں یوں دینی، درسی، تبلیغی کتابیں، اردو، ہندی، عربی، فارسی و گجراتی ۱۰۰، ۱۰۰/۱ روپے کی ادھار خریدتے گیا، فروختگی پر کتابیں منگواتا رہتا ہوں، پانچ پچیس کا مال، کبھی قرآن شریف ہے تو کبھی کتابیں، اس طرح درسی کتب سال دو سال جمع رہتی ہیں، فی الحال جملہ مال دو ہزار روپے تک کا جمع ہوجاتا ہے اور ماہ دو ماہ میں ختم ہوجاتا ہے، پھر تھوڑا تھوڑا مال تیس پچاس کا طلب کرتا رہتا ہوں۔تو اس ہیئت میں زکوۃ نکالنی ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس وقت آپ کا سرمایہ (نقد کتابیں، زیور) بقدرِ نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کا) ہوگیا اس وقت سے سال بھر گزرنے پر آپ کے ذمہ اس کی زکوۃ لازم ہوگئی، بشرطیکہ ختمِ سال پر نصاب سے کم نہ رہ جائے (۲) درمیان میں کم ہوکر پھر پورا ہوجائے تو زکوۃ ساقط نہیں ہوگی۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۰/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۰۵، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۳۷، الفصل الثالث في بيان ما يمنع وجوب الزكاة، إدارة القرآن، كراچی)

(۱) چونکہ یہ مقدار نصاب سے کم ہے اس وجہ سے اس میں زکاۃ نہیں ہوگی۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) "في عروض التجارة بلغت قيمتها نصاباً من أحدهما، تقوم بما هو أنفع للفقراء و تضم قيمتها إليهما .... نقصان النصاب في أثناء الحول لا يضر إن كمل في طرفيه؛ لأن في اعتبار كمال النصاب في جميع الحول حرجاً، فاعتبر وجود النصاب في أول الحول للانعقاد، و في آخره للوجوب". (مجمع الأنهر: ۱/۳۰۴، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مختصر الطحاوي: ص: ۵۰، باب زكاة التجارة، سعيد)

(وكذا في فتح القدير شرح الهداية: ۲/۲۱۸، فصل في العروض، مصطفى البابي الحلبي مصر)

ایضاً

سوال[۴۵۲۵]: بکر نے کپڑے کی دوکان کی ہےاور مال قرض مہاجن کے یہاں سے لاتا ہےاور مال بیچ کرتھوڑا تھوڑا روپیہ مہاجن کودیتا ہے(۱)۔تو ایسے مالِ تجارت میں زکوۃ ہے یانہیں؟اگر ہےتو اس کی زکوۃ کیسےادا کی جائے گی؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اگراس کے پاس کپڑا یاروپیہ بقدرِنصاب زکوۃ (ساڑھے باون تولہ چاندی یااس کی قیمت) قرض سے زائد ہواوراس پرسال بھرگزرجائے تو اس کی زکوۃ (چالیسواں حصہ) واجب ہے ورنہ واجب نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی غفرلہ۔

مالِ تجارت کی زکوۃ ادا کرنے کا طریقہ

سوال[۴۵۲۶]: تجارتی مال کی زکوۃ کا طریقہ کیا ہے،سال کے آخرمیں موجودہ مال کی قیمت لگا کر ادا کردے یاکوئی اَورطریقہ ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

سال پورا ہونے پرجس قدر مال موجود ہواس وقت اس کی جتنی قیمت ہواس کے حساب سے زکوۃ

---

(۱)''مہاجرین:سوداگر،بیوپاری''۔(فیروزاللغات،ص:۱۳۲۱،فیروزسنز،لاہور)

(۲) "فلا زكاة على مكاتب، ومديون للعبد بقدر دينه فيزكي الزائد إن بلغ نصاباً، الخ". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، ۲/۲۶۳-۲۶۳، كتاب الزكاة، سعيد)

"(وفي مضروب كل ومعموله ولو تبراً أوحلياً مطلقاً) .... (أو) في (عروض التجارة قيمته، نصاب) .... (من ذهب أوورق) .... (ربع عشر)". (الدرالمختار، كتاب الزكاة: ۲/۲۹۸، ۲۹۹،سعيد)

(وكذا في الهداية: ۱/۱۸۶، كتاب الزكاة، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۸۷، الفصل العاشر، إدارة القرآن، كراچی)

ادا کرے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

بعض مالِ تجارت فروخت ہوجائے اور بعض رہ جائے تو زکوۃ کیسے ادا کی جائے؟

سوال[۴۵۲۷]: مال تجارت یعنی ایک دوکان میں بیس ہزار روپے کا سامان ہے مگر بعض فروخت ہو چکا ہے اور بعض موجود ہے، اب زکوۃ کس حساب سے دی جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جتنا مال موجود ہے اس کا چالیسواں حصہ دیدے یا اس کی قیمت دیدے، جتنا روپیہ ہے اس کا چالیسواں حصہ دیدے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۹/ ۸۸ھ۔

مالِ تجارت کی زکوۃ پیشگی تدریجاً ادا کرنا

سوال[۴۵۲۸]: زید نے تجارت کی غرض سے یکم/ ذی الحجہ/ ۱۳۸۷ھ، کو دو ہزار قلم بنوائے جن کی مجموعی قیمت چار ہزار روپے ہوتی ہے، اب ظاہر ہے کہ زید صاحبِ نصاب ہے اور یکم/ ذی الحجہ/ ۱۳۸۸ھ، کو اس مال پر زکوۃ واجب ہوجائے گی جس کا ادا کرنا ضروری ہوگا، مگر زید یہ چاہتا ہے کہ وہ زکوۃ کو تدریجی طور پر ابھی سے ادائیگی شروع کردے اور صاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے وہ ایسا کر بھی سکتا ہے اس لئے اس نے ۴/ ذی الحجہ/ ۱۳۸۷ھ، سے ہی مختلف مقامات پر ضرورت مند طلباء کو زکوۃ کی نیت سے ایک ایک دو دو قلم بھیجنا شروع

---

(۱) "و شرط وجوب أدائها حولان الحول على النصاب الأصلي، وأما المستفاد في أثناء الحول، فيضم إلى مجانسه، و يزكى بتمام الحول الأصلي سواء استفيد بتجارة أو ميراث". (مراقي الفلاح، ص: ۴۱۷، كتاب الزكاة، قديمي)

(وكذا في الدر المختار: ۲/ ۳۰۲، فصل في زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا في مختصر الطحاوي، ص: ۵۰، باب زكاة التجارة، سعيد)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "سامان تجارت کی زکوۃ".)

کردیئے اور یہ ارادہ کرلیا کہ آخر سال میں رأس المال کا حساب لگا کر جو کچھ رہ جائے گا اس کو ادا کردے گا۔

اصل نیت زکوۃ ادا کرنے کی ہے، ظاہر ہے کہ اس طرح قلموں کے بھیجنے سے قلموں کی شہرت ہوتی ہے اور اس شہرت سے زید کی تجارت کو فائدہ پہونچتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ زید حصولِ منفعت کے شائبہ کی پروا کئے بغیر قلم اسی طرح زکوۃ میں بھیجتا رہے یا بند کردے؟ اگر بند کردے تو جو قلم وہ بھیج چکا ہے وہ زکوۃ میں شمار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح قلم دینے سے زکوۃ ادا ہوجائے گی، اس شائبہ سے ادائے زکوۃ میں نقصان نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۰/۱/۸۸ھ۔

مالِ تجارت میں کس قیمت پر زکوۃ ہوگی؟

سوال [۴۵۲۹]: کتابوں کی بکری پر کمیشن وغیرہ نکال کر ہمیں بیس پچیس روپے فی سیکڑا بچ رہتا ہے۔ تو کتابوں کے اسٹاک میں اس لاگت پر زکوۃ واجب ہوگی جو ہمارا ان پر خرچ ہوا ہے، یا جس قیمت پر ہم کتابوں کو فروخت کرتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بوقتِ ادائے زکوۃ یعنی سال بھر پورا ہونے پر جس قدر کی مالیت موجود ہو اس قدر پر زکوۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۶/۶/۶۰ھ۔

---

(۱) "وشرط صحة أدائها نية مقارنة له أي للأداء ولو كانت المقارنة حكماً .... أو مقارنة بعزل ما وجب كله أو بعضه و لا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء". (الدر المختار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۰، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۹۰، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

تجارت کے لئے کتاب چھپوائی، زکوۃ کس قیمت سے ادا کرے؟

سوال[۴۵۳۰]: مالِ تجارت کی قیمت زکوۃ کے لئے کس حساب سے لگائی جائے گی، آیا اصل مصارف پر یا مع منافع؟ مثلاً زید نے تجارت کے لئے ایک کتاب کے دو ہزار نسخے چھپوائے، ہر نسخہ پر اصل مصارف بغیر منافع کے ایک روپیہ آیا یعنی کل مال کی اصل قیمت دو ہزار روپے ہوئی، مگر زید نے اس کتاب پر بازار کے لئے تین روپے قیمت مقرر کی اور خود اس کو دوسرے تاجروں کو دو روپے فی کتاب کے حساب سے فروخت کرنا شروع کیا۔ اپنے کاروبار کے لئے زید نے ملازم بھی رکھے، دوکان وغیرہ کا کرایہ بھی دیا، جب سال پورا ہوا تو اس کے پاس اسی کتاب کے آٹھ سو نسخے باقی تھے، نقد کچھ نہ تھا۔ درمیانِ سال میں ملازم کی تنخواہ، دوکان کے کرایہ وغیرہ میں چار سو روپے بھی خرچ کئے۔ اب سوال یہ ہے کہ زید کا رأس المال کیا ہے؟ زید اگر زکوۃ اصل کتاب ہی دینا چاہے تو ہر کتاب کی قیمت کیا لگائے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

سال بھر گزرنے پر زید کے پاس تجارتی کتاب کے آٹھ سو نسخے ہیں اس کے علاوہ ایسا کوئی مال نقد وغیرہ نہیں جس میں زکوۃ واجب ہو تو اب زکوۃ کتاب کے موجودہ نسخوں ہی میں واجب ہوگی (۱)، نہ کہ کل مال میں جس کو صَرف کر کے کتاب چھپوائی، نہ خرچ کردہ تنخواہ وغیرہ میں، نہ فروخت شدہ وخرچ شدہ قیمت میں، لہٰذا آسان صورت یہ ہے کہ بیس نسخے زکوۃ میں ادا کرے پھر مصرفِ زکوۃ ان نسخوں کو چالیس روپے میں فروخت کرے یا ساٹھ میں اس کو اختیار ہے، یا جس قیمت میں خود فروخت کرتا ہے بیس نسخوں کی وہ قیمت دیدے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "وفي عروض التجارة بلغت نصاب ورق أو ذهب يعني في عروض التجارة، يجب ربع العشر إذا بلغت قيمتها من الذهب أو الفضة نصاباً". (تبيين الحقائق: ۲/۷۷، باب زكوة المال، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۲۳۷، الفصل الخامس في زكاة المال، امجد اكيڈمي لاهور)

(و كذا في النهر الفائق: ۱/۴۳۹، كتاب الزكاة، إمداديه ملتان)

چھپائی کے کاغذ پر زکوۃ

سوال[۴۵۳۱]: جو کاغذ کتابیں چھاپنے کے لئے ہمارے یہاں رہتے ہیں آیا اس کی قیمت میں زکوۃ ہے؟ یہ واضح ہے کہ وہ کاغذ تجارت کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس پر کتابیں چھاپ کر بیچی جاتی ہیں، سادہ کاغذ ہم فروخت نہیں کرتے۔

نوٹ: اگر کوئی بات دریافت طلب ہو تو مہربانی فرما کر دریافت فرمائیں، یا کسی چیز کی تشریح کی ضرورت ہو۔ بہر حال مفصل و مشرح جواب تحریر فرمائیں تا کہ ہم عنداللہ ماخوذ نہ ہوں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اس کاغذ پر زکوۃ فرض ہوگی، یہ کتابوں کے حکم میں ہے مشینوں کے حکم میں نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۶۰/۶/۱۶ھ۔

آلاتِ تجارت پر زکوۃ

سوال[۴۵۳۲]: آلاتِ تجارت پر زکوۃ ہے یا نہیں؟ مثلاً پن چکی یا ٹریکٹر جس کے ذریعہ سے تجارت کی جاتی ہے یعنی پیسہ کمایا جاتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر یہ آلات خود فروخت کرنے کے لئے ہوں تو ان پر زکوۃ ہوگی، اگر ان کے ذریعہ سے کاشت کی

---

(۱) "و أما إذا كان يبقى أثرها في المعمول كما لو اشترى الصباغ عصفراً أو زعفراناً ليصبغ ثياب الناس بأجر، و حال عليه الحول، كان عليه الزكاة إذا بلغ نصاباً، و كذا كل من ابتاع عيناً ليعمل به، و يبقى أثر في المعمول كالعفص و الدهن لدبغ الجلد، فحال عليه الحول، كان عليه الزكاة". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲/۱۷۲، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها و صفتها و شرائطها، رشيديه)

(و كذا في ردالمحتار: ۲/۲۶۵، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا في التاتارخانية: ۲/۲۰۴، الفصل الثالث في بيان زكاة عروض التجارة، إدارة القرآن كراچی)

جاوے یا آٹا پیسا جاوے خود ان کو فروخت نہ کیا جائے تو ان پر زکوۃ نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ،۱۰/۱/۸۸ھ۔

سامانِ مَطَب میں زکوۃ

سوال[۴۵۳۳]: میں حکیم ہوں، دوائی خانہ بھی رکھتا ہوں، مجھ پر دواؤں کی زکوۃ فرض ہے یا نہیں؟ دوائیں جن شیشیوں میں رکھی ہیں ان کی زکوۃ، وہ شیشیاں جو مریضوں کو دوائیں دینے کے لئے رکھی ہیں، نیز میز، کرسی، الماری جو مطب کی آرائش کے لئے ہے ان میں سے کس کس کی زکوۃ دی جائے گی؟

الجواب حامداً و مصلياً:

جو سامان مطب کی آرائش کے لئے ہے یا دوائیں رکھنے کے لئے اس میں زکوۃ نہیں (۲)، جو سامان فروخت کے لئے ہے جیسے دوائیں یا شیشیاں وغیرہ تو اس میں زکوۃ فرض ہے جب کہ وہ قدرِ نصاب ہو اور اس پر سال بھی گزر جائے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۲/محرم/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۲/محرم/ ۶۸ھ۔

---

(۱) "فليس في دور السكنى .... و سلاح استعمال زكاةُ ..... و كذا كتب العلم إن كان من أهله، وآلات المحترفين، هذا في الآلات التي ينتفع بنفسها، و لا يبقى أثرها في المعمول". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۶۵، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۱۶۴، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "أصل هذا أنه ليس على التاجر زكاة مسكنه و خَدَمه و مركبه و كسوة أهله و طعامهم ..... العطار إذا اشترى قوارير فهو هكذا، الخ". (التاتارخانية: ۲/۲۴۰، الفصل الثالث في زكاة عروض التجارة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۰، الفصل الثالث في العروض، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۶۵، كتاب الزكاة، سعيد)

پریس کی مشین پر زکوۃ

سوال[۴۵۳۴]: چھاپنے کی مشینوں کی اصل لاگت میں زکوۃ ہے یانہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان مشینوں پر بھی زکوۃ واجب نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۶/۶/۶۰ھ۔

شیئرز کی بیع اوران کی زکوۃ

سوال[۴۵۳۵]: ا...... ہمارے یہاں شیئر ز کی ایک کمپنی ہے اس کے اس شیئرز کی قیمت مثلاً دس روپیہ ہے تو زید نے دس شیئرز خریدے، وہ کمپنی منافع کچھ نہیں دیتی مگر جب اس کو بیچتے ہیں اگر کمپنی کو نفع ہوتا ہے تو وہ نفع دیتی ہے اور اگر نقصان ہوتا ہے تو نقصان کے ساتھ اصل روپیہ کو واپس کرتی ہے تو اس طرح کا معاملہ کرنا جائز ہے یانہیں؟ اگر جائز ہے تو جب وہ روپیہ مل جاوے گا تو زمانۂ ماضی کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی یانہیں؟ اور اگر ملنے سے قبل اس کی زکوۃ ادا کرے تو نفع کے حساب سے یا نقصان کے حساب سے ادا کریں؟

۲...... یہ کمپنی دوسری کمپنی کو روپیہ دیتی ہے اور ظاہر بات ہے کہ سود پر ہی دیتی ہوگی اور کمپنی ہمیں سود میں سے دیتی ہوگی تو اس کا لینا جائز ہے یانہیں؟ اور جب نقصان کا خطرہ ہو تو اپنے شیئرز کو بیچ کر اپنی اصل قیمت لے لینا صحیح ہے یانہیں؟

۳...... چھ ہزار روپیہ کا شیئرز رکھا تو اس میں سے پانچ سو روپیہ کمیشن ایجنٹ کٹ جاتا ہے تو اب ہمیں ساڑھے پانچ ہزار کی زکوۃ ادا کرنی چاہئے یا چھ ہزار کی جب کہ ۵۰۰/ روپیہ ایجنٹ خود رکھ لیتا ہے، اسے بینک میں جمع ہی نہیں کرتا تو اب بینک سے چھ ہزار روپے ملنے کا انتظار کر کے روپیوں کو روکے رکھنا جائز ہے یانہیں؟

۴...... زید کی پوری آمدنی سودی ہے تو اس کے ساتھ تعلق رکھنا اس کے گھر پر فیس ادا کر کے کھانا کھانا کیسا ہے؟ اور اگر بعض آمدنی سودکی ہے اور بعض حلال طریقہ کی تو اس کا کیا حکم ہے؟ اگر کوئی غیر مسلم دوست ہو

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''آلاتِ تجارت پر زکوۃ'')

اوراس کا کاروبار سود کا ہو اس کے گھر کا کھانا کیسا ہے؟ اور غیر مسلم کے ساتھ تعلق رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ا......اگر کوئی کمپنی تجارت کرتی ہے اوراسی مقصد کے لئے دس دس روپیہ کا لوگوں کو شریک بناتی ہے اور روپیہ کے مقدار کے اعتبار سے ہی نفع ونقصان کی تعیین کرتی ہے تو یہ صورت جائز ہے بشرطیکہ تجارت بھی جائز ہو، شراب وغیرہ کی تجارت نہ ہو(۱)۔

ہر شخص کو اپنے اپنے رأس المال کی ہر سال زکوۃ ادا کرنی چاہئے، نفع اگر ہر سال ملتا ہے تو اس کو بھی اصل ہی میں محسوب کرلیا جاوے، اگر نفع ہر سال نہیں ملتا ہے بلکہ معاملہ ختم ہونے پر اصل مال مع نفع کے ملتا ہے تب بھی اصل مال کی زکوۃ دے تو (سالانہ ادا کرنے کی بنا پر) بری الذمہ ہو جاوے گا، صرف نفع کی زکوۃ باقی رہ جاوے گی وہ بھی ادا کردی جاوے، اگر خدانخواستہ نقصان ہوا تب بھی برأۃ میں تو شبہ ہی نہیں (۲)۔

۲......اگر کمپنی کا کاروبار سود پر ہی چلتا ہے خود مستقل تجارت نہیں کرتا ہے تو اس کی شرکت ہی ناجائز ہے (۳)، اپنا روپیہ واپس لے لیا جاوے، اگر وہ کچھ نفع دے تو واپس کردیا جائے۔

---

(۱) **سوال (۱۶۳)** ''اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ شریک ہو کر کمپنی بناتے ہیں، اور تجارتی کاروبار کرتے ہیں۔ان کمپنیوں کے حصص اکثر فروخت ہوتے رہتے ہیں جو لوگ حصص خریدتے ہیں ان پر سالانہ منافع جس قدر کمپنی کو ہو تقسیم کردیا جاتا ہے، کبھی کم کبھی زیادہ، اسی طرح اگر کمپنی کو نقصان ہو تو حصہ داران اپنے حصوں کی نسبت سے نقصان کے ذمہ دار ہوتے ہیں، ایسے حصص خرید کرنا شرعاً جائز ہے، یا ناجائز؟

الجواب: تجارتی کمپنی جس میں مختلف کاروبار ہوتے ہیں اس کا حکم یہ ہے کہ چونکہ ہر حصہ دار اپنے حصہ کا مالک ہے اور عملہ کاروبار میں ان حصہ داروں کا وکیل ہوتا ہے، اور شرعاً ان کا فعل حصہ داروں کی طرف منسوب ہوگا، اگر وہ کوئی ناجائز تجارت کریں گے اور یقیناً کرتے ہیں حتی کہ مسلمانوں سے بھی سود لیا جاتا ہے تو ایسا ہی ہوگا جیسے خود حصہ دار کریں اسی لئے ایسی کمپنیوں میں شرکت ناجائز ہے، اسی طرح حصص خریدنا چونکہ یہ روپیہ کا مبادلہ روپیہ سے ہے، اور دست بدست نہیں اس لئے جائز نہیں، اور قرض کی تاویل بھی قواعد پر منطبق نہیں ہوتی''۔(امداد الفتاویٰ: ۳/ ۱۳۰، ۱۳۲، مکتبہ دار العلوم)
(وأيضاً فقهی مقالات: ۱/ ۱۴۴)

(۲) " فمن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول مالاً من جنسه، ضمّه إلى ماله وزكاه، سواء كان المستفاد من نمائه أولا". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة: ۱/ ۱۷۵، رشيديه)

(۳) "لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربوا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال: "هم سواء". رواه مسلم". =

۳...... جب آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی رقم ساڑھے پانچ ہزار رہ گئی تو زکوۃ بھی اتنے ہی روپے کی ہوگی (۱)، اگر وہاں صرف سود پر رقم دی جاتی ہے تو اس میں شرکت ہی درست نہیں، جلد از جلد روپیہ نکال لیا جاوے۔

۴...... جب متعین طور پر معلوم ہو کہ یہ سود کی آمدنی کھاتا ہے تو فیس ادا کرکے یا بغیر ادا کئے ہوئے کھانا درست نہیں مسلم ہو یا غیر مسلم سب کا حکم ایک ہے، اگر مخلوط آمدنی ہو تو غالب کا اعتبار ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مالِ مضاربت میں زکوۃ کا حکم

سوال[۴۵۳۶]: زید نے بکر کو تجارت کے لئے روپیہ دیا کہ روپیہ زید کا اور محنت بکر کی اور نفع نصف نصف، اب اس روپیہ کی زکوۃ زید کو دینا چاہئے یا دونوں کو نصف نصف؟ دوسرے کی طرف سے بغیر اس کی اطلاع کے زکوۃ دے دیوے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اصل روپیہ زید کا ہے اس کی زکوۃ بھی زید کے ذمہ ہے بکر کے ذمہ نہیں، اگر زید کی اجازت سے بکر اصل

= (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الربا، الفصل الأول: ۱/۲۴۷، قدیمی)

(۱) "(وسببه): أی سبب افتراضها: أی الزکاة (ملک نصاب حولی)". (الدرالمختار). "(قوله: ملک نصاب) فلازکاة فی سوائم الوقف ...... لعدم الملک". (ردالمحتار، کتاب الزکاة: ۲۰۸/۳، سعید)

(۲) " أهدی إلی رجل شیئاً أو أضافه، إن کان غالب ماله من الحلال، فلا بأس، إلا أن یعلم بأنه حرام، فإن کان الغالب هوالحرام ینبغی أن لایتقبل الهدیة ولا یأکل الطعام، إلا أن یخبره بأنه حلالٌ ورِثتُه أو استقرضتُه من رجل، کذا فی الینابیع". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات: ۳۴۲/۵، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم: ۲۹۲/۲، سعید)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان بهامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۴۰۰/۳، ومایکره اکله وماله یکره وما یتعلق بالضیافة، رشیدیه)

روپیہ کی زکوۃ ادا کردے گا تو ادا ہوجائے گی، بغیر اجازت کے ادانہیں ہوگی (۱) اور ضمان بکر کے ذمہ لازم ہوگا (۲)۔ نفع میں بکر بھی نصف کا شریک ہے وہ اپنے حصہ نفع کی زکوۃ دیگا (۳) اور زید کی اجازت سے زید کے حصۂ نفع کی زکوۃ دینا بھی درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

مضاربت میں زکوۃ

سوال [۷۵۳۴]: ایک تجارت ہے جس کے اندر تین شریک ہیں اس طریقہ سے کہ رقم ایک آدمی اور باقی کی صرف محنت ہے اور نفع برابر برابر مثلاً تین ہزار کا سالانہ نفع ہوا اور اصل رقم چالیس ہزار تھی باقی شرکاء کا نفع زکوۃ ایک ایک ہزار کا نکالیں گے۔ اب جس کی اصل رقم ہے وہ اکتالیس ہزار کی نکالے گا یا ایک ہزار کی صرف نفع ہی کی زکوۃ نکالے گا تو باقی شرکاء تو نفع میں رہے اور اس کا گھر سے بھی گیا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ مضاربت کی صورت ہے، زکوۃ اصل مال اور نفع کے مجموعہ پر واجب ہوتی ہے، جس شخص کا رأس

---

(۱) "لأنه: أی المضارب لیس بمالک، و لا نائب عنه فی أداء الزکاة، إلا أن یکون فی المال ربح یبلغ نصیبه نصاباً، فیؤخذ منه؛ لأنه مالک له". (الهدایة: ۱/۱۹۸، باب فی من یمر علی العاشر، مکتبه شرکة علمیه)

(وکذا فی الدرالمختار: ۲/۳۱۶، باب العاشر، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۹۱، باب العاشر، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) "لو أدی زکوة غیره بغیر أمره فبلغه، فأجاز، لم یجز، لأنها وجدت نفاذاً علی المتصدق؛ لأنه ملکه، ولم یصر نائباً عن غیره فنفذت علیه". (ردالمحتار: ۲/۲۶۹، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۳۶۹، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۸۴، المسائل المتعلقة بمعطی الزکاة، إدارة القرآن، کراچی)

(۳) " لأنه [أی المضارب] لیس بمالک ولانائب عنه فی اداء الزکاة إلا أن یکون فی المال ربح یبلغ نصیبه نصاباً فیؤخذ منه؛ لأنه مالک له. قال ابن الهمام: بخلاف حصة المضارب؛ لأنه یملکها فیؤخذ منه عنها".

(الهدایة مع فتح القدیر: ۲/۲۳۱، کتاب الزکاة، باب فیمن یمر علی العاشر، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

المال چالیس ہزار ہے اور ایک ہزار اس کا نفع ہوا تو اکتالیس ہزار کی زکوۃ اس کے ذمہ لازم ہے، دوسرے دوشرکاء مضارب کی ملک میں اگر اس نفع کے علاوہ کچھ نہیں تو جب سے مقدارِ نصاب کے مالک ہوئے اس وقت سے سال بھر پورا ہو جانے کے بعد اس کے ذمہ اس کی زکوۃ واجب ہوگئی ہے (۱)۔

رہا یہ سوال کہ تجارت کا نفع کیا ہوا؟ تو خود غور کرلیں کہ سال بھر کے اخراجات بھی اس تجارت سے پورے کئے ہوں گے، اگر تجارت نہ کرتا تو وہ اخراجات چالیس ہزار سے منہا کئے جاتے پھر حساب لگا کر دیکھتا کہ کیا نفع ہوا، نیز سال بھر کی زکوۃ مزید ہوتی یعنی تجارت کی برکت سے سال بھر کے اخراجات حاصل ہوئے اور زکوۃ میں صرف رأس المال (چالیس ہزار روپیہ) میں سے پچیس روپیہ ادا کرنے کی نوبت آئی، تجارت نہ ہوتی تو سال بھر کے اخراجات اس چالیس ہزار سے نکلتے اور زکوۃ بھی اس میں سے ادا ہوتی، نیز دوسرے دونوں شرکاء کو ایک ایک ہزار اس تجارت کی بدولت ملا اور تجارت کی ساکھ قائم ہوگئی، باقی آئندہ کتنا نفع ہوگا، اس کا علم اللہ کو ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۴/۹۰ھ۔

جس غلہ میں تجارت کی نیت نہ ہو، اس پر زکوۃ

سوال [۴۵۳۸]: زید کے پاس دوسومن دھان موجود ہیں (۲) اس پر حولانِ حول بھی گزر گیا لیکن تجارت کی نیت نہیں، کیا اس دھان پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر زید کے پاس دوسرا روپیہ موجود ہو اس دھان کے علاوہ تو اس صورت میں بھی زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کہ وہ دھان تجارت کے لئے نہیں تو اس پر زکوۃ واجب نہیں خواہ اس پر حولانِ حول ہو یا نہیں، اس کے علاوہ جو روپیہ موجود ہے وہ اگر مقدار نصاب ہے تو اس روپیہ میں زکوۃ واجب ہوگی (۳)، دھان پر روپیہ

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''مالِ مضاربت میں زکوۃ کا حکم''۔)

(۲) ''دھان: چاول کا پودا، چھلکے دار چاول''۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۶۰، فیروز سنز، لاہور)

(۳) "و شرط حولان الحول و ثمنية المال كالدراهم والدنانير والسؤم و نية التجارة في العروض".

(تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲/۲۶۷، كتاب الزكاة، سعيد) .... =

کیساتھ بھی زکوۃ واجب نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

گھر کے سامان میں زکوۃ

سوال[۴۵۳۹]: زید کہتا ہے کہ زکوۃ صرف زیور پر واجب ہے سونے کی شکل میں ہو یا چاندی کی صورت میں، لیکن بکر کہتا ہے کہ زیور پر، کپڑوں پر چاہے استعمال کے ہوں یا نئے رکھے ہوں اور برتنوں پر جو کہ استعمال میں آرہے ہیں، یا وہ برتن جو یوں ہی رکھے ہوئے ہیں، یا گھر کے استعمال کی الماریاں ہوں، یا صندوق غرضیکہ جو بھی اشیاء ہوں سب پر زکوۃ واجب ہے۔

الجواب حامداً و مصلياً:

چاندی، سونا، نقد (نوٹ) اور مالِ تجارت پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، گھر کے استعمالی سامان: کپڑوں، برتنوں، صندوقوں وغیرہ پر زکوۃ نہیں، اگرچہ وہ ویسے ہی رکھے ہوں استعمال میں نہ ہوں:

"(قوله: فارغ عن حاجته الأصلية) و فسره ابن ملك بما يدفع عنه الهلاك تحقيقاً أو تقديراً: أى فسر المشغولة بالحاجة الأصلية، والأولىٰ فسرها، و ذلك حيث قال: و هى ما يدفع الهلاك عن الإنسان تحقيقاً كالنفقة و دور السكنىٰ وآلات الحرب والثياب المحتاج إليها لدفع الحر والبرد، أو تقديرًا كالدَّين و كآلات الحرفة وأثاث المنزل و دواب الركوب و كتب العلم لأهلها، اهـ". درمختار و شامی: ۲/٦ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۹۰ھ۔
الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا فى بدائع الصنائع: ۲/۳۹۵، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)
(وكذا فى خلاصة الفتاوى: ۱/۲۳۵، كتاب الزكاة، امجد اكيڈمى لاهور)
(۱) "ولو وجد من أرضه حنطةً تبلغ قيمتها قيمة نصاب، نوى أن يمسكها و يبيعها، فأمسكها حولاً، لا تجب فيها الزكاة، حتى ينفذ ثمنها و يحول الحول". (التاتارخانية: ۲/۲۴۴، باب زكاة عروض التجارة، ادارة القرآن كراچى)
(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان: ۲/۲۵۱، فصل فى مال التجارة، رشيديه)
(۲) (الدرالمختار: ۲/۲۶۲، كتاب الزكاة، سعيد) .... =

گھڑی کی زکوۃ

سوال[۴۵۴۰]: ہاتھ کی گھڑی اور گھر میں رارم گھڑی کی زکوۃ نکالی جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر گھڑی چاندی سونے کی نہیں اور تجارت کے لئے بھی نہیں تو اس کی زکوۃ نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند۔

کرایہ کے مکانات پر زکوۃ

سوال[۴۵۴۱]: ہماری اپنی رہائش اور پریس کے مصرف میں جو مکان ہے اس کے علاوہ جو مکانات ہیں اس کا کرایہ درجِ آمدنی ہوجاتا ہے اور تقریباً اس کے قریب قریب دوسرے مکانوں کا کرایہ ادا کرنا پڑتا ہے جو پریس کی ضروریات کے لئے کرایہ پر لینے پڑتے ہیں، نیز یہ کہ مکانات سال بھر تک کرایہ پر چڑھتے نہیں رہتے بلکہ کبھی چڑھ گئے اور کبھی خالی بھی رہتا ہے کہ ایک مکان سال بھر تک چڑھا رہے، بہرحال متعین نہیں۔ایسی صورت میں زکوۃ کی کیا صورت ہوگی؟

= "وأما كونه فارغاً عن الدين و عن حاجته الأصلية كدور السكنى و ثياب البذلة وأثاث المنازل و آلات المحترفين، وكتب الفقه لأهلها، فلأن المشغول بالحاجة الأصلية كالمعدوم". (تبيين الحقائق: ۲/۲۳، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۴۵، باب زكاة عروض التجارة، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۱) "فليس في دور السكنى .... وسلاح استعمال زكاة.......... وكذا كتب العلم إن كان من أهله وآلات المتحرفين، هذا في الآلات التي ينتفع بنفسها ولا يبقى أثرها في المعمول". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة: ۱/۱۷۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۶۵، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الزكاة: ۲/۱۶۴، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان مکانوں پر زکوۃ واجب نہیں (۱) ان کی آمدنی کا روپیہ اگر مقدارِ نصاب کو پہونچ کر اس پر سال بھر گزر جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی بشرطیکہ وہ حوائجِ اصلیہ سے فارغ ہوں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۶/۶/۶۰ھ۔

سَلم کے روپیہ اور زمین پر زکوۃ

سوال [۴۵۴۲]: اہلِ نصاب کے پاس جو زمین ہے اس زمین کی قیمت لگا کر زکوۃ دینا ہے یا صرف جمع شدہ روپے کی زکوۃ دینا پڑے گی؟ اور جو روپیہ لوگوں کے پاس بطور قرض کے ہے اس شرط پر کہ شوال کے ماہ قرض میں دیا ہے اور ربیع الاول کے ماہ میں ہر روپے کے بدلے میں ایک من؟ یا نصف من دھان دینا پڑے گا؟ اس طریقے پر مبلغ ساٹھ روپے قرض دیا ہے؟ اب اس روپیہ کی زکوۃ دینا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زمین اگر کاشت کے لئے ہے تجارت کے لئے نہیں تو اس زمین کی زکوۃ نہیں خواہ اس کی قیمت کتنی ہی ہو، اس کی پیداوار پر عشر یا نصف عشر واجب ہوگا اگر وہ زمین عشری ہو (۳)، روپیہ بقدر نصاب اگر موجود ہو اور

---

(۱) (راجع، ص: ۴۱۸، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "إذا أجر داره أو بعده بمأتي درهم لاتجب الزكوة مالم يحل الحول بعد القبض في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، فإن كانت الدار والعبد للتجارة وقبض أربعين درهماً بعدالحول، كان عليه درهمٌ بحكم الحول الماضي قبل القبض؛ لأن أجرة دار التجارة وعبد التجارة بمنزلة ثمن التجارة في الصحيح من الرواية". (فتاویٰ قاضي خان بهامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۵۳، كتاب الزكوة، فصل في مال التجارة، رشيديه)

(۳) "و قد أورد الزيلعي أيضاً ما إذا اشترى أرض عشر و زرعها، أو اشترى بذراً للتجارة و زرعه، فإنه يجب فيه العشر و لا تجب فيه الزكاة؛ لأنهما لا يجتمعان، اهـ". (ردالمحتار: ۲/۲۹۸، باب زكاة الذهب والفضة والعروض، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۷۸، باب زكاة الذهب والفضة، دارالكتب العلمية، بيروت) .... =

اس پر سال بھی گزر جائے تو اس پر زکوۃ فرض ہوتی ہے (۱)، طریق مذکور پر جو روپیہ دیا ہے وہ اس کی ملک سے خارج ہوگیا اب اس روپیہ کو واپس نہیں لے سکتا بلکہ اس روپے کے عوض دھان خرید چکا ہے، دھان لینے کا حقدار ہے لہذا اس روپیہ پر زکوۃ فرض نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

کارخانہ کی زمین و مشین پر زکوۃ

سوال [۴۵۴۳]: میں نے ایک زمین خرید کر اس پر اپنا کارخانہ تعمیر کرایا، چنانچہ اس کارخانہ میں میری مشینیں چل رہی ہیں، اب اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل سوالات ہیں:

۱...... کیا اس سر زمین اور تعمیرات میں زکوۃ واجب ہے؟

۲...... جو مشینوں سے اس کارخانہ میں کام لیا جا رہا ہے کیا اس پر بھی زکوۃ واجب ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ زمین و تعمیرات و مشین خود فروخت کرنے کے لئے نہیں، بلکہ آمدنی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں، تو اُن پر زکوۃ لازم نہیں (۳)، ان سے حاصل شدہ آمدنی حسبِ ضابطۂ شرعیہ دیگر نقود کی طرح زکوۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۶/۸/۸۹ھ۔

= (وكذا في فتح القدير: ۲/۲۱۸، فصل في العروض، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) "و يقوّم يوم حال عليها الحول بالغةً ما بلغت بعد أن كانت قيمتها في أوّل الحول مائتين، ويزكي عن مائتي درهم خمسةً دراهم". (التاتارخانية: ۲/۲۳۸، باب زكوة عروض التجارة، إدارة القرآن)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۱۵، فصل في نصاب اموال التجارة، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۹، الفصل الثاني في العروض، رشيديه)

(۲) "قيد بكونها للتجارة؛ لأنها لو كانت للغلة فلا زكاة فيها؛ لأنها ليست للمبايعة". (البحر الرائق: ۲/۳۹۸، باب زكاة المال، رشيديه)

(۳) "فليس في دُور السكنى .... وسلاح الاستعمال زكاة .... وكذا كتب العلم إن كان من أهل، وآلات المتحرفين، وهذا في الآلات التي ينتفع بنفسها ولا يبقى أثرها في المعمول". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكوة: ۱/۱۷۲، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۶۵، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الزكوة: ۲/۱۶۴، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

باب زكاة المواشي
(جانوروں کی زکوٰۃ کا بیان)

بھینس پر زکوٰۃ ہے یا دودھ پر؟

سوال [۴۵۴۴]: ہماری بھینس جو کہ تجارت کی غرض سے ہے جس کا دودھ فروخت کیا جاتا ہے لیکن اس کی گھاس اور مختلف قسم کے دانے تیل وغیرہ کا انتظام خود کیا جاتا ہے وہ چرتی نہیں ہے۔تو کیا اس صورت میں زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر بھینسوں کی بھی تجارت ہوتی ہے تب تو دیگر مالِ تجارت کی طرح ان میں بھی زکوٰۃ لازم ہوگی یعنی سال بھر گذرنے پر جتنی قیمت کی بھینس موجود ہوگی اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کریں گے۔درمیانِ سال جو کچھ ان کو کھلایا پلایا، یا ان سے کما کر کھایا، خرچ کر ڈالا اس کا کوئی حساب زکوٰۃ میں نہیں ہوگا۔اگر تجارت بھینسوں کی نہیں بلکہ ان کے دودھ کی تجارت ہوتی ہے تو بھینسوں پر زکوٰۃ لازم نہیں ہوگی، بلکہ دودھ کی قیمت کا جو روپیہ سال پورا ہونے پر موجود ہو اس میں زکوٰۃ لازم ہوگی (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۳/۱۵ھ۔

---

(۱) " وإن كانت للتجارة، فحكمها حكم العروض، يعتبر أن تبلغ قيمتها نصاباً، سواء كانت سائمةً أو علوفةً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۸، كتاب الزكوٰة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۷۷، باب زكوٰة المال، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۹۳۸، باب زكوٰة المال، رشيديه)

"وينظر في السائمة إلى كمال النصاب......وينظر إلى قيمتها إن أراد بها التجارة، فإن كانت أقل من مائتي درهم، لم تجب الزكوٰة، وإن كان العدد كاملاً، الخ". (المبسوط للرخسي: ۱/۲۳۸، الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

تجارت کے جانوروں کی زکوٰۃ

سوال[۴۵۴۵]: ایک شخص نے تجارت کے لئے بکرے، اونٹ، گھوڑے وغیرہ خریدے، یہ جانور ایک سال میں کئی دفعہ بک جاتے ہیں اور خریدے بھی جاتے ہیں تو اب ان کی زکوۃ کس طرح ادا کی جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قیمت لگا کر اس کا چالیسواں حصہ سال ختم ہونے پر ادا کیا جائے، پھر چاہے قیمت دیدی جائے اور چاہے اس قیمت کا جانور دیدیا جائے (۱)۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۸۷ھ۔

نصاب سے کم جانوروں میں زکوۃ نہیں

سوال[۴۵۴۶]: زید کے پاس ۳۵/ بھیڑ اور دو گائے ہیں اور ایک بھینس بھی ہے، کل ۴۰/ عدد ہیں، جنگل میں چرایا جاتا ہے، ان پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس حساب سے ادا کی جاوے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زید کے پاس بھیڑ: ۳۵/، گائے: ۲/، بھینس: ۱/ اس مجموعہ میں زکوۃ واجب نہیں، کسی کا بھی نصاب پورا

---

(۱) "وتجب الزكوٰة أيضاً في عروض التجارة بلغت قيمتها نصاباً من أحدهما، الخ". (مجمع الأنهر: ۱/ ۳۰۶، باب زكوٰة الذهب والفضة والعروض، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۷۷، باب زكوٰة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه كان يقول: "في كل مال يدار في عبيد، أو دواب، أو بز التجارة، تدار الزكاة فيه كل عام". رواه عبد الرزاق بإسناد صحيح". دراية: ۱۶۳". (إعلاء السنن: ۹/ ۶۴، باب زكاة عروض التجارة، إدارة القرآن كراچی)

"لا يجب في العلوفة.........حتى لو كانت العلوفة للتجارة، كان فيها زكاة للتجارة". (النهر الفائق: ۱/ ۴۶۸، فصل في الغنم، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۷۶، الباب الثاني في صدقة السوائم، رشيديه)

نہیں (۱) اور ایک جنس کو دوسری جنس کے ساتھ ملا کر نصاب پورا کرنے کا حکم نہیں (۲)۔ ہاں اگر یہ جانور تجارت کے لئے ہوں تو زکوۃ قیمت کے اعتبار سے چالیسواں حصہ واجب ہوگی (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۲/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ليس في أقل من أربعين من الغنم السائمة صدقة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، الفصل الرابع في زكاة الغنم: ۱/۱۷۸، مكتبه رشيديه)

"وفي فتح القدير: والضأن والمعز سواء: أي في تكميل النصاب". (البحر الرائق، كتاب الزكاة، فصل في الغنم: ۲/۳۷۸، رشيديه)

"ليس في أقل من ثلاثين من البقر صدقة، ...... والجاموس كالبقر". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، الفصل الثالث في زكاة البقر: ۱/۱۷۷، ۱۷۸، رشيديه)

(۲) "وأما السوائم إذا اختلف أجناسها، لايضم البعض إلى البعض لتكميل النصاب". (التاتار خانية، كتاب الزكاة، زكاة المال: ۲/۲۳۳، إدارة القرآن كراچی)

"والمستفاد وسط الحول يضم إلى نصاب من جنسه". (الدرالمختار). "(قوله: جنسه) سيأتي أن أحد النقدين يضم إلى الآخر، وأن عروض التجارة تضم إلى النقدين للجنسية باعتبار قيمتها، واحترز عن المستفاد من خلاف جنسه كالإبل مع الشياه، فلا تضم". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۸۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكاة، فصل في الغنم: ۲/۳۸۸، رشيديه)

(وكذا في البدائع، كتاب الزكاة، فصل: وأما صفة نصاب السائمة، ...... ومنها أن يكون الجنس فيه واحد من الإبل والبقر والغنم الخ: ۲/۳۰، سعيد)

(۳) "أما التي نوى بهاالتجارة، فتجب فيها زكاة التجارة". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۲۸۲، سعيد)

"ويضمّ بعض العروض (أي عروض التجارة) إلى بعض وإن اختلف اجناسها". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، الفصل الثاني في العروض: ۱/۱۸۰، رشيديه)

"يجب ربع العشر في عروض التجارة إذا بلغت نصاباً من أحد هما.......... وكل شئ فهو عرض سوى الدراهم والدنانير .... فيدخل الحيوان". (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/۳۹۸، رشيديه)

باب العشر والخراج

(عشر اور خراج کا بیان)

قرآن کریم سے عشر کا ثبوت

سوال[۴۵۴۷]: بعض لوگ کہتے ہیں کہ عشر زمین کے بارے میں قرآن پاک میں خدا تعالیٰ نے کوئی حکم نازل نہیں کیا، کیا یہ حکم: ﴿یا أیها الذین آمنوا أنفقوا من طیبات ما کسبتم، و مما أخرجنا لکم من الأرض﴾ الآیة، پارہ: ۳، رکوع: ۵ " سے ثابت نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حافظ ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ نے ''احکام القرآن'' ۳/۱۲ میں امت کا اتفاق نقل کیا ہے اس بات پر کہ آیت: ﴿ واتوا حقه یوم حصاده ﴾ میں عشر مراد ہے(۱) بعض ائمہ نے: ﴿أنفقوا من طیبات ما کسبتم، و مما أخرجنالکم من الأرض﴾ سے بھی وجوبِ عشر پر استدلال کیا ہے، کذا فی أحکام القرآن: ۱/۵٤٤" (۲)، والزیلعی ۱/۲۹۲(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۱۰/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/شوال/۶۴ھ۔

---

(۱) (أحکام القرآن للجصاص: ۳/۱۶، ذکر خلاف فی الموجب فیه، قدیمی)

(۲) "﴿ومما أخرجنا لکم من الأرض﴾، عموم فی إیجابه الحق فی قلیل ماتخرجه الأرض و کثیره فی إیجابه العشر فی قلیل ما تخرجه الأرض ....اهـ". (أحکام القرآن: ۱/۶۲۵، باب المکاسبة، قدیمی)

(و کذا فی بدائع الصنائع: ۲/۴۹۳، فصل فی زکاة المزروع، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(و کذا فی روح المعانی: ۸/۳۸، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(و کذا فی ردالمحتار: ۲/۳۲۵، باب العشر، سعید)

(۳) "و لأبی حنیفة قوله تعالیٰ: ﴿أنفقوا من طیبات ماکسبتم وممّا أخرجنالکم من الأرض﴾ [البقرة: ۲٦۷]،=

وجوبِ عشر

سوال[۴۵۴۸]: ہندوستان کی ایسی زمین کہ جس کی پیداوار ماءالسماء پر ہوں اور صاحبِ زمین گورنمنٹ کو خراج بھی دیتا ہو، تو کیا ایسی زمین کا عُشر نکالنا واجب ہے، اگر واجب نہیں تو سنت ہے یا مستحب؟ اگر سنت ہے تو کس درجہ کی مدلل ہو۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ زمین عشری ہے تو اس کی پیداوار میں عشر نکالنا واجب ہے(۱) اور گورنمنٹ جو خراج لیتی ہے وہ عشر میں محسوب نہ ہوگا، کیونکہ وہ صحیح مصرف پر خرچ نہیں کرتی، هكذا أفتىٰ مولانا گنگوهى المرحوم(۲)۔
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸/۲/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

عشر کا نصاب

سوال[۴۵۴۹]: ۱...... پیداوار کی زکوۃ کا کیا نصاب ہے؟

مقدارِ عشر

سوال[۴۵۵۰]: ۲...... پیداوار میں زکوۃ کب اور کس حساب سے نکالی جائے؟

ٹیوب ویل سے بھی پانی دیا گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال[۴۵۵۱]: ۳...... ربیع یا خریف کی زکوۃ کا حکم یکساں ہے یا جدا گانہ؟ کیونکہ کبھی کبھی بارش اور

= وهو بعمومه يتناول جميع مايخرج من الأرض". (تبيين الحقائق، كتاب الزكوة، باب العشر: ۱۰۲/۲، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) "(و) يجب العشر في (مسقى السماء) : أى مطر (وسيح) كنهر". (الدرالمختار، باب العشر: ۳۲۶/۱، سعيد)

(وكذا فى الهداية، باب زكاة الزروع والثمار: ۲۰۱/۱، مكتبه شركت علميه)

(۲) یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ زمینیں زمینداروں کی مِلک تھیں، مِلک سرکار نہیں تھیں، خاتمۂ زمینداری کے بعد سے عُشر =

ٹیوب ویل دونوں قسم کے پانی سے سینچائی ہوتی ہے، ایک ہی قسم کی پیداوار میں، لہٰذا ایسی صورت میں زکوۃ کا حساب کیا ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......ایک صاع (سواتین سیر) بھی پیدا ہوتب بھی عشری زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے، کذا فی رد المحتار: ۲/۴۹(۱)۔

۲......عشری زمین کی پیداوار میں دسواں حصہ نکالا جائے گا جب کہ وہ زمین بارانی ہو، اگر آپ پاشی کرنی پڑتی ہے تو نصف عشر واجب ہوگا، حولانِ حول شرط نہیں، شامی (۲)۔

۳......دونوں فصلوں کا حکم یکساں ہے، اگر بارش کا پانی غالب ہے اور ٹیوب ویل کی اتفاقیہ معمولی نوبت آتی ہے تو اس کو بارانی ہی سمجھا جائے گا ورنہ نصف عشر دینا ہوگا (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۵/۲۳ھ۔

= واجب نہیں رہا۔ فقط۔

(راجع فتاویٰ رشیدیه، باب عشر وخراج کے احکام کا بیان، ص: ۳۶۶، ۳۶۷، إدارة اسلامیات، لاهور)

(۱) "(قوله: بلا شرط نصاب) و بقاء، فيجب فيمادون النصاب بشرط أن يبلغ صاعاً، و قيل: نصفه، وفي الخضروات التي لا تبقى، و هذا قول الإمام، وهو الصحيح، كما في التحفة". (ردالمحتار: ۲/۳۲۶، باب العشر، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۵۳، باب العشر، امداديه)

(۲) "وتجب في مسقى سماء: أي مطر و سيح كنهر بلا شرط نصاب و بلا شرط بقاء و حولان حول .... يجب العشر. ويجب نصفه في مسقى غرب: أي دلو كبير ودالية: أي دولاب لكثرة المؤنة".

(الدرالمختار: ۲/۳۲۶، باب العشر، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۰۱، ۱۰۶، باب العشر، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الهداية: ۱/۲۰۱، ۲۰۲ باب زكاة الزروع والثمار، شركة علميه ملتان)

(۳) "ولو سقى سيحاً وبآلة، اعتبر الغالب: أي أكثر السنة كما مر في السائمة والعلوفة، الخ".

(الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۳۲۸، باب العشر، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۰۶، باب العشر. دارالكتب العلمية، بيروت) .... =

عشر

سوال[۴۵۵۲]: زید ایک عالم ہے اس کے علاقہ میں غلہ کی پیداوار سے زکوۃ عام طور سے ادا کی جاتی ہے اور زکوۃ ادا نہ کرنے والوں پر لعن طعن ہوتی ہے۔ کیا یہ برتاؤ عندالشرع درست ہے؟ یہ بات ملحوظ رہے کہ زکوۃ غلہ صاحب نصاب ہی لوگ دیتے ہیں۔ زید آج ڈھائی برس سے آسام کے ایک علاقہ میں دینی کام انجام دے رہا ہے، اس سلسلے میں حفظِ قرآن پاک کے واسطے ایک مدرسہ قائم کیا گیا ہے جس کی آمدنی کا کوئی خاص ذریعہ نہ دیکھ کر غلہ کی زکوۃ لوگوں کو گراں معلوم ہوتی ہے، اس کے پیش نظر صرف یہ بات ہے کہ اگر دھان (چھلکوں والا چاول) کی فقط زکوۃ مسلمانوں کی طرف سے نکال کر اکٹھا کرلیا جائے تو عمدہ طور سے مدرسہ کے لئے طلبہ کے واسطے طعام وقیام کا نظم ہو سکے جب کہ زید کو کسی قسم کی تنخواہ ومعاوضہ نہیں دیا جاتا ہے اور نہ ہی وہ طلب کرتا ہے۔

آسام یا پورے ہندوستان کی زمینوں پر گورنمنٹ کا ٹیکس وصول کرلیا جاتا ہے تو کیا "کلما أخرجت الأرض ففيه العشر" پر عمل ہو جاتا ہے؟ دھان یا غلہ جس مقدار میں پیدا ہوا اس پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں، اگر ہے تو کتنی ہے؟ مدلل جواب سے مطلع فرمائیں۔ نیز اگر زکوۃ یہاں کی زمینوں پر واجب نہیں ہے تو پھر زید کا یہ عمل کیسا ہے، اب اس کو کیا کرنا چاہئے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

زید کا دینی مدرسہ قائم کرنا اور اس کے لئے کوشش کرنا قابلِ صد تحسین ہے، اللہ پاک اس کی کوشش کو بار آور فرمائے اور جزائے خیر دے۔

زمین کی پیداوار میں زکوۃ وعشر واجب ہونے کے لئے اس زمین پر ملکِ مسلم قائم ہونا ضروری ہے، خاتمۂ زمینداری کے بعد یہاں کی زمینوں پر عموماً ملکِ مسلم قائم نہیں رہی، لہٰذا ایسی زمینوں کی پیداوار میں زکوۃ عشر واجب نہیں، البتہ بطورِ صدقۂ نافلہ اور دینی خدمت کے لئے جس قدر بھی دیدیں اور اس سے مدرسہ چلایا جائے، موجبِ خیر و برکت اور باعثِ اجر وثواب ہے جو لوگ عشر نہ دیں ان پر لعن طعن درست نہیں، بات صرف ترغیب تک رکھی جائے:

= (وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۲۶، النصاب لوجوب العشر، إدارة القرآن كراچی)

”وانقسمت بين المسلمين لا يوظف إلا العشر، وإن سقيت بماء الأنهار، فلهذا قال في التبيين: هذا في حق المسلم، أما الكافر فيجب عليها الخراج من أىّ ماءٍ سقى؛ لأن الكافر لا يبتدأ بالعشر، الخ“. مجمع الأنهر: ۱/۶۷۱(۱)۔

”و خراج إن اشترىٰ ذمىٌّ أرضاً عشريةً من مسلم: أى يجب الخراج؛ لأن في العشر معنى العبادة، والكفر ينافيها، الخ“. ۲/۲۳۸ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ ذیقعدہ/ ۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/ ۸۸ھ۔

آبی اور بارشی زمین میں عشر

سوال[۴۵۵۳]: آبی زمین میں عشر کتنا فرض ہے اور بارش والی زمین میں کتنا فرض ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

جس زمین کی آب پاشی کی جاتی ہے یا محنت کر کے کنویں وغیرہ سے پانی دیا جاتا ہے اس کی پیداوار میں نصف عشر واجب ہے اور جس زمین میں بارش کے پانی سے کھیتی ہوتی ہے اور مستقل پانی دینا نہیں پڑتا اس کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

عشری اور خراجی زمین

سوال[۴۵۵۴]: ہندوستان کی زمین خصوصاً نئی آبادی مثلاً ملتان، منٹگمری وغیرہ کے علاقہ کی زمین

---

(۱) (مجمع الأنهر: ۱/۳۲۱، باب زكاة الخارج، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) ”وخراج إن اشترى ذمى أرضاً عشريةً من مسلم: أى يجب الخراج إن اشترى ذمى غير تغلبى أرضاً عشريةً من مسلم، الخ“. (تبيين الحقائق: ۲/۱۰۷، باب العشر، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى فتح القدير: ۲/۲۵۶، باب العشر، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲/۴۱۷، باب العشر، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۶، الباب السادس فى زكاة الزروع والثمار، رشيديه)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ”مقدار عشر“۔)

عشری ہے یا خراجی؟ اس کی صحیح تعریف تحریر کرنے کے بعد یہ بیان فرمایئے کہ ان زمینوں کی پیداوار کی زکوٰۃ کی کیا صورت ہوگی؟ ذرا مفصل تحریر فرمایئے کہ عشر کیسی زمین پر واجب ہے اور اس کا کیا حکم ہے، کچھ عشری خراجی زمین کی بھی تقسیم ہے یا عام ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلياً:

جو زمین اسلامی حکومت کے وقت سے مسلمان کے پاس ہے اور عشری پانی سے سیراب کی جاتی ہے وہ عشری ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے (۱)۔ زمین کی متعدد قسمیں ہیں:

"والأرض إما عشريةٌ أو خراجيةٌ أو تضعيفيةٌ، والمشترون: مسلمٌ و ذميٌّ و تغلبيٌّ. فالمسلم إذا إشترى العشرية أو الخراجية بقيت على حالها، أو التضعيفية فكذالك عند الإمام ومحمد، وقال أبو يوسف: ترجع إلى عشر واحد. وإذا اشترى التغلبيّ الخراجيةَ بقيت خراجيةً أو التضعيفية فهي التضعيفية، إذا العشرية من مسلم، ضُوعف عليه العشر عندهما خلافاً لمحمد. وإذا اشترى ذمى غير تغلبى خراجيةً أو تضعيفيةً، بقيت على حالها، أو عشريةً صارت خراجيةً إن استقرت فى ملكه عنده، اهـ". طحطاوى: ۱/۴۱۹ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "كل أرض أسلم أهلها أو فتحت عنوةً، وقسمت بين الغانمين، فهى أرض عشر؛ لأن الحاجة إلى ابتداء التوظيف على المسلم، والعشر أليق به، لما فيه من معنى العبادة ...... فى جامع الصغير: كل أرض فتحت عنوةً فوصل إليها ماء الأنهار، فهى أرض خراج، و مالم يصل ماء الأنهار واستخرج منها عين، فهى أرض عشر .... فيعتبر السقى بماء العشر أو بماء الخراج". (الهداية: ۲/۵۹۱، باب العشر والخراج، مكتبه شركة علميه)

(وكذا فى ردالمحتار: ۴/۱۷۶، باب العشر والخراج، سعيد)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۱/۶۶۱، باب العشر والخراج، دار إحياء التراث العربى)

تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: (اسلام کا نظامِ عشر وخراج، ادارۃ القرآن) (واسلام کا نظام اراضی، دارالاشاعت)

(۲) (حاشيه الطحطاوى على الدرالمختار: ۱/۴۱۹، باب العشر، دار المعرفة، بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲/۴۱۶، باب العشر، رشيديه) ....

مال گذاری سے عشر ساقط نہیں ہوتا

سوال[۴۵۵۵]: صوبہ بنگال کی زمین جس میں گورنمنٹ مالگذاری بھی لیتی ہے، آیا یہ مالگذاری لینا خراج شمار ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس زمین پر عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہ عشری زمین ہے تو اس پر عشر واجب ہوگا، مالگذاری ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ عفا اللہ عنہ۔

باغ اور زمین کی پیداوار میں زکوۃ

سوال[۴۵۵۶]: زید ڈیڑھ سو بیگہ زمین کا زمیندار یا کاشتکار تھا اس کے پاس مالگذاری سال وار ضروری اخراجاتِ خانگی کے بعد ہزاروں من غلہ بچتا تھا، اسی طرح معمولی کمی بیشی کے ساتھ ہر سال بچت ہوتی ہے۔ وہ غلہ فروخت بھی نہیں کرتا، خانگی ضرورت کے لئے کبھی فروخت کرتا ہے تو بقدرِ ضرورت سالوں کا پرانا غلہ اس کے پاس فروختگی کے بعد کئی کئی نصاب کی قیمت کا موجود ہے۔ تو کیا اس حالت میں اس کے اوپر غلوں میں زکوۃ ہے؟ اسی طرح ضرورت سے زائد اس کے پاس باغ ہیں جن کی قیمت کئی نصابوں کو پہنچتی ہے، آیا ان باغات میں بھی زکوۃ واجب ہوگی تو کس صورت سے؟

= (وكذا في ردالمحتار: ۳۲۹/۲، باب العشر، سعيد)

(۱) "أخذ البغاة والسلاطين الجائرة زكاة الأموال الظاهرة كالسوائم والعشر والخراج، لا إعادة على أربابها إن صرف المأخوذ في محله الآتي ذكره، ولا يصرف فيه، فعليهم فيما بينهم و بين الله إعادة غير الخراج". (الدرالمختار: ۲۸۹/۲، باب زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۱۹۳/۱، فصل في الغنم، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۸۹/۲، فصل في الغنم، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳۰۳/۱، فصل في زكاة الخيل، دارالكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جوغلہ تجارت کے لئے نہیں اس میں زکوۃ فرض نہیں خواہ وہ کتنی بھی مقدار میں ہو، یہی حال زمین، کھیت، باغ کا ہے(۱)۔ البتہ زمین اور باغ کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا اگر وہ عشری ہے اور اس میں قیمت کا اعتبار نہیں بلکہ کل پیداوار کا عشر واجب ہوتا ہے خواہ کتنی ہی پیداوار ہو اور اس کی قیمت کتنی ہی ہو(۲)۔ البسط فی رد المحتار۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ دارالعلوم دیوبند

زمینداری ختم ہونے کے بعد مسئلۂ عشر

سوال[۴۵۵۷]: تھوڑا عرصہ ہوا کہ سفر میں لوگوں نے ایک استفتاء اور اس کا جواب دکھلایا، اس مجمع میں واقف کار لوگوں نے جوابی استدلال پر اظہارِ تعجب بھی کیا، جواب کی نقل ارسال ہے، صورتحال یہ ہے کہ

---

(۱) "ولا تصح نية التجارة فيما خرج من أرضه العشرية أو الخراجية". (الدرالمختار).

"قوله : ولا تصح نية التجارة؛ لأنها لاتصح إلا عند عقد التجارة، فلا تصح فيما ملكه بغير عقد كإرث ونحوه كما سيأتي، ومثله الخارج من أرضه؛ لأن الملک يثبت فيه بالنبات ولااختيار له فيه، ولذا قال في البحر: وخرج أى بقيد العقد ما إذا دخل من أرضه حنطة تبلغ قيمتها نصاباً ونوى أن يمسكها ويبيعها، فأمسكها حولاً، لاتجب فيها الزكاة كما في الميراث". (ردالمحتار: ۲/۲۶۸، كتاب الزكوة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۴، كتاب الزكوة، الباب الأول في تفسيرها وصفتها وشرائطها، رشيديه)

(۲) "قال أبو حنيفة: في قليل ما أخرجته الأرض و كثيره العشر، سواء سقى سيحاً أو سقته السماء، الخ". (الهداية: ۱/۲۰۱، باب زكاة الزروع والثمار، شركة علميه)

(وكذا ردالمحتار: ۲/۳۲۵، باب العشر، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۶، الباب السادس في زكاة الزروع والثمار، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۲۴۶، الفصل العاشر في العشر والخراج، امجد اكيڈمى لاهور)

(وكذا في امداد الفتاوى: ۲/۵۷، عشر در باغات، دار العلوم كراچى)

زمینداری ختم ہونے کے بعد زمین حکومت کی ملک قرار پائی ہو یا نہ پائی ہو، زمین پر قبضہ اور تصرف کا حق رکھنے والوں کے حقوق میں کچھ اضافہ ہوا ہے یا نہیں، یہ ایک علیحدہ بحث ہے کہ زمانہ سابق میں زمین کا مالک کاشتکار تھا یا زمین دار یا حکومت، بہر حال اتنی بات تو واضح ہے کہ زمینداری ختم ہونے سے پہلے جس زمین پر جو متصرف تھا وہ آج بھی ہے اگر اس پر پہلے عشر تھا تو آج بھی ہونا چاہئے۔

اب رہی یہ بات کہ حکومت نے اپنی طرف سے جس جس کو زمین دی ہے تو اس پر نہ عشر واجب ہے نہ نصف عشر تو یہ اس وقت ہوسکتا ہے کہ جب حکومت نے زمینداری ختم کرنے کے بعد زمینوں کے مالکوں کی ملکیت منسوخ کر کے اپنی ملکیت کا اعلان کر دیا ہو اور پھر حکومت نے اپنی طرف سے زید، عمر، سیتارام اور تاراسنگھ وغیرہ کو زمین دی ہو لیکن ایسا واقعہ نہیں ہے، حکومت نے جن جن صورتوں میں زمین داری ختم کی اور زمین دار کی جگہ خود وہاں کوئی نئی ہندوبستی عمومی طریقے پر نہیں کی گئی، اس لئے یہ سوال ہی نہیں ہوتا کہ زمینداری ختم ہونے کے بعد جو زمین حکومت کی ملک قرار پا گئی اور پھر حکومت نے اپنی طرف سے لوگوں کو زمین دی ہو۔ اس حالت میں عرض ہے کہ جواب پر نظر ثانی فرمائی جائے اور اس عاجز کی اور ساتھ ہی ساتھ ہزاروں اہل علم کی تشنگی جو اس جواب سے پیدا ہوئی دور فرمائی جائے۔ والسلام۔

محمد عارف۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

زمینداری ختم ہونے کے بعد جب ہر زمین ملکِ حکومت قرار پا گئی پھر حکومت نے اپنی طرف سے جس جس کو بھی زمین دی ہے تو اس پر نہ عشر واجب ہے نہ نصفِ عشر، تاہم اگر کوئی شخص عشر یا نصفِ عشر ادا کر دے تو موجبِ خیر و برکت ہے، جس قدر بھی وہ زیادہ غرباء کو دے گا اجر و ثواب پائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۸۷ھ۔

الجواب ھوالموفق للصواب:

وجوبِ عشر کا مدار حقوق پر نہیں بلکہ مِلک پر ہے یعنی وجوبِ عشر کے لئے شرط یہ ہے کہ زمین مسلمانوں کی مِلک ہو اور جب سے مسلمانوں نے اس مُلک کو فتح کیا ہو اس کی زمین غانمین میں تقسیم ہوئی ہو اور اس وقت سے آج تک برابر مسلمانوں کی ہی ملک چلی آرہی ہو:

"إرثاً أوشراءً وغير ذٰلك. أما شرط الأهلية فنوعان: أحدهما الإسلام، وإنه شرط ابتداء هـٰذا الحق، فلا يبدأ بهذا الحق إلا على مسلم بلا خلاف؛ لأن فيه معنى العبادة، والكافر ليس من أهل وجو بها ابتداءً، فلا يبدأ عليه". (بدائع الصنائع: ۲/٥٤، في بيان العشر(۱)۔

درمیان میں کسی کافر کی ملک میں نہ چلی گئی ہواور اگر درمیان میں کسی کافر کی ملک میں چلی گئی ہوگی تو عشری نہ رہے گی، چنانچہ فقہائے کرام کی عبارتیں اسی کی تصریح کرتی ہیں:"واشترى ذمیٌّ أرضاً عشريةً من مسلم، فعليه الخراج". ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ۱/۲۱۷(۲)۔ ہدایہ میں ہے: "ولو كانت الأرض لمسلم باعها لنصرانيّ –يريد به ذمياً غير تغلبيّ– وقبضها، فعليه الخراج عند أبي حنيفة رحمه الله؛ لأنه أليق بحال الكافر". هدايه: ۱/۱۷۵(۳)۔

فتح القدیر میں شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں: "وإذا اشترى ذمیٌّ غير تغلبيٍّ خراجيةً أو تضعيفيةً، بقيت على حالها، لو اشترى عشريةً من مسلم فعند أبي حنيفة رحمه الله تصير خراجيةً إن استقرت في ملكه". فتح القدير: ۲/ ۱۹٦(٤)۔ علامہ جلال الدین خوارزمی شارحِ ہدایہ فرماتے ہیں: "كذميّ اشترى أرض عشر من مسلم، ففيه الخراج عند أبي حنيفة رحمه الله". كفاية مع الفتح: ۲/۱۹۸(٥)۔ من مسلم كنز الدقائق، ص: ٦۳(٦)۔ علامہ شامی حاشیہ بحرالرائق میں تحریر فرماتے ہیں: "ولو أن كافراً اشترى أرضاً عشريةً، فعليه الخراج في قول أبي حنيفة رحمه الله". منحة

---

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل في شرائط الفرضية: ۲/۴۹۲، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب زكاة الخارج: ۱/۲۱۷، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) (الهداية، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار: ۱/۲۰۳، مكتبه شركت عليمه ملتان)

(۴) (فتح القدير، كتاب الزكاة، باب الزروع والثمار: ۲/۲۵۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۵) "كذمي اشترىٰ أرض عشر من مسلم ففيه الخراج". (الكفاية مع الفتح، باب زكاة الزروع والثمار: ۲/۱۹۸، رشيديه)

(٦) (كنز الدقائق، كتاب الزكاة، باب العشر، ص: ٦۳، رشيديه)

الخالق حاشیہ البحر الرائق: ۲/۲۳۹ (۱)۔

اب اس کے بعد اگر اس کافر سے مسلمان نے خریدی یا کسی اَور طریقہ سے مسلمان کی ملک میں آئی تو یہ زمین عشری نہ بنے گی: "فصار شراء المسلم من الذمیّ بعد ماصارت خراجیةً فتصیر علی حالها، ذکره التمرتاشی، کما إذا أسلم هو واشتراها منه مسلم اٰخر". فتح القدیر: ۲/۱۹۷ (۲)۔

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ خاتمہ زمینداری سے پہلے زمین کس کی ملک تھی، تو اس میں دو احتمال ہیں: پہلا یہ کہ زمین سرکاری ملک میں ہو جیسا کہ بعض کا خیال ہے، گو دلائل کے اعتبار سے یہ بات کچھ قوی نہ ہو۔ اس احتمال پر زمینداری کا مطلب یہ ہوا کہ سرکار کو چونکہ کاشتکاروں سے براہِ راست لگان وصول کرنے میں دشواری رہتی ہے اس لئے اس نے خطے بنا کر زمینداروں میں تقسیم کر دیئے کہ یہ لوگ یعنی زمیندار کاشت کاروں سے لگان وصول کر لیا کریں اور سرکار میں پہونچا دیا کریں تا کہ سرکار کو اس کی وصولیابی میں دشواری نہ ہو تو گویا زمیندار مالکِ زمین نہیں ہوتے تھے بلکہ مالک تو سرکار ہی تھی، زمیندار تو کاشتکار اور سرکار کے درمیان لگان کی وصولیابی کا واسطہ تھے اور جو کچھ ان کو ملتا تھا وہ ان کی اجرت تھی۔

بہر حال زمیندار کی حیثیت اس صورت میں ایک اجیر سے بڑھ کر نہ تھی، ان کو جو کچھ اختیارات بھی دیئے گئے تھے وہ محض اسی حیثیت سے تھے، اب جب کہ سرکار بدلی اور انگریز کی جگہ نئی سرکار نے لی تو اس نے زمینداروں کی اس حیثیت کو ختم کر دیا اور چونکہ انہوں نے اتنی مدت تک سرکار کی خدمت کی تھی اس لئے اس کے عوض کے طور پر اور ان سے جو اختیارات چھین لئے گئے اس کی اشک شوئی کرتے ہوئے انہیں کچھ رقم بھی بونس کی شکل میں دی، یہ ایسا ہے جیسے پنشن کہ سابقہ خدمت کے عوض کر دی جاتی ہے۔

ان اختیارات کو ختم کرنے کا نام "خاتمۂ زمینداری" ہے تو اس صورت میں زمین زمیندار کی ملک تھی ہی نہیں بلکہ سرکار کی ملک تھی، اس میں وجوبِ عشر کا سوال ہی نہیں اس لئے کہ سرکار اور حکومت اگر مسلمان ہو تو اس وقت بھی عشر واجب نہیں ہوتا، چنانچہ الدار المنتقی میں ہے: "وهذا نوعٌ ثالثٌ یعنی لاعشریة ولاخراجیة

---

(۱) (منحة الخالق علی البحر الرائق، کتاب الزکاة، باب العشر: ۲/۴۱۷، رشیدیه)

(۲) (فتح القدیر، کتاب الزکاة، باب زکاة الزروع والثمار: ۲/۲۵۴، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

من الأراضي تسمى أراضي المملكة، ص: ۲/ ۶۷۱ (۱)۔ چنانچہ جب سرکار مسلم ہو اس وقت سرکاری زمین میں نہ عشر واجب ہے نہ خراج تو جب سرکار غیر مسلم ہو تو اس وقت بطریقِ اَولیٰ یہ حکم ہوگا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ زمین، زمیندار ہی کی ملک تھی جیسا کہ اکثر علمائے کرام کی تصریحات ہیں اور دلائل کے اعتبار سے بھی اقرب واظہر ہے تو اس صورت میں ختمِ زمینداری کا مطلب یہ ہوا کہ وہ زمین زمیندار سے خرید لی گئی، گو جبراً ہی صحیح اور کاشتکار کے ہاتھ فروخت کردی گئی اور کاشتکار کو خریدنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ یوں کہا کہ جو دس گنا ادا کرے وہ لے لے۔ کاشتکار نے براہِ راست زمیندار سے خریدی نہ ہو، اس لئے کہ ان دونوں میں خرید وفروخت ہوتی ہی نہیں۔ لامحالہ سرکار نے زمیندار سے خریدی اور کاشتکار کو فروخت کی تو اس میں ملک کافر کا تخلل ہوگیا اور عشر ساقط ہوگیا (۲)۔

کتبِ فقہ: خانیہ (۳)، بحر (۴)، طحطاوی (۵)، عالمگیری (۶) وغیرہ تقریباً سبھی میں یہ مسائل بصراحت موجود ہیں جو اہلِ علم حضرات کی نظر سے مخفی نہیں، پھر تعجب ہے کہ اس عاجز کے جواب سے ہزاروں اہلِ علم کو تشنگی کیوں پیدا ہوئی، کیا یہ سب کتابیں تشنگی دفع کرنے کے لئے کافی نہیں، غالباً جواب مختصر ہونے اور استدلالی عبارات جواب میں نقل نہ کرنے اور اہلِ علم کی وسعتِ نظر پر اعتماد کرنے سے ایسا ہوا۔ تاہم اگر اسکے خلاف کتبِ مذہب میں دلائلِ قویہ موجود ہوں اور اس عاجز نے سمجھنے میں غلطی کی ہو تو دینی بات میں اصرار نہیں،

---

(۱) (الدرالمحتار، المنتقیٰ فی شرح الملتقیٰ، باب العشر والخراج: ۲/ ۴۶۲، المکتبة الغفارية)

(۲) حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب ہندوستانی اراضی کے عشری یا خراجی ہونے کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اگر کسی جگہ مسلمانوں کی متروکہ زمین حکومتِ ہند نے کسی کو ابتداءً دیدی ہو تو وہ بھی بوجہٗ استیلاء کے عشری نہ رہے گی بلکہ خراجی ہوجائے گی''۔ (اسلام کا نظامِ اراضی، ص: ۱۸۰، عشر وخراج کے احکام، دارالاشاعت کراچی)

(وکذا فی امداد الفتاوی: ۲/ ۶۰، فصل فی العشر والخراج، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(وکذا فی فتاوی دار العلوم دیوبند: ۶/ ۱۹۱، چھٹا باب عشر، امدادیہ ملتان)

(۳) (الخانية علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية، فصل فی العشر والخراج: ۱/ ۲۷۰ - ۲۷۱، رشیدیہ)

(۴) (البحر الرائق، باب العشر: ۲/ ۴۱۲-۴۱۸، رشیدیہ)

(۵) (حاشيه الطحطاوی علی الدرالمختار، باب العشر: ۱/ ۴۱۷ - ۴۲۲، دارالمعرفة بيروت)

(۶) (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السادس فی زكاة الزروع والثمار: ۱/ ۱۸۵ - ۱۸۷، رشیدیہ)

سمجھ میں آنے پر انشاء اللہ تعالیٰ رجوع سے دریغ نہ ہوگا۔ حق تعالیٰ ضد اور ہٹ سے محفوظ رکھے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۲/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۲/ ۸۸ھ۔

نقد، زمین وغیرہ میں زکوٰۃ

سوال[۴۵۵۸]: ۱......جس زمین کی مالگذاری فی بیگہ دو روپیہ، تین روپیہ، چار روپیہ تک سالانہ ہو اس زمین کی بھی زکوٰۃ نکالنی چاہئے یا نہیں؟ اگر زکوٰۃ اس میں نکالنا فرض ہے تو کیا زمین کی قیمت لگا کر، اگر زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ نکالنا ہے تو کتنا پیدا ہونے سے زکوٰۃ فرض ہوتی ہے؟ کیا اس وقت زکوٰۃ پیداوار کی نکال دینی چاہئے یا سال بھر اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کے بعد اور مالگذاری ادا کرنے کے بعد زکوٰۃ نکالنی چاہئے؟

۲......زید کی دال کی ایک مشین ہے اس مشین کی قیمت لگا کر زکوٰۃ نکالنی چاہئے یا جو نفع سال بھر میں ہو وہ اپنی ضروریات میں صَرف کرنے کے بعد جو روپیہ باقی رہے اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی؟

۳......جو سکہ ہندوستان میں انگریزی رائج ہے اس میں زکوٰۃ کس حساب سے نکالی جائے، سینکڑہ میں کتنی زکوٰۃ نکالنی پڑے گی؟

۴......زید کے پاس کچھ نقد روپے ہیں اور کچھ زمین ہے، رمضان کا مہینہ زکوٰۃ کے لئے مقرر کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ نقد روپیہ میں تو زکوٰۃ رمضان میں نکالیں گے، باقی زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ فی الحال نکالی جائے گی، یا اپنی ضرورت میں خرچ کرنے کے بعد جو غلہ بچ جائے گا وہ رمضان میں فروخت کر کے قیمت نقد روپیہ میں ملا کر زکوٰۃ نکالی جاوے؟

۵......جن علماء کے نزدیک ہندوستان دارالحرب ہے، چند کفار کی زمین زید کے پاس مرہون ہے، زکوٰۃ زمین کی پیداوار سے نکالی جاوے گی یا جو روپیہ باقی ہے اس کی زکوٰۃ نکالی جاوے گی؟

۶......زید کا کچھ روپیہ بقدرِ حساب لوگوں کے پاس باقی ہے جس کے وصول ہونے کے بہت کم امید ہے۔ کیا زید پر اس روپیہ کی زکوٰۃ واجب ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... ہندوستان کی جوزمین کفار کے قبضہ میں تھی یا ہے اس میں زکوۃ واجب نہیں اور سلطنتِ اسلامیہ کے زمانے سے جوزمین برابر مسلم کے قبضہ میں آرہی ہے وہ عشری ہے اس کی پیداوار کی زکوۃ بہرصورت واجب ہے(۱) خواہ مالگذاری کتنی ہی دینی پڑتی ہو، خواہ پیداوار کم ہو یا زیادہ ہو اس کا کوئی حساب متعین نہیں اور نہ سال گزرنا یا سال بھر تک باقی رہنا شرط ہے، اس میں زمین کی قیمت کا اعتبار نہیں بلکہ کل پیداوار کا (بغیر مالگذاری اور بیج کی قیمت اور ملازمین کی تنخواہ اور جانوروں کی خوراک اور اپنا خرچ منہا کئے) دسواں حصہ (جب کہ کھیتی بارش کے پانی سے یا نہری پانی سے ہوتی ہو) پہلے ہی علیحدہ کر کے مستحقین کو دیدیا جاوے۔ اور کنویں کے پانی سے ہر ٹ پُرس وغیرہ کے ذریعہ سے کھیتی ہوتی ہے تو کل پیداوار کا بیسواں حصہ پہلے ہی نکال دیا جاوے اس کے بعد میں اپنے خرچ میں لانا چاہئے۔

۲......اس مشین پر زکوۃ واجب نہیں ہے کیونکہ وہ مالِ تجارت نہیں ہے(۲)، البتہ سونے اور چاندی پر جب کہ بقدرِ نصاب ہو اور حوائجِ اصلیہ سے زائد ہو اور اس پر سال بھر گزر جائے زکوۃ واجب ہے خواہ اس مشین کے ذریعہ سے حاصل ہوا ہو یا کسی اَور ذریعہ سے(۳)۔

---

(۱) "كل أرض أسلم أهلها أو فتحت عَنوةً، وقسمت بين الغانمين، فهي أرض عشر؛ لأن الحاجة إلى ابتداء التوظيف على المسلم، والعشر أليق به لما فيه من معنى العبادة ......الخ". (الهداية: ۲/ ۱۹۵، باب العشر والخراج، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في ردالمحتار: ۴/۱۷۶، باب العشر والخراج، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۲۱۱، باب العشر والخراج، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في خلاصة الفتاوى: ۱/۲۴۶، الفصل العاشر في العشر والخراج، امجد اكيڈمی لاهور)

(۲) "فليس في دور السكنى .... و سلاح استعمال زكاةٌ ...... و كذا كتب العلم إن كان من أهله، وآلات المحترفين، هذا في الآلات التي ينتفع بنفسها، و لا يبقى أثرها في المعمول". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۶۵، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۱۶۴، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "مال التجارة نوعان: أحدهما ماخلق ثمناً وهو الذهب والفضة، ففي الذهب في كل عشرين مثقال =

۳......سوروپیہ میں اڑھائی روپیہ یا اڑھائی روپیہ کے وزن کے برابر چاندی یا اس چاندی کی قیمت کی کوئی اَور شئی نکالنی چاہئے (۱)۔

۴......اس کا جواب پہلے نمبر میں آچکا ہے۔

۵......اس زمین میں زکوۃ نہیں ہے اور روپیہ کی زکوۃ جب روپیہ تمام یا بقدرِ نصاب یا خمس نصاب وصول ہوتب گذشتہ تمام سالوں کی ادا کردے۔

۶......واجب ہے لیکن کم از کم خمس نصاب وصول ہوجانے پر اس کی ادائیگی واجب ہوگی پھر جب دوسرا خمس وصول ہوتو اس کی زکوۃ ادا کردے (۲)۔

= ذهب نصف مثقال، مضروباً كان أولم يكن، مصوغاً أو غير مصوغ، حلياً كانت للرجال أو للنساء، تبراً كان أو سبيكة، يعتبر في الذهب وزن المثاقيل وفي الدراهم وزن سبعة". (خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۳۷، كتاب الزكوة، الفصل الخامس فى زكوة المال، امجد اكيڈمى لاهور)

"ليس فيما دون مائتى درهم صدقة .... فإذا كانت مائتين وحال عليها الحول، ففيها خمسة دراهم؛ لأنه عليه السلام كتب إلى معاذ رضى الله تعالىٰ عنه: أن خُذ من كل مائتى درهم خمسة دراهم ومن كل عشرين مثقالاً من ذهب نصف مثقال .... ليس فيما دون عشرين مثقالاً من ذهب صدقة فاذا كانت عشرين مثقالاً ففيها نصف مثقال". (الهداية : ۱/۱۹۴-۱۹۵، كتاب الزكوة، باب زكوة المال، شركت علميه)

(۱) "من كان عليه دين يحيط بماله، فلا زكوة عليه، وإن كان ماله أكثر من دينه، زكّى الفاضل إذا بلغ نصاباً". (الهداية: ۱/۱۸۶، كتاب الزكاة، شركة علميه ملتان)

(وكذا فى الدرالمختار: ۲/۲۶۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۲/۴۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فى التاتارخانية: ۲/۲۸۷، الفصل العاشر فى بيان ما يمنع وجوب الزكاة، إدارة القرآن كراچى)

(۲) "واعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة: قوى و متوسط و ضعيف، فتجب زكاتها إذا تم نصاباً و حال الحول، و لكن لا فوراً، بل عند قبض أربعين درهماً من الدين القوى كقرض و بدل مال تجارة، الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۰۵، باب زكاة المال، سعيد)

(وكذا فى التاتارخانية: ۲/۲۹۹، الفصل الثانى عشر فى زكاة الديون، ادارة القرآن كراچى) .... =

۷...... جب زید کے روپیہ کے برابر اس زمین سے وصول ہو جائے تو زید زمین چھوڑ دے اور اصل مالک کے حوالے کر دے کہ میں اپنا مطالبہ وصول کر چکا ہوں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۶/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

زکوٰۃ وعشر اور مصرف کی تحقیق

سوال [۴۵۵۹]: ۱...... زمینی پیداوار کی زکوۃ چالیسواں حصہ ہے یا بیسواں حصہ؟ اور کن شرائط کے ساتھ یعنی کیا موجودہ حکومت کا لگان اور مال گزاری دینے کی حالت میں بھی زکوۃ کی وہی مقدار ادا کرنی پڑے گی جو اسلام نے اسلامی حکومت میں مقرر کی ہے؟

۲...... زمینی پیداوار میں صرف غلہ مثلاً گیہوں اور چنا وغیرہ کا شمار ہے، یا اَدرک اور آلو وغیرہ بھی زمینی پیداوار میں شامل ہے؟

۳...... زمینی پیداوار کی زکوۃ کب فرض ہوتی ہے حاصل ہونے کے ساتھ ہی یا سال بھر تک کھانے پینے سے اگر بچے اس وقت؟

۴...... پیدوار کی زکوۃ پوری حاصل شدہ پیداوار میں نکلے گی یا مزدوری اور دیگر ضروری اخراجات نکال کر جو باقی بچے اس میں سے زکوۃ نکلے گی؟

۵...... مقروض پر زکوۃ فرض ہے یا نہیں، اگر فرض نہیں ہے تو صرف سونے چاندی کی فرض نہیں ہے یا پیدوار کی بھی زکوۃ اس پر فرض نہیں ہے؟

۶...... اگر کوئی شخص مقروض ہے لیکن اس کے پاس اتنی جائیداد بصورتِ زمینداری موجود ہے، جس کی قیمت قرض کے بار سے زائد ہے، اور مقروض اس جائیداد کا پورا مالک ہے، فروخت اور رہن سب کچھ کرنے کا اختیار رکھتا ہے، ایسی حالت میں اس کے لئے سونے چاندی اور زمینی پیداوار کا کیا حکم ہے یعنی ان چیزوں کی زکوۃ اس پر فرض ہے کہ نہیں؟

۷...... اگر کہیں مسلمانوں نے مل کر اپنا ایک قومی بیت المال قائم کر لیا ہو وہاں کوئی شخص زکوۃ نکال کر

= (وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۳۸، الفصل السادس في الديون، امجد اکیڈمی لاهور)

بیت المال میں نہ بھیجے بلکہ بطورِ خود تقسیم کردے تو یہ زکوۃ ادا ہوئی کہ نہیں؟

۸...... کیا زکوۃ کی رقم وجنس ایسے مکاتب میں لگائی جاسکتی ہے جو تعلیم قرآن پاک کے لئے قائم کئے گئے ہوں؟

۹...... کیا زکوۃ کی رقم کسی ایسے جلسہ میں خرچ ہوسکتی ہے جو تبلیغِ اسلام کے خیال سے منعقد کئے جائیں؟ مثلاً بارہ ربیع الاول کا جلسۂ میلاد النبی جس میں غیر مسلمین کو خصوصیت کے ساتھ اس لئے دعوت دی جاتی ہے کہ ان کے سامنے اسلام اور شارحِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل پیش کئے جائیں اور وہ اس کا کوئی بہتر اثر قبول کرسکیں۔

۱۰...... اگر سونے چاندی اور پیداوار کی زکوۃ نہ نکالی جائے تو اس کے استعمال کے متعلق کیا حکم ہے یعنی اس سونے چاندی یا غلہ کا استعمال کرنا اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو کس مرتبہ میں یعنی صرف ناجائز ہے یا حرام؟

۱۱...... زیور کی زکوۃ فرض ہے یا نہیں؟

۱۲...... عام خیرات وزکوۃ ایسے لوگوں کو جو............ اور دیگر ذرائع آمدنی رکھتے ہیں، روپے اور غلہ کے خود مالک ہیں جائز ہے یا نہیں؟ نیز ان لوگوں کو زکوۃ وخیرات دینا جائز ہے یا نہیں جو ہاتھ پاؤں کے مضبوط ہیں یعنی محنت کرنے کے قابل ہیں لیکن بلا وجہ محنت نہیں کرتے؟ نیز یہ بھی ارشاد ہو کہ ان دونوں قسموں کے لوگوں کو خیرات اور زکوۃ کی رقم وجنس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

۱۳...... موجودہ فقیر جو ہاتھ پاؤں کے مضبوط یا کھیت اور روپے وغیرہ کے مالک ہیں لیکن بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ذات کے فقیر ہیں۔ ان کو از روئے شریعت بھیک دینا جائز ہے کہ نہیں اور ان کے لئے بھیک مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز کیا اسلام میں فقیر کی کوئی ذات ہے کہ نہیں؟

۱۴...... اگر نمبر: ۱۳ میں درج شدہ لوگوں کو زکوۃ وخیرات دینا جائز ہے تو اس زکوۃ وخیرات کا کوئی ثواب بھی دینے والے کو ملے گا یا نہیں؟

۱۵...... جو لوگ اپنے کو ذات کا فقیر کہتے ہیں لیکن پیداوار اور سونے چاندی کے مالک ہیں ان پر زکوۃ فرض ہے کہ نہیں؟ از راہِ عنایت مذکورہ بالا مسائل کے متعلق بالتفصیل قرآن پاک واحادیث نبوی وفتاوی فقہیہ کے

حوالہ سے جواب تحریر فرمائیں اور ہر نمبر کا علیحدہ علیحدہ بالترتیب جواب دینے کی زحمت گوارہ کریں اور خدا سے اجر وثواب حاصل کرنے کے لئے مستحق بنیں۔

المستفتی: سکریٹری کمیٹی قاضی پورہ نواب گنج گونڈہ یوپی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... جو غلہ وغیرہ عشری زمین سے پیدا ہو خواہ اس کی پیداوار بارش کے پانی سے ہوئی ہو یا قدرتی نہر وغیرہ کے پانی سے بلا قیمت ہوئی ہو، اس میں زکوۃ واجب ہے اور وہ پیداوار کا دسواں حصہ ہے:

"قال أبو حنيفة رحمة الله تعالىٰ عليه: و في قليل ما أخرجته الأرض و كثيره العشر، سواء سقىٰ سيحاً أو سقته السماء". هدايه، ص: ۱۸۱(۱)۔

اور اگر چرس (۲) یا ہرٹ وغیرہ کے ذریعہ سے اس میں کاشت کی گئی ہے تو اس کی زکوۃ پیداوار کا بیسواں حصہ ہے:

"و يسقى بغرب أو دالية أو سانية، ففيه نصف العشر على القولين". هدايه (۳)۔

مالگذاری اور لگان دینے سے یہ زکوۃ ادا نہ ہوگی۔

۲...... یہ چیزیں بھی پیداوار میں شمار ہیں ان میں بھی زکوۃ مذکورہ لازم ہے: "فيما سقته السماء أو سقىٰ سيحاً أو أخذه من ثمر جبل العشرُ، قل أو كثر"(۴)۔

---

(۱) (الهداية: ۱/۲۰۱، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۶، الباب السادس في زكاة الزروع والثمار، رشيديه)

(وكذا في مختصر الطحاوي: ص: ۴۶، باب زكوة الثمار والزروع، سعيد)

(۲) "چرس: چمڑے کا بڑا ڈول"۔ (فیروز اللغات، تحت لفظ چ-ر، ص: ۵۲۶، فیروز سنز، لاہور)

(۳) (الهداية: ۱/۲۰۱، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في التبيين: ۲/۱۰۶، باب العشر، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۱۹، باب زكاة الخارج، دار الكتب العلمية بيروت)

(۴) (ملتقى الأبحر على مجمع الأنهر: ۱/۳۱۷، باب زكاة الخارج، دار الكتب)

"يجب العشر عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ في كل ما تخرجه الأرض من الحنطة والشعير =

۳......حاصل ہونے کے ساتھ ہی لازم ہوجاتی ہے سال بھر گزرنا لازم نہیں:"بلا شرط نصاب و بقاء و حولان حول". سکب الأنہر (۱)۔

۴......پوری پیداوار میں سے لگائی جائے گی مزدوری وغیرہ کواس سے منہا نہیں کیا جائے گا:"و کل شیء أخرجته الأرض عما فيه العشر لا يحتسب أجرة العمال و نفقة البقر اه"(۲)۔

۵،۶......قرض کی ادائیگی کے بعد اگر سونا یا چاندی بقدرِ نصاب اس کے پاس بچے تو اس پر زکوۃ فرض ہے ورنہ نہیں (۳) زمین کی پیداوار میں بہر صورت زکوۃ یعنی عشر واجب ہے۔

= والدخن والأرز و أصناف الحبوب، والبقول والرياحين والأوراد والرطاب و قصب السكر والذريرة والبطيخ والقثاء و الخيار والباذنجان والعصفر وأشباه ذلك مما له ثمرة باقية أو غير باقية قل أو كثر".

(الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۶، الباب السادس في زكاة الزروع والثمار، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۱/۲۰۱، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۳۲۵، باب العشر، سعيد)

(۱) "بلا شرط نصاب، و بلا شرط بقاء و حولان حول؛ لأن فيه معنى المؤنة". (الدر المختار: ۲/۳۲۶، باب العشر، سعيد)

(وكذا في الدر المنتقى شرح الملتقى: ۱/۳۱۷، باب زكاة الخارج، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۵۳، باب العشر، امداديه ملتان)

(۲) (الهداية: ۱/۲۰۲، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه شركة علميه ملتان)

"(بلا رفع مؤن) يجب العشر في الأول و نصف في الثاني بلا رفع أجرة العمال و نفقة البقر وكرى الأنهار وأجرة الحافظ و نحو ذلك". (ردالمحتار: ۲/۳۲۸، باب العشر، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۲۰، باب زكاة الخارج، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۱۶، باب العشر، رشيديه)

(۳) "و من كان عليه دين يحيط بماله، فلا زكاة عليه وإن كان أكثر من دينه، زكى الفاضل إذا بلغ نصاباً، الخ". (فتح القدير: ۲/۱۶۰، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۶۲، كتاب الزكاة، سعيد)

۷......ادا ہوجائے گی (۱) اگر بیت المال کے ذمہ دار منتظم اسے صحیح مصرف پر صرف کرتے ہیں تو وہاں دینا بھی درست ہے۔

۸......زکوۃ سے غریب لڑکوں کو جو کہ سیّد نہ ہوں وظیفہ اور کپڑا وغیرہ تملیکاً دینا واجب ہے (۲)، مکتب کی تعمیر میں لگانا یا معلم کی تنخواہ میں دینا درست نہیں، اگر کسی مستحق کو زکوۃ دیجائے اور وہ اس پر قبضہ کرکے اپنی طرف سے مکتب کے متولی اور مہتمم کو دیدے تو پھر معلم کی تنخواہ وغیرہ میں دینا بھی درست ہوگا (۳)۔

۹......ادائے زکوٰۃ کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی غریب مسلم غیر سید کو بلا کسی معاوضہ ومنفعت کے برائے خدا تملیکاً دی جاوے اور ایسے جلسوں میں یہ صورت نہیں ہوتی، لہذا جلسہ میں خرچ کرنے سے زکوۃ ادا نہ ہوگی:

"الزكوة هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي و لا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المَمَّلك من كل وجه للّٰہ تعالیٰ". زيلعي (٤)۔

۱۰......زکوۃ اگر فرض ہو اور کوئی ادا نہ کرے تو وہ سخت گنہ گار، فاسق اور مردود الشہادۃ ہے مگر اس مال میں حرمت نہیں آتی (۵)، اگر چہ غلہ کا کھانا قبل ادائے زکوۃ منع ہے (٦)۔

---

(۱) "في المال الظاهر الأفضل أن يؤدى الزكاة بنفسه؛ لأنهم لا يضعون مواضعها". (خلاصة الفتاوى: ۱/۲۴۱، جنس آخر في أداء الزكاة، امجد اكيڈمي لاهور)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۳۳۷، باب العشر، سعيد)

(۲) "ولو أدى من خلاف جنسه، تعتبر القيمة بالإجماع". (مجمع الأنهر: ۱/۳۰۵، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) "وحيلة التكفين بها التصدق على فقير، ثم هو يكفن، فيكون الثواب لهما، و كذا في تعمير المسجد، و تمامهٔ في حيل الأشباه". (الدرالمختار: ۲/۲۷۱. كتاب الزكاة، سعيد)

(۴) (تبيين الحقائق: ۲/۱۲۱، كتاب الزكوٰة، باب المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۵٦، كتاب الزكاة، سعيد)

(۵) "عن محمد: أن من لم يؤد الزكاة، لم تقبل شهادته". (بدائع الصنائع: ۲/۳۷۴، في كيفية فرضها، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۱۸، كتاب الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(٦) "و لا يأكل من طعام العشر حتى يؤدى العشر، وإن أكل ضمن عشره". (الدرالمختار: ۲/۳۳۲، باب العشر، سعيد) =

۱۱......جس طرح چاندی سونے میں زکوۃ ضروری ہے اسی طرح چاندی سونے کے زیور میں بھی زکوۃ ضروری ہے:

"یجب فی مائتی درھم و عشرین دیناراً رُبع العشر و لو تبراً أو حلیاً، اھـ. و دلیل وجوب الزکوۃ فی الحلی أحادیث فی السنن: منھا قولہ علیہ السلام لعائشۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھا لما تزینت لہ بالفتخات: "أتؤدّین زکوتھن"؟ قالت: لا، قال: "ھو حسبك من النار، اھـ". بحر: ۲/۲۲۹(۱)۔

۱۲......جو شخص ایک زکوۃ یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کی کوئی اَور شئی رکھتا ہو اور وہ اس کی حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو اگر چہ اس پر سال بھر نہ گزرا ہو اور اگر چہ وہ تجارت کے لئے نہ ہو، ایسے شخص کو زکوۃ ہرگز نہ دیجائے ورنہ زکوۃ ادا نہ ہوگی، شرعاً ایسا شخص غریب اور فقیر نہیں اور ایسے شخص کو زکوۃ لینا حرام ہے اور اس قدر مالیت اس کے پاس نہیں تو اس کو زکوۃ دینا جائز ہے اگر چہ اس میں کمانے کی قدرت ہو:

"(المصرف) ھوالفقیر، وھو من یملك لا یبلغ نصاباً و لا قیمۃ من أیّ مال کان، و لو صحیحاً مکتسباً، اھـ". مراقی الفلاح، ص:۴۱۷(۲)۔

تاہم بہتر یہ ہے کہ جو شخص زیادہ حاجت مند ہے اور کمانے سے عاجز ہے اس کو دی جائے، جس کے پاس کھیت کی آمدنی اس قدر نہیں کہ اس کو اور اس کے اہل وعیال کو کافی ہو اس کو زکوۃ دینا درست ہے اگر چہ کھیت کی قیمت زائد ہو۔

۱۳......جس شخص کے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہو اس کو سوال کرنا اور بھیک مانگنا حرام ہے، کذا فی

= (وکذا فی بدائع الصنائع: ۲/۱۵۷، فصل فی وقت الوجوب، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(وکذا فی التاتارخانیۃ: ۲/۳۳۳، معرفۃ وجوب العشر عند ظھور الخارج، إدارۃ القرآن کراچی)

(۱) (البحر الرائق: ۲/۳۹۴، باب زکاۃ المال، رشیدیہ)

(وکذا فی النھر الفائق: ۱/۴۳۶، باب زکاۃالمال، امدادیہ)

(وکذا فی الدر المختار: ۲/۳۴۷ باب المصرف، سعید)

(۲) (مراقی الفلاح، باب المصرف، ص: ۷۱۹، قدیمی)

الطحطاوی، ص: ۴۲۰ (۱)، ایسے لوگوں کو بھیک دینا بھی ناجائز ہے، البتہ اگر کسی شخص کے متعلق علم نہ ہو کہ یہ مالدار ہے یا نہیں، یا اس کے غریب اور عاجز ہونے کا علم نہیں تو اس کو دینا درست ہے۔ شریعتِ مطہرہ میں سوال کو منع فرمایا ہے لہٰذا جب تک بغیر سوال کئے ضرورت پوری ہو جائے سوال کرنا حرام ہے، پس فقیر بننا اور باوجود صاحبِ مال ووسعت ہونے کے مانگنے کا پیشہ اختیار کرنا حرام ہے۔

۱۴...... ایسے لوگوں کو دینے سے زکوۃ ادا نہ ہوگی اور دینے کا گناہ ہوگا کہ اعانتِ معصیت ہے۔

۱۵...... اگر بقدرِ نصاب سونا یا چاندی ہے اور حاجتِ اصلیہ سے زائد ہے نیز اس پر سال بھر گزر چکا ہے تو زکوۃ فرض ہے اور پیداوار میں بھی زکوۃ لازم ہے:

"فرضت على حر، مسلم، مكلف، مالك لنصاب من نقد و لو تبراً أو حلياً أو زينةً أو ما يساوى قيمته من عروض تجارة فارغٍ عن الدين، و عن حاجته الأصلية، نامٍ و لو تقديراً. وشرط وجوب أدائها حولان الحول على النصاب الأصلى، اھ". (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ ۹/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ رمضان المبارک/ ۵۵ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) "ولا يحل أن يسأل شيئاً من القوت من له قوت يومه بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب، و يأثم معطيه إن علم بحاله لإعانته على المحرم، الخ". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ۷۲۲، باب المصرف، قديمى)

(وكذا فى ردالمحتار: ۲/ ۳۵۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲/ ۴۳۶، باب المصرف، رشيديه)

(۲) "الزكاة إنما تجب إذا ملك نصاباً نامياً حولاً كاملاً، الخ". (خلاصة الفتاوى: ۱/ ۲۳۵، كتاب الزكاة، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا فى التاتارخانية: ۲/ ۲۱۷، كتاب الزكاة، إدارة القرآن كراچى)

فصل فی أراضی الهند

(ہندوستان کی زمینوں میں عشر کا بیان)

اراضیٔ ہند سے متعلق تفصیل

سوال[۴۵۶۰]: یہ رسالہ کبھی نظروں سے نہیں گزرا، جواب سے بڑی تشفی ہوئی، ذرا اس کی وضاحت فرمائیں جو زمین مِلکِ مسلم نہ ہو، ہمارے قبضہ میں جو زمین ہے جو سرکار سے بندوبست کرلی ہے، کیا اس زمین پر ہماری ملکیت نہیں خاتمۂ زمینداری کے بعد تمام زمینوں کی مالک حکومت ہوگی، ہمارے پاس جو زمین ہے، ہم اس کے عارضی مالک ہیں۔

نورالہدیٰ قاسمی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قانونِ زمیندار کی جو تشریحات جو حکومت کی طرف سے شائع ہوتی تھیں ان میں واضح کردیا گیا تھا کہ زمیندار مالک نہیں رہا اس کو معاوضہ دیا جائے گا، مالک حکومت ہے، وہ جس کو چاہے دے اور جس طرح چاہے دے۔ پھر اس صورت میں جب کہ مالک مسلم نہیں اس میں عشر کا کیا سوال (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۹ھ۔

---

(۱) ''حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ: ''ضبط کرنے کے دو معنی ہوسکتے ہیں: ایک قبضہ مالکانہ، اگر یہ ہوا ہے تو وہ اراضی عشری نہیں ہیں۔ دوسرا قبضہ مِلکانہ وحکیمانہ ومنتظمانہ (اور احقر کے نزدیک قرائنِ قویہ سے اسی کو ترجیح ہے) اگر ایسا ہوا ہے تو اراضیٔ عشریہ بحالہا عشری رہیں، البتہ اگر پہلے سے وہ ارض عشری نہ تھی یا سرکار نے کوئی دوسری زمین اس زمین کے عوض میں دیدی یا کسی صلہ میں اس کو زمین دی سو چونکہ وہ دینے سے قبل استیلاء سے سرکار کی ملک ہوگئی تھی لہٰذا وہ عشری نہ رہی، یہ دونوں فتاویٰ امداد الفتاویٰ میں ہیں۔ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ کے فتاویٰ میں بھی اسی مضمون کے شاہد ومؤید ہیں۔ (اسلام کا نظام اراضی، مؤلف مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، =

ہندوستانی زمین کا حکم

سوال[۴۵۶۱]: ہندوستانی زمین عشری ہے یا خراجی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

موجودہ حالت میں جب کہ زمینیں مِلکِ سرکار ہیں تو نہ وہ عشری ہیں نہ خراجی: "هذا نوع ثالث لا عشرية و لا خراجية من الأراضي، تسمى أراضي المملكة وأراضي الحوز، اهـ". شامی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی؟

سوال[۴۵۶۲]: ہندوستان کی زمین (خواہ بہار کی ہو یا یوپی وغیرہ کی) عشری ہے یا خراجی؟ بحوالہ کتب معتبرہ جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا تو جروا۔

المستفتی: محمد سعد اللہ بخاری، پیش امام جامع مسجد مونگیر، ۵۰/۱۱/۲۳ء۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو زمین بادشاہِ اسلام کے وقت سے مسلم کی مِلک و قبضہ میں ہیں ان میں عشر ہے، نیز جو زمین اس وقت مسلم کی ملک و قبضہ میں ہیں اور کسی غیر مسلم سے منتقل ہوکر ملک مسلم میں آنا معلوم نہیں تو بناء براستصحابِ حال ان پر قبضۂ مسلم مستمر مان کر ان کو بھی عشری قرار دیا جائے گا۔ حکومت جو محصول لیتی ہے وہ خراج میں محسوب ہوسکتا ہے لیکن عشر کے حق میں محسوب نہیں ہوسکتا، فتاوی رشیدیہ حصہ سوم، ص: ۵۵ میں اس کی تصریح موجود ہے(۲)،

=ص: ۱۷۹، دارالاشاعت کراچی)

(وکذا فی امداد الفتاوی: ۲/ ۲۰، فصل فی العشر والخراج، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(وکذا فی فتاوی دار العلوم دیوبند: ۶/ ۱۹۱، چھٹا باب عشر، امدادیہ)

(۱) (رد المحتار: ۴/ ۱۷۸، مطلب: أراضي المملكة والحوز لا عشرية و لا خراجية، سعيد)

(وراجع أيضاً عنوان: ''اراضی ہند سے متعلق تفصیل'')

(۲) (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۳۶۶، عشر وخراج کے احکام کا بیان، ادارہ اسلامیات لاہور)

ایسا ہی عزیز الفتاوی: ۱/۲/۷۷، ۶۷، وتتمہ جلد اول(۱) امداد الفتاوی، ص: ۵۰(۲) وحوادث الفتاوی، ص: ۱۹ میں بعض علماء نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بناء پر یہاں کی زمینوں کو دونوں قسم کی مؤونتوں: عشر وخراج سے مستثنیٰ کردیا ہے:

"ومـا أسـلـم أهله طوعاً أو فتح عنوةً وقسم بين جيشنا والبصرة بإجماع الصحابة عشرية؛ لأنـه أليـق بـالمسلم، الخ". در مختار۔ "(و قوله: وقسم بين جيشنا) احترز به عما إن أقسم بين قوم كـافر غير أهله، فإنه خراجي، كما في النتف، و لو قال: بيننا، لَشمل ما إذا قسم بين المسلمين غير الغانمين، فإنه عشري؛ لأن الخراج لا يؤظف على المسلم ابتداءً". شامي: ۳/۲۵٤(۳)۔

"لا يـؤخـذ الـعشـر مـن الخارج ترك السلطان أو نائبه الخراج لرب الأرض أو وهبه له، جـاز عـنـد الثـاني، وحل له لو مصرفاً وأن لا تصدق، به يفتىٰ. و لو ترك العشر، لايجوز إجماعاً، ويخرجه بنفسه للفقراء، الخ". در مختار۔

" و كـذا لـو كـانـت عشريةً، لايؤخذ منها خراج؛ لأنهما لا يجتمعان. (قوله: لا يجوز إجـمـاعـاً) لعل وجهه أن العشر مصرفه مصرف الزكوة؛ لأنه زكوة الخارج، ولا يكون الإنسان مـصرفاً لـزكوة نـفسـه، بـخـلاف الـخـراج، فـإنـه ليس زكوة، و لذا يوضع على أرض الكافر". ملخصا(٤)۔

حکومت اگر ارضِ عشریہ سے خراج وصول کرے تو یہ ناجائز ہے اور اس سے عشر ادا نہیں ہوگا کیونکہ

---

(۱) (عزیز الفتاویٰ: ۱/۱۸۴، دارالاشاعت کراچی)

(۲) (امداد الفتاویٰ: ۲/۱۷، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۳) (ردالمحتار على الدرالمختار: ۴/۱۷۶، باب العشر والخراج والجزية، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۲/۱۵۹، باب العشر والخراج، شركة علميه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۱۲۶، باب العشر والخراج، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۴) (الـدرالـمـخـتـار مـع رد الـمـحـتـار، كتـاب الـجهـاد، بـاب العشر والخراج والجزية: ۴/۱۹۲، ۱۹۳،سعيد)

حکومت مصرفِ زکوۃ نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۴/۰۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۴/۰۷ھ۔

اراضیٔ ہند میں عشر وخراج کا حکم

سوال[۴۵۶۳]: ۱...... ما قولكم فى مسئلة وجوب العشر و عدمه فى الأراضى التى كانت مقبوضةً فى أيدى النصارىٰ كأرض الهند، والفنجاب، والفشاور وغيره، فإن كان واجباً فبأىّ دليل واضح و سند ساطع، وإن كان غير واجب، فلعدم وجوبه كونها أراضى دار الحرب كافية أم لا؟

۲......وإذا وضعت النصارىٰ على الأراضى المملوكة المذكورة ثمناً مخصوصاً و نقداً معلوماً الذى يسمى فى عرف عامة الخلائق ببالية المال، هل هذا خراج شرعى أم لا؟ وفى صورة عدمه موجب لسقوط العشر أم لا؟

۳...... والأراضى التىٰ تستقىٰ بماء الأنهار حفرتها النصارىٰ، و و ضعوا لاستعمال مائها طرقاً مختلفةً وثمنًا متفرقةً حسب الفصول والبقول، والعامل فى مائها خلاف قوانينهم يكون مجرماً عندهم، هل يجب فيها العشر أو نصف العشر؟ بينوا بحوالة الكتب المعتبرة۔

الجواب حامداً و مصلياً:

۱ ......فيه قولان: أحدهما: وجوب العشر إذا ملك المسلم مستمراً عليها من زمن

---

(۱) "أخذ البغاة والسلاطين الجائرة زكاةَ الأموال الظاهرة كالسوائم والعشر والخراج، لا إعادة على أربابها إن صرف المأخوذ فى محله الآتى ذكرُه، وإلا يصرف فيه، فعليهم فيما بينهم و بين الله إعادة غير الخراج". (الدر المختار: ۲/۲۸۹، باب زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲/۳۸۹، فصل فى الغنم، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۱/۳۰۳، فصل فى زكوة الخيل، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى الهداية: ۱/۱۹۳، فصل فى الغنم، مكتبه شركة علميه ملتان)

السلطنة المسلمة انتقلت إليه، وهو لا يعلم أنها من مسلم انتقلت أو كافر، هذا ما اختاره الشيخ رشيد أحمد المحدث الگنگوهي في فتاواه(۱)، و مولانا أشرف علي التهانوي، و مبناه عدم القطع بكونه دار الحرب لا سيماً في بعض الأحكام (۲)۔

والقول الثاني: عدم وجوب العشر والخراج، واختاره مولانا محمد أعلى التهانویؒ في رسالته حيث قال: إن أراضي الهند ليست بعشرية و لا خراجية، بل هي أراضي الحوز: أي أراضي بيت المال والمملكة، وصرح الشامي بعدم وجوب العشر والخراج من مثل تلك الأراضي (۳)۔

۲...... الأصح أن الثمن المذكور أجرة الأراضي، والعشر لا يسقط به إذا كانت الأرض عشريةً، أما إذا كانت خراجيةً فهذا الثمن ينوب عن الخراج، كذا في الفتاوى الرشيدية (٤)۔

۳...... إذا كانت الأرض مسقيةً بماء الأنهار المذكورة الماخوذ بالثمن، ففيها نصف العشر (٥)۔ *فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔*

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۳٦۷، ۳٦۸، ادارہ اسلامیات لاہور)

(۲) (امداد الفتاویٰ: ۲/٦۲، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

"كل أرض أسلم أهلها أو فتحت عَنوةً وقسمت بين الغانمين، فهي أرض عشر؛ لأن الحاجة إلى ابتداء التوظيف على المسلم، والعشر أليق به لما فيه من معنى العبادة ......الخ". (الهداية: ۲/۱۹٥، باب العشر والخراج، مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان)

(وكذا في ردالمحتار: ۴/۱٦۷، باب العشر والخراج، سعید)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/٦٦۱، باب العشر والخراج، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تاليفات رشيديه، ص: ۳٦٦، عشر وخراج کے احکام، ادارہ اسلامیات، لاہور)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''ہندوستانی زمین کا حکم''۔)

(۴) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''ہندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی'')

(۵) "و ما سقى بغرب أو دالية أو سانية، ففيه نصف العشر على القولين؛ لأن المؤنة تكثر فيه الخ". =

اراضیٔ ہند میں عشر کا حکم

سوال[۴۵۶۴]: اراضیٔ ہند کی عشری وغیر عشری ہونے کی تحقیق فرمائیں، علماء نے اس مسئلہ کو ایسا الجھا دیا ہے کہ مسئلہ کا کوئی رخ واضح نظر نہیں آتا، آخر عوام کیا کریں عشر نکالیں یا نہیں؟ زمین کی مالگذاری پانی کا جو حکومت نے پبلک پر عائد کردیا ہے یہ عشر کے غلہ سے دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ آم، امرود، لیموں، سبزی، ترکاریوں میں عشر ہے یا نہیں؟ اوراس کے دینے کی کیا شکل ہوگی؟ بینوا توجروا۔

المرسل: محمد نورالہدیٰ القاسمی ضلع سہرسامہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

علماء نے تو بہت سلجھایا ہے، آج نہیں کئی سو سال پہلے شیخ جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ نے - جو خلیفۂ خاص تھے حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے - اس مسئلہ پر مستقل رسالہ اپنے وقت میں تصنیف فرمایا جس کا نام رسالہ ''اراضیٔ ہند'' ہے، اس میں زمینوں کے اقسام اوران کے احکام تفصیلاً بیان کئے ہیں، موجودہ دور میں بھی مختلف رسائل لکھے گئے۔ مختصراً عرض یہ ہے کہ جو زمین مِلکِ مسلم نہ ہو جیسے کہ خاتمۂ زمینداری کے بعد سے یہاں کی زمینوں کا حال ہے اس میں عشر واجب نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہندوستانی زمینوں میں عشر

سوال[۴۵۶۵]: ہندوستان کی وہ زمینیں جو حکومتِ اسلامیہ کے زمانہ سے مسلمانوں کے قبضہ میں

= (الهداية: ۱/۲۰۲، باب زكاة الزروع والثمار، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/۳۲۸، باب العشر، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۶، باب زكاة الزروع والثمار، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۲۶، الفصل الأول في بيان ما يجب فيه العشر و ما لا يجب، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''اراضی ہند کے متعلق تفصیل''۔)

ہیں اوران کی کاشت میں ہیں تو کیاان پرعشر واجب ہوگا؟ مشہور یہ ہے کہ جو مال گذاری حکومت کودی جاتی ہے یہ قائم مقام عشر کے ہے۔کیا یہ صحیح ہے؟ اگر زمین دوسرے کوکاشت کے لئے دیدی جائے توعشر کس پرواجب ہوگا؟

افتخار الحسن کاندھلہ،۲/رجب/۶۶ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسی زمینوں پرعشر واجب ہے(۱)،حکومت کی مالگذاری عشر کے قائم مقام نہیں ہوتی جیسا کہ فتاوی رشیدیہ میں ہے(۲)۔عشری زمین اگر کاشت پردی جائے تو مالک اورمزارع پرحصہ دارعشر واجب ہوگا، جوزمین نقد کرایہ پردی جائے اس میں اختلاف ہے امام صاحب کے نزدیک مالک پرعشر ہوگا، صاحبین کے نزدیک مستاجر پرہوگا:

"والعشر على المؤجر كخراج مؤظّف، وقالا: على المستاجر كمستعير مسلم. و في الحاوى: و بقولهما نأخذ. وفى المزارعة إن كان البذر من رب الأرض فعليه، و لو من العامل فعليهما بالحصة". در مختار۔ "و قال: حتى تفسد الإجارة باشتراط خراجها أو عشرها على المستاجر، كما فى الأشباه، و كذا حامد آفند العمادى، و قال فى فتاواه: قلت: عبارة الحاوى القدسى لا تُعارض عبارة غيره، فإن قاضى خان من أهل الترجيح، فإن من عادته تقديم الأظهر والأشهر، و قد قدّم قول الإمام، فكان هوالمعتمد، وأفتى به غير واحدٍ، منهم: زكريا آفندى شيخ

---

(۱) "كل أرض أسلم أهلها أو فتحت عَنوةً، وقسمت بين الغانمين، فهى أرض عشر؛ لأن الحاجة إلى ابتداء التوظيف على المسلم، والعشر أليق به لما فيه من معنى العبادة ......الخ". (الهداية: ۲/۱ ۵۹، باب العشر والخراج، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا فى ردالمحتار: ۴/۱۷۶، باب العشر والخراج، سعيد)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۱/۱ ۲۶، باب العشر والخراج، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(وكذا فى خلاصة الفتاوى: ۱/۲۴۶، الفصل العاشر فى العشر والخراج، امجد اكيڈمى لاهور)

(۲) (تاليفات رشيديه مع فتاوى رشيديه، ص: ۳۲۶، عشروخراج کےاحکام،ادار اسلاميات لاهور)

(وكذا فى امداد الفتاوى: ۲/ ۶۰، فصل فى العشر والخراج، دار العلوم كراچى)

الإسلام و عطاء الله آفندی شیخ الإسلام، و قد اقتصر علیه فی الإسعاف والخصاف، اھ".

ردالمحتار، باب العشر: ۲/۷۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ رجب/ ۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۵/ رجب/ ۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ رجب/ ۶۶ھ۔

کیا ہندوستان کی زمینیں عشری ہیں؟

سوال[۴۵۶۶]: عشر کے متعلق آپ حضرات تحریر فرماتے ہیں کہ زمینداری ختم ہونے کے بعد اراضیٔ ہندوستان موجودہ حکومت کی ملکیت میں آ گئی، لہٰذا عشر واجب نہیں لیکن رسالہ دارالعلوم (مولانا فضل الرحمٰن مونگیری کا) کے پرچہ میں ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ ہندوستان میں عشری زمین موجود ہے، رسالہ دارالعلوم دیوبند میں اس کے خلاف ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مونگیری حضرات کی رائے عشر کے متعلق وہی ہے کہ واجب ہے، وہ حضرات اِمارتِ شرعیہ کو ایک نوع کی اسلامی اِمارت قرار دیتے ہیں اور دارالعلوم میں جو مضمون شائع ہوا ہے وہ بھی صحیح ہے مگر وہ خاتمۂ زمینداری سے پہلے کا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (وکذا فی الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۳۳۴، باب العشر، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۸۷، باب زکاة الزروع والثمار، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۱۳، باب العشر، رشیدیه)

(۲) ان حضرت کی رائے ہے جب کہ ہمارے دوسرے اکابر حضرات نے دونوں (خاتمہ اراضی سے قبل وبعد) میں کوئی فرق نہیں کیا لہٰذا عشر واجب ہوگا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں عنوان ''اراضیٔ ھند سے متعلق تفصیل''، وعنوان: ''ہندوستان کی زمیں عشری ہے یا خراجی''؟

عشر وخراج اور اراضیٔ ہند

سوال[۴۵۶۷]: ۱...... قبیل رمضان المبارک دارالاسلام ودارالحرب کی تعریف میں چند الفاظ میں احقر کو شبہ ہوا تھا، جناب کے ذریعہ سے بندے نے انہی الفاظ کو حل کیا تھا، لیکن بندے نے غلطی سے "نظر والحکم من البعض برسم االتتار" کے علاوہ "بنی قریظة باليهودية" پر نمبر نہیں دیا تھا، اس عبارت کا مطلب حل نہیں ہوا، لہٰذا ثانیاً حضور کو تکلیف دیتا ہوں، امید ہے کہ حضور اس تکلیف کو گوارہ فرمائیں۔

۲...... دیگر یہ کہ احقر کا زعم تھا کہ تحقیقات الفاظ سے ملکِ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب حل ہوجائے، لیکن چونکہ حضور والا نے معنیٰ اجزائے احکام کفر کی تفصیل یہ فرمائی ہے کہ "کافر اپنی مملکت میں مستقل طور سے حکم جاری کرے"، یعنی "مراد اجرائے احکام کفر ایں کہ در مقدمۂ ملک داری وبندوبستِ رعایا وحدِّ خراج وباج وعشرِ اموالِ تجارت وسیاست وقطع الطریق وسراق وفصلِ خصومات سزائے جنایات کفار بطورِ خد حاکم باشند"۔ سو ہندستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب، بندہ کو اس میں شبہ پیدا ہوگیا، کیونکہ ہندوستان میں انگریز مستقل حکم نہیں کرتا ہے بلکہ اہلِ اسلام اور ہندوؤں کو لے کر حکم کرتا ہے، پس ان احکامِ مذکورہ کا اجراء انگریز بطورِ خود نہیں کرتے ہیں۔

۳...... حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی مدظلہ العالی کے کسی ایک رسالہ میں بندے نے دیکھا ہے کہ حضرت موصوف نے تحریر فرمایا کہ ہے "جو اراضی عشری ہے اس سے عشر ادا کرنا واجب ہے، اور جو خراجی ہے اس سے خراج ادا کرنا واجب ہے"۔ لیکن ہندوستان میں سرکار کو خراج دیا جاتا ہے اور چونکہ یہ خراج اپنے مصرف میں خرچ ہوتا نہیں، سو جس مقدار روپے سرکار کو دیا جاتا ہے اس مقدار روپے یا اس مقدار غلہ کسی دینی مدرسہ میں یا فقراء کو دیدیں ورنہ گنہگار رہوں گے۔

اب اس میں یہ شبہ ہے کہ جو خراج سرکار میں ادا کیا جاتا ہے یہ بعوضِ حفظِ جان و مال ہے، جب کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امین الامت کا تسلط جس وقت اہلِ شام پر ہوا تھا، اس اثناء میں جب آپ مع لشکر دوسرے شہر میں محاصرہ کے قصد سے گئے تھے تو شام کے بعض شہر کی حفاظت نہیں ہوسکی، اس بناء پر آپ نے

اس شہر والوں کے خراج کو- جواُن لوگوں نے ادا کی اتھا- واپس کر دیا تھا۔ پس جوخراج انگریز کو دیا جاتا ہے یہ حفظِ جان و مال کے لئے ہے، پھر فقراء کو دینا ضروری کیوں ہے۔ البتہ عشری اراضی کا عشر فقراء کو دینا واجب ہے، کیونکہ یہ حق فقراء کا ہے اور خراج کے مستحق لشکر ہیں۔ پس خراج کا حقدار مدرسہ یا فقراء ہونا سمجھ میں نہیں آتا ہے۔

۴...... فتح میں مرقوم ہے کہ وصول مصر فی زمانناا اجرت ہے یعنی کرایہ ہے، عشر یا خراج نہیں۔ اب دریافت اس بات کی ہے کہ مصر کی اراضی جس سے کرایہ وصول کیا جاتا ہے اس پر عشر واجب ہوگا یا سوائے کرایہ کے کچھ دینا ضروری نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ اصل عبارت فتاویٰ بزازیہ کی ہے، مگر مولانا عبدالحیؒ نے کچھ اختصار کے ساتھ نقل کی ہے اور کہیں کہیں کچھ کتابت کی غلطی بھی ہے، چنانچہ عبارتِ مسئولہ میں منشاء عدم فہم یہی کتابت کی غلطی ہے۔ عبارت اس طرح ہے اور "إعلان بيع الخمور وأخذ الضرائب والمكوس والحكم من البعض برسم التتار كإعلان بني قريظة بالتهود، وطلب الحكم من الطاغوت في مقابلة محمد عليه الصلوة والسلام في عهده بالمدينة، ومع ذلك كانت بلدة الإسلام بلاريب، الخ". بزازیہ، ص: ۲۱۴(۱)۔ ہندیہ، ج:۲۔

جن بلاد پر اس زمانہ میں کفار کا تسلط ہوگیا تھا مگر تدریس، افتاء، جمعہ، عیدین وغیرہ حکومت نے جبراً نہیں روکا تھا، ان کا حکم بیان کررہے ہیں کہ وہ دارالحرب نہیں بلکہ دارالاسلام ہے، کیونکہ اسلام کے آثار واحکام ہنوز کچھ باقی ہیں۔ اس پر اشکال وارد ہوتا تھا کہ خلافِ اسلام بھی تو بہت سی اشیاء علی الاعلان کی جاتی ہیں جیسے بیع الخمور وغیرہ، نیز بعض لوگ کفار کے طریقہ پر حکم کرتے ہیں، اسلام کے طریقہ پر نہیں کرتے، پھر ان بلاد کے دارالاسلام ہونے کو ترجیح کیوں دی گئی؟ اس کا جواب دیا ہے کہ یہ "اعلان بيع الخمور" وغیرہ اور "حكم من البعض برسم الكفار" - یہ لفظ "من بعض" ہے "من البعض" نہیں- ایسا ہی ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں بنوقریظہ اپنے یہودی ہونے کا اعلان کرتے تھے، اخفاء نہیں کرتے

---

(۱) (الفتاویٰ البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، الثالث في الحظر والإباحة: ۳۱۲/۶، رشيديه)

تھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابلہ میں طاغوت سے حکم طلب کر کے اس کی پیروی کرتے تھے اور پھر بھی اس کو دارالحرب نہیں کہا گیا بلکہ وہ دارالاسلام ہی رہا۔

۲......مولانا عبدالحیؒ نے ہندوستان کو دارالاسلام مانا ہے اور عبارات بزازیہ وغیرہ سے استدلال کیا ہے لیکن حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ہندوستان کو دارالحرب فرماتے ہیں اور اجزائے احکام کی تفصیل وہی بیان فرماتے ہیں جو اس سے قبل نقل کی گئی تھی اور آپ نے بھی اب اس کو سوال میں نقل کیا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشاد پر آپ کا یہ اشکال کہ ''ہندوستان میں انگریز مستقل حکم نہیں کرتا، بلکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو ساتھ لے کر حکم کرتا ہے''، حکم کے معنی نہ سمجھنے کی بناء پر ہے، اس لئے کہ جو ہندو یا مسلمان کسی جگہ ڈپٹی وغیرہ حکام انگریز کی طرف سے مقرر ہے وہ قطعاً حکم انگریز کے تابع ہیں، ذرا بھی خلاف نہیں کرسکتے، تو درحقیقت یہ اجرائے حکم انگریز کا آگر اور ذریعہ ہے، مستقل طور پر حکم صرف انگریز کا ہے اس میں کسی کی شرکت نہیں، اپنے قوانین ان لوگوں کے حوالے کردیئے کہ ان کے ماتحت حکم کرتے رہو، ان کے خلاف یہ لوگ ہرگز نہیں کرسکتے۔ یہ تو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے نزدیک ہے۔ اور مولانا عبدالحیؒ چونکہ دارالاسلام مانتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک بعض احکام اسلام کا بقاء کافی ہے جیسا کہ عبارتِ بزازیہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ غرض کہ ہندوستان کا دارالاسلام اور دارالحرب ہونا ان دونوں بزرگوں کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔

۳......حضرت حکیم الامت مدت فیوضہم کی وہ تحریر میں نے نہیں دیکھی، لہٰذا اس کے متعلق کچھ تحریر نہیں کرسکتا، البتہ یہ مسئلہ فتاویٰ رشیدیہ حصۂ سوم، ص: ۵۵ میں مذکور ہے، دیکھ لیجئے (۱)۔

۴......''فتح'' سے کیا مراد ہے، فتح القدیر، یا فتح الباری، یا فتح المعین، یا فتح الملہم، یا فتح المنان وغیرہ، اصل عبارت سے حوالۂ کتاب وجلد و باب وصفحہ نقل کیجئے تا کہ اس عبارت پر غور کیا جاسکے، صرف اتنا لکھ دینا کہ ''فتح میں مرقوم ہے'' کافی نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۸/۱۰/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

☆......☆......☆......☆......☆

(۱) (فتاویٰ رشیدیہ، عشر وخراج کے احکام کا بیان، ص: ۳۶۶، ۳۶۷، ادارۃ اسلامیات)

باب أداء الزكاة

(زکوۃ کی ادائیگی کا بیان)

زکوۃ انفرادی طور پر ادا کی جائے یا اجتماعی طور پر؟

سوال[۴۵۶۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں آیا زکوۃ انفرادی طور پر ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر اجتماعی طور پر ادا ہوتو اطمینان کی صورت کیا ہوگی؟

عبدالرحمٰن وکیل۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ فرمانا: ''میں اس منبر سے پوری ذمہ داری کے ساتھ بیان کرتا ہوں کہ صرف یہ ہی نہیں کہ یہ زکوۃ جو انفرادی طور پر ادا کی گئی ہے درست نہیں ہے بلکہ صحیح اور اصح یہ ہے کہ وہ زکوۃ ہی نہیں، کوئی دوسرا نام دیا جاسکتا ہے زکوۃ کا نام نہیں دیا جاسکتا''، تصریحات مذہب اور جمہور علمائے امت کے خلاف ہے، غالباً اس کا منشاء یہ ہے کہ زکوۃ کے وصول کرنے کا مخاطب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بنایا گیا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿خذ من أموالهم صدقةً﴾ الآية(۱) اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ تک یہ ہی معمول رہا کہ اموال ظاہرہ و باطنہ دونوں کی زکوۃ امام کا مقرر کردہ ساعی وصول کرتا تھا، جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کی حالت میں تغیر پایا تو پھر اموالِ باطنہ کی زکوۃ کے لئے اربابِ اموال کو خود ادا کرنے کے لئے فرمایا اور اب تک یہ ہی معمول ہے، یہ امر کہ یہ حکم کیا تھا اور اس کے خلاف کیوں کیا گیا، اس کی جواب دہی ہمارے ذمہ نہیں۔

حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآن وحدیث کو خوب سمجھتے تھے، انہوں نے جو کچھ فیصلہ کیا وہ حق ہے، اس لئے اس قسم کے ظواہر نص سے استدلال کرنا اور اجماعِ اصحاب کو نظر انداز کر کے اپنی ذمہ داری پر لوگوں کو عمل

(۱) (التوبة: ۱۰۳)

کی تلقین کرنا عوام کے لئے نہ صرف مغالطہ ہے بلکہ اصلاح کے ساتھ ساتھ ایک اَور نقدۂ عطیہ کا دروازہ کھولنا ہے جیسا کہ اربابِ بصیرت پر مخفی نہیں ہے۔

اس وقت ہم تفصیلی گفتگو نہیں کرنا چاہتے، صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ زکوۃ صاحبِ مال خود ادا کرے یا امام کا آدمی اس سے وصول کرے، بہرصورت ادا ہوجاتی ہے اور انفرادی طور سے عدمِ جواز کا فتویٰ اجماعِ صحابہ کے خلاف ہے:

قال المحقق فی الفتح: ١/٤٨٧، تحت قول صاحب الهداية: "(وإن كان ماله أكثر من دينه زكى الفاضل)": .... و لأبي يوسف في الثاني على ما روى عنه، لأن له مطالباً و هو الإمام، وذلك أن ظاهر قوله تعالى: ﴿خذ من أموالهم صدقةً﴾ الآية، توجب حق أخذ الزكوة مطلقاً للإمام، و على هذا كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والخليفتان بعده، فلما وُلّي عثمان، وظهر تغير الناس، كره أن تفتش السعاةُ على الناس مستور أموالهم .... ولم تختلف الصحابة عليه في ذلك، و هذا لا يسقط طلب الإمام أصلاً، و لذا لو علم أن أهل بلدة لا يؤدّون زكوتهم، طالبهم بها. الخ "(١)۔

بلکہ موجودہ زمانہ میں خود ہی ادا کرنا افضل ہے: "و في الظهيرية: ألافضل لصاحب المال الظاهر أن يؤدي الزكوة إلى الفقراء بنفسه؛ لأن هؤلاء لا يضعون الزكوة مواضعها". بحر: ١/٢٢٣(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

تھوڑی تھوڑی کر کے زکوۃ ادا کرنا

سوال[۴۵۶۹]: ایک شخص کے پاس مال وزیور ہے جس کی زکوۃ سالانہ ۱۲۰/ روپیہ ہے، اس کی

---

(١) (فتح القدير: ٢/١٦٢، كتاب الزكاة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(٢) (البحر الرائق: ٢/٣٩٠، كتاب الزكاة، فصل في الغنم، رشيديه)

(و كذا في مجمع الأنهر: ١/٢٨٧، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(و كذا في الخلاصة: ١/٢٤١، الفصل الثاني في أداء الزكاة، امجد)

آمدنی یکمشت زکوۃ ادا کرنے کے قابل نہیں اور بارِ گراں ہے اور بعض اوقات یکمشت زکوۃ ادا کرنے کی طاقت بھی نہیں ہوتی، ایک دفعہ ادا کرنا گراں بھی گزرتا ہے، آیا تھوڑا تھوڑا ماہانہ زکوۃ دے سکتا ہے یا خاص رمضان ہی میں ادا کرے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

تھوڑا تھوڑا دینے سے بھی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ۷/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبداللطیف، ۴/ شعبان/ ۶۱ھ۔

زکوۃ تھوڑی تھوڑی کر کے اور پیشگی ادا کرنا

سوال[۴۵۷۰]: ۱...... ایک شخص ماہ رمضان آتے ہی اپنے مال اور روپیہ کا حساب کر کے رقم کتاب میں درج کر لیتا ہے، مثلاً دوسو روپیہ، اور سال آئندہ تک بتفریق خرچ کرنے لگتا ہے، کچھ اسی رمضان میں فوراً اور کچھ آئندہ مہینوں میں جس وقت مستحقین نظر آویں اور کچھ ماہوار مقررہ مسکینوں کو بطور وظیفہ، کسی کو ماہوار دو روپیہ کسی کو ایک علی ہذا القیاس۔اس مذکورہ بالا طریق سے زکوۃ ادا ہو سکتی ہے یا کل مبلغ فوراً رمضان ہی میں صرف کرنا ہوگا؟

۲......بعض دفعہ بسبب نہ ملنے مستحقین کے کچھ رقم بچ رہتی ہے اور دوسرا رمضان آتا ہے تو یہ شخص عادت کے موافق زکوۃ درج کر لیتا ہے، مثلاً گذشتہ سال کی بچت تیس روپیہ، موجودہ سال کی دوسو، جملہ دوسوتیس روپیہ ہوئے اور اب جیسا نمبر:۱ میں ذکر ہوا ویسا خرچ کرنے لگتا ہے۔کیا یہ درست ہے، کسی صورت سے ممنوع تو نہیں؟

---

(۱) " وشرط صحة أدائها نية مقارنة أي للأداء ولو .... حكماً .... أو مقارنة بعزل ما وجب كله أو بعضه، و لا يخرج عن العهدة بالعزل، بل بالأداء للفقراء ". (الدرالمختار: ۲/ ۲۷۰، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۷۰، الباب الأول في تفسيرها و صفتها و شرائطها، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۳۶۸، كتاب الزكاة، رشيديه)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۳۰، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

۳......اگرکسی وجہ سے زکوۃ کی رقم حساب سے زیادہ صرف ہوگئی بجائے دوسو کے دوسوبیس خرچ ہوگئے، کیا یہ بیس روپیہ آئندہ سال کی زکوۃ میں سے وضع کرسکتا ہے یانہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......کل رقم کا فوراً رمضان میں صرف کرنا ضروری نہیں بلکہ طریقۂ مذکورہ سے بھی زکوۃ ادا ہوجاتی ہے، البتہ دیتے وقت نیت کا ہونا ضروری ہے(۱) اورجلد ادا کرنا احوط ہے۔

۲...... یہ بھی درست ہے لیکن ادائے زکوۃ میں دیر مناسب نہیں بلکہ مکروہ ہے(۲)۔

۳......اگر آئندہ بھی اتنا نصاب ہے تو یہ زائد رقم آئندہ سال کی زکوۃ میں شمار کرنا شرعاً درست ہے(۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور۔

زکوۃ تھوڑی تھوڑی کر کے ادا کرنا

سوال[۴۵۷۱]: کسی نے زکوۃ کا حساب کیا مگر جورقم واجب الاداہوتی پوری موجودنہیں تو ایسی صورت میں کیا طریقہ ادائیگی زکوۃ کا ہوگا؟ آیا کما کرتھوڑی تھوڑی رقم ادا کرتے رہنے سے ادا ہوجائے گی؟

---

(۱) "وشرط صحة أدائها نيةٌ مقارنة له و لو حكماً، أو مقارنة بعزل ما وجب كله أو بعضه".
(الدرالمختار: ۲/۲۶۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۹۰، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۸، كتاب الزكاة، امداديه)

(۲)" و يأثم بتأخيرها بلا عذر". (الدرالمختار: ۲/۲۷۱، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۰، الباب الأول في تفسيرها و صفتها، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق: ۲/۱۸، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳)" و لو عجل ذو نصاب زكاته لسنين أو لنصب صح لوجود السبب". (الدرالمختار: ۲/۲۹۳، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۱۵، قديمي)

(وكذا في المبسوط: ۱/۲۳۶، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب نصابِ زکوۃ پر سال گزر گیا تو اس نصاب کی زکوۃ کی ادائیگی میں جلدی کرنا بہتر ہے اور اگر متفرق طور پر مثلاً سال کے اندر فقراء کو تھوڑا تھوڑا بنیتِ زکوۃ دیدیا جائے تو یہ بھی درست ہے:

"وقیل: فوریّ: أی واجب علی الفور، و علیه الفتوی، .... فیأثم بتأخیرها بلا عذر الدرالمختار، ظاهراً إلا ثم بالتأخیر و لو قلّ کیوم أو یومین .... و قد یقال: المراد أن لا یؤخر إلی العام القابل". شامی: ۲/۱۷(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۷/۸۸ھ۔

حساب کرنے سے پہلے مختلف اوقات میں زکوۃ دینا

سوال[۴۵۷۲]: ۱......زکوۃ کے سالانہ حساب سے بےغم رہنے کی غرض سے اگر زکوۃ کی نیت سے مساکین کو نقد اور غیر نقد اتنا دیا جاتا رہے جو زکوۃ کے حساب سے بگمانِ غالب بلکہ یقیناً زیادہ ہو تو کیا اس طرح بھی ادائیگی زکوۃ سے سبکدوشی ہوسکتی ہے؟

غیر نقد سے زکوۃ کی ادائیگی

سوال[۴۵۷۳]: ۲......غیر نقد سے زکوۃ کی ادائیگی کی بہت سی ایسی صورتیں ذہن میں آتی ہیں جن کو پوچھنا ضروری ہے، مثلاً بیمار کو دوا دیدی، یا کسی مسکین کو کھانا یا مٹھائی یا پھل کھلا دیا، نیا پرانا کپڑا دیدیا، دستکار کو اوزار دے دیئے، کسی مسکین کو ایسی کوئی چیز دی جس کا وہ بذاتِ خود ضرورت مند ہے۔تندرست کو دوا، یا اَن پڑھ کو کتاب، نیز بعض قیمتی اشیاء ایسی ہیں جن کو زندگی کی اصل اور حقیقی ضروریات سے کچھ تعلق نہیں جیسے پان، چھالیہ، کتھہ، چونا، سگریٹ، بیڑی یا بچوں کے کھیل کھلونے وغیرہ تو غیر نقد سے ادائیگی زکوۃ کے لئے اگر شرعاً حدود ہوں تو تحریر فرمائیں۔

---

(۱) (ردالمحتار: ۲/۲۷۱، ۲۷۲، کتاب الزکوۃ، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر: ۲/۱۵۵، ۱۵۶، کتاب الزکاۃ، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۱۷، کتاب الزکاۃ، إدارۃ القرآن کراچی)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۲/۳۷۳، کتاب الزکاۃ، فصل فی کیفیة فرضیتها، دارالکتب العلمیة بیروت)

مستعمل چیز زکوۃ میں دی تو قیمت کیسے لگائی جائے؟

سوال[۴۵۷۴]: ۳..... غیر نقدشیٔ اگر نئی ہوتب تو اس کی قیمت معلوم ہوتی ہے اور اگر پرانی یا استعمال شدہ ہو تو اس کی قیمت لگانے میں دشواری ہے کہ مثلاً دس روپے کی جوتی جس کو تین ماہ پہنا گیا اور وہ اتنی مضبوط کہ کم از کم دو سال چلے تو اس کو فروخت کا ارادہ کیا جائے تو نصف یا نصف سے بھی کم قیمت ملتی ہے اور از روئے انصاف کم از کم آٹھ روپے کی بکنی چاہئے تو زکوۃ کے حساب کے لئے کون سی قیمت لگائی جائے گی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱..... جس قدر بنیتِ زکوۃ غرباء کو وقتاً فوقتاً دیا جائے اور مجموعہ زکوۃ واجب ہو جائے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی (۱)، بار بار اگر حساب میں الجھن ہوتی ہو تو ایک دفعہ حساب لگا کر مقدارِ واجب کو الگ الگ رکھ لیا جائے اس میں سے دیدیا کریں، حساب نہ کرنے سے اندیشہ ہے کہ اگر کبھی کمی ہوئی تو ذمہ بری نہ ہوگا۔

۲..... ان صورتوں میں جب مقدارِ واجب مستحق کو بنیتِ زکوۃ تملیکاً دیدی جائے تو ادا ہو جائے گی (۲)، تاہم تندرست کو دوا اور اَن پڑھ کو کتاب دینا زیادہ کارآمد نہیں، یا تو وہ ضائع کردے گا یا بہت کم قیمت پر کسی کو دے گا، مستحق کی حاجت کو پورا کرنا بھی زکوۃ کا بڑا مقصد ہے وہ اس سے پوری طرح سے حاصل نہیں ہوگا (۳)۔

---

(۱) " و لو عجل ذو نصاب لسنين أو لنصب، صح، أما الأول، فلأنه أدى بعد سبب الوجوب، فيجوز لسنة أو لسنين كما إذا كفّر بعد الجرح". (البحر الرائق: ۳۹۰/۲، فصل فی الغنم، رشیدیه)

(و کذا فی خلاصة الفتاوی: ۲۴۱/۱، الفصل الثامن فی أداء الزکاة، امجد اکیڈمی لاهور)

(۲) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً" (الدرالمختار: ۳۴۴/۲، باب المصرف، سعید)

(و کذا فی التاتار خانیه: ۲۷۷/۲، باب من توضع الزکاة فیه، رشیدیه)

(۳) " قال محمد: المعتبر ما هو أنفع للفقراء، فإن كان اعتبار القدر أنفع، فالمعتبر هو القدر، كما قال أبو حنيفة وأبو يوسف رحمهما الله تعالىٰ، وإن كان اعتبار القيمة أنفع، فالمعتبر هو القيمة كما قال زفر رحمه الله تعالىٰ". (بدائع الصنائع: ۴۶۲/۲، فصل فيما يرجع إلى المؤدی، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(و کذا فی فتح القدیر: ۲۱۹/۲، فصل فی العروض، المصطفی البابی الحلبی)

(و کذا فی المبسوط: ۲۵۶/۱، باب زکاة المال، دار الکتب العلمیة بیروت)

۳...... مالیت تو وہ ہے جواہلِ تجربہ قیمت تجویز کریں، وہ اگر اس جوتی کو تین روپیہ کی تجویز کریں تو یہی قیمت معتبر ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/ ۵/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۴/ ۵/ ۸۷ھ۔

زکوۃ کی ادائیگی رسید پر موقوف نہیں

سوال [۴۵۷۵]: زید نے مہتمم کے نام زکوۃ کا روپیہ بھیجا اور مہتمم نے جب زکوۃ کا روپیہ وصول کر کے اپنے رجسٹر میں جمع کرلیا تو وصول کر کے جمع کے بعد معطی کی زکوۃ ادا ہوگئی یا جب مہتمم رسید دے جب ادا ہوگی؟ اور اگر کسی وجہ سے ایک مرتبہ رسید نہ دیں بلکہ علیحدہ علیحدہ سالانہ رسید دے تھوڑی تھوڑی کی بھجوادے تو رسید سے ادا ہوگی؟ دریافت طلب یہ ہے کہ وصول کر لینے کے بعد معطی زکوۃ دینے والا ہی ہوگیا، یا جب کل رسیدات پہونچے گی جب زکوۃ دینے والے کی زکوۃ ادا ہوگی اور وصول یابی مہتمم کے کرنے سے ادا نہیں ہوگی؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوۃ کا ادا ہونا رسید پر موقوف نہیں ہے، مہتمم مصالحِ مدرسہ کے تحت رسید چاہے یکدم دے یا تدریجاً دے بلکہ معطی نے جب مہتمم کو رقم زکوۃ دے کر اپنی ملک ختم کردی اور مہتمم نے وصول کرلی تو معطی بری ہوگیا اور اس کے ذمہ سے زکوۃ ادا ہوگئی اور معطی مستحقِ ثواب ہوگا (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، یکم/ جمادی الثانیہ/ ۹۰ھ۔

---

(۱) "و يقوّمها المالك في البلد الذي فيه المال، حتى لو بعث عبداً للتجارة إلى بلد آخر فحال الحول، تعتبر قيمته في ذلك البلد، الخ". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۸۰، الفصل الثاني في العروض، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۴۰۰، باب زكاة المال، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/ ۲۴۲، زكاة عروض التجارة، إدارة القرآن كراچی)

(۲) " و لايخرج عن العهدة بالعزل، بل بالأداء للفقراء ". (الدرالمختار: ۲/ ۲۷۰، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۱۵، كتاب الزكاة، قديمی)

(وكذا في البحرالرائق: ۲/ ۳۶۹، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/ ۴۱۹، كتاب الزكاة، امداديه)

زکوۃ کے روپیہ کی تقسیم

سوال[۴۵۷۶] : زکوۃ کا روپیہ یکمشت تقسیم کردینا چاہئے یا کسی مدت تک؟ زکوۃ کا مستحق کون شخص ہے؟ فقط۔

خادم خدا بخش خان، از تنگھ تھلہ، ضلع حصار، ۱۴/فروری/۳۶ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یکدم تقسیم کرنا بھی جائز ہے اور حسبِ ضرورت تھوڑا تھوڑا دینا بھی درست ہے اس میں کوئی تحدید نہیں، لیکن جس کو دے کم ازکم اتنا دے کہ اس کو سوال کی ضرورت باقی نہ رہے اور اتنا زیادہ نہ دے کہ وہ مالکِ نصاب بن جائے جس کو بالفعل خرچ کرنے کی ضرورت نہیں، جو مالکِ نصاب نہ ہو اس کو زکوۃ دینا درست ہے، مالک نصاب اور سیّد کو دینا درست نہیں:

"وکره الإغناء، و هو أن يفضل للفقير نصاب بعد قضاء دينه، و بعد إعطاء كل فرد من عياله دون نصاب من المدفوع إليه، و إلا فلا يكره، و ندب غناء ه عن السوال". مراقی الفلاح"۔ قال الطحطاوی: "ولايحل أن يسئل شيئاً من القوت مَن له قوت يومه بالفعل، أو بالقوة كالصحيح المكتسب، الخ". طحطاوی ص: ۴۱۹(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/۱۲/۵۴ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۵/ذی الحجہ/۵۴ھ۔

کیا زکوۃ کے لئے تملیک شرط ہے؟

سوال[۴۵۷۷] : ادائے زکوۃ کے لئے فقہائے احناف نے -جزاهم الله خير الجزاء- شرط

---

(۱) (حاشية الطحطاوی على مراقی الفلاح، ص: ۴۲۱، باب المصرف، قديمی)

"كره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً أو كان صاحب عيالٍ، الخ".

(الدرالمختار: ۲/۳۵۳، باب المصرف، سعيد)

(و كذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع فی المصارف، رشيديه)

(و كذا فی فتح القدير: ۲/۲۷۸. باب من يجوز دفع الصدقة إليه، مصطفى البابی الحلبی، مصر)

لگائی ہے کہ زکوۃ جس شخص کو دی جائے اس کو مالِ زکوۃ کا پورا مالک قرار دیا جائے اور اسی لئے رفاہِ عام کے کاروبار میں جو سرمایہ داخل کیا جاتا ہے اور مختلف ضرورتوں میں حسبِ مصلحت خرچ کیا جاتا ہے وہاں مالِ زکوۃ دینے سے روکا جاتا ہے مثلاً خیراتی مدارس مذہبی میں جہاں نادار طلباء درس حاصل کرتے ہیں اور ان کے واسطے مدارس میں کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا جاتا ہو جو طلباء عاریۃً لیتے ہیں اور بعد فارغ ہونے مدرسہ کو واپس کر دیتے ہیں، یا طلباء کی خوراک کے واسطے کوئی سرمایہ ہوتا ہے جس سے وہ بسرِ اوقات کرتے ہیں، ایسے موقعوں پر زکوۃ کا روپیہ خرچ نہیں کرتے۔

ایک اَور مصرف انفاق فی سبیل اللہ ہے اس میں جہاد کے آلاتِ جنگ اور گھوڑے دیئے جاتے ہیں تو وہ بھی جس شخص کے مصرف میں دیا جاتا ہے اس کو اسی چیز کا مالک قرار دیتے ہیں اور گھوڑا ہتھیار لینے والا اختیار رکھتا ہے کہ وہ جہاد میں صَرف کرے یا تجارت کے کاروبار میں استعمال کرے یا فروخت کر دے اور ایسی صورتوں میں مال کے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا فائدہ کم رہ جاتا ہے، اس کے بجائے اگر سامانِ جنگ خود اسلامی حکومت کی ملک قرار پائے اور اغراضِ جہاد میں صرف کرنے کے لئے اسے خزانہ میں محفوظ رکھیں تو زیادہ فائدہ پہونچائے کہ یہ شرط لگانے اور شرط کے ساتھ سختی سے اس کی پابندی کرنے کے لئے یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اس شرط کی بنا کس دلیل پر اور کب رکھی گئی؟

قرآن پاک میں زکوۃ کا ذکر بار بار اور تاکید سے آیا ہے اس کے مصارف بھی معین فرمائے گئے ہیں اور نبوت کے مبارک عہد میں اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں معلوم ہوتا ہے کہ تمام ممالکِ اسلامیہ کے دیہات اور قریوں میں زکوۃ وصول کرنے والے دورہ کرتے تھے، وصول کرنے والوں کا بھی قرآن مجید میں "عاملین" (۱) کے نام سے ذکر ہوا ہے اور انہیں اسی سرمایۂ زکوۃ سے اجرت دی جاتی تھی، وہ تمام ہمسروں سے زکوۃ وصول کرتے تھے اور دینے والے انہیں دے کر فریضہ سے فارغ البال ہو جاتے تھے۔

مال عاملین زکوۃ باہر سے لاکر داخلِ خزانہ کرتے تھے تو کارکنانِ خزانہ بھی زکوۃ کے مالک قرار نہیں پاتے تھے، پھر حاکم یا اس کے مشیروں کے قبضہ سے زکوۃ صرف ہوتی تھی اور ان میں سے کوئی بھی مالک قرار نہیں پاتا تھا، مگر متصلات کے زکوۃ دینے والے اپنے فریضہ سے انہی غیر مالکوں کو دے کر بری الذمہ ہو جاتے تھے اور

(۱) قال الله تعالى: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمسكين والعاملين عليها﴾ (سورة التوبة: ٦٠)

جن لوگوں کی ضرورتوں میں مال صرف ہوتا ہوگا انہیں مالک سمجھیں تو سمجھیں ورنہ حاکمِ وقت سے لے کر عاملین تک مال سب مالکوں کی طرف سے بطورِ وکیل کے تصرف کرتے تھے۔

پس یہ وکیل بننے کا اختیار جو حاکمِ وقت کو اور اس کے ماتحتوں کو دیا گیا ایسا ہی اختیار مہتممانِ مدارس اور منتظمانِ جنگ و جہاد سے کس بنا پر روک لیا گیا ہے؟ مہتممانِ مدارس خود مالک قرار نہ پائیں مگر سرمایہ کو مدرسہ کی ملکیت قرار دیں، اسے اپنے ذاتی تصرف میں کام نہ لائیں اور کتب خانہ، خوراکِ طلباء اور تنخواہِ مدرسین پر صرف کریں، اسی طرح منتظمانِ جنگ و جہاد حکومتِ اسلامیہ کو مالک تصور فرما کر اغراضِ جنگ کا سامان مہیا رکھیں اور کتابوں کو طلباء کی ملکیت اور گھوڑوں کو سواروں کی ملکیت قرار دے کر رفاہ عام کا مدعا زیادہ استقلال اور دیر تک پورا کر سکیں۔

پس یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زکوۃ کا حکم صادر ہونے میں جس شکل سے اس کی تعمیل زکوۃ سے ہے اور باوجودِ تتبع کے کوئی جزئیہ ایسا نہیں ملا جس سے معلوم ہو کہ عہدِ نبوت یا عہدِ خلفائے راشدین یا دیگر شاہانِ اسلام (جن کا قول وفعل ائمۂ فقہائے مجتہدین کے نزدیک قابلِ استدلال ہو) کے زمانہ میں مال زکوۃ کو مستعار دے کر ادائے زکوۃ کے لئے کافی سمجھا گیا ہو اور تملیک ضروری قرار نہ دی گئی ہو، اگر آپ کی نظر میں کوئی جزئیہ ایسا ہو تو ضرور مطلع فرمایئے۔

آپ خود اعتراف کرتے ہیں کہ عاملین اور حُکامِ وقت سب کے سب مالکوں کی طرف سے وکیل ہوتے تھے مگر مہتممانِ مدرسہ اور منتظمانِ جنگ و جہاد سے یہ اختیار کس بناء پر روک لیا گیا؟ ہم تو نہیں سمجھتے کہ اختیار روکا گیا ہے بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ ان حضرات کو اب بھی اختیار ہے اور جس شخص کی ضرورت میں کھانا کپڑا وغیرہ دے کر صرف کریں گے وہ مالک بن جائے گا اور یہ دینا بطورِ تملیک ہوگا نہ کہ بطورِ عاریت کہ کپڑا دے کر واپس لے لیا جائے اور کتاب دے کر واپس لے لی جائے، نہ ہی آپ نے کوئی ایسی نظیر لکھی جس سے معلوم ہو کہ حکّامِ وقت بطورِ عاریت دے کر زکوۃ کی ادائیگی کے لئے کافی سمجھتے تھے، مالک بننے کی صلاحیت ذی روح ذی عقل میں ہوتی ہے۔

سرمایہ کو مدرسہ کی ملک قرار دینے سے اگر یہ مراد ہے کہ ملازمین وطلباء سب مالک ہیں تو رفاہِ عام میں ان کی مِلک خرچ کرنے کا کیا حق حاصل ہے؟ کوئی مہتمم جو کہ زکوۃ ادا کرنے کے لئے محض وکیل ہے اس بات کا

مُجاز نہیں کہ کسی طالب علم کی مِلک میں -خواہ اس کو وہ کسی طرح حاصل ہوئی ہو- کوئی تصرف بغیر اس کی رضامندی کے کر سکے۔ جب آپ نے اس مالِ زکوۃ کو طلباء کی ملک قرار دیا تو طلبہ کو اپنی ملک میں بیع، ہبہ وغیرہ کا پورے طور پر تصرفات کا اختیار حاصل ہوگا، مہتمم وغیرہ کسی کو منع کرنے کا حق نہیں، یہی کیفیت سواروں کی اور قرنِ اوّل میں ہوتی اور اسلامی حکومت کے تمام زمانۂ قیام میں ہوتی رہی، اس سے یہ شرط کب استنباط ہوتی ہے کہ لینے والے کو زکوۃ کا مالک قرار دینا ضروری ہے؟ اور جس حدیث میں زکوۃ کی مصلحت بیان ہوئی ہے کہ ''اغنیاء سے لی جائے اور فقراء کو دی جائے'' (۱) اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ فقراء کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے۔ جس صورت میں فائدہ زیادہ ہو وہی بہتر ہونی چاہئے، اور انتظام کرنے والوں کو اس میں مصلحت دیکھنے کا اختیار ہونا چاہئے۔

پس استدعا ہے کہ علمائے اسلام اس عقدہ کو حل فرمانے کی زحمت برداشت کریں اور اس دشواری کو اسلامیوں کے دماغ سے دور کرنے کا ثواب لے کر رفاہ عام کے کام کو سہل اور مفید تر بنائیں۔ فقط۔

المستفتی: عاجز محمود علی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مدارس میں طلباء کی خوراک وبسرِ اوقات کے لئے کس نے زکوۃ کو منع کیا؟ آج بھی جگہ جگہ مدارسِ اسلامیہ میں زکوۃ کا روپیہ آتا ہے اور اس سے مستحق طلباء کو کھانا، کپڑا، جوتہ، نقد وظیفہ دیا جاتا ہے اور یہ سب کچھ بطورِ تملیک ہوتا ہے، لہذا اس پر تو اشکال بے محل ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ تملیک من کل وجہ کس شرط پر مبنی ہے اور کس وقت سے؟ تو ہمارے فقہائے کرام نے لفظ ''آتــو'' سے استدلال کیا ہے، چنانچہ علامہ عثمانی ابن علی زیلعی ''تبیین، ص:۲۵۱، میں فرماتے ہیں:

''لأن الزکوۃ یجب فیھا تملیک المال؛ لأن الإیتاء من قولہ تعالیٰ: ﴿واتو الزکوۃ﴾ یقتضی التملیک، و لا تتأدی بالإباحۃ، حتی لو کفل یتیماً فأنفق علیہ ناویاً للزکوۃ، لا یجزیہ،

(۱) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعث معاذاً إلی الیمن فقال: .... ''إن اللہ قد فرض علیھم صدقۃً تؤخذ من أغنیائھم، فتردُّ علی فقرائھم''. الحدیث. متفق علیہ''. (مشکوۃ المصابیح، کتاب الزکوۃ، الفصل الأول: ۱/۱۵۵، قدیمی)

بخلاف الکفارة لو کساه، تجزیه لوجود التملیك، اھ" (۱)۔

ابوبکر جصاص رازیؒ نے "تفسیر احکام القرآن" میں منتخب مقامات پر لفظ "إیتاء"، "إعطاء" اور لفظ "راداً" اور لفظ "إغناء" وغیرہ سے (جو کہ احادیث میں وارد ہیں) استدلال کیا ہے (۲) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شرط وقتِ فرضیت منتظمانِ جنگ و جہاد کی ہوگی۔ اگر مراد یہ ہے کہ عمارتِ مدرسہ سرمایہ کی مالک ہو تو اس میں مالک بننے کی صلاحیت ہی نہیں:

"و لا یبنی بها مسجدٌ، و لا یکفن بها، لانعدام التملیك، و هو الرکن، اھ". هدایه"۔

"ولقائل أن یقول: قولکم: "التملیك رکن "دعویٰ مجردة، إذ لیس فی الأدلة النقلیة المنقولة فی هذا الباب ما یدل علی ذلك ما خلافه قوله تعالیٰ: ﴿ إنما الصدقات للفقراء ﴾وأنتم جعلتم اللّامَ للعاقبة دون التملیك؟ والجواب أن معنی قولهم للعاقبة أن المقبوض یصیر ملکالهم فی العاقبة فهم مصارف ابتداءً لامستحقون ثم یحصل لهم الملك فی العاقبة: بدلالة اللام، فلم تبق دعوی مجردة، اھ ". عنایة: ۲/ ۲۰ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

امام کو جوڑا بنا کر دیتے ہیں کیا وہ زکوۃ ہے؟

سوال [۴۵۷۸]: اگر کوئی صاحب مسجد کے امام صاحب یا مؤذن صاحب کو ماہِ رمضان المبارک

---

(۱) (تبیین الحقائق: ۲/ ۱۸، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۴۱۷، کتاب الزکاة، قدیمی)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/ ۳۵۲، کتاب الزکاة، رشیدیه)

(۲) "فلا تجوز أن یکون ذلک مجریًا من الصدقة؛ إذ شرط الصدقة وقوع الملک للمتصدق علیه .... فوجب بظاهر الآیة جواز دفع المال الکثیر من الزکاة إلی واحد من الفقراء من غیر تحدید لمقداره وأیضاً، فإن الدفع والتملیک یُصادِ فَانِه وهو فقیر، فلا فرق بین دفع القلیل والکثیر لحصول التملیک". (أحکام القرآن: ۳/ ۱۸۴، ۱۰۴، قدیمی)

(۳) (العنایة علی الهدایة علی هامش فتح القدیر: ۲/ ۲۶۷، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه الخ، مصطفی البابی الحلبی مصر) .... =

میں روپیہ یا کپڑا تحفہ دیا، مگر یہ نہیں کہا کہ یہ زکوۃ کا مال ہے۔اب تحفہ لینے والے کو کیا حکم ہے، وہ تحفہ بلا تحقیق لیں یا تحقیق کریں؟ اگر وہ مالِ زکوۃ ہی تھا اور لینے والا اس کا مستحق نہیں تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عام طور پر امام یا مؤذن کو رمضان المبارک میں جوڑا بنا کر جولوگ دیتے ہیں زکوۃ کے پیسہ کا نہیں ہوتا، جب تک یہ ظنِ غالب نہ ہو کہ یہ زکوۃ کا ہے اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۵ھ۔

مقروض کو قرض سے بری کر دینا، زکوۃ کے لئے

سوال[۴۵۷۹]: زید پر عمر کا قرض ہے، زید فی الحال مستحق زکوۃ ہے، اگر عمر زید سے کہدے کہ میں نے رقم تجھ کو دیدی تو اس صورت میں عمر زکوۃ کی نیت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو رقم بطور قرض واجب الاداہو، اس سے مقروض کو بری کر دینا ادائے زکوۃ کے لئے کافی نہیں، البتہ اگر مقروض کو زکوۃ کی رقم دیدی جائے پھر اس سے اپنے قرض میں وصول کر لی جائے تو درست ہے (۲)، کسی غریب مستحقِ زکوۃ کو اگر قرض کے نام سے دیدی جائے تب بھی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے (۳) مگر پھر اس کو واپس نہ لے جس کا قرض ذمہ میں ہو اور وہ اب مستحقِ زکوۃ ہو تو اس کو بھی زکوۃ دینا درست ہے لیکن اس سے اس کا قرض ختم نہیں ہوگا وہ بدستور باقی اور واجب الأ دار ہے گا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/ ۲/ ۸۹ھ۔

= (و كذا في تبيين الحقائق : ۲/ ۱۱۸، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "فأما الصدقة على وجه العلة والقطوع، فلا بأس به، وكذالك يجوز النفل للغني". (التاتارخانية: ۲/ ۲۷۵، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/ ۲۵٦، المتصدق عليه، رشيديه)

(۲) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: "قرض کو زکوۃ میں محسوب کرنا"۔)

(۳) "(نوى الزكاة إلا أنه سماه قرضاً، جاز) في الأصح؛ لأن العبرة للقلب لا للسان". (الدرالمختار: ٦/ ۷۳۳، مسائل شتى، سعيد)

قرض کو زکوٰۃ میں محسوب کرنا

سوال[۴۵۸۰]: زید نے عمر کو دوسو روپیہ قرض دیئے اب زید قرض کو معاف کرنا چاہتا ہے، لیکن اس طرح کہ زید کے ذمہ دوسو روپیہ زکوۃ ہے تو ہر سال ۲۵، ۲۵/ روپیہ عمر کے ذمہ سے قرض ساقط ہو جائے اور وہی ۲۵/ روپیہ زکوۃ کے طور پر ادا ہو جائیں۔ تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اس صورت میں زکوۃ ادا نہیں ہوگی بلکہ دوسو روپیہ یکدم یا متعدد بار اس کو دے کر اپنے قرض میں اس سے وصول کرے، اس طرح زکوۃ بھی ادا ہو جائے گی اور قرض بھی وصول ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

زکوۃ کے روپیہ سے مستحق کے لئے رسالہ ماہانہ جاری کرنا

سوال[۴۵۸۱]: زکوۃ کا روپیہ کوئی شخص کسی رسالہ کے ادارے میں دے اس خیال سے کہ رسالہ کسی نادار مفلس کو یا طالب علم کو سال بھر تک پہنچایا جائے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی اور ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

جتنی قیمت کا رسالہ مفلس کے پاس پہنچے گا، اتنی زکوۃ ادا ہو جائے گی، ایسا کرنا ادارہ کو وکیل بنانا ہے کہ تم اولاً اپنا رسالہ ہمارے ہاتھ فروخت کر دو پھر ہماری طرف سے وکیل ہو کر وہ رسالہ فلاں شخص کو دیدو، یا خود خرید کر فلاں شخص کے قبضہ کے لئے وکیل بنانا ہے اور بعد القبض اس کو مالک بنانا ہے اور دونوں طرح زکوۃ کا ادا کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ۔

---

(۱) "و حيلة الجواز أن يعطى مديونه الفقير زكاته، ثم يأخذها عن دينه، و لو امتنع المديون مَدّ يده و أخذها لكونه ظفر بجنس حقه، الخ". (الدر المختار: ۲/ ۲۷۱، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/ ۳۷۰، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۲) " و كيل المزكي .... فيصح و لا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء ". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ص: ۷۱۵، باب المصرف، قديمي) .... =

فقیر کو کھلانے سے زکوۃ کی ادائیگی

سوال[۴۵۸۲]: زکوۃ کے پیسوں سے اناج خرید کر تو مساکین کو دے سکتے ہیں، کیا اس اناج کو پکا کر بھی کھلا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

کھلا سکتے ہیں، جتنی مقدار کا ان کو مالک بنا کر کھلا دیں گے اتنی زکوۃ ادا ہو جاوے گی، اگر بغیر مالک بنائے ہوئے بطورِ حاجت کے اس طرح کھلائیں گے جس طرح عامۂ دعوت میں کھلایا جاتا ہے تو اس سے زکوۃ ادا نہ ہوگی:

"(الزكوة هى تمليك مال مخصوص، الخ). وأخرج بالتمليك الإباحة، فلاتكفى فيها، فلو أطعم يتيماً ناوياً به الزكوة لاتجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم، اهـ". طحطاوى، ص: ۳۸۹(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ذی قعدہ/ ۶۲ھ۔

زکوۃ میں کھانا دینا

سوال[۴۵۸۳]: زکوۃ میں اگر کوئی طالب علم کو دو وقت یا ایک وقت کھانا دے تو اس کی زکوۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ اور کیا زکوۃ کا شعار سال بھر میں ایک دفعہ ہونا ضروری ہے یا بس ایک دفعہ کے بعد اندازہ کافی ہے؟ اور سو روپیہ کی مالیت کی کیا زکوۃ ہوئی؟ فقط۔

= (وكذا فى ردالمحتار: ۲/۲۶۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۰، الباب الأول فى تفسيرها الخ، رشيديه)

(۱) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ۷۱۴، كتاب الزكاة، قديمى)

(وكذا فى ردالمحتار على الدرالمختار: ۲/۲۵۷، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا فى الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۲/۲۸۴، كتاب الزكاة، دار الكتب العلميه بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جتنی زکوۃ واجب ہے اگر اتنا سامان خورد ونوش لے کر اس کا کھانا پکا کر کسی مستحق طالب علم کو دیدیا جائے، تب بھی زکوۃ ادا ہوجائے گی (۱)۔ اگر آمدنی میں کمی زیادتی کا تغیر ہوتا رہتا ہے تب تو ہر سال اپنی آمدنی کا حساب کرنا ضروری ہے، اگر ایک رقم کسی کے پاس رکھی ہوئی ہے یا زیور رکھا ہے اور کوئی آمدنی ایسی نہیں کہ جس پر زکوۃ واجب ہو تو صرف ایک مرتبہ حساب کر لینا کافی ہے اس کے بعد اسی حساب سے ہر سال زکوۃ ادا کردی جائے۔

زکوۃ میں چالیسواں حصہ واجب ہوتا ہے (۲) اس اعتبار سے سو روپیہ پر ڈھائی روپیہ واجب ہوئے، اب اس کو اختیار ہے کہ خواہ ڈھائی روپیہ دے خواہ ڈھائی روپیہ کے وزن کے برابر چاندی دیدے یا اس چاندی کی قیمت کی کوئی اَور چیز دیدے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۱۲/۵۶ھ۔

چوری کی ہوئی رقم کو زکوۃ میں شمار کرنا

سوال [۴۵۸۴]: اگر رقم چوری ہوجائے بعد میں پتہ چل جائے مگر رقم کی ادائیگی سے عاجزی ظاہر کی تو کیا اس رقم کو زکوۃ میں محسوب شمار کیا جاسکتا ہے؟

---

(۱) "هي تمليك، خرج الإباحة، فلو أطعم يتيماً ناوياً الزكاة، لا يجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم، كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض. الخ". (الدرالمختار: ۲/۲۵۷، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۵۳، كتاب الزكاة رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۲، كتاب الزكاة، امداديه)

(۲) "فإذا بلغ الذهب عشرين مثقالاً أو الورق خمس أواقٍ، ففيه ربع عشره بعد أن يحول الحول عليه قبل ذلك". (مختصر الطحاوي، ص: ۴۷، باب زكاة الذهب والورق، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۷۰، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۳۶، باب زكاة المال، امداديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

چوری کی ہوئی رقم میں اب زکوۃ کی نیت کرنے سے زکوۃ ادانہیں ہوگی، زکوۃ کے لئے حکم ہے: ﴿اتــوا الزكوة﴾ اوراس صورت میں "إيتاء" نہیں پایا گیا(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۱۴/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

زکوۃ کی رقم چوری ہوجائے تو زکوۃ اداہوجاتی ہے یانہیں؟

سوال[۴۵۸۵]: ایک شخص نے اپنے مال وغیرہ کا حساب لگا کر جتنی زکوۃ اس پرواجب ہوتی تھی نکال کر علیحدہ کردی، اب اس کی جیب کسی نے کاٹ لی یاکسی طرح اس کی زکوۃ کی رقم ضائع ہوگئی، اس شکل میں اس کی زکوۃ اداہوگئی یادوبارہ ادا کرنا ہوگی؟ اسی طرح فطرہ کی گم شدہ رقم کا حکم بیان فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح زکوۃ ادانہیں ہوئی نہ فطرہ اداہوا، زکوۃ اورفطرہ اداکریں، شامی(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مقدارِ نصاب سے زائد کسی کو زکوۃ دینا

سوال[۴۵۸۶]: ایک مستحقِ زکوۃ کو بیک وقت زکوۃ، فدیہ روزہ ونماز میں سترہ اٹھارہ ہزار کی رقم یااسی قیمت کا کوئی مکان دیا جاسکتا ہے یانہیں؟

---

(۱) (راجع الحاشية الآتية)

(۲) "ولا يخرج عن العهدة بالعدل". (الدرالمختار). "قوله (ولايخرج عن العهدة بالعزل) فلو ضاعت لاتسقط عنه الزكاة". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۷۰، سعيد)

"رجل عزل زكوة ماله، و وضعها في ناحية بيته، فسرقها سارق، لا يقطع يده للشبهة، وعليه أن يزكيها". (خلاصة الفتاوى: ۱/۲۳۸، الفصل الخامس في زكوة المال، امجداكيڈمى لاهور)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۶۹، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان: ۱/۲۶۳، باب أداء الزكاة، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوۃ اتنی مقدار میں کسی کو دینا جس سے وہ صاحبِ نصاب ہو جائے مکروہ ہے، کذا فی الدر المختار۔ پس اگر اس شخص کے ذمہ سترہ اٹھارہ ہزار قرضہ ہے یا اتنا قرضہ ہے کہ یہ رقم بمدِ زکوۃ اس کو دیدی جائے اور وہ اس سے اپنا قرضہ ادا کردے تو مقدارِ نصاب نہ بچے گا تو یہ دینا بلا کراہت درست ہوگا، اسی طرح اگر وہ شخص عیالدار ہے، بے گھر ہے، اگر اس روپے سے گھر خرید کر اس کی ملک میں دیدیا جائے جس سے وہ صاحبِ نصاب نہ ہو جائے جب بھی مکروہ نہ ہوگا بلکہ بہتر ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۸/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۸/ ۸۹ھ۔

اگر ایک سال زکوۃ نہیں دی کیا آئندہ سال دو سال کی زکوۃ دینا ضروری ہے؟

سوال [۴۵۸۷]: اگر ایک نصاب کا مالک سال پورا ہو جانے کے باوجود زکوۃ ادا نہیں کی دوسرا سال بھی پورا ہو گیا تو اب ایک سال کی زکوۃ ادا کرے یا دو سال کی؟ اسی طرح اگر چار سال ہو جائیں تو صرف سالِ اول کی زکوۃ واجب ہوگی یا ہر سال کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دو سال کی ادا کرے اگر ایک سال کی ادا کرنے کے بعد بھی مقدارِ نصاب باقی رہے، ورنہ صرف ایک سال کی واجب ہوگی یعنی جب کہ اس کے پاس صرف ایک نصاب ہے اس سے زائد نہیں، تو اس میں سے بقدرِ زکوۃ سال پورا ہونے پر دَین ہو گیا اور سالِ آئندہ کے لئے نصاب باقی نہیں رہا تو سالِ آئندہ کی زکوۃ واجب نہیں ہوگی:

---

(۱) " و کره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر، إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً، أو كان صاحب عيال بحيث لوفرقه عليهم لا يخص كلاً، أو لا يفضل بعد دينه نصاب، فلا يكره". (الدرالمختار: ۲/۳۵۳، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۲۷۸، باب من يجوز دفع الصدقة إليه الخ، المصطفى البابي الحلبي، مصر)

"ومدیون العبد بقدر دینہ، فیزکی الزائد إن بلغ نصاباً. الخ". درمختار۔ "(قولہ: ومدیون العبد) الأولی "ومدیون بدین یطالبه به العبد" لیشمل دین الزکوة والخراج؛ لأنه للّٰه تعالی مع أنه یمنع؛ لأن له مطالباً من جهة العباد، کما مر". شامی: ۲/۷(۱)، چارسال کاحکم اسی سے ظاہر ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۵ھ۔

ادائے زکوۃ میں بازاری نرخ کا اعتبار کیا جائے گا

سوال[۴۵۸۸]: ایک کتب فروش نے مثلاً دس ہزار کتابیں فی سیکڑہ دس روپے کے حساب سے ایک ہزارروپے میں طبع کرائیں یاخریدیں، اب اس نے فی سیکڑہ چارروپے نفع لینا طے کرکے اس کوفروخت کرنا شروع کیا، سال بھرمیں پانچ ہزارکتابیں (جن کی اصل قیمت پانچ سوروپے ہے) فروخت ہوئیں، جن پر چارروپے سیکڑہ کے حساب سے دوسوروپے نفع ملا اور پانچ ہزارکتابوں کا اسٹاک اس کے پاس موجود ہے، اختتامِ سال پر زکوۃ کی ادائیگی کے سلسلہ میں فروخت شدہ پانچ ہزارکتابوں کی اصل قیمتِ خرید جوکہ پانچ سوروپے ہے اس کے ساتھ نفع کی رقم دوسوروپے بھی شامل کرکے کل سات سوروپے کی زکوۃ ادا کی، اب باقی ماندہ پانچ ہزارکتابوں کا جو اسٹاک اس کے پاس موجود ہے جس کی اصل قیمتِ خرید پانچ سوروپے ہے اور فی سیکڑہ چارروپے نفع کے حساب سے قیمتِ فروخت سات سوروپے ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی کے سلسلہ میں موجودہ اسٹاک کی اصل قیمتِ خرید پانچ سوروپے اور قیمتِ فروخت سات سوروپے میں سے کونسی قیمت شرعاً معتبر ہوگی؟ اگراس وقت قیمتِ فروخت ہی معتبر اور ضروری ہوتو کتب فروش پر دگنا بوجھ پڑے گا کیونکہ آئندہ سال کے اختتام پر مذکورہ اسٹاک کے فی سیکڑہ

---

(۱) (الدر المختار: ۲/۲۶۳، کتاب الزکوة، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۷، کتاب الزکوة، دار الکتب العلمية، بیروت)

(وکذا فی العناية شرح الهداية علی هامش فتح القدیر: ۲/۱۶۰، کتاب الزکوة، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی إعلاء السنن: ۹/۱۳، باب من کان علیه الدین لازکوة علیه، إدارة القرآن کراچی)

چار روپے نفع سے فروخت ہوجانے کی صورت میں اسے قیمتِ فروخت (سات سوروپے) ہی کے حساب سے زکوۃ ادا کرنی ہوگی۔ اس لئے اس سال موجودہ اسٹاک کی زکوۃ اصل قیمتِ خرید (پانچ سوروپے) کے اعتبار سے ادا کرنے کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سال ختم ہونے پر بازاری نرخ سے (نہ کہ اصل خرید کے اعتبار سے) جتنی قیمت کا مال موجود ہو اس کی زکوۃ ادا کی جائے گی (۱)، بہتر یہ ہے کہ اسی نرخ کے اعتبار سے زکوۃ میں چالیسواں حصہ کتابیں ہی دیدے تاکہ اصل مال اور زکوۃ کا نرخ کی وجہ سے تناسب قائم رہے، وهذا ظاهر لا يخفى۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۸/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۸/ ۹۲ھ۔

صرفۂ ڈاک زکوۃ سے وصول نہیں کیا جاسکتا

سوال [۴۵۸۹]: زید جو ہندوستان میں تجارت کرتا ہے، ہندوستان کے اکثر مسلمان زید کی معرفت غربائے حرمین اور وہاں کے مہاجرین کی مالی خدمت کیا کرتے تھے جس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ زید جو روپیہ ہندوستان کے اہلِ خیر کا جمع کرتا تھا اس کی دہانید (۲) حرمین کے تاجروں کو بھیج دیا کرتا تھا اور وہ تاجر غرباء و مہاجرین کو تقسیم کردیا کرتے تھے اور حرمین شریفین کے تاجر وہ روپیہ جو دہانید میں ادا کرتے تھے حوالہ ہندی کے ذریعہ ہندوستان میں وصول کرایا کرتے تھے۔

لیکن اب کچھ عرصہ سے سونے کی قیمت بڑھ جانے سے اور شرحِ تبادلہ ایکسچینج کے فرق کی وجہ سے وہ حضرات اس سلسلہ کو ختم کرنا چاہتے ہیں، اس لئے اب مجبوراً زید نے یہ صورت اختیار کی کہ یہ زائد رقم جو اہلِ خیر صدقات بھیجتے ہیں ان سے ہی وصول کر کے مثلاً جو لوگ سو روپیہ بھیجتے ہیں ان سے ایک سو دس وصول کر کے بھیجتا

---

(۱) "وتعتبر القيمة عند حولان الحول بعد أن تكون قيمتها في ابتداء الحول مائتي درهم من الدراهم الغالب عليها الفضة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الزكوة، الباب الثالث، الفصل الثاني في العروض: ۱/ ۱۷۹، رشيديه)

(۲) "دہانیدن: دینا، دلانا"۔ (فرہنگ فارسی، ص: ۳۶۲، دارالاشاعت)

ہے تاکہ وہ زائد رقم اسی سے وصول کرلی جائے اوراس طرح حرمین کے غرباء ومہاجرین کو پوری رقم مل جائے اور وہاں کے تاجروں کوبھی نقصان نہ پہونچے۔ زید کا ایسا کرنا درست ہے یانہیں؟ حرمین کے غرباء کو دہانید میں سونے یاچاندی کاسکہ دیاجاتا ہےاورزیدوہ رقم حرمین کے تاجروں کونوٹوں کی شکل میں ادا کرتا ہے۔ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

زیدسوروپے کے بجائے ایک سودس لیکر بھیجے تاکہ اس کونقصان نہ پہونچے (یہ درست ہے)(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ۔

زکوۃ کا پیسہ خادم مدرسہ کوقرض دینا

سوال[۴۵۹۰]: مہتمم مدرسہ کوبوجہ وکیلِ قوم ہونے کےادارہ کےخادم کومدرسہ سےزکوۃ کےروپیہ سے قرض دینادرست ہے یانہیں؟ جب کہ معطی یہ بھی لکھدے کہ اگرمناسب ہوتوقرض دیدیاجائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

معطی کی اجازت کے بعدمہتمم کوحسبِ صوابدیدزکوۃ کاروپیہ قرض میں دینادرست ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۵/۹۰ھ۔

---

(۱) ''بشرطیکہ جودس روپے لے رہاہے وہ زکاۃ کے نہ ہوں، اگرزکوۃ ہی کے ہیں توچونکہ وہ مستحق کونہیں ملیں گے، لہٰذا وہ زکاۃ میں شمارنہیں ہوں گے جیسا کہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں تصریح ہے کہ: ''یہ مسلّم ہے کہ فیس منی آرڈرفقراءکونہیں ملتی اس لئے وہ زکوۃ میں شمارنہیں ہوگی''۔ (فتاوی دار العلوم ديوبند: ۶/۳۳۵، متفرق مسائل زكوة، إمداديه ملتان)

''و لا يخرج المزكي عن العهدة بالعزل، بل بالأداء للفقراء''. (الدرالمختار: ۲/۲۷۰، كتاب الزكاة، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/۳۶۸، كتاب الزكاة، رشيديه)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۲/۳۰، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) ''رجل دفع إلى رجل عشرة دراهم وأمره أن يتصدق بها فأنفقها الوكيل ثم تصدق عن الآمر بعشرة =

زکوٰۃ کی رقم بطورِ قرض لے کر خرچ کرنا

سوال[۴۵۹۱]: یہ بات تو ظاہر ہے کہ صدقات وغیرہ کا مصرف صرف یتیم ومسکین ہیں تو کیا کوئی شرعاً ایسی صورت بھی ہے کہ جس مدرسہ میں کھانے والے بچے نہ پڑھتے ہوں اس مدرسہ میں ان مدّات کو خرچ کیا جاسکتا ہے؟ کیا یہ درست ہے کہ مدرسہ بطورِ قرض کے لے کر خرچ کرے اس میں کوئی گناہ نہیں؟ اگر کوئی صورت جواز کی ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

رقم واجب التملیک میں مالکوں کی طرف سے خلط وتصرف کی اجازت ہو تو وقتِ ضرورت ان کو بطورِ قرض دوسرے مدات میں خرچ کیا جاسکتا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

زکوۃ بذریعۂ منی آرڈر بھیجنا

سوال[۴۵۹۲]: اگر مالِ زکوۃ بذریعۂ منی آرڈر بھیجی جائے تو زکوۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں، کیونکہ ''فتاویٰ رشیدیہ'' (۲) میں لکھا ہے کہ ''روپیہ بذریعہ منی آرڈر نہیں بھیجنا چاہئے اس میں سود کا شائبہ ہے'' اور ''در

= دراهم من ماله، لايجوز ويكون ضامناً للعشرة. ولو كانت الدراهم قائمةً فأمسكها الوكيل وتصدق من عنده بعشرة، جاز استحساناً". (الفتاویٰ العالمكيرية ، كتاب الوكالة، الباب العاشر فی المتفرقات: ۶۴۴/۳ ، رشيديه)

(وكذا فی الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الزكوة، الفصل التاسع فی مسائل المتعلقة بمعطی الزكاة: ۲۱۴/۲، ۲۱۵، قديمی)

(۱) "وعلى الإمام أن يجعل لكل نوع بيتاً يخصه، وله أن يستقرض من أحدهما ليصرفه للآخر، ويعطی بقدر الحاجة والفقه والفضل، فإن قصر كان الله عليه حسيباً". (الدرالمختار: ۲۱۹/۴، كتاب الجهاد، فصل فی الجزية، سعيد)

(۲) ''سوال: منی آرڈر کرنا اور محصول منی آرڈر کا دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب: بذریعہ منی آرڈر روپیہ بھیجنا نادرست ہے اور داخل ربوا ہے، اور یہ جو محصول دیا جاتا ہے نادرست ہے''۔ (فتاویٰ رشیدیہ للمحدث العلامة مولانا رشید احمد گنگوهی رحمه الله تعالیٰ ، بیوع، سود کے مسائل کا بیان، ص: ۵۰۱، ۵۰۲، سعید)

مختار'' میں لکھا ہے کہ ''اگر وکیل روپیہ زکوۃ کو قبل از ادا خرچ کر لیوے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی''(۱) اور یہ بھی لکھا ہے کہ ''اگر وکیلِ زکوٰۃ دو موکلوں کو خلط کرے گا تو وکیل خائن ہوگا یعنی زکوۃ ادا نہ ہوگی''(۲)۔ گو شامی لکھتا ہے کہ ''زکوۃ مخلوط باعتبار عرف کے اگر مالک کو علم ہوا ادا ہو جائے گی، مگر یہ صورت صرف خلطِ زکوۃ موکلوں میں گفتگو ہے نہ کہ عام مخلوط مال میں''۔

پس ان صورتوں سے معلوم ہوا کہ اگر زکوۃ بذریعۂ منی آرڈر بھیجی جاوے تو ادا نہ ہوگی کیونکہ اول تو وہ اصل روپیہ جاتا نہیں، دوسرے وہ روپیہ اسی وقت دیگر اقوام میں مخلوط ہو جاتا ہے، تیسرے قبل از پہنچنے منی آرڈر یہ روپیہ مرسلہ زکوۃ اسی جگہ خرچ ہو جاتا ہے اور نہ اس میں وکیل کی کچھ نیت ہے اور نہ اس کو علم ہے، چوتھے یہ وکیل آئندہ تقسیم کنندہ کو بلا نیت وکیل کرتا ہے، سو یہ بھی چیز درست ہے۔ بروے کتب معتبرہ مفصل تحریر فرماویں تا کہ طمانیت ہو۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

آپ کے سوال میں دو امر غور طلب ہیں: اول یہ کہ منی آرڈر نا جائز ہے، دوم یہ کہ منی آرڈر سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی جس کی وجوہ کا خلاصہ یہ ہے کہ گورنمنٹ ادائے زکوۃ کے لئے وکیل ہے اور وہ منصبِ وکالت کے خلاف کرتی ہے۔

سو امر اول کے متعلق عرض ہے کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فتاویٰ میں بھی مذکور ہے کہ منی آرڈر نا جائز ہے اور مولانا تھانوی مدظلہم کے پہلے فتاویٰ میں بھی یہی ہے لیکن بعد کے ایک فتویٰ میں جواز تحریر فرمایا ہے، چنانچہ حوادث الفتاوی حصہ ثانیہ ص: ۵۵ مطبوعہ مجتبائی ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء میں لکھا ہے کہ ''منی آرڈر مرکب ہے دو معاملہ سے: ایک قرض جو اصل رقم سے متعلق ہے، دوسرے اجارہ جو فارم کے لکھنے اور روانہ کرنے پر بنام فیس دی جاتی ہے اور دونوں معاملے جائز ہیں پس دونوں کا مجموعہ بھی جائز ہے اور چونکہ آپس میں ابتلائے عام

(۱) ''بخلاف ما إذا أنفقه أولاً على نفسه مثلاً، ثم دفع من ماله فهو متبرع''. (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲۷۰/۳، سعيد)

(۲) ''ولو خلط زكاة موكليه ضمن، وكان متبرعاً''. (الدرالمختار، كتاب الزكاة، مطلب في زكاة ثمن المبيع: ۲۶۹/۲، سعيد)

ہے اس لئے یہ تاویل کر کے جواز کا فتویٰ مناسب ہے''(۱)۔

امر ثانی کے متعلق گزارش ہے کہ جو روپیہ منی آرڈر کے متعلق سے بھیجا جاتا ہے، سرکار اس روپیہ کے حق میں وکیل نہیں جیسا کہ مولانا تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس روپیہ کو قرض فرمایا ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے کیونکہ وکیل امین ہوتا ہے اور اس کو امانت میں تصرف کا حق نہیں ہوتا:

"المال الذی قبضه الوكيل بالبيع والشراء وإيفاء الدين واستيفاء ه، و قبض العين من جهة الوكالة فی حكم الوديعة فی يده، اهـ". مراة المجلة: ۲/۲۷۰(۲)۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایک فرض ہے کہ روپیہ بھیجنے والا مصرفِ زکوۃ کو فارم کے ذریعہ سے امر کرتا ہے کہ سرکار سے میرے اس دین پر قبضہ کرلو اور خود اس میں ادائے زکوۃ کی نیت کر لیتا ہے۔ اور مال موجودہ کی زکوۃ اس طرح ادا کرنا درست ہے جیسا کہ فقہاء نے اس جزئیہ کی تصریح کی ہے:

"لو أمر فقيراً لقبض دينٍ له على آخرٍ عن زكوة عين عنده، جاز، اهـ". البحر الرائق: ۲/۲۱۱(۳)۔

نیز ادائے زکوۃ کے لئے تملیک ضروری ہے اور تسلیط بھی تملیک کی ایک صورت ہے جو کہ منی آرڈر میں یقیناً متحقق ہے پس بوقتِ منی آرڈر ادائے زکوۃ کی نیت کافی ہے:

"تمليك الدين لمن ليس عليه الدين باطل، إلا فی ثلث: حوالة، و وصية، وإذا سلّطه: أی سلطه غير المديون على قبضه: أی الدين، فيصح حينئذ، و منه مالو وهبت من ابنها على أبيه، فالمعتمد الصحة للتسليط، اهـ". درمختار۔

قال الشامی: "قال السائحانی: و حنيئذ يصير وكيلاً فی القبض عن الآمر، ثم أصيلاً فی

---

(۱) (امداد الفتاویٰ، کتاب البیوع، باب الربا: ۳/۱۴۲، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(۲) (شرح المجلة، كتاب الزكاة: ۳/۷۸۴، لمادة: ۱۴۶۳، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۳) (البحر الرائق: ۲/۳۷۰، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا فی ردالمحتار: ۲/۲۷۱، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول فی تفسيرها الخ، رشيديه)

القبض لنفسه، و مقتضاه صحة عزله عن التسليط قبل القبض، وإذا قبض بدل الدراهم دنانير، صح؛ لأنه صار الحق للموهوب له، فملك الاستبدال، وإذا نوى في ذلك التصدق بالزكوة أجزأه، كما في الأشباه، اهـ". رد المحتار: ۲/۷۱۷(۱)۔

اس صورت میں اصل رقم کا مصرف کے پاس نہ پہونچنا بلکہ اس جگہ مخلوط اور خرچ ہو جانا کچھ مضر نہیں۔

گورنمنٹ کو ادائے زکوۃ کے لئے وکیل قرار دینے میں جس قدر اشکالات تھے وہ سب مرتفع ہو گئے، اگر منی آرڈر کو جائز نہ کہا جاوے بلکہ ناجائز ہی مانا جائے جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ میں ہے تب بھی زکوۃ کے ادا کرنے میں کوئی تامل نہیں۔

تنبیہ: ۱-ادائے زکوۃ کے لئے وکیل کی نیت اور علم ضروری نہیں بلکہ صرف مؤکل کی نیت کافی ہے:

"أو نوى عند الدفع للوكيل، ثم دفع الوكيل بلانية، أو دفعها لذمي ليدفعها للفقراء، جاز؛ لأن المعتبر نية الآمر". اهـ". در مختار(۲)۔

تنبیہ: ۲-جب وکیل کی نیت اور علم ضروری نہیں تو وکیل الوکیل کی نیت اور علم بطریقِ اَولیٰ ضروری نہیں، نیز وکیل کو یہ بھی جائز ہے کہ دوسرے شخص کو وکیل بنادے: "للوكيل بدفع الزكوة أن يؤكّل بلا إذن، و لا يتوقف اهـ". بحر: ۲/۲۱۲(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/صفر/۵۷ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۵/۷۰۸، المسائل المتفرقة من الهبة، سعيد)

(۲) (الدرالمختار: ۲/۲۶۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۱، كتاب الزكاة، الباب الأول في تفسيرها الخ، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق: ۲/۳۶۸، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۳) (البحر الرائق: ۲/۲۷۱، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۳/۳۵۵، فصل في المسائل المتفرقة من الأضحية، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۷۰، كتاب الزكاة، سعيد)

زکوۃ دوسری جگہ بھیجنا

سوال[۴۵۹۳]: اپنے قرب وجوار اور شہر کو چھوڑ کر اگر کوئی شخص محض اس خیال اور نیت سے دوسرے شہر اور مدارسِ اسلامیہ کی امداد کرے کہ وہ چند حیثیت سے بہتر نظر آتا ہو تو حق تلفی کے گناہ کا مرتکب تو نہ ہوگا، مثلاً بڑا اور قدیمی مدرسہ فیض بخش سمجھ کر یا تعلیم اور انتظام اور دیانتداری کی خوبی سمجھ کر یا صحیح عقائد، عمدہ تعلیم اور فرقہ بندی کے جھگڑوں سے اس پر زوال آجانے کے سبب سے دور کے مدارس کی امداد کی جائے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان وجوہِ ترجیح کی بنا پر دور کے مدارس میں بھیجنا گناہ نہیں، ایک شہر سے دوسرے شہر میں بلا کسی معتبر وجہ ترجیح کے زکوۃ نقل کرنی مکروہ ہے، یہ کراہت سال پورا ہونے کے بعد میں ہے، اگر کوئی سال پورا ہونے سے پیشتر زکوۃ ادا کرنا چاہے اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں بھیج دے تو وہ مکروہ نہیں، کذا فی الطحطاوی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ۷/ ۵۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف غفرلہ۔

زکوۃ کا روپیہ اپنے کام میں خرچ کرنا اور تنخواہ سے اس کا عوض دینا

سوال[۴۵۹۴]: ۱...... کسی مدرسہ میں مدرسہ کی طرف سے زکوۃ وصدقات کا مال وصول کرنے والا

---

(۱) "و کره نقلها بعد تمام الحول لبلد آخر لغير قريب أو أحوج و أورع و أنفع للمسلمين بتعليم، والأفضل وصرفها للأقرب، الخ". (مراقی الفلاح). " و كره نقلها: أى تحريماً، ولوإلى مادون مسافة القصر بعد تمام الحول، أما المعجلة و لو لفقير غيرأحوج .... أما نقلها للقريب، فلا كراهة فيه؛ لأن الدفع إلى الفقير منهم فيه صلة و صدقة .... التصدق على العالم النقير أفضل من الجاهل الفقير، الخ". (مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی، ص: ۷۲۲، باب المصرف، قديمی)

(وكذا فى الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۹۰، الباب السابع فى المصارف، رشيديه)

(وكذا فى التاتارخانية: ۲/ ۲۸۱، باب من توضع فيه الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۲/ ۱۳۱، باب المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

درصورتیکہ محصّل محتاج ہواور مصرفِ زکوۃ ہو، اگر اپنی اجرت سے زائد کچھ روپیہ خرچ کرڈالے پھراس کو اپنی آمدنی سے بعد میں پورا کردے، کیسا ہے جائز ہے یا ناجائز؟

۲......زکوۃ کا مال مدرسین کی تنخواہوں میں استعمال کرنا بغیر تملیک کے جس مدرسہ میں مطبخ ہو کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......مدرسہ کی طرف سے جو شخص محصل مقرر کیا گیا ہے وہ امین ہے، جتنا روپیہ زکوۃ وصدقات وصول کرتا ہے وہ امانت ہے اس میں تصرف کرنے کا حق نہیں، ایسی صورت میں زکوۃ ادانہیں ہوگی (۱) اور لازم ہے ہوگا کہ اس کا ضمان معطی کودے اور کہدے کہ آپ کا دیا ہوا روپیہ میں نے خرچ کرلیا، زکوۃ ادانہیں ہوئی، اس لئے یہ روپیہ بطور ضمان دے رہا ہوں، ہاں اگر معطی کی طرف سے صرف کرنے کی اجازت ہوتو بطور قرض اس کو صرف کرسکتا ہے پھر قرض مدرسہ کو واپس کر کے مصارف زکوۃ پر صرف کردیا جائے۔

۲......تنخواہ میں زکوۃ کا روپیہ لینا دینا جائز نہیں اس سے زکوۃ ادانہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۰/۹۰ھ۔

وکیل کا زکوۃ کو اپنے مصرف میں لانا اور پھر ادا کرنا

سوال[۴۵۹۵]: زید کو خالد نے مبلغ سوروپے دیئے کہ یہ روپے فلاں مدرسہ کو بمدِ زکوۃ دیدینا، زید نے کہا کہ منی آرڈر کردوں گا، خالد نے کہا کہ ہاں منی آرڈر کردینا۔ اب زید اپنی کسی مجبوری سے یا بداطواری سے کچھ رقم یا پورے روپے کو خود خرچ کرلے اور زید کو کہدے کہ میں نے وہ روپے تمہارے کہنے کے مطابق مدرسہ کو

---

(۱) "و للوكيل أن يدفع لولده الفقير و زوجته لا لنفسه، إلا إذا قال: ربها: ضعها حيث شئت".

(الدرالمختار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۶۹، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۸، كتاب الزكاة، امداديه ملتان)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "امام کو زکوۃ دینا"۔)

منی آرڈر کر دیئے۔اب ایک عرصہ کے بعد زید کو حق تعالیٰ نے ہدایت دی اور پچھلے کئے پر نادم ہے اور چاہتا ہے کہ وہ روپے جو خالد نے کسی مدرسہ کے واسطے دیئے تھے وہ ادا کر دے اور آہستہ آہستہ ادا کر دے، چونکہ یک دم ادا کرنے کی سکت نہیں ہے تو کیا اب وہ روپیہ اس مدرسہ کو ادا کر سکتا ہے؟

''بہشتی زیور'' میں لکھا ہے کہ ''اگر زکوۃ کا روپیہ کسی کو دیا اور اس نے وہ خرچ کر دیا تو وہ جواب روپیہ دیگا، اس سے زکوۃ ادا نہ ہوگی اور زکوۃ کا روپیہ اگر خرچ نہ کیا اور دوسرا روپیہ اپنے پاس سے دیدیا تو زکوۃ ادا ہوجائے گی''(۱) تو اب اس میں کیا کیا جائے؟ اگر اس روپیہ کو ظاہر کرے تو زید کی عزت وتوقیر ختم ہوجانے کا قوی احتمال ہے، اس حق کو کس طرح ادا کرے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب حق تعالیٰ سے ڈر کر توبہ کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کی نیت ہے تو بات صاف صاف بتادے اور روپیہ دینے والے سے اجازت لے لے کہ میں اب وہ روپیہ آپ کی طرف سے ادا کرتا ہوں، بغیر جدید اجازت کے زکوۃ ادا نہیں ہوگی (۲)، اس لئے آپ گذشتہ کوتاہی کو معاف کر دیں اور اب اجازت دیدیں۔انشاء اللہ تعالیٰ اس سے توقیر ختم نہیں ہوگی بلکہ عنداللہ وعندالناس یہ شخص مستحسن ہوگا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۶/۹۲ھ۔

وکیل خود مستحق زکوۃ ہو تو کیا وہ زکوۃ کی رقم رکھ سکتا ہے؟

سوال [۴۵۹۶]: زکوۃ یا صدقہ کوئی کسی کو اس واسطے دے کہ جہاں مصرف ہو اور جس کو مستحق دیکھے دیدے، درحقیقت وہ جن کو ادائیگی کے لئے دی جاتی ہے وہ خود مستحق ہے لیکن اس دینے والے کو اس کے مستحق اور

(۱) (بهشتی زیور، حصه سوم، ص: ۲۲۳، دارالاشاعت کراچی)

(۲) "(قوله: و لو تصدق الخ): أی الوکیل بدفع الزکاة إذا أمسک دراهم المؤکل و دفع من ماله لیرجع ببدلها فی دراهم المؤکل، صحَ، بخلاف ما إذا أنفقها أولاً علی نفسه مثلاً، ثم دفع من ماله فهو متبرع الخ". (ردالمحتار: ۲/۲۶۹، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۸۴. فصل فی المسائل المتعلقة بمعطی الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

مصرف ہونے کا علم نہیں، کیا وہ مستحق رقم زکوۃ خود لے سکتا ہے یا نہیں، یا صرف دوسرے مستحقین پر تقسیم کردے؟ اس بات کا اس کو اختیار تھا کہ جس کو چاہے دے اور جتنا دے لیکن مستحق کو دے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس صورت میں اس کو خود رکھنا درست نہیں: "لو قال لرجل: ادفع زکاتی إلی من شئت، أو أعطها من شئت، فدفعها لنفسه، لم یجز. و فی جوامع الفقه: جعله قول أبی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ و قال: عند أبی یوسف رحمه اللّٰه تعالیٰ یجوز. و لو قال: ضعها حیث شئت، جاز و ضعها فی نفسه". شلبی هامش زیلعی: ۱/۳۰۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبداللطیف، ۱۱/ ذیقعدہ/۱۳۶۰ھ۔

وکیل کا زکوۃ کی رقم خود رکھنا

سوال[۴۵۹۷]: ۱.....ایک شخص مسمی حمید جو صاحبِ نصاب ہے اس نے مالِ مملوکہ کی زکوۃ ایک سال گذشتہ کی یا ایک سال آئندہ کی بطورِ پیشگی کئی سو یا کئی ہزار کی رقم نکال کر ایک غیر ذی نصاب مسمی رشید مفلس کے حوالہ یہ کہہ کر دی ہے کہ یہ تمام رقم جو میں آپ کے سپرد کر رہا ہوں مدِ زکوۃ کی ہے، اس رقم کا کوئی جز کسی ذی نصاب کی ملکیت میں ہرگز نہیں پہونچنا چاہئے، اور بھائی رشید صاحب! آپ بھی چونکہ غیر ذی نصاب ہیں حد

---

(۱) (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق: ۲/۳۲، کتاب الزکوٰة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

"سئل البقالی عمن أعطی رجلاً دراهم یتصدق بها عن زکاة الآمر، فتصدق المأمور بدراهم نفسه، هل تقع الزکاة عن الآمر؟ فقال: إذا تصدق بذلک علی نیة الرجوع، جاز، و سئل عنها الوبری؟ فقال: هذا علی وجهین: إن کان صرف المال الذی دفعه الآمر فی حاجته، ثم دفعه من مال نفسه، فهذا لا یجوز؛ لأنه لما أنفقه صار مضموناً علیه، فلا یبرأ إلا بالأداء إلی المالک. الخ". (التاتارخانیة: ۲/۲۸۴، فصل فی المسائل المتعلقة بمعطی الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲/۲۶۹، کتاب الزکاة، سعید)

شریعت کے اندر آپ بھی اس رقم میں سے لے سکتے ہیں۔

پس مسمی رشید مفلس نے وہ رقم زکوۃ کئی سو یا کئی ہزار کی اپنے قبضہ میں لے لی اور پچاس روپیہ اس رقم زکوۃ میں سے خود لے کر اپنی زوجہ کو جو پہلے سے وہ صاحبِ نصاب تھی اس کو ہبہ کردیئے، اس کے بعد باقی ماندہ رقم زکوۃ میں سے پھر پچاس روپیہ رشید نے خود لے کر اپنی اسی زوجہ کو ہبہ کردیئے اور بایں صورت اس رقم زکوۃ میں سے بار بار مسمی رشید پچاس پچاس روپیہ خود لیتا رہا اور ہر بار اپنی اسی زوجہ کو ہبہ کرتا رہا اور یہ کام ایک ہی دن میں بیک وقت رقم زکوۃ کو ختم کردینے کا رشید نے پورا کر کے تمام رقم زکوۃ اپنی زوجہ کی حوالگی میں بصورتِ مذکورہ بالا دے دی اور مسمی حمید رقمِ زکوٰۃ کو رشید کے سپرد کردینے کے وقت خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ میں مسمی رشید کو جس قدر زکوۃ کی رقم سپرد کروں گا اس رقم میں رشید ایسا عمل کرے گا جو اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

پس رشید ایسا عمل کرنے کے بعد اپنی زوجہ کی ہمراہ بنیتِ ہجرت یا بلانیتِ ہجرت حرمین شریفین چلا گیا یا پاکستان جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ لہٰذا اس میں دریافت طلب یہ ہے کہ صورتِ مذکورہ میں مسمی حمید جو صاحب نصاب ہے اس کی زکوۃ ادا ہوگئی یا نہیں؟ اور اگر زکوۃ ادا ہوگئی تو اس ادائیگی میں کراہتِ شرعیہ داخل رہی یا بلا کراہت حمید کی زکوۃ ادا ہوگئی؟

۲......اگر صورتِ مذکوہ میں زکوۃ کی ادائیگی میں کوئی کراہت باقی رہ گئی ہو تو وہ کراہت جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فرمودہ ہے یا حضرات صحابہ کرام یا حضرات تابعین یا حضرات تبع تابعین کی بتلائی ہوئی ہے، یا ائمۂ اربعہ: یعنی حضرت امام اعظم، حضرت امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کی ارشاد کردہ ہے؟

المستفتی: فیض الحسن از خورجہ، ۲۹/صفر/ ۱۳۶۷ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......زکوۃ تو ادا ہوگئی مگر یہ فعل فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے۔

۲...... یہ کراہت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث سے ماخوذ ہے، حضرت سلیک غطفانی

رضی اللہ عنہ کا قصہ کتب صحاح میں مذکور ہے(۱) وہ اس کراہت کا ماخذ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۱۵/۳/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہار نپور، ۱۵/۳/۶۷ھ۔

وکیل کا مؤکل کی ہدایت کے خلاف دوسرے شخص کو زکوۃ دینا

سوال[۴۵۹۸]: مرسلِ زکوۃ نے یہ شرط لگائی تھی کہ یہ پہلے کاشتکاروں کو اس طرح دیئے جائیں کہ میری زکوۃ ادا ہوجائے، نمبر تین کے کارندوں (دوکان چلانے والے، زمین بڑھانے والے، جو خود کو قرضدار سمجھتے ہوں) کو یہ پیسے عمداً دیئے تو زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر زکوۃ ادا نہیں ہوئی تو یہ گناہ کس کے ذمہ ہوگا؟ تفصیل سے لکھیں۔

---

(۱) "عن عياض بن عبدالله قال: سمعت أبا سعيد الخدري يقول: جاء رجل يوم الجمعة -والنبي صلى الله عليه وسلم يخطب- بهيأةٍ بذّةٍ، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أصليت"؟ قال: لا، قال: "صل ركعتين"، وحث الناس على الصدقة، فألقوا ثيابهم، فأعطاه منها ثوبين، فلما كانت يوم الجمعة الثانية، جاء ورسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب، فحث الناس على الصدقة، قال: فألقى أحد ثوبيه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "جاء هذا يوم الجمعة بهيأةٍ بذةٍ، فأمرت الناس بالصدقة، فألقو اثياباً، فأمرت له منها بثوبين، ثم جاء الأن، فأمرتُ الناس بالصدقة، فألقى أحدهما"، فانتهره، وقال: "خذثوبك". (سنن النسائي، كتاب الجمعة، باب حث الإمام على الصدقة يوم الجمعة في الخطبة: ۱/۲۰۸، قديمى)

"عن جابر بن عبدالله قال بينما النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يخطب يوم الجمعة إذ جاء رجل فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أصلّيت"؟ قال: لا، قال: "فقم، فاركع".

"(قوله: رجل) هو سليك بن هدية الغطفاني وأطنب الحافظ ههنا ورد على خصومة والجواب المشهور منا ان هذا الرجل كان في هيأة بذة وكان غرضه عليه السلام ان يجمع له المتفرقات من الناس وأنه عليه السلام امهل خطبته وأما كونه في هيئة بذة فثابت في حديث الباب والنسائي الصغرىٰ .... واما الحض على الصدقات له فمذكور في النسائي والطحاوى". (الحواشي المفيدة على جامع الترمذي، ابواب الجمعة، باب ماجاء في الركعتين والإمام يخطب: ۱/۱۱۵، سعيد)

الجواب حامداً و مصلیاً:

وکیل امین ہوتا ہے، ہدایتِ مؤکل کے خلاف تصرف کرنے کا اس کو حق نہیں، خلاف کرنے سے وکیل کے ذمہ ضمان لازم آئے گا اور زکوۃ ادا نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۱ھ۔

وکیل کا زکوۃ دینے میں تاخیر کرنا

سوال[۴۵۹۹]: زید نے عمر کو سو روپیہ زکوۃ کے دیئے کہ ان کو تقسیم کر دے مگر عرصہ دس سال گزر گیا عمر نے تقسیم نہیں کئے بلکہ استعمال کر لئے، اب عُمر ان کو تقسیم کرنا چاہتا ہے تو کیا صرف سو روپیہ زکوۃ کے نکالدے یا کچھ جرمانہ وغیرہ بھی ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عمر کو از خود سو روپیہ دینا کافی نہیں بلکہ اس کے ذمہ ضمان لازم ہے جو زید کو واپس کرنا ضروری ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ ربیع الاول/ ۸۸ھ۔

معاون کا مالک کی اجازت کے بغیر زکوۃ ادا کرنا

سوال[۴۶۰۰]: میں، میرے والد صاحب اور تین بھائی پانچوں مل کر تجارت کرتے ہیں، تمام مال

(۱) "سئل عمر الحافظ عن رجل دفع إلى الآخر مالاً، فقال له: هذا زكاة مالي فادفعها إلى فلان، فدفعها الوكيل إلى الآخر، هل يضمن؟ فقال: نعم، له التعيين". (التاتارخانية: ۲/۲۸۴، الفصل التاسع في المسائل المتعلقة بمعطي الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۷۱، كتاب الزكاة، رشيديه)

(۲) "(قوله: و لو تصدق، الخ): أي الوكيل بدفع الزكاة إذا أمسك دراهم المؤكل، و دفع من ماله ليرجع ببدلها في دراهم المؤكل، صحّ، بخلاف ما إذا أنفقها أولاً على نفسه مثلاً، ثم دفع من ماله فهو متبرع. الخ". (ردالمحتار: ۲/۲۶۹، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۸۴، فصل في المسائل المتعلقة بمعطي الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

اورحساب وکتاب میرے پاس ہی رہتا ہے اور نفع نقصان کو آپس میں تقسیم نہیں کرتے بلکہ جو کچھ ہو وہ تجارت میں ہی لگادیتے ہیں، اگر کسی کو روپیہ کی ضرورت ہو تو اس کی ضرورت کے مطابق روپیہ دیدیتے ہیں باقی تمام مال کو تجارت میں لگادیتے ہیں۔ جب زکوۃ کا نصاب آتا ہے تو نصاب کے مطابق زکوۃ دینے کو والد صاحب اور باقی تینوں بھائی تیار نہیں، اس حال میں بندہ مجبور ہے اور حکمِ خداوندی کو پورا کرنا ضروری ہے اس وجہ سے میں پورے دوسال سے مال کی زکوۃ نکال کردے رہا ہوں، حالانکہ ان کا بھی حق ہے۔ ان سے اجازت لئے بغیر ان سے چھپا کر زکوۃ نکالنا میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اصل رقم والد صاحب کی ہے، اس سے تجارت شروع کی گئی ہے تو کل مال کے مالک والد صاحب ہیں ان کے ذمہ زکوۃ ہے، آپ چاروں بھائی شریک اس کے مالک نہیں، بلکہ والد صاحب کے معاون ہیں اس مال میں چاروں پر زکوۃ واجب نہیں، بغیر والد صاحب کی اجازت کے آپ کو اس کی زکوۃ دینا جائز نہیں اور اس طرح زکوۃ ادا بھی نہیں ہوتی (۱)۔

آپ کو چاہئے کہ بہت نرمی اور ادب واحترام سے والد صاحب کو بتائیں اور سمجھائیں کہ زکوۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے اور اس کے ادا کرنے سے مال میں برکت ہوتی ہے، مال محفوظ رہتا ہے ضائع نہیں ہوتا، اور جس مال کی زکوۃ نہ دی جائے وہ سانپ بن کر گلے کا طوق ہوگا، کاٹے گا، نیز اس سونے چاندی کو تپا کر پیشانی پر، پہلو پر، کمر پر داغ دیا جائے گا (۲) کتاب ''فضائل صدقات'' ان کو سنائیں اور دعاء بھی کریں، حق تعالیٰ دل

---

(۱) "و لو أدی زکاۃ غیرہ بغیر أمرہ، فبلغه فأجاز، لم یجز؛ لأنها وجدت نفاذاً علی المتصدق؛ لأنها ملکه و لم یصر نائباً عن غیرہ، فنفذت علیه". (البحر الرائق: ۲/ ۳۶۹، کتاب الزکوۃ، باب المصرف، رشیدیه)

(و کذا فی التاتارخانیة: ۲/ ۲۸۴. فصل فی المسائل المتعلقة بمعطی الزکاۃ، إدارۃ القرآن کراچی)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۱۷۱، الفصل الأول فی تفسیرها و صفتها الخ، رشیدیه)

(و کذا فی ردالمحتار: ۲/ ۲۶۹، کتاب الزکاۃ، سعید)

(۲) "عن أبی هریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: "من آتاہ اللہ مالاً فلم یؤد زکاته مُثّل له ماله یوم القیمة شجاعاً أقرع، له زبیبتان یطوقه یوم القیمة". الحدیث. (صحیح البخاری، کتاب الزکاۃ، باب إثم مانع الزکاۃ: ۱/ ۱۸۸، قدیمی)

میں اس کا احساس پیدا فرمائے اور زکوۃ ادا کرنے پر آمادہ ہوجائیں۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۹/۹۱ھ۔

زکوۃ نہ دینے والے کے مال کو چوری کر کے خیرات کرنا

سوال[۴۲۰۱]: عمر بہت مالدار آدمی ہے مگر زکوۃ خیرات ادا نہیں کرتا، زید نے اس کا تمام روپیہ چوری کر کے خیرات کردیا اس میں عمر اور زید کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عمر ترکِ فرض کا گناہگار ہے اور زکوۃ کی ادائیگی اس کے ذمہ لازم ہے(۱) اور زید چور ہے، اگر حکومتِ اسلامی ہو اور شرعی شہادت سے ثبوت ہوجائے تو زید کا ہاتھ کاٹا جائے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/صفر/۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "الزكاة إنما تجب إذا ملك نصاباً تاماً نامياً حولاً كاملاً، الخ". (خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۳۵، كتاب الزكاة، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۱۷، كتاب الزكاة، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۲، كتاب الزكاة، إمداديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿والسارق والسارقة، فاقطعوا أيديهما جزاءً بما كسبا نكالاً من الله ، و الله عزيز حكيم﴾ (المائدة)

اگر مالِ مسروقہ زکوۃ ہی ہو، اصل مال نہ ہو تو اس صورت میں قطعِ ید کی سزا نہیں دی جائے گی:

"لو عزل الرجل زكاة ماله، و وضعه في ناحيةٍ من بيته، فسرقها منه سارق، لم تقطع يده للشبهة، و قد ذكر في كتاب السرقة من هذا الكتاب أنه يقطع السارق غنياً كان أو فقيراً، اهـ. بلفظه. .... وإن أخذ، كان لصاحب المال أن يسترده إن كان قائماً، و يضمنه إن كان هالكاً".

(البحر الرائق: ۲/۳۶۹، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۴۵، كتاب الزكاة، الفصل التاسع في الحظر والإباحة، امجد اكيڈمی لاهور)

سفیہ کی زکوۃ ادا کرنے کا طریقہ

سوال[۴۲۰۲]: نابالغ جس وقت شرعاً بالغ ہو جائے لیکن دنیاوی معاملات میں نابالغ رہے، مثلاً یہ کہ اگر اس کا مال اس کے سپرد کر دیا جائے تو اضاعت کا اندیشہ ہے وغیرہ تو اس کے مال کی زکوۃ کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مقدار زکوۃ حساب کرکے اس کو دے دیا جائے کہ وہ مصرف زکوۃ پر صرف کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۶/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبداللطیف۔

زکوۃ کے روپیہ کی تملیک کے بعد واپسی

سوال[۴۲۰۳]: ۱...... ہمارے یہاں قصبہ اُبّو پورہ میں ایک اسلامی مکتب ہے، مکتب کے نام پر ایک دوسری جگہ سے مبلغ چار سو چھتیس روپیہ زکوۃ کے مہتمم کے پاس آئے، مکتب میں زکوۃ کا مصرف نہ تھا لہذا مہتمم نے یہ ۴۳۶/ روپیہ زکوۃ کا ایک دوسرے شخص زید کو بطورِ تملیک کے دیدیا اور کہا کہ میں نے یہ روپیہ مدرسہ میں دیا اس کو مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کرو، مہتمم نے روپیہ زید سے نہیں لیا اور کہا کہ تم ہی رکھو ضرورت پڑنے پر تم سے ہم لیتے رہیں گے۔ ضرورت کے موقع پر زید نے اس میں سے مبلغ ۲۹۰/ روپیہ مدرسہ کو دیدئے اور باقی ۱۴۶/ روپیہ کو اپنی ضروریات میں خرچ کر لیا، مہتمم مدرسہ اس باقی ماندہ رقم کو زید سے طلب کرتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ باقی ماندہ ۱۴۶/ روپے زید کے ذمہ مدرسہ میں دینا واجب ہے یا اس کو پورا اختیار ہے کہ دے یا نہ دے؟

۲...... نہ دینے کی صورت میں زید گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) "ویخرج الزکاة من مال السفیه ...... إلا أن القاضي یدفع قدر الزکاة إلیه لیصر فها إلی مصر فها".
(الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الحجر، الباب الثاني في الحجر للفساد، الفصل الأول: ۵/۵۸، رشیدیه)
(وکذا في بدائع الصنائع، کتاب الحجر، فصل في بیان حکم الحجر: ۱۰/۸۶، دارالکتب العلمیة، بیروت)
(وکذا في البحر الرائق، کتاب الاکراه، باب الحجر: ۸/۱۴۸، رشیدیه)

۳......زید کے ذمہ واجب نہ ہونے کی صورت میں مدرسہ کا مہتمم جبراً یہ روپیہ زید سے لے سکتا ہے یا نہیں؟

۴......زید سے یہ باقی ماندہ روپیہ لینے کی صورت میں مدرسہ کا مہتمم گناہ گار یا فاسق ہوگا یا نہیں؟

۵......زید کے ذمہ ان روپیوں کے واجب الادا ہونے کی صورت میں اگر زید سے مدرسے کے مہتمم ناراض ہوں اور دل میں کسی قسم کی کشیدگی و کدورت رکھیں تو مہتمم اس کشیدگی و ناراضی سے گناہ گار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱، ۲......جب یہ روپے مکتب کے نام مہتمم صاحب کے پاس آئے تو مہتمم صاحب کو حق نہیں تھا کہ کسی غیر آدمی کو دیدیں، غیر آدمی کو دینے کی وجہ سے ان کے ذمہ ضمان لازم ہے (۱) پھر جتنا روپیہ اس نے دیا اس کا مکتب میں صَرف کرنا اس دینے والے کی طرف سے درست ہے، جو باقی رہ گیا اس کا ابھی مدرسہ میں دینا معتبر نہیں، اس پر مہتمم کا قبضہ نہیں ہوا تھا، وہ وعدہ کے درجہ میں ہے اس کو چاہئے کہ اپنا وعدہ پورا کرے اور بقیہ روپیہ دیدے، بلا وجہ وعدہ خلافی کرنا گناہ ہے (۲)۔

---

(۱) "سئل عمر الحافظ عن رجل دفع إلی الآخر مالاً فقال له: هذا زکاة مالي فادفعها إلی فلان، فدفعها الوکیل إلی الآخر، هل یضمن؟ فقال: نعم، له التعیین". (التاتارخانیة: ۲/۲۸۴، الفصل التاسع فی المسائل المتعلقة بمعطی الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲/۲۶۹، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۳۷۱، کتاب الزکاة، رشیدیه)

" و قدمنا أن الحیلة أن یتصدق علی الفقیر، ثم یأمره بفعل هذه الأشیاء، و هل له أن یخالف أمره؟ لم أره، والظاهر نعم". (الدرالمختار). "وقال: لأنه مقتضی صحة التملیک، قال الرحمتی: الظاهر أنه لا شبهة فیه؛ لأنه ملکه إیاه عن زکاة ماله، و شرط علیه شرطاً فاسداً، الخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۳۴۵، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصرف، امدادیه)

(وکذا فی الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر: ۱/۳۲۹، باب المصرف، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) "وعن عبدالله بن عامر قال: دَعَتْنِيُ أمي یوماً ورسول الله صلی الله علیه وسلم قاعد فی بیتنا، فقالت: =

۳...... جبراً اس سے لینے کا مہتمم کو حق نہیں (۱)۔

۴...... مہتمم اس کو روپیہ ناحق دیکر گنہگار ہو چکا اب اس سے لینے کا حق نہیں کہ وصول نہ کرنے کی وجہ سے مستقل گناہ گار رہو۔

۵...... زید کے ذمہ دیانۃً وعدہ کر لینے کی وجہ سے اس کا دینا واجب ہے (۲)، زید تو اپنی طرف سے کہہ چکا تھا کہ میں نے یہ روپیہ مدرسہ کو دیا، اس کو مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کرو، اگر اس کہنے کے بعد وہ روپیہ مہتمم کے ہاتھ میں دے دیتا تو وہ مدرسہ کا ہو جاتا (۳) پھر مہتمم زید کو دیتا تو یہ امانت ہوتا اور مہتمم کو ان کا واپس لینا قضاءً و قانوناً بھی برحق ہوتا اور واپس نہ لینے کی وجہ سے وہ گناہگار بھی ہوتا، مگر چونکہ اس پر مہتمم کا قبضہ نہیں ہوا اس لئے زید کی ملک ختم نہیں ہوئی لہذا یہ دینا وعدہ کے درجہ میں رہ گیا۔ زید کو اور مہتمم کو مسئلہ سمجھا دیا جائے تا کہ دونوں اس کے موافق عمل کریں اور کشیدگی اور ناراضگی کو ختم کر دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۷/ ۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۷/ ۹۲ھ۔

حیلۂ تملیک

سوال [۴۲۰۴]: اگر اہلِ برادری زکوۃ کا روپیہ فقیر مدرسہ ومکانات احاطۂ مسجد میں صَرف

= ها تعال! أعطيک، فقال لها رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ماأردت أن تُعطيَه"، قالتْ: أردتُ أن أعْطيَه تمْرًا، فقال لها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أمَا أنكِ لو تعطيه شيئاً، كُتِبتْ عليكِ كَذِبَةٌ". رواه أبوداؤد والبيهقى فى شعب الإيمان". (مشكوٰة المصابيح، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثانى، ص: ۴۱۶، قديمى)

(۱) "عن أبى حُرّة الرقّاشى عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لايحل مال امرئ إلابطيب نفسٍ منه". رواه البيهقى فى شعب الإيمان والدار قطنى فى المجتبى". (مشكوٰة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغضب والعارية، الفصل الثانى، ص: ۱/ ۲۵۵، قديمى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ يأيها الذين اٰمنوا أوفوا بالعقود ﴾ (المائدة: ۱)

(۳) "(والصدقة كالهبة) بجامع التبرع وحينئذٍ (لاتصح غير مقبوضة) اهـ". (الدرالمختار، كتاب الهبة، فصل فى مسائل متفرقة: ۵/ ۷۰۹، سعيد)

کرنا چاہتے ہیں اس کی صورت یہ تجویز کرتے ہیں کہ مہتمم مدرسہ جو صاحبِ قرض ہیں اور صاحبِ نصاب نہیں ہیں زکوۃ کا پیسہ ان کو دیدیا جائے اور وہ پھر اپنی طرف سے مواقعِ مذکورہ میں فی الحال یا جب ضرورت ہو صَرف کردیں، یا مہتمم صاحب اگر صاحبِ نصاب ہیں تو وہ اس پیسے کو کسی غیر صاحبِ نصاب کو دیدیں وہ پھر مہتمم صاحب کو دیدے، پھر مہتمم صاحب اس کی طرف سے مذکورہ بالا مصرف میں صرف کردے یا کوئی اور صورت جواز کی ہو کہ اس کے مطابق عمل کیا جاوے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح زکوۃ ادا ہوجائے گی: "من علیه الزکوة لو أراد صرفها إلی بناء المسجد والقنطرة، لا یجوز، فإن أراد الحیلة، فالحیلة أن یتصدق به المتولی علی الفقرآء، ثم الفقراء یدفعونه إلی المتولی، ثم المتولی یصرف إلی ذلك، کذا فی الذخیرة، اهـ". عالم گیری ۲/۴۷۳(۱)۔

لیکن مہتمم یا کسی دوسرے مصرف کو مجبور کرنا اور اس پر دباؤ ڈالنا درست نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

حیلۂ تملیک

سوال[۴۶۰۵]: کسی صاحب مال کو کسی اسلامی ادارہ میں کثیر رقم خرچ کرنی ہے، صاحبِ مال یہ حیلہ کرتا ہے کہ کسی مستحقِ زکوۃ کو وہ رقم اس شرط پر دیتا ہے کہ وہ مستحقِ زکوۃ وہ رقم اسلامی ادارہ میں واپس کرے تو یہ حیلہ کیسا ہے، زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اور وہ مستحق زکوۃ جس نے مال اسلامی ادارہ میں واپس کیا ہے اس کو کارِ خیر میں خرچ کرنے کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شرط قطعاً ناجائز ہے، صاحبِ مال کو کسی طرح جائز نہیں کہ مستحقِ زکوۃ کو اس اسلامی ادارہ میں اس رقم

---

(۱) (الفتاویٰ العالکمیریة: ۲/۴۷۳، مطلب: یجوز وقف البناء وحده فی مسئلة القنطرة، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲/۲۷۱، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۲۴، کتاب المصرف، رشیدیه)

(وکذا فی حاشیه الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۷۲۱، باب المصرف، قدیمی)

کے دینے پر مجبور کرے، اگر باوجود شرط کے مستحق زکوۃ وہ رقم اسلامی ادارہ میں واپس نہ دے اب بھی صاحب مال کو واپس لینے کا حق حاصل نہیں رہا، جب مستحق کو رقم کا مالک بنادیا اور اس کے حوالہ کردی تو زکوۃ ادا ہوگی، اب اس کو اختیار ہے کہ وہ رقم جہاں چاہے صرف کرے، چاہے اسلامی ادارہ میں دے چاہے اپنے کسی اَور کام میں لاوے۔ جب ثواب کی جگہ میں صرف کرے گا ثواب کا مستحق ہوگا، ایسی صورت میں شرط اور جبر کا تو حق نہیں ہے صرف تلقین کرسکتا ہے کہ اس ادارہ میں ضرورت زیادہ ہے اور اس میں دینے سے ثواب بھی زیادہ ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب: صحیح سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ۵/ ۵۹ھ۔

تملیک کی صورت

سوال [۴۲۰۶]: ۱...... تملیک کی صورت کیا ہے؟ کیا ان غریب الوطن یا مقیم طلباء سے جن کے اولیاء غنی ہیں، لیکن وہ خود نصابِ زکوۃ کے مالک نہیں ہیں تملیک کرائی جاسکتی ہے؟ نیز کیا تملیک شدہ مال کو تعمیرِ مساجد جیسے دیگر مصارف میں صرف کیا جاسکتا ہے؟ چرم قربانی کی رقم کی بھی تملیک ہوسکتی ہے یا نہیں؟

۲...... تملیک کے لئے مملک کا بالغ ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۲،۱...... کسی مستحقِ زکوۃ سے کہا جائے کہ ہمارے مدرسہ میں تعمیر یا تنخواہ یا خریداری مال وکتب وغیرہ کی ضرورت ہے، پیسہ موجود نہیں ہے تُو مدرسہ کی امداد کردو، وہ کہے گا کہ میں خود غریب مستحقِ زکوۃ ہوں میرے پاس پیسہ نہیں میں کہاں سے دونگا؟ اس سے کہا جائے گا کہ تم کسی سے مثلاً زید سے قرض لے کر دیدو، اللہ تعالیٰ تمہارا

---

(۱) "والحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء، فتكون لرب المال ثواب الزكاة، وللفقير ثواب هذا التقرب، ذكره في البحر. وهل له أن يخالف أمره؟ لم أره، والظاهر نعم".

(الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر: ۱/ ۳۲۹، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/ ۴۶۲، باب المصرف، امداديه)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۳۴۵، باب المصرف، سعيد)

قرض ادا کردے گا، اس کی ذات سے امید ہے، وہ شخص زید سے قرض لاکر مدرسے میں دیدے، اس سے تنخواہ، تعمیر وغیرہ کی ضرورت پوری کرلی جائے، پھر اس کو مذکورہ رقم دی جائے جس سے وہ قرض ادا کردے۔

جو طالب علم بالغ ہو، صاحبِ نصاب نہ ہو اس سے بھی تملیک کرائی جاسکتی ہے اگرچہ اس کے ولی غنی ہوں، نابالغ سے تملیک نہ کرائی جائے۔ جمیع صدقاتِ واجبہ، چرمِ قربانی وغیرہ میں یہ صورت ہوسکتی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۳ھ۔

حج کے لئے حیلۂ تملیک

سوال[۴۲۰۷]: احقر کو میراثی ترکہ سے حصہ ملا ہے، کل تین سو روپیہ ہیں، وہ اس طرح کہ مرحومہ بیوی کے حصہ میں باپ کا ترکہ کل نوصد روپیہ آیا جس کے حسبِ وصیتِ مرحومہ تین حصہ کئے گئے: ایک حصہ مرحومہ کی بہن کو ملا اور ایک احقر کو اور ایک حصہ مرحومہ کے ایصالِ ثواب کا نکال کر ڈیڑھ سو میرے پاس ہیں اور ڈیڑھ سو مرحومہ کی بہن کے پاس ہیں، گویا ڈیڑھ سو ایصالِ ثواب میں میں صرف کروں گا اور ڈیڑھ سو مرحومہ کی بہن صرف کرے گی۔

چونکہ مرحومہ کی بیماری میں روپیہ بھی دوا کے لئے بھیجے تھے جو مرحومہ کی کچھ دوا میں لگ گئے باقی ماندہ کچھ مرحومہ اپنے ہاتھ سے خیرات کرگئی، کچھ میں نے ایصالِ ثواب میں لگا دیئے، وہ پچاس روپیہ بہن نے اس کے تین تہائی حصہ میں وضع کرکے احقر کو کل چار سو روپیہ دیئے جس میں تین سو میرے حصے کے ہیں اور ایک سو مرحومہ کے حصہ کے ہیں، اب میں کل تین سو کا مالک ہوں اس کے علاوہ میں نے جو اپنے سرمایہ کا حساب دیکھا تو قرض وغیرہ ادا کرکے کل پچاس روپیہ کا حساب ہے جس میں پچاس سے زیادہ ادھار میں ہیں جن کی عند

---

(۱)"لا تدفع الزكاة لبناء المسجد .... و كذا بناء القناطير و إصلاح الطرقات .... و إن أريد الصرف إلى هذه الوجوه، صرف إلى فقير، ثم يأمره بالصرف إليها، فيثاب المزكى و الفقير". (مجمع الأنهر: ۱/۳۲۸، باب المصرف دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۱/۱۲۱، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۳۹۲، الفصل الثالث في مسائل الآبار من الحيل، رشيديه)

الضرورت وصولیت کی پختہ امید نہیں اور ایامِ حج کے چھ سات مہینے باقی ہیں، نہ معلوم اتنے دن اگر رہا ان میں سے کچھ گھٹے گا یا بڑھے گا اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے کہ کیا صورت ہوگی، مذکورہ رقم میں سے پچاس روپیہ ادھار دیدیئے۔

جب احقر کو بہت تنگی ہوئی اور گزارہ مشکل ہونے لگا تو ادھار بھی ایسا ہے کہ وقت پر نہ ملے۔ احقر کے سرمایہ کی یہ صورت ہے اور فریضہ حج کی ادائیگی ذمہ ہے، اس لئے عرض کیا تھا کہ مرحومہ کے حصہ کے جو یک صد روپیہ باقی ہے اگر ان کی اجازت مل گئی تو ساڑھے تین سو کے قریب روپیہ قبضہ میں آجائے گا، حج کا ارادہ کرلوں گا، گو اتنا روپیہ بھی مجھ معذور کے لئے کافی معلوم نہیں ہوتا کیونکہ مجھے معیت کے لئے ہر وقت ایک مستقل آدمی کی ضرورت ہے کیونکہ وہ سفر تو دور دراز کا ہے، اگر قریبی سفر میں جاتا ہوں بغیر معیت دوسرے آدمی کے پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔

سہارنپور جب گیا بازار میں تانگا موٹر کی بھیڑ میں کئی دفعہ چوٹ سے بچا اور مغرب کے بعد تو اندھیرے میں کہیں آنے جانے کی بہت ہی دقت ہوتی ہے حتی کہ دن کو مکان میں بیٹھا ہوا آدمی بہت دیر میں پہچانا جاتا ہے، چنانچہ اپنے حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب اور مولانا الیاس صاحب چھوٹے مدرسہ کی سہ دری میں تشریف فرما تھے، صبح کے وقت جب میں گیا تو پہچان نہیں سکا، یوں ہی السلام علیکم کی، انہوں نے سلام کا جواب دیا اس وقت مصافحہ کیا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ وہ یک صد روپیہ کسی غریب کو برائے ایصالِ ثواب دیدیا جائے وہ اگر اپنی خوشی سے آپ کو دے دے تو پھر آپ اس کو اپنے صرف میں لا سکتے ہیں، مرحومہ نے آپ کو اس روپیہ کے مصرفِ خیر پر صرف کرنے کا وکیل بنایا ہے خود رکھنے کی اجازت نہیں دی اس لئے بغیر تملیک کے آپ کو خود رکھنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱۰/۳/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہٰذا، صحیح: عبد اللطیف، ۱۵/ ربیع الاول/ ۵۹ھ۔

---

(۱) "قال الطيبي: إذا تصدق على المحتاج بشئ ملكه، فله أن يهدي به إلى غيره. الخ". وهو معنى قول =

صدقۂ نافلہ کے ہوتے ہوئے حیلۂ تملیک

سوال[۴۲۰۸]: ہمارے مدرسہ میں نافلہ کی مد میں بھی کچھ روپیہ باقی رہتا ہے مگر زکوۃ کی رقم حیلۂ تملیک کے بعد مدرسین کی تنخواہ وغیرہ میں صرف کی جاتی ہے، کیا صدقاتِ نافلہ جب تک بالکل ختم نہ ہوجائے اس وقت تک حیلۂ تملیک جائز نہیں؟ ان مفاد کے پیش نظر زکوۃ کی رقم کو حیلہ تملیک کے ساتھ نافلہ بنایا جاتا ہے کہ مرکز کی زکوۃ جلد از جلد ادا ہوجاتی ہے اور عوام الناس اور مجہول الحال لوگوں پر صَرف کرنے میں دل کو خدشہ باقی رہتا ہے کہ کہیں یہ صاحبِ نصاب تو نہیں، نیز تملیک کے بعد یہ وسعت ہوجاتی ہے، زکوۃ کی مد میں صَرف کرسکتے ہیں اور نافلہ کی مد میں بھی (حسبِ ضرورت) وغیرہ۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عواقب کے پیشِ نظر اس کی گنجائش ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

سیّد سے تملیکِ زکوٰۃ

سوال[۴۲۰۹]: سید جبکہ غریب ہو اس سے مدرسہ کی تملیک کراسکتے ہیں یا نہیں؟

= ابن ملک: فیحل التصدق علی من حرم علیه بطریق الهدیة". (مرقاة المفاتیح: ۳۳۸/۴، باب من لاتحل له الصدقة، رشیدیه)

"والحیلة لمن أراد ذلک أن یتصدق ینوی الزکاة علی فقیر، ثم یأمره بعد ذلک بالصرف إلی هذه الوجوه، فیکون لصاحب المال ثواب الصدقة ولذلک الفقیر ثواب هذا الصرف، وإن ملک المال من الحاج لیحج عن نفسه دون المالک، جاز لوجود التملیک من الفقیر". (التاتارخانیة: ۲۷۲/۲، الفصل الثامن بمن توضع الزکاة فیه، غفاریه)

(۱) "و کل حیلة یحتال بها الرجل، لیتخلص بها عن حرام، أو لیتوصل بها إلی حلال، فهی حَسنةٌ، والأصل فی جواز هذا النوع من الحِیَل قول الله تعالیٰ: ﴿خذ بیدک ضغثاً فاضرب به ولاتحنث﴾ (الفتاویٰ العالمکیریة: ۳۹۰/۶، الفصل الأول فی بیان جواز الحیل و عدم جوازها، رشیدیه)

(وکذا فی أحکام القرآن للجصاص: ۵۶۶/۳، فصل: سورة، صٓ، قدیمی)

الجواب حامداومصلیاً:

ساداتِ کرام کی خدمت پورے ادب اوراحترام کے ساتھ زکوۃ وغیرہ کے علاوہ دوسرے طُرق سے کی جائے ،صدقاتِ واجبہ ان کے لئے جائز نہیں (۱) ان سے تملیک بھی نہ کرائی جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/ ۸۵ھ۔

کیا مہتمم مدرسہ کو زکوۃ دینے سے زکوۃ ادا ہوجائے گی؟

سوال [۴۲۱۰]: گزارش ہے کہ احقر کو ایک مسئلہ درپیش ہے اور چونکہ اس میں زید (عالم) کی طرف سے چند کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں اس لئے احقر آپ سے تحقیق کی غرض سے ملتمس ہے کہ آیا زید نے جو عبارات تحریر کی ہیں وہ مفتیٰ بہا اور معمول بہا ہیں یا نہیں؟ درصورتِ ثانیہ وجۂ متروکیت ذکر فرما کر عنایت فرمادیں، اولاً مسئلہ مبتلیٰ بہا ذکر کرتا ہوں بعد ازیں زید کی پیش کردہ عبارات درج کروں گا۔

مسئلہ: احقر ایک مدرسہ کا رُکن ہے اس لئے حصولِ چندۂ مدرسہ کا کام بھی انجام دینا ہوتا ہے، زید نے مجھ سے کہا کہ تم نے جو چندہ فراہم کیا اس پر مدِ زکوۃ اور دونوں رقوم کو نیز رقوم مزکین مختلطین کو اگر باہم اختلاط

---

(۱) (الدرالمختار: ۲/ ۳۵۱، سعید)

"ولایدفع إلی بني هاشم، وهم آل عليّ وآل عباس وآل جعفر وآل عقیل وآل الحارث بن عبدالمطلب......هذافی الواجبات کالزکاة، والنذر، والعشر، والکفارات، فأماالتطوع فیجوز الصرف إلیهم". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۱۸۹ الباب السابع فی المصارف، رشیدیه)

(وکذا فی إعلاء السنن: ۹/ ۹۳، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی البدائع: ۲/ ۴۸۲، فصل الذی یرجع إلی المؤدی إلیه، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی فتح القدیر: ۲/ ۲۷۲، فصل: الذی یرجع إلی المؤدی إلیه، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذا فی البحرالرائق: ۲/ ۴۲۹، باب المصرف، رشیدیه)

(وکذا فی مرقاة المفاتیح: ۴/ ۲۳۵، باب لا تحل له الصدقات، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/ ۳۳۰، باب بیان أحکام المصرف، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/ ۴۶۵، باب المصرف، إمدادیه)

کردیا ہوتو مزکین کی زکوۃ ادانہیں ہوئی اور تم اس رقم زکوۃ کے ضامن ہوئے اور تمہاری طرف سے مدرسہ میں تبرع ہوا، چنانچہ احقر نے بناءً علی حسن الظن بالعلماء یہ جواب دیا کہ اکثر و بیشتر مدارس کی طرف سے جو محصلین دورہ کرتے ہیں یا تو وہ خود بھی عالم ہوتے ہیں یا مرسل من المہتمم العالم ہوتے ہیں، نیز علمائے دیوبند وسہارنپور جیسے معتبر و معتمد حضرات اس مسئلۂ اختلاط سے واقف ضرور ہوں گے اور جانتے ہیں کہ اختلاطِ رقوم میں ضمان آتا ہے اور باوجود اس کے ساکت ہیں لہذا کچھ حرج معلوم نہیں ہوتا۔

زید نے کہا سکوت محض اثباتِ جواز کے لئے ناکافی ہے جب کہ عالمگیری، بزازیہ، شامی وغیرہ میں عدمِ جواز کی تصریح ہے، البتہ حسنِ ظن بھی قائم رہ سکتا ہے، بایں وجوہ ممکن ہے دیوبند وسہارنپور کے سفیر اختلاط سے اجتناب کرتے ہوں، یا ممکن ہے کتبِ مذکورہ کے خلاف فقہاء کا کوئی راجح، اقویٰ اور مفتیٰ بہ قول ان کے پیش نظر ہو جو مثبتِ جوازِ اختلاط ہو، لیکن پھر بھی جب تک اس قولِ راجح کی تصریح ہمارے پاس نہ ہو اس وقت تک کتبِ مذکورہ بالا پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ پس احقر ملتمس ہے کہ جواب باصواب سے سرفراز فرمائیں۔ فاحکم بیننا بالحق۔

عبارات کتب:

" رجلان دفع كل واحد منهما زكوة ماله إلى رجل ليؤدي عنه، فخلط مالهما، ثم تصدق، ضمن الوكيل، وكانت الصدقة عنه". عالمگیری، جلد اول، مسائل متفرقة من كتاب الزكاة (۱)۔

"رجلان دفع كل واحد منهما زكوة ماله إلى واحد يتصدق به عن زكوته إلى فقير، فخلط قبل الدفع .... يجب الضمان على الكل". بزازية على هامش العالمگيريه(۲)۔

"و لو خلط زكوة مؤكليه، ضمن و كان تبرعاً درمختار۔ "(قوله: ضمن و كان تبرعاً)؛ لأنه ملكه بالخلط، و صار مؤدياً مال نفسه. وقال في التاتارخانية: إلا إذا وجد الإذن أوأجاز المالكان. ثم قال في التتارخانية: أو وجدت دلالة الإذن بالخلط، ويتصل بهذا العالم إذا سئل

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، مسائل متفرقة: ۱/۱۸۳، رشيديه)

(۲) (البزازية، كتاب الزكاة، ۴/۸۶، رشيديه)

لـلفقراء شيئاً و خلط، يضمن. قلت (والقائل العلامة الشامى): و مقتضاه أنه لو وجد العرف، فلا ضـمـان، لـو جود الإذن حينئذ دلالةً، والظاهر أنه لا بد من علم المالك بهذا العرف، ليكون إذناً منه دلالةً". شامى ملخصاً(۱)۔

"قال زيد مستفتياً: هل يجعل الاختلاط الواقع فى المسئله المسئولة مأذ وناً عرفاً أم لا؟ فإن الـواقـع بـاختـلاط لـلشتة، و لـكـن لا يـعلم مسئلة الاختلاط، و لا يخطر بباله قط أنه يتغير الأحـكـام بـالاخـتـلاط، و عـدمـه لـكونه جاهلاً، فيسكت و لا يمنع من الاختلاط، فهل يجعل سكوته فى هذه الصورة إذناً له دلالةً أم لا يشترط علم بمسئلة الاختلاط؟

الراقم: غلام رسول بن حاجی اسماعیل، مدرسہ تعلیم الاسلام آنند۔

ضلع کھیڑہ (گجرات) مورخہ ۱۲/ ذی قعدہ/ ۶۵ھ، مطابق ۹/ اکتوبر/ ۴۶ء۔

الجواب حامداً و مصلياً:

مدرسہ کا مہتمم وکیل ہوتا ہے طلبہ (فقراء) کی طرف سے کہ اربابِ اموال سے زکوۃ وصول کر کے طلبہ پر صرف کرے، اس صورت میں بلا شبہ مختلف اربابِ اموال کی زکوۃ کو خلط کرنا مہتمم کے لئے درست ہے، درمختار کی جو عبارت سوال میں نقل کی گئی ہے اس کے متصل ہی ایک استثناء بھی مذکور ہے اگر اس پر غور کیا جائے تو اربابِ اموال کی طرف سے اذن کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی:

" خلط زكوة موكليه ضمن و كا ن متبرعاً، إلا إذا وكّله الفقراء، اهـ". در مختار۔ "لأنه كـلـمـا قبـض شيـئـاً مـلكوه و صار خالطاً مالهم بعضه من بعض، اهـ ". شامى ۲/ ۱٤ .(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ ۱۱/ ۵۶ھ۔

آج کل اہلِ مدارس اور اربابِ چندہ کا عرف اختلاط ہے اور سب کو معلوم ہے اس لئے خلط کی صورت میں زکوۃ ادا ہو جاتی ہے، ہاں اگر کسی کو معلوم نہ ہو یا وہ خاص طور سے خلط سے روکدے تو پھر زید کا قول صحیح ہے،

(۱) (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/ ۲۶۹، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/ ۲۶۹، سعيد)

لیکن صورتِ مسئولہ میں کسی کا عدمِ علم یا صراحۃً منع کرنا معلوم نہیں ہے اس لئے صورتِ مسئولہ میں ضمان واجب نہیں ہے۔ فقط۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/ ذیقعدہ/ ۶۵ھ۔

سوال متعلقہ سوال وجواب بالا

[۴۲۱۱]: بعدہ احقر غلام رسول بن حاجی اسماعیل عرض گزار ہے کہ آپ کی طرف سے جواب موصول ہوا، پڑھ کر واقف ہوا۔ زید نے کہا کہ واقعی عرف کے تحقق کی وجہ سے تم پر ضمان واجب نہیں مگر جہاں تک جواب کا تعلق ہے مزید تنقیح کی غرض سے ذیل کے معروضہ کی طرف حضرات مجیبین کی طرف توجہ منعطف کرنا مناسب ہوگا۔

الراقم: غلام رسول بن حاجی اسماعیل۔

مدرسہ تعلیم الاسلام آنند گجرات، ۱۱/ ذی الحجہ/ ۱۳۶۵ھ۔

معروضة: تتعلق هٰذا المسئلة بأمور: ۱-**الأول** منها أن الروايات المذكورة مفتیٰ بها أم لا؟ ۲-**والثانی**: أن المهتمم هل يعد وكيلاً من المزكين أم من الفقراء (الطلباء)؟ ۳-**والثالث**: هل يجعل الخلط المبتلیٰ به المسئول عنه مأذوناً عرفاً أم لا؟ ٤-**والرابع**: أنه لوفرض عدم جريان العرف، فسكوت المزكی الجاهل هل هو إذن منه دلالةً أم لا؟ ٥-**والخامس**: أنه إن تحقق العرف فلأجل اشتراط الشامی علم المالك بهٰذا العرف ماشان الوكيل فيما إذا كانا شاكاً فی علم المالك بهٰذا العرف؟ قال زيد: وبالله التوفيق، **أما الأول** فهو ظاهر لعدم التعرض له من أحد المجيبين.

وأما الثانی فإن المجيب (المعين المفتی) مدظلهم جعل المهتمم وكيلاً للفقراء، وليس الأمر (فی زعمی) كذالك، فلا يكون داخلاً تحت الاستثناء المذكورة فی الدرالمختار. نعم لاشك أنه سائل وجامع للفقراء والحكم مذكور فی الشامی صراحةً بقوله: "ويتصل بهٰذا العالم إذا سأل الخ" حيث جعله ضامناً مع أن العلامة ذكر بعد ذلك ليس له الخلط بلا إذنهم .... وضمن للمؤكلين (الفقراء) والكلام فی عدالتهم وكيلاً للفقراء والطلباء يحتاج إلى فكر عميق، فإن الطلبة ليسوا بألسنتهم وكلوه.

كيف وإن بعضهم يدخلون فى المدرسة بعد تحصيل أموال الزكوٰة، ففى حين الحصول كيف يكون هٰذا المحصّل وكيلاً منهم، وان بعضهم يتركون المدرسة ولا يمكثون فيها، فلا يصل إليهم مالهم الذى قبضه وكيلهم حين الإقامة فيها، وأنه لا يفرض إليهم مالهم محرزاً، لكن يأكلون الطعام مادا موا مقيمين فيها بشرط الفوز فى الامتحان، فلو سلّم المهتمم وكيل الطلباء بشكل هٰذا إلا أنه ليس للوكيل اشتراط الإقامة وغير ذٰلك، وإنما هو حق المؤكلين (الطلباء) مطلقاً وملك لهم (فليتأمل)۔

وأما الثالث فقد اعتبر المجيب (المفتى سعيد أحمد مدظلهم) جريان العرف، نعم والأمر كذٰلك مشاهد ومسلم ولا حاجة إلى علم المزكى بالمسئلة الاختلافية (ولكن يشترط علم المزكى بهٰذا العرف)۔

وأما الرابع ففى جعل سكوت الجاهل حينئذ إذناً منه دلالةً يشكل بأن علم الشئى مقدم على إذنه عقلاً فكيف يحصل بدونه؟

وأما الخامس فلعله يقال فيه: إنه لماتحقق العرف جعل المزكى كأنه العالم به. و اللّٰہ أعلم بالصواب۔

الجواب وهو الموفق للسدادو الصواب حامداً ومصلياً:

یہ اشکال اس سے پہلے بھی ہو چکا ہے، حضرت تھانوی نے بھی، حضرت سہارنپوری رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس کو دریافت فرمایا تھا اور جواب پر مکرر اشکال کیا تھا، امداد الفتاویٰ جلد رابع کے آخر میں یہ مُراسلہ منقول ہے، نہایت بہترین علمی مضامین پر مشتمل ہے۔

حضرت گنگوہیؒ سے بھی اس کو دریافت کیا گیا تھا، وہ سوال و جواب تذکرۃ الرشید، ص:۱۶۴، ۱۶۵، سے نقل کرتا ہوں (۱):

”**سوال**: مدرسہ میں جو چندہ وغیرہ کا روپیہ آتا ہے وہ وقف ہے یا مملوک؟ اگر وقف ہے تو بقاء عین واجب ہے اور صَرف بالاستہلاک ناجائز ہے؟ اگر مملوک ہے اور مہتمم صرف وکیل، تو معطیِ چندہ اگر مرجائے

---

(۱) (امداد الفتاویٰ، کتاب الوکالۃ: ۳/۶۱۳، دار العلوم دیوبند، کراچی)

ورثہ کا حق ہے اس کی تفتیش وکیل کو واجب ہے۔ زمانہ شارع علیہ السلام وخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں جو بیت المال تھا اس میں یہ اشکال جاری ہے، بہت سوچا مگر قواعدِ شرعیہ سے حل نہ ہوا اور مختلف چندوں کو خلط کرنا استہلاک ہوجانا چاہیے اور مستہلک ملکِ مستہلک ہوکر صَرف کیا جائے تو اس کا تبرع ہوگا اور مالکوں کا ضامن ہوگا، اگر یہ ہے تو اہلِ مدرسہ کے امیر انجمن کو سخت دقت ہے۔ امید ہے کہ جواب باصواب سے مشفی فرمائیں۔

جواب: مہتمم مدرسہ کا، نائب جملہ طلبہ کا ہوتا ہے جیسے امیر نائب جملہ عام کا ہوتا ہے، پس جو شئی کسی نے مہتمم کو دی مہتمم کا قبضہ خود طلبہ کا قبضہ ہے، اس کے قبضہ سے ملک معطی سے نکلا اور ملک طلبہ کا ہوگیا اگر چہ وہ مجہول الکمیت والذات ہوں مگر نائب معیّن ہے، پس بعد موت معطی کے ملک ورثہ معطی اس میں نہیں ہوسکتی اور مہتمم بعض وجوہ میں وکیل معطی کا بھی ہوسکتا ہے۔ بہر حال نہ یہ وقف مال ہے اور نہ ملک ورثہ معطی کی ہوگی اور نہ خود معطی کی ملک رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم''(۱)۔

اس مختصر سے جواب میں زید کے جملہ اشکالات کا حل موجود ہے بشرطیکہ فکرِ عمیق سے مطالعہ کیا جائے۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶۵/۱۲/۱۵ھ۔

دوبارہ جو تنقیحات اور ان کے جوابات زید کی طرف سے نقل کئے گئے ہیں ان کو دیکھا، ان کے دیکھنے کے بعد بھی اصل مسئلہ کے جواب میں کوئی فرق نہیں آیا، اس لئے اب بھی بندہ کی رائے وہی ہے کہ صورتِ مسئولہ میں ضمان واجب نہیں ہے، باقی وکالتِ مہتمم کا مسئلہ اختلافی ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ دونوں کا اس میں اختلاف ہے(۲)، بعد میں بھی فقہاء کا اختلاف رہا ہے۔ حضرت گنگوہیؒ کی تحریر مفتی صاحب نے نقل کردی ہے اس لئے اس میں کلام کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۶۵ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/ ذی الحجہ/ ۶۵ھ۔

---

(۱) (تذکرة الرشید، عنوان شبہات فقھیه ومسائل مختلف فیھا، ص: ۱۶۴، ۱۶۵، ادارۂ اسلامیات، لاھور)

(۲) "لو أدی زكاة غيره بغير أمره فبلغه فأجاز، لم يجز ...... قال في البحر: ولو تصدق عنه بأمره، جاز، ويرجع بمادفع عند أبي يوسف. وعند (محمد) لايرجع إلا بشرط الرجوع، اھـ". (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/ ۲۶۹، سعيد)

مہتمم سے مال زکوۃ ضائع ہوجانے پر زکوۃ کا حکم

سوال[۴۲۱۲]: زکوۃ کی رقم مہتمم مدرسہ یا اس کے نائب سے کسی ناگہانی حادثے یا کسی اوروجہ سے تلف ہوجائے تو کیا ضمان واجب ہوگا اورزکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر بالفرض زکوۃ ادا نہ ہوئی اورضمان واجب ہوا اور ضمان کی ادائیگی مہتمم کے امکان سے باہر ہے تو اس کی تلافی کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر باوجود حفاظت کے و پوری سعی و انتظام کے ایسا ہوجائے تو ضمان لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

مہتمم کے پاس سے زکوۃ چوری ہوگئی

سوال[۴۲۱۳]: زید نے عمر کو پانچ روپیہ زکوۃ کے دے دیئے کہ وہ اپنے مدرسہ کے طلباء کو تقسیم کردے، عمر مہتمم مدرسہ ہے، اتفاق کی بات کہ وہ پانچ روپے عمر کے پاس اسی مدرسہ کے طلبہ نے چُرا لئے۔ کیا اس طرح مالِ زکوۃ چوری ہونے سے زکوۃ ادا ہوگئی؟ اگر نہیں تو ان پانچ روپیہ مالِ مسروقہ کا دَیندار کون ہے زید یا عمر؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) چونکہ مہتمم امین ہوتا ہے اور امین سے امانت میں کوتاہی نہ ہونے کی صورت میں ضائع ہونے سے ضمان لازم نہیں آتا:

"فی النوازل: إذا قال المودع: سقطت الودیعة أو "بیفتاد از من" لایضمن. ولو قال: أسقطت أو بالفارسیة: "بیفکندم" .... ولو قال: لاأدری أضاعت أو لم تضع، لایضمن بالإسقاط. ولو قال: لاأدری أضعتها أو لم أضع، یضمن رجلٌ دفع إلی دلال ثوباً لیبیعه، ثم قال الدلال: وقع الثوب من یدی وضاع، ولا أدری کیف ضاع، قال الشیخ الإمام أبوبکر محمد بن الفضل رحمه اللہ تعالیٰ: لاضمان علیه .... وفی الفتاویٰ: سئل ابن الفضل عمن دفع جواهر إلی رجل لیبیعها، فقال القابض أنا أُریها تاجراً لأعرف قیمتها، فضاعت الجواهر قبل أن یریها، قال: إن ضاعت أو سقطت بحرکته، ضمن، وإن سرقت منه أو سقطت لمزاحمة أصابته من غیره لم یضمن". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الرابع فیما یکون تضییعاً لودیعة الخ، فیما یضمن المودع و ما لا یضمن: ۴/ ۳۴۲، رشیدیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کے لئے تملیک شرط ہے، اباحت بھی کافی نہیں چہ جائیکہ مصرف کا چوری کر لینا۔ عمر مہتمم مدرسہ اگر صرف معطی زکوۃ کا وکیل ہے تو صورتِ مسئولہ میں زکوۃ ادا نہیں ہوئی۔ پھر اگر بغیر تعدّیٔ مہتمم یعنی باوجودِ حفاظتِ تامہ کے چوری ہوگئی تو عمر پر ضمان لازم نہیں، زید دوبارہ زکوۃ ادا کرے، کیونکہ وکیل امین ہوتا ہے اور امین کا یہی حکم ہے۔ اگر عمر کی طرف سے تعدّی ہوئی یعنی حفاظت میں کوتاہی کی تو عمر پر ضمان لازم ہے۔ عمر مہتمم مدرسہ اگر طلباء کا وکیل ہے تو اس کا قبضہ طلباء ہی کا قبضہ ہے، لہٰذا زکوۃ ادا ہوگئی، کسی پر ضمان لازم نہیں:

"(الزكوة: هی تمليك) خرج الإباحة، فلو أطعم يتيماً ناوياً الزكاة، لايجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم كما لوكساه بشرط أن يعقل القبض، اهـ". درمختار(۱)۔ "(قوله: خرج الإباحة): أی فلا تكفی فيها .... (قوله: إذا دفع الخ) مقيّدٌ بما إذا لم يكن أبوه غنياً؛ لأنه يعدّ غنياً لِغنیٰ أبيه .... ومنه علم أنه لايشترط فی المدفوع إليه البلوغُ بل ولا العقل؛ لأنّ تمليك الصبی صحيحٌ، لكن إن لم يكن عاقلاً فإنه يقبض عنه وصيّه أو أبوه أو مَن يعوله، قريباً أو أجنبياً أو الملتقط. وإن كان عاقلاً فقبض مَن ذُكر، وكذا قبضه بنفسه، اهـ". طحطاوی: ۱/۳۸۸(۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/ شعبان۔

مہتمم مدرسہ، طلبہ کا وکیل ہے یا معطی کا؟

سوال[۴۶۱۴]: مہتممِ مدرسہ غرباء کا وکیل ہوتا ہے یا اربابِ اموال کا، اربابِ اموال اور غرباء کے

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۵۶، ۲۵۷، سعيد)

(وكذا فی التاتارخانيه: ۲/۲۷۵، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكوة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فی البحر الرائق: ۲/۲۲۴، باب المصرف، رشيديه)

(۲) (حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار: ۱/۳۸۸، دارالمعرفة، بيروت)

وکیل کی کیا تعریف ہے اور کیا حد ہے؟ ان دونوں کا وکیل کوئی کس طرح بنتا ہے، دونوں میں امتیازی فرق کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہتممِ مدرسہ کو اربابِ اموال نے صراحۃً وکیل بنایا ہے کہ ہمارا مال حسبِ صوابدید مصارف میں صَرف کردیں، غرباء کا بھی وکیل ہے اس طرح کہ طلبہ نے جب اس کے اہتمام کو تسلیم کرلیا تو گویا یہ کہہ دیا کہ آپ ہمارے واسطے اربابِ اموال سے زکوٰۃ وغیرہ وصول کرکے ہماری ضروریات (کھانا، کپڑا وغیرہ) میں صرف کردیں۔ امداد الفتاوی جلد نمبر ۴ (۱) کے اخیر میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق سوال کیا ہے اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا ہے، نہایت مفید علمی سوال ہے اور ایسا ہی جواب ہے، جس سے شبہ مرتفع ہوجاتا ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مہتمم مدرسہ طلبہ کا وکیل ہے یا معطی کا؟

سوال [۴۲۱۵]: زکوٰۃ کا روپیہ مدرسہ کے غریب فنڈ میں داخل کردینے سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی یا نہیں؟ مسئلہ یہ ہے کہ یہ روپیہ طلبہ میں بتدریج تقسیم ہوگا اور مدت تک فنڈ میں جمع رہے گا، معطیٔ زکوٰۃ کے ذمے سے بعد ادخال فی المدرسہ زکوۃ ساقط ہوگی یا بعد التقسیم بین الطلبہ؟ اگر ثانی صورت ہے تو قبل التقسیم اگر وہ بوجۂ آفت یا چوری نقصان ہوجائے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، تو یہ تاخیر کیونکر ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اربابِ مدرسہ کو طلبہ کا وکیل تسلیم کرلیا جائے تو یہ شبہ ہی وارد نہیں ہوتا کیونکہ اس کا قبضہ طلبہ کا قبضہ ہے، اگر اصحابِ اموال کا وکیل مانا جائے تو نفس الأمر میں زکوٰۃ اس وقت ادا ہوگی جب کہ طلبہ پر تقسیم ہوجائے، لیکن اگر خدانخواستہ قبل تقسیم اضطراراً ضائع ہوگیا تو اربابِ مدرسہ پر ضمان لازم نہیں جیسا کہ ساعی پر لازم نہیں اور

---

(۱) (امداد الفتاویٰ، کتاب الوکالۃ: ۳/۳۱۶، دار العلوم کراچی)

(۲) (تذکرۃ الرشید، ص ۱۶۴، بعنوان "شبہات فقہیہ ومسائل مختلف فیہا")

اصحابِ اموال سے زکوٰۃ ساقط ہوجاوے گی۔ امداد الفتاویٰ میں متعدد مقامات پر اس کی بحث ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ادارے میں زکوٰۃ کی رقم سال بھر سے زیادہ پڑے رہنا

سوال [۴۲۱۶] : ہمارے یہاں ایک قومی ادارہ ہے جو غریب، یتیم، بیواؤں کی امداد کے لئے قائم کیا گیا ہے اور وہ اپنی خدمات ماشاء اللہ انجام بھی دیتا ہے، اس کی نوعیت یہ ہے کہ ہر سال رمضان المبارک میں زکوٰۃ، فطرہ اور عید الأضحیٰ کے موقع پر چرم قربانی جمع کرتا ہے اور سال بھر ماہانہ یتیم، بیواؤں کو ایک مقدارِ مقرر دی جاتی ہے۔ فی الوقت ادارے کے پاس جمع شدہ کئی سال کی کچھ رقم موجود ہے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح رقم زکوٰۃ، فطرہ کی جمع کرکے رکھنا درست ہے یا سال بھر مکمل جتنی رقم جمع ہو صرف کردی جائے؟ حکم شریعت سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ، فطرہ دینے والوں نے ادارے کے ذمہ داروں کو وکیل بنایا ہے کہ ان کی زکوٰۃ، فطرہ کو صحیح جگہ پر صَرف کردیں، جب تک وہ صرف نہیں کریں گے زکوٰۃ، فطرہ کی ادائیگی نہیں ہوگی، ذمہ بری نہیں ہوگا، واجب باقی رہے گا (۲)۔ ایسی رقوم پر سال بھر گزر جانا اچھا نہیں ہے اور واجب میں اتنی دیر نہ کی جائے، درمیان میں حوادث کا بھی احتمال رہتا ہے، گذشتہ رقم جو کچھ باقی ہو اس کو حسبِ ضرورت غرباء اور مستحق کو دیدے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۱۷/۹۱ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(۱) (امداد الفتاویٰ: ۲/۴۵، ۴۶، مکتبہ دار العلوم کراچی)

(وامداد الفتاویٰ: ۳/۵۳۴، مکتبہ دار العلوم)

"بخلاف ما إذا ضاعت في يد الساعي؛ لأن يده كيد الفقراء". (ردالمحتار: ۲/۲۷۰، کتاب الزکوٰۃ، سعید)

(۲) "ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء". (الدرالمختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: "(قوله: ولا يخرج عن العهدة بالعزل) فلو ضاعت لاتسقط عنه الزكاة، ولو مات كانت ميراثاً عنه، بخلاف ما إذا ضاعت في يد الساعي؛ لأن يده كيد الفقراء". (ردالمحتار، کتاب الزکوۃ: ۲/۲۷۰، سعید)
(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكوة: ۲/۳۶۹، رشيديه)

باب مصارف الزکاۃ

(زکوٰۃ کے مصارف کا بیان)

فقیر کی تعریف

سوال[۴۲۱۷]: زید مسلکِ شافعیہ وحنفیہ کے اصول کے مطابق صاحبِ نصاب نہیں، زید پر زکوۃ واجب نہیں ہے، زید کو زکوۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو زید کا شمار کس فرقہ میں ہوگا؟ اگر مساکین میں ہے تو مساکین کی تعریف وتشریح کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جو شخص مقدارِ نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی کا مالک نہ ہو وہ مستحقِ زکوۃ ہے، ایسے شخص کو شرعاً فقیر کہتے ہیں، بعض نے مسکین کی یہ تعریف کی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۵ھ۔

مسکین کسے کہتے ہیں؟

سوال[۴۲۱۸]: مسکین کی کیا تعریف ہے؟ مفصل تحریر کیجئے۔

---

(۱) "مصرف الزکوة والعشر هو فقير، وهو من له أدنى شيء: أى دون نصاب، أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة، ومسكين من لا شئ له على المذهب". (الدرالمختار). "(قوله: على المذهب) من أنه أسوأ حالاً من الفقير، وقيل: على العكس، والأول أصح". (ردالمحتار: ۳۳۹/۲، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۴۱۹/۲، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲۶۱/۲، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۳۲۴/۱، باب في بيان أحكام المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس کے پاس کچھ نہیں، کھانے اور بدن چھپانے کے لئے بھی سوال کی حاجت پیش آئے:

"مسکین من لا شیء لہ، فیحتاج إلی المسألة لقُوتہ و ما یواری بدنہ، الخ".

الدر المختار و الشامی(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۰/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱شوال ۶۷ھ۔

مستحقِ زکوٰۃ کون ہے؟

سوال[۴۲۱۹]: خیرات لینا، دینا اور خیرات مانگنے کا کس کو حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر صاحبِ وسعت اپنی حیثیت کے موافق خیرات کرسکتا ہے، وجوبِ زکوٰۃ کے لئے نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی ہے یا ساڑھے سات تولہ سونا شرط ہے اس سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے، جو شخص مالکِ نصاب نہ ہو اس کو خیرات زکوٰۃ وغیرہ دینا درست ہے(۲) اور صدقۂ نافلہ مالکِ نصاب کے لئے بھی جائز ہے(۳)۔ جس

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب المصرف: ۲/۳۹۲، سعید)

(۲) "ولایحل أن یسأل شیئاً من القوت مَن لہ قوت یومہ بالفعل أو بالقوة کالصحیح المکتسب، الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۵۴،باب المصرف، سعید)

(وکذافی فتح القدیر: ۲/۲۶۱، باب من یجوز دفع الصدقة إلیہ ومن لایجوز، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذافی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۸۸،الباب السابع فی المصارف،رشیدیہ)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۲/۴۸۰، فصل: الذی یرجع إلی المؤدی إلیہ، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(۳) "الصدقة بمنزلة الهبة فی المشاع وغیر المشاع وحاجتها إلی القبض، إلا أنہ لارجوع فی الصدقة إذا تمت ویستوی إن تصدق علی غنی أو فقیر فی أنہ لارجوع فیها. ومن أصحابنا رحمهم اللہ تعالیٰ من یقول: الصدقة علی الغنی والهبة سواء، کذا فی المحیط". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الهبة، الباب الثانی عشر فی الصدقة: ۴/۴۰۶، رشیدیہ)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب الهبة، فصل فی مسائل متفرقة: ۵/۷۰۹، سعید)

کے پاس ایک دن کا کھانا موجود ہو اس کو خیرات مانگنا اور سوال کرنا جائز نہیں، البتہ اگر ایک وقت کا کھانا بھی نہ ہو تو اس کو سوال کرنا درست ہے، بشرطیکہ کمانے پر بھی قادر نہ ہو (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ ۶/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ جمادی الثانیہ/ ۵۵ھ۔

سب سے بہتر مصرفِ زکوۃ

سوال [۴۶۲۰]: زکوۃ کے روپیہ کا سب سے بہتر مصرف کیا ہے؟ سنا جاتا ہے کہ دینی تعلیم اور اشاعت میں کرنا فی زمانہ بہتر ہے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کا بہترین مصرف اپنے دیندار اقرباء ہیں جبکہ وہ مستحقِ زکوۃ ہوں (۲) اس کے ساتھ ساتھ اگر وہ دین میں مشغول ہوں تو اس میں رشتہ داری اور تعلیمِ دین کی رعایت ہو سکتی ہے، فساق وفجار کو دینے سے تعلیم دین میں مشغول ہونے والوں کو دینا بہر حال افضل ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ تعالیٰ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ۷/ ۵۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف غفرلہ۔

---

(۱) اگر کمانے پر قادر ہو تو اس کو سوال کرنا جائز نہیں:

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالیٰ: "(ولا) يحل أن (يسأل) شيأ من القوت (من له قوت يومه) بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب". (الدر المختار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: " (قوله: كالصحيح المكتسب)؛ لأنه قادر بصحته واكتسابه على قوت اليوم". (ردالمحتار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۳۵۴، ۳۵۵، سعيد)

"ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحاً مكتسباً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۹، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذافي خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۴۲ جنس آخر في أداء الزكاة، امجد اکیڈمی لاهور)

(وكذافي فتح القدير: ۲/۲۷۸ باب من يجوز دفع الصدقة إليه الخ، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "قيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب كالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء، بل هو أولىٰ؛ لأنه صلة =

مصارف زکوٰۃ

سوال[۴۲۲۱]: زکوٰۃ کن کن لوگوں کودی جائے گی، اس کے بارے میں بھی واضح فرمادیں تو بہتر ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ ایسے مسلمانوں کو دی جائے جو غریب فقیر ہوں، سید نہ ہوں، اپنے عزیز قریب مقدم ہیں، لاوارث بچے، نادار طالب علم، بیوائیں سب مستحق ہیں (۱)، مگر اپنے والدین، دادا، دادی، نانا نانی، شوہر، بیوی کو نہ دی جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۹/۹۱ھ۔

= وصدقة، وفي الظهيرية: ويبدأفي الصدقات بالأقارب، ثم الموالي، ثم الجيران". (ردالمحتار: ۳۴۶/۲، باب المصرف،سعید)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۰/۱ ،الباب السابع في المصارف،رشيديه)

(وكذافي البحر الرائق: ۴۲۵/۲ ،باب المصرف،رشيديه)

(۱) "مصرف الزكاة والعشر هو الفقير، وهو من له أدنى شئ، ومسكين من لاشئ له ......إن طالب العلم يجوز له أخذالزكاة ولو غنياًإذافرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب والحاجة .... ولايصرف إلى بناء نحو مسجد......ولاإلى مَن بينهما وِلاد أوزوجية، الخ ". (الدرالمختار: ۳۳۹/۲، ۳۴۶، باب المصرف،سعيد)

(وكذافي النهر الفائق : ۴۵۸/۱، ۴۶۳، باب المصرف، امداديه)

(وكذافي مجمع الأنهر: ۳۲۴/۱، ۳۲۹،باب في بيان أحكام المصرف،دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲)"أنه لايجوز دفع الزكاة إلى أولاده، أو أولاد أولاده من قِبل الذكوروالإناث وإن سفلوا،ولاإلى والديه وأجداده وجداته وإن علوامن قِبل الأباء والأمهات ......ولايجوز الدفع إلى بني هاشم ولاإلى مواليهم......ولايجوز الدفع إلى الغنيّ، الخ". (خلاصة الفتاوىٰ: ۲۴۲/۱ ،جنس آخر من أداء الزكاة، امجد اكيڈمى لاهور)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۸۹/۱ ،الباب السابع في المصارف،رشيديه) .... =

مصارفِ بیت المال

سوال[۴۲۲۲]: ۱......ایک کمیٹی کے زیرِنگرانی ایک بیت المال قائم ہے، اس میں زکوٰۃ کی رقم اور کچھ عطیات جمع کر کے بوقتِ ضرورت حاجت مندوں کو قرض دینا اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

۲......اس جمع شدہ رقم میں سے مسجد کی تعمیر یا مرمت میں خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

۳......امام ومؤذن کی تنخواہ بھی زکوٰۃ میں دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

۴......یتیم طلباء یا غریبوں مسکینوں کے نابالغ بچے ان کا انتظام یا کھانا کپڑا وغیرہ یا کتب بیت المال سے دی جا سکتی ہیں یا نہیں؟

۵......ان تمام بچوں کو مصارف ودھلائی، سلائی وغیرہ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟

۶......کتابیں، غلہ، کپڑا کافی مقدار میں خرید کر بطورِ ذخیرہ رکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، سب کی زکوٰۃ تباہ وبرباد ہوگی اور وبال ذمہ میں باقی رہے گا۔ زکوٰۃ جس مصرف (حاجتمند) کو دی جائے بطور تملیک دی جائے، نہ کہ بطورِ قرض۔

۲......ان مواقع میں زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں (۱)، نہ قرض کے طور پر دینا درست ہے۔

۳......زکوٰۃ کی رقم تنخواہ میں دینا جائز نہیں۔

۴......ان کو کھانا، کپڑا، کتاب زکوٰۃ سے دینا درست ہے مگر جو کچھ دیا جائے ان کو اس کا مالک بنا دیا جائے، پھر ان سے واپس نہ لیں۔

۵......رقم زکوٰۃ ان کو دے دیں، پھر وہ دھلائی، سلائی، کرایۂ آمد ورفت میں جہاں ضرورت ہو خرچ کریں (۲)۔

= (وكذافي الهداية: ۱/۲۰۶، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، شركت علميه ملتان)

(وكذا في النتف في الفتاوىٰ، ص: ۱۲۹، من لا تعطى لهم الزكاة، سعيد)

(۱) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: ''رفاہ عام کے کام میں زکوٰۃ صرف کرنا'')

(۲) (سيأتي تخريجه تحت عنوان: ''امام کو زکوٰۃ دینا''.)

۶......درست ہے مگر جو کچھ زکوٰۃ میں مستحقین کو دیں اس کا مالک بنادیں۔زکوٰۃ کے علاوہ صدقات اور عطیات سے مذکورہ بالا تمام مصارف میں صرف کرنا درست ہے، اس لئے بیت المال کے دونوں مد جُدا رکھے جائیں، نیز کسی کو مجبور نہ کیا جائے کہ وہ اپنی رقم زکوٰۃ عطیہ بیت المال کو ہی دیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

بیت المال

سوال[۴۶۲۳]: جب کہ آج کے دور میں مسلمانوں کے اقتصادی حالات بہت نازک ہیں روزانہ حالت خراب ہورہی ہے تو کیا ایسے وقت میں ایک بیت المال قائم کرلیا جائے جس سے غریب مسلمانوں کی حالت بہتر بنایا جاسکے جب کہ اسلام میں بیت المال کی اجازت ہے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں بیت المال قائم کیا گیا تھا۔شرعی اعتبار سے بیت المال کی کیا تعریف ہے؟ اور کیا اصول ہونے چاہئیں؟ اور کس قسم کا مال جمع ہوسکتا ہے؟ کیا زکوٰۃ وغیرہ کی اجازت ہے تاکہ غریب مسلمان پر خرچ ہوسکے، چونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج بھی لوگ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں مگر جو اس کے مستحق ہیں ان کو نہیں ملتی، بلکہ غیر لوگ حاصل کرلیتے ہیں اور مستحق لوگ محروم رہ جاتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

امیر المومنین خلیفۂ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وقت میں جو بیت المال تھا اس کے شرائط کا اس وقت یہاں وجود نہیں، ہاں مسلمانوں کی موجودہ پریشانیوں کے دفعیہ کے لئے ایک اجتماعی نظم اتفاق واتحاد سے ہوسکتا ہے اور کرنا چاہئے۔اس کی نظیر بھی متعدد مقامات پر قائم ہے قریب تر مقام دیوبند ہے، مسلم فنڈ کے نام سے یہاں بھی یہی نظم ہے۔بہتر یہ ہے کہ وہاں سے ضوابط اور طریق کار کے کاغذات منگالیں یا تکلیف کرکے ایک روز کے لئے تشریف لے آئیں اور پوری تفصیل اس کے ذمہ داروں سے سمجھ لیں۔ پھر اگر شرعی حیثیت سے کسی چیز پر اشکال ہو تو اس کو حل کرلیں (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فاسئلوا أهل الذکر إن کنتم لا تعلمون﴾. (النحل: ۴۳)

زکوۃ اورعشر کا مصرف

سوال[۴۶۲۴]: ۱...... زکوۃ وعشر کی رقم سے فسادزدہ مسلمانوں کی مدد کی جاسکتی ہے یانہیں؟

۲...... کسی یتیم بچے کو میں اپنی پرورش میں رکھ لوں اور اس سے اپنی خدمت بھی کراؤں تو ایسے بچے کو زکوۃ اورعشر وغیرہ کی رقم سے کپڑا اور علاج کراسکتا ہوں یانہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... زکوۃ کی رقم واجب التملیک ہے جولوگ مستحقِ زکوۃ ہیں تو ان کوتملیکاً دیدی جائے (۱) پھر وہ جہاں چاہیں صرف کریں، یا ان کو اس رقم کا سامانِ ضرورت خرید کر دیدیا جائے۔ اس طرح صَرف نہ کریں کہ ان کی ملک نہ ہوسکے، مثلاً اگر ان کا مقدمہ ہوتو عدالت کے اخراجات میں ان کی طرف سے ازخودخرچ نہ کریں قانون کے موافق ان اطراف میں زمینداروں کی ملک ختم کر کے سب زمین ملکِ حکومت قرار دیدی گئی ہیں اس لئے عشر واجب نہیں رہا، تاہم جو کچھ بھی دیدیں وہ باعثِ خیر وبرکت ہے، اس کے خرچ کرنے میں اتنی تنگی نہیں جتنی زکوۃ میں ہے۔

۲...... کپڑے بنا کر زکوۃ کی رقم سے اس کو دینا درست ہے، علاج کے لئے اس کو پیسے دیدیں کہ وہ خود چاہے دوا میں خرچ کرے، چاہے فیس وغیرہ میں دیدے یہ بھی درست ہے (۲)، مگر یہ یادرہے کہ خدمت کے معاوضہ میں دے دینے سے زکوۃ ادانہیں ہوگی، اس لئے خدمت کا معاوضہ جداگانہ اس کو دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۶/۲۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۶/۲۶ھ۔

---

(۱) "وهي تمليک جزء مال عيّنه الشارع، و هو ربع عشر نصاب حوليّ من مسلم فقير، غير هاشمي، و لا مولاه مع قطع المنفعة عن المملک من كل وجه لله تعالىٰ". (الدرالمختار: ۲/۲۵۶، ۲۵۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۷۰، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في ملتقى الأبحر على مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "أما إذا أدى من خلاف جنسه، فالقيمة معتبرة اتفاقاً". (ردالمحتار: ۲/۲۸۶، باب الغنم، سعيد) =

تاجر مقروض کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۲۵]: زید بزنس مین پچاس ساٹھ ہزار روپے کا قرض دار ہوگیا اور ساری پونجی ختم ہوگئی، اب بکر مدزکوٰۃ سے اس کی مدد کرنا چاہتا ہے اور زید کے گھر میں تقریباً دس ہزار کا زیور بھی ہے، کیا بکر مذکورہ رقم ایسی صورت میں زید کو دے سکتا ہے؟

مشتاق احمد، بلٹ بیکر بمبئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کے گھر میں جو دس ہزار کا زیور ہے وہ اس کی بیوی کا ہوگا اور قرض خود زید کے ذمہ ہے اس لئے زید مستحق زکوٰۃ ہے اور اگر خود وہ زیور زید کی مِلک ہو تب بھی وہ حاجتِ اصلیہ سے زائد نہیں ہے، قرض اس سے بہت زیادہ ہے۔ تب بھی وہ مستحق زکوٰۃ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

مقروض کب مستحقِ زکوٰۃ ہے؟

سوال[۴۶۲۶]: زید صاحبِ نصاب ہے لیکن وہ قرض دار ہے، وہ کسی مدرسہ میں پڑھتا ہے اس کے لئے مدرسہ کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ مقروض ہے اور مقدارِ قرض کے علاوہ صاحبِ نصاب ہے تو زکوٰۃ وغیرہ کا کھانا مدرسہ

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۷۴، باب زكاة المال، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۳۹۶، باب زكاة المال، رشيديه)

(۱) "مديونٌ لا يملك نصاباً فاضلاً عن دينه، وفي الظهيرية: الدفع للمديون أولى منه للفقير".

(الدر المختار: ۲/۳۴۳، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۲۶۳، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۲، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۶۶، باب في بيان أحكام المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

سے نہ لے (۱) اگر مقدارِ قرض کے علاوہ صاحبِ نصاب نہیں تو اس کے لئے اجازت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مقروض کو زکوۃ دینا

سوال [۴۶۲۷]: ۱...... جو کسان قرض میں ڈوبے ہوئے ہیں مثلاً کوئی تین ہزار کو، ئی پانچ ہزار کا قرضدار ہے، اب ایسے کسانوں کو زکوۃ کا مالک بنا دیا جائے اور وہ فوراً اسی جگہ قبضہ کر کے سوسائٹی میں قرض کے عوض جمع کرا دیں تو ایسا کرنے سے صاحبِ زکوۃ کی زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں جبکہ کاشتکار قبضہ کر کے اپنے ہی ہاتھ سے جمع کرائے گا؟

۲...... ایک قرضدار کو ایک دو تین نصاب کی مقدار مال دیا گیا، مثلاً ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت چھ سو روپے اور چھتیس روپے کے قرضدار کو چاندی کے چھ نصاب کی مقدار مال دیا گیا تو آیا یہ جائز ہے؟

۳...... چند حضرات دوکان چلانے کے لئے یا زمین بڑھانے کے لئے یا مکانات بنانے کے لئے رقم صَرف کرتے ہیں اور خود کو قرضدار سمجھتے ہیں تو آیا ان کے لئے زکوۃ لینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... مدیون کو اتنی زکوۃ دینا درست ہے کہ اس کے ذریعہ دین ادا کر دے پھر بقدرِ نصاب اس کے پاس باقی نہ رہے اس طرح زکوۃ ادا ہو جائے گی (۳)۔ مصرفِ زکوۃ اس پر مالکانہ قبضہ کر کے اپنا دین ادا کر دے

---

(۱) "ومديون للعبد بقدر دينه، فيزكي الزائد إن بلغ نصاباً، الخ". (الدر المختار: ۲/۲۶۳، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۱/۱۸۶، كتاب الزكاة، شركة علمية)

(وكذا في الدر المنتقى شرح الملتقى: ۱/۲۸۷، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية ملتان)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "تاجر مقروض کو زکوۃ دینا".)

(۳) "وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر، إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً أو كان صاحب عيال بحيث لو =

اور سبکدوش ہوجائے۔

۲......یہ بھی درست ہے(۱)۔

۳......ان کے حوائجِ اصلیہ دَین وغیرہ سے فاضل اگر مقدارِ نصاب ان کی ملک میں نہیں تو وہ مستحقِ زکوٰۃ ہیں(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جس کی ضروریات تنخواہ سے پوری نہ ہوں وہ بھی مستحقِ زکوٰۃ ہے

سوال[۴۲۲۸]: ۱......اسلم ایک دینی مدرسہ یا مسجد کا خادم ہے اس کی ضروریات اس کی تنخواہ سے پوری نہیں ہوتیں، اس صورت میں اسلم زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

ایضاً

سوال[۴۲۲۹]: ۲......خالد ایک مسجد کا خادم تھا، اپنی سال بھر کی ضروریات جو تنخواہ سے پوری نہیں ہوسکتی تھیں، مالِ زکوٰۃ سے پوری کرتا تھا، اب ایک دینی مدرسہ میں اس کو خدمت کا موقع ملا، اب آمدنی کچھ بڑھ

= فرّقه عليهم لا يخص كلاً، أو لا يفضل بعد دَينه نصاب، فلايكره". (الدر المختار: ۲/۳۵۳، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۳، باب في بيان أحكام المصارف، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) "ويكره أن يدفع إلى واحد مائتي درهم فصاعداً، وإن دفع جاز". (الهداية: ۱/۲۰۷، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، شركة علمية ملتان)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۱/۲۴۳، الفصل الثامن في أداء الزكاة، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۳۰، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحاً مكتسباً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۹، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۲۷۸، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۸، باب المصرف، رشيديه)

گئی، معمولی تنگی کے ساتھ اپنی ضروریات پوری کرسکتا ہے مگر صاحبِ نصاب نہیں بنا، اس صورت میں خالد حسبِ معمول زکوۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... لے سکتا ہے مگر معاوضۂ خدمت میں نہ ہو(۱)۔

۲...... جب تک ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت حاجتِ اصلیہ سے زائد اس کے پاس نہ ہو وہ مستحقِ زکوۃ ہے(۲)، مگر جب اللہ تعالیٰ نے آمدنی میں اضافہ فرمادیا ہے تو زکوۃ لینے سے بچنا بہتر ہے کہ اضافۂ آمدنی کا شکریہ ہے، اس سے مزید ترقی کی توقع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۵ھ۔

پس انداز کرنے والی بیوہ کا زکوۃ لینا

سوال[۴۶۳۰]: مسماۃ زاہدہ خاتون کے شوہر کا عرصہ چار سال قبل انتقال ہوا، مرحوم نے کوئی جائیداد از قسم مکان اور نقدی زیور کچھ نہیں چھوڑا، البتہ تین بچے دو بچیاں ان کی یادگار ہیں جو ابھی نابالغ ہیں۔ بیوہ اور بچوں کا خرچ مرحوم کے بڑے بھائی دو سو روپیہ ماہوار مرحوم کے بعد سے اب تک دے رہے ہیں، بیوہ اسی خرچہ سے تھوڑا تھوڑا کفایت کر کے اب تک اس غرض سے بچا رہی ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے بچیاں ہیں، رہنے کا کوئی مکان نہیں، یا ان کی تعلیم، بیاہ شادی وغیرہ کرنا ہے، لہذا اب تک دو ہزار روپیہ یا اس سے کچھ زیادہ پس انداز کر چکی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ بیوہ کو اس حالت میں زکوۃ لینا چاہئے یا نہیں؟ بحوالۂ کتب جوابات عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اب بیوہ کو زکوۃ لینا جائز نہیں، بیوہ پر خود زکوۃ واجب ہوگئی (۳) اگر نابالغ بچوں اور بچیوں کو وہ روپیہ

(۱، ۲) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "مقروض کو زکوۃ دینا"۔)

(۳) " و يشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً، لا يُصرف .... و لا إلى غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أيّ مال كان، الخ ". (الدر المختار: ۲/ ۳۴۷، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/ ۲۷۷، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی) .... =

دے کر اپنی ملک ختم کر دے اور خود بطورِ محافظ وامین اپنے قبضہ میں رکھے تو بیوہ پر زکوۃ نہیں ہوگی اور وہ مستحقِ زکوۃ رہے گی اور بالغ ہونے سے پہلے ان بچوں بچیوں پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۹/۵/۹۰ھ۔

جس کا گذر تنگی سے ہوتا ہے کیا وہ مستحقِ زکوۃ ہے؟

سوال[۴۶۳۱]: بکر کی آمدنی کم ہے، تنگی سے گذر اوقات ہوتے ہیں۔اس صورت میں بکر زکوۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لے سکتا ہے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۹/۷/۹۵ھ۔

گداگروں کو زکوۃ

سوال [۴۶۳۲]: دیہاتوں میں جو فقیر بھیک مانگتے پھرتے ہیں، نہ نماز پڑھتے ہیں، نہ روزہ رکھتے

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۹، باب المصارف، رشيديه)

(۱) ("و شرط افتراضها عقل و بلوغ)فلا تجب على مجنون و صبي؛ لأنها عبادة محضة و ليسا مخاطبين بها". (ردالمحتار: ۲/۲۵۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق : ۲/۱۹، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۱۲، كتاب الزكاة، إمداديه)

(۲) "ويجوز دفعها إلى مَن يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحاً مكتسباً، كذا في الزاهدى".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۹، رشيدية)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۴۱۹، رشيديه)

"(مصرف الزكوة والعشر .... هو فقير ، وهو مَن له أدنىٰ شيئى) :أي دون نصاب، قدر نصاب غيرنام مستغرق في الحاجة (ومسكين) مَن لا شئ له، الخ". (الدرالمختار ، كتاب الزكوة، باب المصرف: ۲/۳۳۹، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۱۹، كتاب الزكوة، باب المصرف، قديمي)

ہیں۔ایسے لوگوں کو زکوۃ وغیرہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ صاحبِ نصاب ہیں تو ان کو دینا جائز نہیں (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۸ھ۔

زکوٰۃ لے کر اپنے باپ کو دینا

سوال[۴۶۳۳]: بالغ اولاد زکوٰۃ لے کر زید (باپ) کو دے اور زید اپنی اولاد کے مصرف میں لائے، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بالغ اولاد مصرفِ زکوٰۃ ہے تو اس کو لے کر خود استعمال کرنا اور والد کو یا کسی دوسرے غیر مستحق زکوٰۃ کو دینا درست ہے (۲) اور پھر اُن کو لے کر خود استعمال کرنا اور اولاد وغیرہ کے صرف میں لانا بھی درست ہے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۷/۸/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

لڑکی کی شادی کے لئے چندہ مانگنے والے کو زکوۃ دینا

سوال[۴۶۳۴]: موجودہ رسم ورواج کے پیشِ نظر آج کل لڑکی کی شادی پر ہزاروں روپیہ خرچ ہوجاتے ہیں، اب ایک شخص جو کہ صاحبِ نصاب نہیں ہے شادی کے لئے چندہ فراہم کر کے صاحبِ نصاب

---

(۱) "ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصاباً: أيّ مال كان: دنانير أو دراهم .... فاضلاً عن حاجته في جميع السَّنَة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۹، رشيديه)

(۲) "قال الطيبي: إذا تصدق على المحتاج بشئى ملكه، فله أن يهدى به إلى غيره الخ، وهو معنى قول ابن ملك: فيحل التصدق على من حرم عليه بطريق الهدية". (المرقاة: ۳/۳۳۸، رقم الحديث: ۱۸۲۷، باب من لاتحل له الصدقة، رشيديه)

ہوجاتا ہے یا قبل ہی سے صاحبِ نصاب ہے مگر اس کے باوجود اسبابِ شادی کی تکمیل کے لئے چندہ مانگ رہا ہے تو کیا اس کو زکوۃ کی رقم دینا درست ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس کو چندہ مانگنا اور دوسروں کا اس کو اس حالت میں زکوۃ دینا درست نہیں، لأنـه ليـس بمصرف للزكوة كما في كتب الفقه (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عالم کی اولاد کے لئے زکوۃ

سوال [۴۶۳۵]: زید ایک عالم ہے، اس کی بالغ اولاد کو زکوۃ لینا جائز ہے، اور اولاد خود اپنے خرچ میں لائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اولاد مصرفِ زکوۃ ہے تو اس کو لینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ ۸/ ۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

امام اور عالم کو صدقاتِ واجبہ دینا

سوال [۴۶۳۶]: ایک شخص بستی والوں کی طرف سے امامِ مسجد مقرر ہوا ہے، درس دیتا ہے، بستی والے اس کو مقرر کر دیتے ہیں کہ تمام صدقات، خیرات، مثلاً صدقۂ فطر شرعاً لے سکتا ہے یا نہیں؟ جبکہ وہ خود صاحبِ نصاب ہے، زکوٰۃ اس پر فرض ہے، لے لے تو دینے والوں کی زکوٰۃ ہو جائے گی یا نہیں؟ کتاب

---

(۱) "لا يحل أن يسأل شيئاً من القوت من له قوت يومه بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب، و يأثم معطيه إن علم بحاله لإعانته على المحرم". (الدرالمختار: ۲/۳۵۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۹، باب المصرف، امداديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۴۳۶، ۴۳۷، باب المصرف، رشيديه)

(۲) (سيأتي تخريجه تحت المسئلة الآتية)

"سلطان الفقه" صفحہ:۱، جلداول میں لکھا ہے: إذا عیّنوا لإمامهم شیئاً من الأوقاف والصدقات والهدایا وغیرها، لزمهم أداء ها"، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقۂ فطر، چرمِ قربانی امامِ معین لے سکتا ہے۔

گذشتہ زمانوں میں علماء اور قاضیوں کو بیت المال سے وظائف ملتے تھے اور وہ بیت المال زکوٰۃ وغیرہ کے روپے اور اجناس کا فراہم شدہ مال ہوتا تھا، اس میں سے قاضی اور عالم جو خود بھی صاحبِ نصاب ہوتے تھے لیتے تھے، جب وہ بیت المال کے جمع شدہ روپے سے وظائف لیتے تھے تو اب بھی زکوٰۃ یا صدقاتِ واجبہ کا روپیہ کسی امامِ معین کو دیدیا جائے تو منع کیوں ہے؟

" فتویٰ جوهر " ص:۲۴۶، جلداول میں لکھا ہے: "من اشتغل بتعلم العلم، على المسلمين كفافُه، وإذا كان العالم والمتعلم في بلدٍ ليس له من بيت المال وظيفة، يجب على أغنياء تلك البلدة نفقته وكسوته". یعنی عالم اور متعلم کو کفاف دینا اہلِ قریہ پر واجب ہے۔

ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ نصاب ہو یا نہ ہو امامِ معین صدقہ وغیرہ لے سکتا ہے۔ اور اگر امامِ معین اراضی اور مالِ نامی رکھتا ہے لیکن اس اراضی کی پیداوار اور مال کی آمدنی اس کو کفایت نہیں کرتی، عوام کو بھی اس کے مستحق ہونے کا علم نہیں اور وہ خود اپنے اس حال قرض وغیرہ تنگی معاش کو لوگوں سے چھپاتا ہے۔

المستفتی نور احمد بھاولپور۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ان دونوں شخصوں کو زکوٰۃ، صدقاتِ واجبہ: زکوٰۃ وغیرہ کا لینا درست نہیں، اگر کسی نے ان کو زکوٰۃ وغیرہ دی تو اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ اول شخص میں عدمِ جواز کی دو وجہ ہیں: ایک یہ کہ وہ غنی صاحبِ نصاب ہے اور هدایہ، درمختار، زیلعی، مجمع الأنهر، عالمگیری، قاضی خان وغیرہ جملہ کتبِ فقہ میں تصریح ہے کہ "لا تدفع إلى غني، اهـ "(۱)۔

---

(۱) (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۳/۳۴۶، رشيديه)

(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الزكاة، الباب السابع في المصرف: ۱/۱۸۹، رشيديه)

(مجمع الأنهر، باب في بيان أحكام المصرف: ۱/۲۲۳، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(فتاویٰ قاضي خان، فصل فيمن توضع فيه الزكاة: ۳/۲۶۶، رشيديه) .... =

دوم وجہ یہ ہے کہ اس کو امامت وتدریس کے عوض اجرت میں زکوٰۃ دی جارہی ہے اور زکوٰۃ کے لئے ضروری ہے کہ بشرط: "قطع المنفعة عن المملّك من كل وجه لله تعالىٰ" ہو(۱)۔

دوسرے شخص میں اول وجہ موجود نہیں البتہ دوسری وجہ موجود ہے "أحصروا في سبيل الله" کے مصداق کو بھی اجرت میں دینا درست نہیں۔

سلطان الفقہ میرے پاس موجود نہیں، اگر یہ کوئی معتبر کتاب ہے اور اس کے مسائل قابلِ اعتماد ہیں تب بھی عبارتِ مذکورہ استدلال کے لئے کافی نہیں کیوں کہ اس میں صرف "الصدقات" ہے، "واجبه" کی قید نہیں اور چونکہ دیگر کتبِ معتبرہ میں صدقاتِ واجبہ کے عدم جواز کی تصریح ہے، لہٰذا یہاں صدقاتِ غیر واجبہ مراد ہوں گے۔

بیت المال سے جو وظائف علماء اور قضاۃ کو ملتے تھے وہ زکوٰۃ سے نہیں بلکہ خراج اور جزیہ وغیرہ سے ملتے تھے:

"والنوع الثالث: الخراج والجزية، ومايؤخذ من صدقات بني تغلب، وما يأخذ العاشر من أهل الذمة، ومن أهل الحرب إذا مرّوا عليه، فهٰذا نوع مصروف إلى نوائب المسلمين. ومنها: إعطاء المقاتلة كفايتهم، وكفاية عيالهم؛ لأنهم فرغوا أنفسهم للجهاد، ولدفع شرّ المشركين عن المسلمين، فيعطون الكفاية من أموالهم، ومن هٰذا النوع إيجاد الكراع والأسلحة، وسد الثغور، وإصلاح القناطر والجسور، وسد البثق، وكرى الأنهار العظام. ومنه رزاق القضاة والمفتين والمحتسبين والمعلمين، وكل مَن فرغ نفسه لعمل من أعمال المسلمين على وجه الحسبة، فكفاته في هٰذا النوع من المال، اهـ". مبسوط: ۱۸/۳(۲)۔

= (الهداية، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز: ۲۰۷/۱، شركة علمية ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الزكاة: ۴۷۶/۲، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في المبسوط، كتاب الزكاة: ۱۷/۳، غفاريه، كوئٹه)

(۱)(سيأتي تخريجه تحت عنوان: "تبلیغی جماعت کو زکوٰۃ دینا".)

(۲) (المبسوط للسرخسي، باب مايوضع فيه الخمس: ۲۲/۲، الجزء الثالث، غفاريه، كوئٹه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۲۹/۳، مطلب في مصارف بيت المال، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكرية: ۱۹۰/۱، ۱۹۱، فصل: مايوضع في بيت المال أربعة أنواع، رشيديه)

فتاویٰ جواہر کی عبارت میں تو صدقاتِ واجبہ دینے کا اشارہ تک بھی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۰/ ذیقعدہ/ ۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۱/ ذیقعدہ/ ۱۳۶۰ھ۔

امام کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۳۷]: محلّہ کے بلا تنخواہ کے اماموں کو اہل محلّہ مل کر زکوٰۃ اور صدقۂ فطر اس نیت سے دیں کہ نماز پڑھاویں، کیا ایسی صورت میں زکوٰۃ اور فطرہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ معاوضۂ امامت ہے اس سے نہ زکوٰۃ ادا ہوگی نہ صدقۂ فطر (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

شریکِ مکان کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۶۳۸]: ۱...... زید اور بکر ماموں بھانجے ہیں ایک ہی مکان میں جو بکر کی ملک ہے دونوں رہتے ہیں، بکر نادار اور غریب ہے، کیا اسی مکان کی مرمت میں - جبکہ مرمت میں دونوں کا فائدہ ہے - زید بکر کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے اور بکر اس رقم کو مرمت وغیرہ میں لگا سکتا ہے؟

۲...... زید اور بکر دونوں کا کھانا مشترک تیار ہوتا ہے، کیا زید بکر کو زکوٰۃ کی رقم سے خورد ونوش کا سامان منگوا سکتا ہے اور دے سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... بھانجا اگر ماموں کو زکوٰۃ دے تو شرعاً درست ہے بشرطیکہ کسی دباؤ سے نہ ہو، پھر ماموں کو اختیار

---

(۱) "هي تمليك جزء مال عيّنه الشارع من مسلم فقير غير هاشمي ولا مولاه مع قطع المنفعة عن المملّك من كل وجه لله تعالىٰ". (الدر المختار: ۲/ ۲۵۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۱۷، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۳۵۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

ہے کہ مکان کی تعمیر وغیرہ میں جہاں چاہے صَرف کرے(۱)۔

۲......اگر زکوٰۃ کا پیسہ بکر کو دے دیا پھر اس نے سامان خریدا اور زید کے ساتھ مشترکہ طور پر وہ کھانا پکایا گیا تو شرعاً درست ہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نابالغ کو زکوٰۃ

سوال[۴۶۳۹]: زکوٰۃ کا پیسہ اگر نابالغ یتیم بچے کو دے دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ یتیم قبضہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے تو اس کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی بشرطیکہ وہ مصرف زکوٰۃ ہو یعنی وہ غنی ہاشمی وغیرہ نہ ہو(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی، ۵۳/۲/۲۵ھ۔

صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/صفر/۵۳ھ۔

---

(۱) (سیأتي تخریجه تحت عنوان: ''رشتہ داروں میں سے سب سے مقدم مستحق زکوۃ''۔)

(۲)'' إذادفع الزكاة إلى الفقير، لا يتم الدفع مالم يقبضها، الخ''. (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۰،الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۴،من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۴،من توضع الزكاةفيه،غفاريه)

(۳) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالیٰ: ''ولا إلیٰ من بينهما ولادأوزوجية'' (الدرالمختار مع تنوير الأبصار). وقال ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ: ''وقيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب كالإخوةوالأعمام والأخوال الفقراء''. (ردالمحتار: ۲/۳۴۶، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاویٰ: ۱/۲۴۲، الفصل الثامن في أداء الزكاة، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۱، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۲۷۰، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)=

نابالغ کوزکوٰۃ دینے کی صورتیں

سوال[۴۶۴۰] : ایک شخص مسمیٰ عیدُو قوم جولاہا فوت ہوگیا اور ایک بیوی ایک لڑکا اور ایک لڑکی چھوڑ گیا، عیدُو کے تین چچازاد بھائی ہیں مگر حقیقی کوئی نہیں ہے۔عیدو مذکور کی وفات کے بعد اس کی بیوہ نے گھر کا تمام اثاثہ جو صرف زیور ہی تھا برباد کر دیا، لڑکی کا متوفی کے چچازاد بھائیوں نے نکاح کر دیا یعنی اس کی شادی کر دی اور بیوہ نے ایک دوسری جگہ خاوند کر لیا۔ متوفی کا لڑکا تا حال اپنی ماں کے پاس رہتا ہے۔ متوفی کے پاس سوائے زیور کے اَور تو کوئی جائیداد نہ تھی زیور عورت نے برباد کر دیا، اب متوفی کا لڑکا بالکل حالتِ ناداری میں ہے لیکن اپنی ماں اور سوتیلے باپ کے ہاں رہتا ہے، لیکن اس غریب کے ساتھ وہی سلوک ہوتا ہے جو ایسی حالت میں عموماً ہوا کرتا ہے یعنی بدسلوکی۔

۱......اب سوال یہ ہے کہ یتیم مذکور کے ہر سہ چچا کم وبیش زکوٰۃ دینے والے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ ہم زکوٰۃ کے روپے اس یتیم کو کیوں نہ دے دیں جبکہ قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ : ﴿ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل﴾ یعنی پہلا حق رشتہ داروں کا ہے، آپ تحریر فرمادیں کہ زکوٰۃ کا روپیہ اس کو دے سکتے ہیں یا نہیں جبکہ وہ قریبی بھی ہے اور یتیم بھی؟

۲......اس (یتیم) کو روپیہ دینے کی صورت کیا ہوسکتی ہے، اگر اب اس کو دیا جاوے تو وہ نابالغ ہے، اگر اس کی ماں کو دیا جاوے تو وہ وہی سلوک کرتی ہے جو اپنے خاوند کے زیور پر کیا تھا، اگر سوتیلے باپ کو بطورِ امانت دیا جائے تو کسی کا آج کل کیا اعتبار ہے۔ اب اگر اس کو دیا جائے تو کس طرح؟ کیا یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ زکوٰۃ دینے والے اس یتیم کے حصہ کا روپیہ علیحدہ ایک جگہ جمع کر کے ایک شخص اپنے پاس جمع بطورِ امانت جمع کر لے یعنی دینے والا خود اپنے پاس ہی علیحدہ بطور امانت رکھ لیوے، جس کو خرچ خود بالکل نہ کرے، کیا یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

۳...... یا اس کے حصہ کے روپے کو سیونگ بینک، ڈاکخانہ میں اس کے ہی نام سے جمع کرا دیا جائے، لہٰذا اس کا وہ شخص جس نے زکوٰۃ دی ہے سرپرست مقرر کر دیا جائے، جب بالغ ہو جائے گا، اپنے روپیہ کا حقدار ہو جائے گا وصول کر لیوے۔ کیا یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟

۴......اگر یتیم کے واسطے زرِ زکوٰۃ نمبر:۳ یا نمبر:۲ کسی طرح جمع کیا جائے تو کیا زکوٰۃ دینے والے کے

= (وكذا في خلاصة الفتاوىٰ : ۱/۲۴۲، الفصل الثامن في اداء الزكاة، امجد اكيڈمی، لاهور)

زکوٰۃ دینے میں تو کسی قسم کا شبہ نہ رہے گا اگرچہ زکوٰۃ دینے والے کے پاس ہی امانت ہوگی مگر وہ اس کا حقدار نہ ہوگا۔ کیا یہ صورت جائز ہوگی؟

۵......اگر وہی نمبر:۱ کا یتیم لڑکا اپنے ایک چچا کے پاس بودوباش کرنے لگ جاوے اور وہ ہی زکوٰۃ دیتا ہو، اب وہ بالکل اپنے پاس جمع کرسکتا ہے یا نہیں، جو بصورتِ بالغ ہونے کے اس کو ادا کردیا جائے؟

۶......اگر یتیم بچہ ایک چچا کے پاس رہتا ہے اور زکوٰۃ دینے والے کے پاس نہیں ہے، کیا زکوٰۃ دینے والا اپنے پاس رکھ سکتا ہے جو ایک ہزار دو سو بصورت بالغی اس کو ادا کردے؟

۷......ایک شخص کے پاس صرف بارہ بیگھہ جائیداد ہے اور وہ بارہ سو روپے کا مقروض بھی ہے اور نہایت خستہ حال اور غریب ہے، کیا وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے اور قوم سے راجپوت ہے، دستِ سوال دراز نہیں کرسکتا ہے۔ جواب باصواب سے جلد از جلد مطلع فرمادیں۔

امام الدین، ہیڈ ماسٹر سکول تلاکور، ڈاکخانہ مصطفیٰ آباد، ضلع انبالہ، مؤرخہ ۳/۱۲/۳۴ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......صورتِ مسئولہ میں زکوٰۃ اس لڑکے کو دینا درست ہے بلکہ اگر اس سے زیادہ قریبی رشتہ دار مستحقِ زکوٰۃ موجود نہ ہو تو اس لڑکے کو زکوٰۃ دینا افضل ہے:

"والأفضل في الزكوة والفطر والنذور الصرف أولاً إلى الإخوة والأخوات، ثم إلى أولادهم، ثم إلى الأعمام والعمات، ثم إلى أولادهم، ثم إلى الأخوال والخالات، ثم إلى أولادهم، الخ". عالمگیری: ۱/۱۸۷(۱)۔

۲......اگر وہ لڑکا سمجھ دار ہے روپیہ پر قبضہ کرسکتا ہے تو خود اس کو دینا جائز ہے، پھر اگر ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس سے بطور امانت لیکر رکھ سکتا ہے اور اگر وہ ناسمجھ ہے کہ روپیہ کو کہیں پھینک دے گا یا کسی اَور طرح ضائع کردیگا تو پھر اس کو دینا درست نہیں بلکہ وہ جس کی پرورش میں ہے اس کو لڑکے کے لئے دے دیا جائے، اگر وہ قابل

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۱۹۰، الباب السابع في المصارف، رشیدیه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۱۲۲، باب المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي ردالمحتار: ۲/ ۳۴۶، باب المصرف، سعيد)

اعتماد نہ ہوتو پھر کوئی سا چچا اس روپیہ پر لڑکے کے پرورش کرنیوالے کا قبضہ کرا کے بطورِ امانت رکھ سکتا ہے(۱)۔

۳......لڑکے کو خرچ کی ضرورت اس وقت ہے جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے، بنک میں جمع کرنے سے وہ وقتی ضرورت کیسے پوری ہوگی لیکن اگر زائد ہوتو بعض علماء کے نزدیک لڑکا سمجھدار ہواور پرورش کرنے والا اگر ناسمجھ ہو قبضہ کرا کے بنک میں جمع کرنا درست ہے۔

۴......اگر ولی نے لڑکے کی طرف سے زکوٰۃ کا روپیہ اپنے قبضہ میں رکھا ہے تو اس میں کوئی نقصان نہیں لیکن جو روپیہ خود ولی نے زکوٰۃ کا نکالا ہے وہ جب تک بطورِ تملیک لڑکے کی ضرورت میں صرف نہ کردے گا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

۵......اگر وہ لڑکا سمجھ دار ہے تو اس کو فی الحال ہی زکوٰۃ دینا جائز ہے، اگر ناسمجھ ہے تو چچا اس کی ضروریات میں صرف کرسکتا ہے بطورِ تملیک بلوغ کے انتظار کی ضرورت نہیں ہے(۲)۔

---

(۱)"وإذادفع الزكاة إلى الفقير، لا يتم الدفع ما لم يقبضها، أو يقبضها للفقير مَن له ولاية عليه نحو الأب، والوصي يقبضان للصبي ....ولو قبض الصغير، وهو مراهق، جاز، وكذا لو كان يعقل القبضَ بأن كان لا يرمي ولا يخدع عنه، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۰،الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۴،من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۲۵۷، كتاب الزكاة، سعيد)

(۲) "فلو أطعم يتيماً ناوياً الزكوة، لايجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم، كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض، إلا إذا حكم عليه بنفقتهم". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: بشرط أن يعقل القبض) قيد في الدفع والكسوة كليهما. وفسره في الفتح وغيره بالذي لايرمي به ولايخدع عنه، فإن لم يكن عاقلاً فقبض عنه أبوه أو وصيه أو من يعوله قريباً أو أجنبياً أو ملتقطه، صح، كما في البحر والنهر. وعبر بالقبض؛ لأن التمليك في التبرعات لايحصل إلا به، فهو جزء من مفهومه، فلذا لم يقيّد به أولاً، كما أشار إليه في البحر". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۵۷، سعيد)

"لأن تمليك الصبي صحيح، لكن إن لم يكن عاقلاً، فإنه يقبض عنه وصيه أو أبوه أو من يعوله قريباً أو أجنبياً أو المتقط، كما في الولوالجية. وإن كان عاقلاً فقبض من ذكر أو قبضه بنفسه". (البحر =

۶......جس چچا کے پاس لڑکا رہتا ہے اس کو دینا بھی درست اور خود بھی لڑکے کی ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے اور کچھ روپیہ بچ گیا تو اس کو امانت رکھنا بھی درست ہے۔

۷......اگر آمدنی جائیداد کی اتنی نہیں ہے کہ قرض ادا کر کے ایک نصاب موافق بچ جائے تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح :سعید احمد غفرلہ،۶/ رمضان/۵۳ھ، صحیح :عبد اللطیف عفا اللہ عنہ،۱۱/ رمضان/۵۳ھ۔

بچوں کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۴۱]: زکوٰۃ کا روپیہ زکوٰۃ کے مستحق بچوں کو دیکر اسے مالک بنادینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ قبضہ مالکانہ کرنے کے اہل ہوں اور سمجھدار ہوں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۱۰/۱۰/۹۰ھ۔

= الرائق، کتاب الزکوۃ: ۲/۳۵۳، رشیدیہ)

(۱)"ومدیونٌ لا یملک نصاباً فاضلاً عن دینه ....الدفع للمدیون أولیٰ منه للفقیر". (الدرالمختار: ۲/۳۴۳، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۳۲۵، باب فی بیان أحکام المصارف، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۲۲، باب المصرف، رشیدیه)

(۲)"فی التملیک إشارة إلی أنه لا یصرف إلی مجنون وصبی غیر مراهق .... ویصرف إلی مراهق یعقل الأخذ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعید)

(وکذافی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۰ الباب السابع فی المصارف، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۷۳، باب من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی فتح القدیر: ۲/۲۷۰، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لایجوز، مصطفی البابی الحلبی مصر)

اقرباء کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۴۲]: اگر کسی کا حقیقی بھائی اس قدر غریب ہو کہ جس قدر غریب ہونے پر دینا جائز ہوتا ہے تو کیا بھائی کو بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں اور اگر جائز نہیں تو اپنے کنبہ میں سے کس کس کو دینا جائز ہے؟ برائے مہربانی تحریر فرمائیں۔ المستفتی محمد یونس ۲۱/ رمضان مبارک۔

الجواب حامداً ومصلياً:

بھائی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے جب کہ وہ مستحق ہو اور اصول وفروع وزوجین کے علاوہ سب رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا درست ہے جبکہ وہ مصرف زکوٰۃ ہوں: "ولا إلیٰ من بينهما ولاد أوزوجية". تنوير۔ وقال ابن عابدين الشامي: "وقيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب كالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء". ص: ٦٣(١)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۱/ رمضان مبارک/ ۵۳ھ

صحیح: عبد اللطیف، عفا اللہ عنہ مدرسہ مظاہر علوم، ۲۱/ رمضان مبارک/ ۵۳ھ۔

رشتہ داروں میں سب سے مقدم مستحقِ زکوۃ

سوال[۴۶۴۳]: زید زکوٰۃ کا مبلغ بجائے انفرادی شکل میں پانچ دس روپیہ تقسیم کرنے کے کسی ایک رشتہ کے مستحق لڑکے کو چن کر مستقل طور سے اس کی پڑھائی کی ذمہ داریاں پوری کرنا چاہتا ہے۔ ایسی صورت میں رشتہ داروں میں کس کا بیٹا یا بیٹی پہلے مستحق قرار پائے گی؟ از روئے شریعت بھائی کا یا بہن کا، خالو کا یا ماموں کا؟ تفصیل سے لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر حاجت میں اور نوعیتِ تعلیم میں سب مساوی ہوں تو بھائی کا لڑکا مقدم ہے، پھر بہن کا، پھر خالہ اور

---

(١) (ردالمحتار على الدرالمختار: ٣٤٦/٢، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في خلاصة الفتاویٰ: ٢٤٢/١، الفصل الثامن في أداء الزكاة، امجد اكيڈمی)

(وكذا في التاتارخانية: ٢٧١/٢، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتح القدير: ٢٧٠/٢، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

ماموں کا (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۷/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

داماد کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۴۴]: زید اپنے داماد بکر کو انگریزی تعلیم دلوانا چاہتا ہے اوران کے اخراجات کو مدِ زکوٰۃ سے پورا کرنا چاہتا ہے کہ مثلاً ہر ماہ ایک سو روپیہ دینا چاہتا ہے تو آیا اس طرح زید اپنے داماد کے اخراجات کو مدِ زکوٰۃ سے دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

داماد اگر غریب ہے یعنی صاحبِ نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی یا اتنی قیمت نقد کا مالک) نہیں ہے نیز سیّد نہیں ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے، اس سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۴/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۵/۴/۹۰ھ۔

---

(۱) "الأفضل صرف الزكوتين: يعنى صدقة الفطر وزكاة المال إلىٰ أحد هؤلاء السبعة الأول: إخوته الفقراء وأخواته، ثم إلى أولادهم ثم إلىٰ أعمامه الفقراء، ثم إلىٰ أخواله وخالاته، ثم ذوى الأرحام الفقراء، الخ". (التاتار خانية: ۲/ ۲۷۱، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى ردالمحتار: ۲/ ۳۴۶، باب المصرف، سعيد)

(وكذا فى خلاصة الفتاوىٰ: ۱/ ۲۴۲، الفصل الثامن فى أداء الزكاة، امجد اكيڈمى لاهور)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۹۰، الباب السابع فى المصارف، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲/ ۴۲۵، باب المصرف، رشيديه)

(۲) "ويجوز دفعها لزوجة أبيه وابنه، وزوج ابنته، الخ". (ردالمحتار: ۲/ ۳۴۶، باب المصرف، سعيد)

(وكذافى التاتارخانية: ۲/ ۲۷۳، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الفقه الإسلامى وأدلته: ۳/ ۱۹۷۰، مصارف الزكاة، رشيديه)

کیا نانا، ماموں، چچا مصرفِ زکوٰۃ ہیں؟

سوال[۴۶۴۵]: زید صاحبِ نصاب ہے اور اس کے نانا غریب ہیں، تو نانا کو یا ماموں، چچا کو زید زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نانا غریب ہونے کے باوجود مصرفِ زکوٰۃ نہیں (۱)، ماموں، چچا اور ان کی اولاد اگر غریب ہوں تو ان کو دے سکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۶/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ۔

لڑکے کی بیوی کو زکوٰۃ، فطرہ دینا

سوال[۴۶۴۶]: زید اپنے لڑکے کی بیوی کو زکوٰۃ یا صدقۃ الفطر دے سکتے ہیں یا نہیں، جبکہ لڑکا مفرور ہے، چار بچے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکے کی بیوی کو اگر زکوٰۃ، فطرہ دے تو درست ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۸۹ھ۔

غریب بھائی کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۴۷]: کیا اپنے حقیقی غریب بھائی کو خوشحال بھائی زکوٰۃ کی رقم دے سکتا ہے؟

---

(۱)(سیأتی تخریجه تحت عنوان: ''حاجت مند ماں باپ کو زکوٰۃ دینا''۔)

(۲)(سیأتی تخریجه تحت عنوان: ''رشتہ داروں میں سب سے مقدم مستحقِ زکوۃ''۔)

(۳)''ویجوز دفعها لزوجة أبیه وابنه وزوج ابنته الخ''. (ردالمحتار: ۲/۳۴۶، باب المصرف، سعید)

(وأیضاً تقدم تخریجه تحت عنوان: ''داماد کو زکوٰۃ دینا''۔)

الجواب حامداً ومصلیاً:

غریب بھائی کوزکوٰۃ دینادرست ہے بلکہ وہ غیروں سے مقدم ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۹/۱۰/۸۹ھ

زکوٰۃ بھائی اوراس کی اولادکو

سوال[۴۶۴۸]: ہم دو بھائی چچا تایا کے ہیں اورایک دادا کی اولاد ہیں،ہمارے دونوں بھائیوں کے علیحدہ علیحدہ بچے ہیں اور ہماری تیسری نسل ہے،ہم میں ایک کی اولاد تنگدست ہے اورایک کی اولادزکوٰۃ نکالتی ہےتو وہ زکوٰۃ کے روپے جوکہ تنگدست ہیں ان کودے سکتے ہیں یانہیں؟ شریعت کے مطابق آپ مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کے پیسے بھائی کواور بھائی کی اولادکودینادرست ہے جبکہ وہ مستحق ہوں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

زکوٰۃ کی رقم ماموں،سالےاوران کی اولادکودینا

سوال[۴۶۴۹]: زکوٰۃ اورقربانی کے چمڑے کی قیمت نانی،ماموں،سالے یاان تینوں کی اولادکو بھی دی جاسکتی ہے؟اگران کا گزراوقات بمشکل ہوتا ہے،احکامِ شرعیہ مع دلائل سلیس اردو میں تحریرفرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نانی کوتو جائزنہیں،ماموں اورسالےکو جائز ہے،ان دونوں کی اولادکوبھی جائز ہے نانی کی اولاد میں سے والدہ کوجائزنہیں،خالہ،ماموں اوران کی اولادکو جائز ہے:

"(وقوله: أصله)بالجر: أى لا يجوز الدفع إلىٰ أبيه وجده وإن علا، وفيه إشارة إلىٰ أن

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''رشتہ داروں میں سب سے مقدم مستحقِ زکوۃ''۔)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''رشتہ داروں میں سب سے مقدم مستحقِ زکوۃ''۔)

هٰذا الحكم لا يخص الزكوٰة، بل كل صدقة واجبة، لا يجوز دفعها لهم كأحدا لزوجين كالكفارات وصدقة الفطر والنذور، وفيه: بأصله وفرعه؛ لأن مَن سواهم من القرابة يجوز الدفع لهم، وهو أولىٰ لما فيه من الصلة مع الصدقة كالإخوة والأخوات والأعمام والعمات والأخوال والخالات الفقراء، ولهٰذا قال في الفتاوىٰ الظهيرية: ويبدأ في الصدقات بالأقارب، اهـ". بحر: ٢٤٣/٤ (١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۴/۴/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

پھوپھی زاد بہن کو زکوٰۃ دینا

سوال [۴۲۵۰]: ۱...... اگر زید نے اپنے پھوپھا اور پھوپھی کے انتقال ہوجانے کے بعد اپنی پھوپھی زاد بہن کو بطورِ پرورش اپنے مکان پر رکھ لیا ہو اور زید اپنی نابالغ بہن کو زکوٰۃ کا روپیہ دینا چاہے تو بدیں صورت صحیح معنیٰ میں ادائیگی ہوجائے گی یا نہیں؟

۲...... سوتیلی ماں کی طرف سے لڑکی کے حصہ کا روپیہ مل جانے کے بعد نابالغی یا بالغی ہر دو صورت میں لڑکی مذکور زکوٰۃ کی مستحق ہوسکتی ہے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

مرسلہ: حاجی عنایت اللہ، از کھیڑہ افغان، ۱۹/ جنوری/ ۴۸ء۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲...... اگر وہ مصرفِ زکوٰۃ ہے یعنی اس کی ملک بقدرِ نصاب نہیں تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے (۲)۔

---

(۱) (البحر الرائق: ۴۲۵/۲، باب المصرف، رشيديه)

وراجع للتفصيل عنوان: "اقرباء کو زکوٰۃ دینا"۔)

(۲) "ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحاً مكتسباً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۸۹/۱، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲۷۸/۲، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۲۸/۲، باب المصرف، رشيديه)

اوراس کودینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اوراگر وہ مصرفِ زکوٰۃ نہیں یعنی اس کی ملک بقدرِ نصاب ہے جوکہ حاجتِ اصلیہ سے زائد ہے تو زکوٰۃ دینا درست نہیں (۱)، اس مسئلہ میں بالغ اور نابالغ سب کا ایک حکم ہے، نابالغ کا باپ اگر زندہ ہواور وہ صاحبِ نصاب ہوتو ایسے نابالغ کوبھی زکوٰۃ دینا درست نہیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور، ۹/ ربیع الثانی/۶۷ھ۔

اگر وہ لڑکی نابالغ ویتیم ہے توزکوٰۃ دینااس کوجائز ہےلیکن اس پراول مال پرقبضہ کراناضروری ہے،محض اپنے گھر کھانا کھلانا کافی نہیں ہے، الّا یہ کہ کھانا دینے کے وقت زکوٰۃ کی نیت کی جائے (۳)۔

نمبر:۲میں جوذکرکیا ہےاس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے حصہ میں کچھ روپیہ موجود ہے، اگر وہ بقدر نصاب اورجلدوصول ہوسکنے کی امید ہےتواس کوزکوٰۃ دیناجائز نہ ہوگا (۴)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدسعیداحمدغفرلہ،مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارن پور، ۱۱/ ربیع الاول/ ۶۷ھ۔

(۱) "الزکوة هی تملیک مال مخصوص اهـ. أخرج بالتملیک الإباحة، فلاتکفی فیها، فلو أطعم یتیماً ناویاً به الزکوة، لاتجزیه، إلا إذا رفع إلیه المطعوم، اهـ". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الزکوة، ص: ۴۱۷، قدیمی)

(وکذا فی ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الزکوة: ۱/۲۵۷، سعید)

(وکذا فی الدرالمنتقی علی هامش مجمع الأنهر، کتاب الزکوة: ۲/۲۸۴، بیروت)

(۲) "(ولا إلی طفله): أی الغنی، فیصرف إلی البالغ ولو ذکراً صحیحاً، قهستانی، فأفاد أن المراد بالطفل غیر البالغ ذکراً کان أو أنثیٰ، فی عیال أبیه أو لا، علی الأصح، لما أنه یُعدّ غنیاً بغناه".

(ردالمحتار: ۲/۳۴۹، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی النهرالفائق: ۱/۴۶۵، باب المصرف، امدادیه)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۲/۴۳۳، باب المصرف، غفاریه)

(۳)" تملیک، خرج الإباحة، فلو أطعم یتیماً ناویاًالزکاة لا یجزیه، إلا إذا دفع إلیه المطعوم، کما لوکان بشرط أن یعقل إلا إذا حکم علیه بنفقتهم". (الدرالمختار: ۲/۲۵۷، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۵۷، من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن)

(وکذافی النهر الفائق: ۱/۴۱۲، کتاب الزکاة، امدادیه)

(۴) "وفی الفتح : دفع إلی فقیرة لها مهر دین علی زوجها یبلغ نصاباً وهو موسر بحیث لوطلبت أعطاها =

دوا کے ذریعہ زکوۃ ادا کرنا

سوال[۴۶۵۱]: زید گھر پر دوا فروخت کرتا ہے، عمر اور دوسرے لوگ دوا کے لئے آتے ہیں جو مستحق زکوۃ ہیں، تو کیا زید اُن کو دوا بہ نیتِ ادائیگی زکوۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ یعنی قیمت بالکل نہ لے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

دے سکتا ہے، مگر ان پر ظاہر کر دے تو اچھا ہے کہ یہ زکوۃ کی مد سے ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

زکوۃ سے طبی امداد

سوال[۴۶۵۲]: دریافت طلب امر یہ ہے کہ زکوۃ کا مصرف اس طبی امدادی فنڈ میں لگایا جاسکتا ہے

= لایجوز، وإن کان لایعطی لوطلبت، جاز". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴، کتاب الزکوۃ، باب المصرف، سعید)

"ولوکان الدین علی مقرّ ملئ أو معسر تجب الزکوۃ لإمکان الوصول إلیه ابتداء أو بواسطة التحصیل". (الهدایة: ۱/۱۸۷، کتاب الزکوۃ، شرکت علمیه)

(۱) "ویجزیه أن یعطی من الواجب جنساً آخر من المکیل والموزون أو العروض أوغیر ذلک بقیمته. وهذا عندنا وقد بیّنّاه". (کتاب المبسوط للسرخسی، کتاب الزکوۃ، باب العشر: ۱/۲۷۰، الجزء الثانی، غفاریه کوئٹه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، باب زکوۃ البقر: ۲/۲۸۶، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الزکوۃ، باب زکوۃ المال: ۲/۳۹۶، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الزکوۃ، الفصل الثانی فی العروض: ۱/۱۷۹، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، کتاب الزکوۃ، باب زکوۃ المال: ۱/۴۳۸)

(**سوال**): زکوۃ کے روپے میں سے مستحق زکوۃ کو اگر کپڑے بنا کر دیئے جائیں تو جائز ہے یا نقد دینا ضروری ہے؟

(**الجواب**): زکوۃ کے روپے سے کسی مستحق کو کپڑے بنا کر دیدیئے جاویں، تو یہ بھی درست ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، کتاب الزکوۃ، مسائل مصارف الزکوۃ، (سوال نمبر: ۳۱۵): ۶/۱۹۶، مکتبہ امدادیہ ملتان)

یانہیں؟اس کا اشتہار یہ ہے:

طبی امدادی فنڈ: ہمارے شہر بھٹکل کی آبادی روز بروز بڑھتی جارہی ہے اور بیماریوں کی بھی کثرت ہو رہی ہے، ڈاکٹروں کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی ہے اور میونسپلٹی کی طرف سے کوئی انتظام نہیں ہے، بعض مسلمان ڈاکٹر غریب اور مزدوروں پر رحم کھا کر یا تو ادھار دوا دے دیتے ہیں یا ان پر مہربانی کرتے ہیں، مگر ہمارے شہر میں کوئی ایسا انتظام نہیں ہے جہاں پر غریب عوام بیماری میں دوادارو کے لئے کچھ اعانت طلب کرسکیں۔ بعض ایسے مریضوں کو بھی دیکھا گیا ہے جن کو ڈاکٹری مشورے کے مطابق بھٹکل سے باہر جا کر علاج کرنا چاہیے مگر بغیر خرچ اور دوسرے انتظامات نہ ہونے کی وجہ سے گھٹتے رہتے ہیں۔

مجلسِ اصلاح وتنظیم نے اس سلسلے میں بہت غور کیا اور ایک مرتبہ ڈاکٹروں کو بلا کر مشورے بھی کئے، آخر ہم نے یہ طے کرلیا ہے کہ مجلس کے زیر اہتمام ایک طبی امدادی فنڈ قائم کیا جائے تاکہ قوم کے امیر لوگ تعاون کر کے مجبور اور غریب مریضوں کو کچھ سہارا دے سکیں، ابھی ہم لوگوں کو اور بھی ضرورت ہے تاکہ اپنی عورتوں کی پریشانیوں کا کچھ مَداوا کرسکیں۔

۱-اس فنڈ سے غریب مریضوں کو ان کی دوادارو کے لئے ان کی مدد کی جائے گی۔

۲-مریضوں کے لئے ضروری چیزیں خرید کر رکھی جائیں گی اور ضرورت پر ان کو استعمال کے لئے دی جائیں گی۔

۳-غریب مریض کے لئے ڈاکٹروں کے دیئے ہوئے مشورے پر عمل کرانے کی کوشش کی جائے گی۔

۴-امکان میں ہوا تو مسلمان ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کر کے غریبوں کے لئے خیراتی دواخانہ کی صورت پیدا کی جائے گی۔ یہ سب کچھ جب ہی ممکن ہے جب ہمارے طبی امدادی فنڈ میں دل کھول کر اپنا عطیہ عطا کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دوائیں بنا کر جن کی قیمت مقدار واجب (زکوٰۃ) ہو، غرباء ومستحقین کو تملیکاً دیدی جائیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، یہی حکم صدقۃ الفطر اور قیمتِ چرمِ قربانی کا ہے(۱)۔ ہسپتال میں مستحق اور غیر مستحق دونوں قسم کے

(۱)"ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً کما مر، لایصرف إلی بناء نحو مسجد ....إن =

آدمی آتے ہیں، دوابھی اکثر اوقات تملیکاً نہیں دی جاتی، ان دونوں باتوں کی رعایت اگر کی جائے تو زکوٰۃ ادا ہونے میں تردد نہیں رہے گا۔ اگر ہسپتال میں زکوٰۃ کا روپیہ دیا گیا اور اس سے ذمہ داروں نے دوا منگانے، بنوانے کی مزدوری دی تو اتنی مقدار زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، غرض ادائے واجب کے لئے معاملہ کی پوری تفتیش لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۷/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۸/ ۹/ ۸۸ھ۔

تبلیغی جماعت کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۲۵۳]: زکوٰۃ کی رقم تبلیغی جماعت کے افراد پر خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں اور یہ کہنا کہ زکوٰۃ کا صحیح مصرف تبلیغی جماعت ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ مصرفِ زکوٰۃ ہیں تو ان پر صرف کرنا درست ہے(۱)، لیکن مصرفِ صحیح کو ان میں منحصر کرنا صحیح نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

= الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأ مر بفعل هذه الأشياء، الخ (الدرالمختار). "(قوله: نحو مسجد) كبناء القناطر، والسقايات، وإصلاح الطرقات، و كرى الأنهار، والحج، والجهاد، و كل مالا تمليك فيه". (ردالمحتار: ۲/ ۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۱۲۰ باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في المحيط البرهاني: ۲/ ۴۳۳، الفصل الثامن من توضع الزكاة فيه، غفاريه)

(۱)" هي تمليك جزء مال عيّنه الشارع من مسلم فقير، غير هاشمي، ولا مولاه مع قطع المنفعة عن المملّك من كل وجهٍ لله تعالىٰ". (الدرالمختار: ۲/ ۲۵۶، ۲۵۸، كتاب الزكوٰة، سعيد)

(و كذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۱۷، كتاب الزكوٰة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(و كذافي البحر الرائق: ۲/ ۳۵۲، كتاب الزكوٰة، رشيديه)

(۲)"أما قوله تعالىٰ: ﴿و في سبيل الله﴾[التوبة: ۶۰] عبارة عن جميع القرب، فيدخل فيه كل من سعىٰ =

نادار طلبہ کو زکوۃ دینا

سوال[۴۶۵۴]: یہاں ایک مدرسہ اسلامیہ ہے جس کا خرچ آمد سے زیادہ ہے اس لئے چندہ کیا جاتا ہے، کچھ لوگ زکوۃ دیتے ہیں، ویسے ہم خود زکوۃ کا روپیہ لینے سے احتیاط برتتے ہیں، تملیک کو ہم بہتر نہیں سمجھتے اس لئے زکوۃ کم ہی آتی ہے۔ آپ ہمیں بتائیں کہ اگر اتفاق سے زکوۃ آجائے تو ہم اس کو کسی ایسے آدمی کے بچوں پر خرچ کر سکتے ہیں جو بظاہر صاحبِ نصاب نہیں ہے اور خود دار بھی ہے؟ اگر اس سے کہا جائے کہ تمہارے بچوں کے سلسلہ میں کتابوں کا روپیہ اتنا ہوگیا ہے وہ ادا کردو اور وہ مجبوری ظاہر کرے اس پر ہم اس سے کہیں کہ ہم ان کتابوں کا روپیہ زکوۃ کی مد سے ادا کردیں تو وہ اپنی خودداری کی وجہ سے اس پر آمادہ بھی نہ ہو تو ہم بغیر اس پر ظاہر کئے اس کے بچوں کو ماہانہ وظیفہ مدرسہ سے دے سکتے ہیں یا مدرسہ کے نام پر آئی ہوئی زکوۃ کو بیواؤں، لاچاروں وتنگ دست کو دے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ لینے سے جب آپ احتیاط کرتے ہیں تو بہتر یہی ہے کہ جو شخص دے اس کو بھی انکار کردیں، تاہم نادار طالب علم کو زکوۃ کا پیسہ یا مدِ زکوۃ سے قاعدہ، پارہ تملیکاً دینے سے زکوۃ ادا ہوجائے گی جب کہ وہ طالب علم سمجھدار ہو، اور مالکانہ قبضہ کی اہلیت رکھتا ہو بالکل چھوٹا نا سمجھ نہ ہو(۱)۔

مدرسہ میں خرچ کرنے کے لئے جو زکوۃ آئے اس کو بیواؤں اور مدرسہ سے غیر متعلق لاچاروں پر صرف کرنے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

= في طاعة الله وسبيل الخيرات إذا كان محتاجاً". (بدائع الصنائع: ۲/۲۷۱، فصل في الذي يرجع إلى المؤدي، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۲، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۱، باب المصرف، امداديه)

(۱) "في التمليك إشارة إلى أنه لا يصرف إلى مجنون وصبي غير مراهق ......ويصرف إلى مراهق يعقل =

نادار طلبہ کو زکوۃ دینا

سوال[۴۶۵۵]: یہاں ایک مدرسہ اسلامیہ ہے جس کا خرچ آمد سے زیادہ ہے، اس لئے چندہ کیا جاتا ہے، کچھ لوگ زکوۃ دیتے ہیں، ویسے ہم خود زکوۃ کا روپیہ لینے سے احتیاط برتتے ہیں، تملیک کو ہم بہتر نہیں سمجھتے، اس لئے زکوۃ کم ہی آتی ہے۔ آپ ہمیں بتائیں کہ اگر اتفاق سے زکوۃ آجائے تو ہم اس کو کسی ایسے آدمی کے بچوں پر خرچ کر سکتے ہیں جو بظاہر صاحبِ نصاب نہیں ہے اور خوددار بھی ہے؟ اگر اس سے کہا جائے کہ تمہارے بچوں کے سلسلہ میں کتابوں کا روپیہ اتنا ہوگیا ہے وہ ادا کردو اور وہ مجبوری ظاہر کرے، اس پر اگر ہم اس سے کہیں کہ ہم ان کتابوں کا روپیہ زکوۃ کی مد سے ادا کردیں تو وہ اپنی خودداری کی وجہ سے اس پر آمادہ بھی نہ ہو، تو ہم بغیر اس پر ظاہر کئے اس کے بچوں کو ماہانہ وظیفہ مدرسہ سے دے سکتے ہیں، یا مدرسہ کے نام پر آئی ہوئی زکوۃ کو بیواؤں لاچاروں وتنگ دست کو دے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ لینے سے جب آپ احتیاط کرتے ہیں تو بہتر یہی ہے کہ جو شخص دے اس کو بھی انکار کردیں۔ تاہم نادار طالبِ علم کو زکوۃ کا پیسہ یا مدّ زکوۃ سے قاعدہ پارہ تملیکاً دینے سے زکوۃ ادا ہوجائے گی جب کہ وہ طالب علم سمجھدار ہو، اور مالکانہ قبضہ کی اہلیت رکھتا ہو، بالکل چھوٹا ناسمجھ نہ ہو(۱)۔ مدرسہ میں خرچ کرنے کے لئے جو زکوۃ

= الأخذ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعید)

(وکذافی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۰ الباب السابع فی المصارف، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۷۳، باب من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی فتح القدیر: ۲/۲۷۰، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لایجوز، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۱) "(الزکوۃ: هی تملیک) خرج الإباحة، فلو أطعم یتیماً ناویاً الزکاة، لایجزیه، إلا إذا دفع إلیه المطعوم کما لوکساه بشرط أن یعقل القبض، اهـ". (الدرمختار). "(قوله: خرج الإباحة): أی فلا تکفی فیها .... (قوله: إذا دفع الخ) مقیّد بما إذا لم یکن أبوه غنیاً؛ لأنه یعدّ غنیاً لِغنیٰ أبیه .... ومنه علم أنه لایشترط فی المدفوع إلیه البلوغ بل ولا العقل؛ لأنَّ تملیک الصبی صحیحٌ، لکن إن لم یکن عاقلاً فإنه یقبض عنه وصیّه أو أبوه أو مَن یعوله، قریباً أو أجنبیاً أو الملتقط. وإن کان عاقلاً فقبض مَن ذُکر، وکذا قبضه بنفسه، اهـ". .... =

آئے اس کو بیواؤں اور مدرسہ سے غیر متعلق لا چاروں پر صَرف کرنے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۷ھ۔

حاجت مند ماں باپ کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۲۵۶]: کسی شخص کی ایک لڑکی ہے جس کی شادی ہوگئی ہے تو اب اس لڑکی پر اپنے ماں باپ کا نفقہ تو واجب ہے نہیں تو لڑکی اپنے باپ یا ماں کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتی ہے جبکہ اس کے ماں باپ محتاج ہوں؟ اگر زکوٰۃ نہیں دے سکتی تو کیا اس لڑکی کے ذمہ امداد واجب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے (۱) اگر وہ حاجت مند ہوں تو ان کا نفقہ بھی واجب ہے، صلہ رحمی کے طور پر بھی امداد کی جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= (وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۵۶، ۲۵۷، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۵، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكوة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۲۴۴، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار: ۱/۳۸۸، دارالمعرفة، بيروت)

(۱) "ولا يدفع المزكي زكاة ماله إلىٰ أبيه وجده وإن علا". (الهداية: ۱/۲۰۶، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، شركة علمية ملتان)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۲۲، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "فلا تدفع الزكاة إلى الوالدين وإن علوا .... لأن نفقتهم واجبة على المزكي، الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۱۹۶۸، مصارف الزكاة، رشيديه)

البتہ صدقاتِ نافلہ والدین کو دینا جائز ہے: .... =

والد اور سوتیلی والدہ کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۲۵۷] : ایک صاحب نصاب ہے وہ اپنے والدین سے علیحدہ رہتا ہے، والد اس کے ضعیف ہیں اور روزگار کچھ نہیں ہے، والد صاحب کے دوسری بیوی سے ۶، ۷/ بچے ہیں جن میں سے صرف ایک بالغ ہے وہ بھی جاہل اور بے روزگار ہے، ذریعۂ آمدنی کچھ نہیں۔ کیا ایسی صورت میں بیٹا والدین کو یعنی والد اور سوتیلی ماں کو جو کہ سادات سے نہیں اگرچہ والد سید ہیں زکوٰۃ دے سکتا ہے؟ زکوٰۃ کے علاوہ جو پیسہ بمدِ خیرات اپنی کمائی میں سے نکالتا ہے وہ بھی دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

باپ کو زکوٰۃ دینا تو کسی حال میں درست نہیں (۱)، سوتیلی ماں کو زکوٰۃ دینا جب کہ وہ مصرفِ زکوٰۃ ہو یعنی صاحب نصاب اور سید نہ ہو درست ہے (۲)۔ خیراتِ غیر واجبہ دونوں (والدین) کو دینا جائز ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

= "وأما صدقة التطوع: فيجوز دفعها إلى هولاء والدفع إليهم أولىٰ؛ لأن فيه أجرين: أجر الصدقة و أجر الصلة، الخ". (بدائع الصنائع: ۲/۴۸۴، فصل في الذي يرجع إلى المؤدي إليه، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۳، باب من توضع الزكاة فيه، غفاريه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۳، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "حاجت مند ماں باپ کو زکوٰۃ دینا"۔)

(۲) "ويجوز دفعها لزوجة أبيه وابنه وزوج ابنته، الخ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۶، باب المصرف، سعيد)

(وكذافي التاتارخانية: ۲/۲۷۳، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۱۹۷۰، مصارف الزكاة، رشيديه)

(۳) "فلا تدفع الزكاة إلى الوالدين وإن علوا .... لأن نفقتهم واجبة على المزكي، الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۱۹۶۸، مصارف الزكاة، رشيديه) .... =

جن اقرباء وغیرہ کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے

سوال[۴۲۵۸]: زکوٰۃ جن لوگوں کو نہ دی جائے ان کے نام تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداومصلیاً:

''اصول''ماں: باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، وغیرہ۔''فروع'': بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی وغیرہ۔''زوجین'': شوہر بیوی، ان رشتہ داروں کو زکوٰۃ نہ دی جائے (۱)، بقیہ رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، سادات کرام کو بھی زکوٰۃ نہ دی جائے، نیز صاحب نصاب کو زکوٰۃ نہ دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/ ۸/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/ ۸/۹۲ھ۔

سادات کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۲۵۹]: سیدوں کو زکوٰۃ، عشر، صدقاتِ واجبہ مثل فطرہ، نذر و نیاز دینی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیاً:

جائز نہیں:

"ولا إلیٰ بني هاشم، وجازت التطوعات من الصدقات، الخ"۔ "قید بها لیخرج بقیة الواجبات كالنذر والعشر والكفارات". درمختار، شامی(۲)۔ فقط اللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= البتہ صدقاتِ نافلہ والدین کو دینا جائز ہے:

"وأما صدقة التطوع: فیجوز دفعها إلی هولاء والدفع إلیهم أولیٰ؛ لأن فیه أجرین: أجر الصدقة و أجر الصلة، الخ". (بدائع الصنائع: ۲/۴۸۴، فصل فی الذی یرجع إلی المؤدی إلیه، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وكذا فی المحیط البرهانی: ۲/۴۳۳، باب من توضع الزكاة فیه، غفاریه)

(وكذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۷۳، من توضع الزكاة فیه، إدارة القرآن كراچی)

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''مصارف زکوٰۃ''۔)

(۲) (الدرالمختار مع رد المحتار: ۲/۳۵۱، باب المصرف، سعید) .... =

سیّد کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۲۶۰]: سید کو زکوٰۃ دینی ناجائز ہے جبکہ آج کل ہندوستان بھر میں کہیں بھی بیت المال کا سلسلہ نہیں تو ان کی امداد کیسے ہوسکتی ہے؟ وہ بیچارے کہاں جاویں، کیا وہ اس صورت میں زکوٰۃ کے مستحق ہوسکتے ہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب حامداومصلیاً:

اغنیاء کو ان کی خدمت تبرعات سے کرنا چاہئے، زکوٰۃ تو میل کچیل ہے، سادات کی شان اس سے اَرفع ہے کہ ان کو میل کچیل کھلایا جائے:

"ولاتدفع إلیٰ بني هاشم لقوله علیه السلام:" یا بني هاشم! إن الله قد حرم علیکم غسالة الناس وأوساخهم، اھ". ہدایہ: ۱/۱۸٦(۱)۔

قال في البحر :"أطلق الحکم في بني هاشم، ولم یقید بزمان ولا بشخص للإشارة إلی

= "ولایدفع إلی بني هاشم، وهم ال علي، وال عباس، وال جعفر، وال عقیل، وال الحارث بن عبدالمطلب .... هذافي الواجبات کالزکاة والنذر والعشر والکفارات، فأماالتطوع، فیجوزالصرف إلیهم". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۸۹، الباب السابع في المصارف،رشیدیه)

(وکذا في إعلاء السنن: ۹/۹۳،باب من یجوز دفع الصدقات إلیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۸۲، فصل: الذی یرجع إلی المؤدی إلیه، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذافي فتح القدیر: ۲/۲۷۲ باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لایجوز، مصطفی البابي الحلبي مصر)

(وکذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۹،باب المصرف، رشیدیه)

(وکذا في مرقاة المفاتیح: ۴/۲۳۵،باب من لا تحل له الصدقات، رشیدیه)

(وکذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۰،باب بیان أحکام المصرف،دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا في التاتارخانیة: ۲/۲۷۴،باب من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچي)

(وکذا في النهر الفائق: ۱/۴۶۵،باب المصرف،امدادیه)

(۱) (الهدایه: ۱/۲۰٦ باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ولایجوز، شرکت علمیه) ....=

الرد على رواية أبي عصمة عن الإمام أنه يجوز إلى بني هاشم في زمانه، وللإشارة إلى الرد على رواية أنه يجوز للهاشمي أن يدفع زكوته إلى مثله؛ لأن ظاهر الرواية المنع مطلقاً، اھ"(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۴/۱۰/۵۶ھ۔

سیّد کو زکوٰۃ دینا

سوال[۴۲۶۱]: ۱......اس زمانہ میں سیّدوں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا ناجائز؟

۲......کیا حضرت امام ابوجعفر و امام فخر الدین رازی نے اپنے زمانوں میں سیدوں کو زکوٰۃ دینی جائز کردی تھی یا نہیں؟ شرح ترمذی میں کہیں لکھا ہے یا نہیں؟

۳......کیا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی کوئی روایت شامی و فتح القدیر میں سیدوں کو زکوٰۃ دینے کے جواز میں ہے یا نہیں؟

۴......"من لم يكن عالماً بعرف زمانه فهو جاهل"، یہ کوئی فقہ حنفیہ میں بنیادی یا اصولی مسئلہ ہے، زمانۂ حال کے بموجب ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے مجتہد یا مفتی بعض احکام میں ردو بدل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سے قبل مجتہدوں و مفتیوں نے کچھ احکام میں ردو بدل کیا ہے؟

۵......اگر کسی شخص نے بعض مفتی علماء کے کہنے پر سیدوں کو زکوٰۃ دیدی اور کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ سیدوں کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں تو وہ دی ہوئی زکوٰۃ کو دوبارہ دے یا نہ دے اگر نہ دے، تو گناہ ہوگا یا نہیں؟ اور ایسے علماء جیسے مولانا انور شاہ صاحب، حضرت مولانا شفیع الدین صاحب مہاجر مکی خلیفۂ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب و دیگر علماء: مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب دیوبندی ندوۃ المصنفین، مولوی محمد معصوم صاحب، مولوی عبد الغفور صاحب مدنی جیسے حضرات نے سیدوں کو زکوٰۃ دینی جائز فرمائی تو اس کو دی ہوئی زکوٰۃ کو لوٹانا واجب ہے یا

---

(۱) (البحر الرائق: ۲/۴۳۱ باب المصرف، رشیدیہ)

(و كذا في التاتارخانية: ۲/۲۷۴، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في ردالمحتار: ۲/۳۵۰ باب المصرف، سعید)

نہیں؟ اگر نہ لوٹائے تو بتایئے گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

۲......بہشتی زیور(۱) میں یہ مسئلہ ہے کہ "ایک شخص کو مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دیدی تھی، پھر معلوم ہوا کہ وہ مالدار ہے یا سید ہے، یا اندھیری رات میں کسی کو دیدی پھر معلوم ہوا کہ وہ تو میری ماں یا میری لڑکی تھی یا اَور کوئی رشتہ دار تھا جس کو زکوٰۃ دیدی جس کو دینا درست نہ تھا، ان سب صورتوں میں زکوٰۃ ادا ہوگئی، دوبارہ ادا کرنا واجب نہیں۔ اگر دینے کے بعد معلوم ہوا کہ جس کو دیا ہے وہ کافر ہے تو زکوٰۃ دوبارہ ادا کرے۔ درمختار: ۲/۱۰۸(۲)، ہدایہ: ۱/۱۸۹(۳)۔

المستفتی: حافظ محمد سعید (دہلی)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......سید کو زکوٰۃ دینا درست نہیں: "أوهاشمي: أى لايجوز دفعها إلى بنى هاشم لقوله عليه السلام: "إن هذه الصدقات إنما أوساخ الناس، وإنها لاتحل، لمحمد ولالآل محمد". رواه مسلم. وقال عليه الصلوة والسلام: "نحن أهل بيت، لا تحل لنا الصدقة". رواه البخارى. ۱ھ" زيلعى: ۳۰۳(٤)۔

۲......جی ہاں "عقد الجید" سے نقل کیا ہے(۵) لیکن ابوجعفرؒ نے "شرح معانی الآثار" میں تین ورق

---

(۱) (بہشتی زیور، حصہ دوم، ص: ۲۴۹، کتاب الزکوۃ، جن لوگوں کو زکوۃ دینا جائز ہے ان کا بیان، المكتبة المدينة، لاهور)

(۲) "دفع بتحر لمن يظنه مصرفاً فبان أنه عبده أو مكاتبه أو حربى ولو مستأمناً أعادها". (الدرالمختار: ۲/۳۵۲، كتاب الزكوة، باب المصرف، سعيد)

"والحق المنع فقد قال فى غاية البيان مغرياً إلى التحفة: "وأجمعوا أنه إذا اظهر أنه حربى ولو مستأمناً لايجوز". (البحر الرائق: ۲/۴۳۲، كتاب الزكوة، باب المصرف، رشيديه)

(۳) (الهداية: ۱/۲۰۷، كتاب الزكوة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لايجوز، شركة علمية، ملتان)

(۴) (تبيين الحقائق: ۲/۱۲٦، باب المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۵) "باب كراهية الصدقة للنبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأهل بيته ومواليه المسئلة متفق عليها الخ. وأماالنافلة ففيها اختلاف، قال الزيلعى شارح الكنز: إنها لايجوز للهاشمى، وتبعه ابن الهمام، وأما غيره=

کے قریب بنی ھاشم کے لئے زکوٰۃ کے ناجائز ہونے پر تحریر فرمائے ہیں (۱) اور اسی شرح ترمذی میں ہے، ص:۲۹۲"باب کراهة الصدقة للنبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم وأهل بیته وموالیه، المسئلة متفق علیها"(۲) اورامام رازیؒ شافعی المذھب ہیں (۳)۔

۳......فتح القدیر(۴) اورشامی (۵) وغیرہ میں ابوعصمۃ کی روایت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے جواز کی نقل کی ہے جوکہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے(۶)۔

۴......اس کا مطلب یہ ہے کہ جن احکام کا مدار عرف پر ہوتا ہے وہ عرف کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں، لہٰذا مفتی کوعرف کا پہچاننا ضروری ہے تاکہ اس کے موافق خود عمل کرے اور دوسروں کو بتلائے، اگرعرف کو نہیں پہچانے گا تو غلطی کا احتمال زیادہ ہے، اس کی نظیریں زمانۂ گذشتہ اورموجودہ میں بکثرت موجود ہیں (۷)۔

= فیجوّز ها له ......اهـ".

"وفی عقد الجید: أفتی الطحاوی من الحنفیة وفخرالدین الرازی من الشافعیة بجواز الزکاة للهاشمی فی هذه الصور ة، وأماالنبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، فلاتجوز له النافلة أیضاً". (العرف الشذی علی هامش الترمذی، باب کراهیة الصدقة للنبی صلی الله علیه وسلم: ۱/۱۴۳،سعید)

(۱) (شرح معانی الآثار، کتاب الزکوة، باب الصدقة علی بنی هاشم: ۱/۳۴۷-۳۵۳، سعید)

(۲) (راجع الحاشیة رقمها: ۱)

(۳) (راجع ،ص: ۵۵۴، رقم الحاشیة: ۵)

(۴) (فتح القدیر: ۲/۲۷۲،باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لایجوز، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(وکذافی التاتارخانیة: ۲/۲۷۴، باب من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(۵) (ردالمحتار: ۲/۳۵۰،باب المصرف، سعید)

(۶) "ولایدفع إلی بنی هاشم". هذا ظاهر الروایة وروی أبو عصمة عن أبی حنیفة أنه یجوز فی هذا الزمان". (فتح القدیر: ۲/۲۷۲، کتاب الزکوة، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لایجوز، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر)

(۷) "واعلم أن اعتبار العادة والعرف رجع إلیه فی مسائل کثیرة حتی جعلوا ذلک أصلاً، فقالوا فی الأصول، فی باب ما تترک به الحقیقة: تترک الحقیقة بدلالة الاستعمال والعادة، هکذا ذکر فخرالإسلام". (رسائل ابن عابدین: ۲/۱۱۴، سهیل اکیڈمی) .... =

۵، ۶...... میں نے ان علماء کی کوئی تحریر اس مسئلہ میں ایسی نہیں دیکھی جس سے معلوم ہوتا ہو کہ سید کو زکوٰۃ دینی جائز ہے، بلکہ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کی عبارت جواب نمبر: ۲ میں منقول ہے، تاہم اگر کسی ناواقف نے ان حضرات سے فتویٰ لے کر سید کو زکوٰۃ دی ہے اور اس کا یہی اعتقاد ہے کہ ان حضرات نے صحیح بتایا ہے تو اس کے ذمہ اس زکوٰۃ کا اعادہ ضروری نہیں۔ رہا ان حضرات کا گناہ گار ہونا نہ ہونا تو یہ سائل کا سوال بے محل ہے، سائل کو اس سے کچھ غرض نہیں، یہ حضرات اپنے علم کے مطابق جو کچھ فتویٰ دیتے ہیں اپنی ذمہ داری پر دیتے ہیں۔

نمبر: ۵ کا حکم مستقلاً معلوم ہوگیا، اس مسئلہ کو نمبر: ۶ والے مسئلہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ نمبر: ۶ میں مسئلہ کا علم صحیح طور پر حاصل ہے، غلطی جو کچھ ہوئی وہ عمل میں ہوئی اور وہ تحری کے بعد عملی غلطی شرعاً معاف ہے اور نمبر: ۵ میں علم واعتقاد ہی غلط ہے اور عمل جو کچھ کیا ہے اعتقاد کے مطابق کیا ہے اور اعتقادی غلطی، نیز ایسی غلطی جو کہ اعتقادی غلطی پر مرتب ہو شرعاً معاف نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اُتم واُحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۰/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/شوال/ ۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

سیّد کی زکوٰۃ سیّد کو دینا

سوال [۴۶۶۲]: کیا سید مالدار اپنے غریب مسکین رشتہ داروں کو زکوٰۃ دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر سید طالب علم سفر میں ہو تو کیا زکوٰۃ کے مال سے کچھ کھا پی سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز ہے یہی صحیح اور صواب ہے: ''ولا إلیٰ بنی هاشم، ظاهر المذهب إطلاق المنع، وقول

= (وکذافی الأشباه والنظائر: ۱/۲۶۸، القاعدة السادسة العادة محکمة، إدارة القرآن کراچی)

نوٹ: بعینہ یہی سوال کفایۃ المفتی میں موجود ہے، مزید برآں جواز کے فتویٰ دینے والے علماء کرام کے فتاویٰ بھی موجود ہیں، تفصیل کے لئے دیکھئے: (کفایة المفتی: ۴/۲۷۱، مصارف زکوٰۃ، دار الاشاعت)

العینی: "والهاشمی یجوز دفع زکوته لمثله". صوابه: "لایجوز، نهر" اھ". درمختار: ۲/۱۰۱(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

زکوٰۃ سے سیّد کا قرض ادا کرنا

سوال[۴۲۶۳]: زید جونسباً سید ہے اور عمر کا مقروض ہے، بکر صاحبِ نصاب ہے، وہ اگر زکوٰۃ کے روپیہ سے زید کا قرض ادا کردے اس طرح سے کہ زکوٰۃ کا روپیہ عمر کو دیدے اور زید کو اس کی خبر کردے تو کیا یہ جائز ہے؟ اور بکر کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح قرض تو ادا ہوجائے گا مگر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۹۱ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار: ۲/۳۵۰، باب المصرف، سعید)

" وإطلاقه يفيد أنه لافرق بين دفع غيرهم لهم ودفعهم بعضهم بعضاً، وجوّز الثاني دفع بعضهم لبعض، وهو رواية عن الإمام، وقول العيني: "والهاشمي يجوز له أن يدفع زكاته إلى هاشمي مثله عند أبي حنيفة خلافاًلأبي يوسف"، صوابه: "لايجوز". (النهر الفائق: ۱/۴۶۶، باب المصرف، امداديه)

(وكذافي مجمع الأنهر: ۱/۳۳۱، باب في بيان أحكام المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي فتح القدير: ۲/۲۷۲، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البا ى الحلبي، مصر)

(۲) "وجازت التطوعات من الصدقات والأوقاف لهم أى لبني هاشم، سواء سماهم الواقف أولا على ماهو الحق كما حققه في الفتح لكن في السراج وغيره إن سماهم جاز، وإلا لا". (الدرالمختارمع ردالمحتار: ۲/۳۵۱، سعيد)

"ولايدفع إلى بني هاشم وهم: آل علي وآل عباس، وآل جعفر، وآل عقيل، وآل الحارث بن عبدالمطلب...... هذافي الواجبات كالزكاة والنذر والعشروالكفارات، فأماالتطوع، فيجوز الصرف إليهم". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۹، الباب السابع في المصارف، رشيديه) .... =

سادات اورانگریزی پڑھنے والے طلبہ کوزکوۃ دینا

سوال[۴۲۶۴]: کیااس زمانہ میں سادات کوزکوۃ دی جاسکتی ہے؟انگریزی تعلیم پرزکوۃ کی رقم صرف کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداومصلیاً:

ابوعصمہ کی روایت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ ہے کہ ''بیت المال سے حصہ (خمس الخمس) نہ ملنے کی وجہ سے بنوہاشم کے لئے زکوۃ درست ہے کذا فی الدرمختار: ۱/۱۹۱(۱)۔ امام طحاوی نے بھی اس کو اختیارکیا ہے، کذافی مراقی الفلاح، ص:۲۹۳(۲)، لیکن ظاہرروایت یہ ہے کہ درست نہیں (۳)۔اگر

= (وكذا فى إعلاء السنن: ۹/۹۳،باب من يجوز دفع الصدقات إليه، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى بدائع الصنائع: ۲/۴۸۲فصل الذى يرجع الى المؤدى اليه، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذافى فتح القدير: ۲/۲۷۲، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا فى البحرالرائق: ۲/۴۲۹،باب المصرف، رشيديه)

(وكذا فى مرقاة المفاتيح: ۴/۲۳۵،باب لا تحل له الصدقات، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۱/۳۳۰،باب بيان أحكام المصرف،دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فى التاتارخانية: ۲/۲۷۴، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى النهر الفائق: ۱/۴۶۵،باب المصرف،امداديه)

(۱) "وروى أبو عصمة عن الإمام أنه يجوز الدفع إلى بنى هاشم فى زمانه؛ لأن عوضها وهو خمس الخمس لم يصل إليهم". (ردالمحتار: ۲/۳۵۰، باب المصرف، سعيد)

(۲) "واختار الطحاوى دفعهالبنى هاشم، وكذا روى أبو عصمة عن الإمام: يجوز، الخ". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص: ۷۲۱، باب المصرف، قديمى)

(۳) "ولا يدع إلى بنى هاشم" هذا ظاهر الرواية". (فتح القدير: ۲/۲۷۲، كتاب الزكوة، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفىٰ البابى الحلبى، مصر)

مستحق کوتملیک کردیجائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اگر چہ وہ انگریزی پڑھتا ہو لیکن دیندار کو دینا افضل ہے(۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

سادات کو بینک کا سود اور زکوٰۃ دینا

سوال[۴۲۶۵]: پچھلے دنوں شری وردھن سے ایک استفتاء بھیجا گیا تھا، اس سلسلہ میں چند باتیں دریافت طلب ہیں:

سوال یہ تھا کہ بینک جو سود دیتا ہے وہ لیا جائے یا نہیں؟ لینے کی صورت میں کیا کیا جائے؟ ضائع کیا جائے یا غرباء کو دیا جائے، سادات کو دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یا اسکول کی تعمیر یا اسکول کے لئے پیشاب خانہ، بیت الخلاء یا عام لوگوں کے لئے پیشاب خانہ، بیت الخلاء بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب کا ماحصل یہ ہے کہ بینک سے ملنے والا سود لیا جائے، غرباء کو دیا جائے، غرباء میں سادات اور دینی مدارس کے طلبہ کو دینا بالکل درست ہے، لیکن اسکول کی تعمیر، اسکول کے لئے پیشاب خانے، بیت الخلاء، بنانا بالکل درست نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ بنک جو سود دیتا ہے کیا وہ اس سود کی تعریف میں نہیں آتا جو قرآن میں مذکور ہے یعنی بینک کا سود سود ہے یا نہیں؟ جبکہ اس کی حرمت کے فتوے دیئے جاتے تھے، اگر بینک کا سود حرام ہے بلکہ اشد فی الحرمۃ ہے تو سادات اور علومِ دینیہ کے طلباء کے لئے بالکل درست اور اسکول اور اس کی ضرورت کے لئے ناجائز کیوں ہے؟

---

(۱) "وكره نقلها إلا إلى قرابة أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين ......أو إلى طالب علم. وفي المعراج: التصدق على العالم الفقير أفضل، الخ". (الدر المختار: ۲/ ۳۳۹، ۳۴۲، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۴۳۶ باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۳۳۰، باب بيان أحكام المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سود کی حرمت منصوص بنصِ قطعی ہے، بینک کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا اس لئے وہ حرام ہے، بینک سے اگر سود وصول نہ کیا جائے تو وہ خلافِ اسلام مواقع میں استعمال کیا جاتا ہے جس کا ضرر ظاہر ہے، اس ضرر سے تحفظ کے لئے وہاں سے وصول کرلیا جائے پھر خود استعمال نہ کیا جائے کیونکہ حرام ہے، حرام مال واجب التصدق ہوتا ہے، جو شخص ایسے واجب التصدق مال کا مستحق ہو اس کو دے دیا جائے، جو غرباء طلباء وغیرہ ایسے ہوں کہ ان کے گزارے کی کوئی صورت نہ ہو وہ اس کے مستحق ہیں (۱)۔

سادات کا اکرام واحترام لازم ہے اس لئے ان کو زکوٰۃ وصدقات واجبہ دینے سے احتراز کا حکم ہے کیونکہ ایسا مال اوساخ الناس کہلاتا ہے، لیکن جو سادات اس قدر حاجت مند ہوں کہ گزارے کے لئے بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں، ان کے حق میں حنفیہ میں سے امام طحاویؒ اور شافعیہ میں سے امام رازیؒ نے زکوٰۃ کو درست قرار دیا ہے کہ زکوٰۃ لینے میں جس قدر ان کے احترام پر زد پڑتی ہے اس سے زیادہ تر بھیک مانگنے میں ہے، یہ سب کی نگاہوں میں بڑی ذلت ہے اس بڑی ذلت سے بچانے کے لئے اگر ان کو زکوٰۃ دیدی جائے تو یہ اہون ہے، اگرچہ یہ قول ظاہر الروایت نہیں ہے اور عامۃً اس کو فتوے کے لئے اختیار نہیں کیا جاتا، لیکن سخت مجبوری اور محتاجگی کی حالت میں اس پر عمل کرنے کی دیگر اکابر کے کلام میں گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کے کلام کا خلاصہ ''فیض الباری'' (۲) اور ''العرف الشذی (۳)'' میں

---

(۱) "لو مات الرجل وكسبه من بيع الباذق، أو الظلم، أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً، وهو أولى، ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه". (رد المحتار: ۳۸۵/۶، كتاب الحظر والإباحة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۴۹/۵، الباب الخامس في الكسب من الكراهية، رشيديه)

(وكذا في كفاية المفتي: ۷۶/۸، كتاب الربوٰ، دار الإشاعت كراچی)

(وكذا في أحسن الفتاوى: ۱۸/۷، باب الربوٰ، سعيد)

(۲) "قلت: وأخذ الزكاة عندي أسهل من السوال، فأفتي به أيضاً". (فيض الباري: ۵۲/۳، باب مايذكر في الصدقة للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وآله، خضر راه بک ڈپو، ديوبند)

(۳) (العرف الشذي على هامش جامع الترمذي: ۱۴۳/۱، باب كراهية الصدقة للنبي صلى الله تعالىٰ =

منقول ہے۔تاہم جہاں تک ہوسکے سادات کرام کواس سے بچانا اَعلیٰ وافضل ہے اور ان کے احترام کا تقاضا ہے۔اسکول کی تعمیر اور پیشاب پاخانے وغیرہ مستحق نہیں ہوتے جو کہ تصدق کا حاصل ہے اس لئے اس سے منع کیا گیا ہے۔ مستحق کو مالک بنا کر دیدیا جائے، پھر وہ جو دل چاہے جہاں چاہے خرچ کرے۔سابقہ فتوی نمبر: ۵۰۵۴، ۲۵/۱۱/۹۲ھ میں اختصار کی وجہ سے تفصیل نہیں آسکی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

صاحبِ نصاب کا کسی کو پڑھانے کی نیت سے زکوٰۃ سے کھالینا

سوال[۴٦٦٦]: زید صاحبِ نصاب کسی مجبوری کی وجہ سے مدرسہ کا کھانا کھائے یہ نیت کرکے کہ میں بعد میں کسی لڑکے کو پڑھادوں گا اتنے سال جتنے کہ میں پڑھا ہوں۔یہ صورت جائز ہے یانہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غیر مستحق باوجود نیتِ مسئولہ کے کھانا زکوٰۃ وغیرہ نہ کھائے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۲۰/۱۰/۹۰ھ۔

زکوٰۃ کی کتابیں صاحب نصاب کو دینا

سوال[۴٦٦٧]: کسی صاحب نصاب نے اپنے زکوٰۃ کے روپیہ سے کتب خرید کر دوسرے عالم

= عليه وسلم وأهل بيته ومواليه، سعيد)

(وشرح معاني الآثار للطحاوي، كتاب الزكوة، باب الصدقة على بني هاشم: ۱/۳۴۷-۳۵۳، سعيد)

(۱)" ولا إلى غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أيّ مال كان، الخ". (الدر المختار: ۲/۳۴۷، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۹، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۳، الفصل الثامن من توضع الزكوٰة فيه، مكتبه غفاريه)

صاحبِ نصاب کو ہبہ کردیں، کیا صاحبِ نصاب عالم کے لئے ایسی کتب لینا درست ہے، نیز ایسی صورت میں مزکی کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کا مصرف وہ ہے جو صاحب نصاب نہ ہو، لہٰذا صورت مسئولہ میں زکوٰۃ ادا نہ ہوئی (۱)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۱/۵۹ھ۔

زکوٰۃ جمعیۃ علمائے اسلام کو دینا

سوال [۴۲۶۸]: زکوٰۃ کی رقم جمعیۃ علمائے اسلام کے فنڈ میں دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ غرباء ومساکین پر بطورِ تملیک صرف کریں تو اس کو دینا درست ہے ورنہ نہیں، مالک اگر خود کسی غریب کو دے دے اور وہ مالکانہ قبضہ کرنے کے بعد از خود جمعیۃ مذکورہ کو دے دے تو درست ہے (۲)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲/۳/۸۹ھ۔

---

(۱) "ولا إلى غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أيّ مال كان، الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۴۷، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۸۹، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۳، الفصل الثامن من توضع الزكوٰة فيه، مكتبه غفاريه)

(۲) "لايجوز أن يبنى بالزكاة المسجد؛ لأن التمليك شرط فيها، ولم يوجد، كذا لا يبنى بها القناطير والسقايات ......والحيلة في هذه الأشياء أن يتصدق بها على الفقير، ثم يأمره أن يفعل هذه الأشياء، فيحصل له ثواب الصدقة، ويحصل للفقير ثواب هذه القرب". (تبيين الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الهداية: ۱/۲۰۴، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لايجوز، شركة علميه ملتان)

(وكذا في التاتار خانية: ۲/۲۷۲، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۳، باب من توضع الزكاة فيه، غفاريه كوئٹه)

دارالحرب میں حربی کوزکوۃ وصدقہ

سوال[۴۶۶۹]: ہندوستان اس وقت دارالحرب ہے یا کیا ہے؟ نیز ہندوحربی ہیں یا کیا ہیں؟ اور بہرصورت ہندوکوصدقۂ فطر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستان کے متعلق دیر سے اختلاف چلا آرہا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اور حضرت شاہ محمد اسماعیل صاحب شہید دہلوی نے دارالحرب قرار دیا ہے، یہی رائے حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا نانوتوی کی ہے اور اکثر علماء اسی طرف گئے ہیں اور یہاں کے جملہ کفار کوحربی فرماتے ہیں، کذافی الفتاویٰ الرشیدیة، ج۳(۱)۔

دارالحرب کے متعلق تین قول نقل کر کے فرماتے ہیں:

"وهمیں قولِ ثالث را محققین ترجیح داده اند، وبریں تقدیر معمولۂ انگریزو اشباهِ ایشاں بلا شبه دار الحرب است، اهـ". فتاویٰ عزیزیہ:۱/۱۶(۲)۔

"**ودر کافی می نویسد** "إن المراد بدار الإسلام بلادٌ یجری فیها حکم إمام المسلمین، وتکون تحت قهره، وبلادُ الحرب بلاد یجری فیها أمر عظیمها، وتکون تحت قهره، انتهیٰ"۔

"دریں شهر (دهلی)حکمِ امام المسلمین اصلاً جاری نیست، وحکم رؤسائے نصاریٰ بے دغدغه جاری است، ومراد از اجرائے احکام کفر ایں است که در مقدمۂ ملک داری، وبندوبستِ رعایا واخذِخراج وباج وعشور، اموال تجارت، وسیاستِ قطاع الطریق وسراق، وفصلِ خصومات، وسزاء جنایات کفاربطورِخود حاکم باشند آرے، اگر بعضے احکامِ اسلام را مثلِ جمعه وعیدین واذان وذبحِ بقر تعرض نکنندنکرده

(۱)(تالیفات رشیدیہ:ص:۶۵۴ "فیصلة الاعلام فی دار الحرب والإسلام "،ادارہ اسلامیات،لاہور)

(۲)(فتاویٰ عزیزی (فارسی): ۱/۱۱۱، سودگرفتن ازانگریزاں،مکتبہ رحیمیہ،دیوبندیوپی)

باشند، لیکن اصل الاصول این چیزها نزدِ ایشان هدر اَست، زیراکه مساجد را بے تکلف هدم می نمایند،و هیچ مسلمان یا ذمی بغیر استیمانِ ایشان درین شهر ودرنواحِ آں نمی تواند آمد، برائے منفعتِ خود ازواردین مسافرین وتجار مخالفت نمی نمایند، اعیان دیگر مثل شجاع الملک، وولایتی بیگم بغیر حکمِ ایشان درین بلاد داخل نمی توانند شد، وازیں شهر کلکته عملِ نصاریٰ ممتداست آرے در چَپ ورَاست مثلِ حیدرآباد، لکھنؤ ورام پور احکامِ خود جاری نکرده اندبسببِ مصالحت واطاعتِ آں ملک، اھ"۔ فتاویٰ عزیزیه : ۱/۱۷ (۱).

بعض علماء نے دارالاسلام فرمایا ہے جیسے مولانا عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ اورنواب صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (۲)۔ یہاں کے ہنود کوحربی ماننے کی صورت میں (جیسا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے ہے) صدقۃ الفطر دینے کی گنجائش نہیں اوران کا ذمی نہ ہونا تو بالکل ظاہر ہے، ذمی کے متعلق بھی امام ابو یوسفؒ کا قول یہ ہے کہ اس کو دینا درست نہیں، درمختار نے حاوی قدسی سے اسی پرفتویٰ نقل کیا ہے اور صاحب ہدایہ وغیرہ نے قولِ طرفین کوترجیح دی ہے:

"ولا تدفع (الزکاۃ) إلی ذمی، وجاز دفع غیرها وغیرالعشر والخراج إلیه: أی الذمی ولو واجباً، کنذرٍ وکفارۃ وفطرۃ، خلافاً للثانی، وبقوله یفتیٰ، حاوی القدسی. وأماالحربی فجمیع الصدقات لا تجوز له اتفاقاً، بحر عن العنایة وغیرها، ۱ھ". درمختار۔

"(قوله: وبقوله یفتی) الذی فی حاشیةالبحر عن الحاوی وبقوله نأخذ، قلت: لکن کلام الهدایة وغیرها یفید ترجیح قولهما، وعلیه المتون، ۱ھ". شامی: ۲/۹۲ (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) (فتاویٰ عزیزی (فارسی): ۱/۳۰، مسئلۂ دارالحرب شدن دارالاسلام، مکتبه رحیمیه، دیوبند یو پی)

(۲) (مجموعة الفتاویٰ (اردو): ۱/۲۳۷،سعید)

(۳) (الدرالمختار: ۲/۳۵۱،باب المصرف، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۱۹، باب المصرف دارالکتب العلمیة، بیروت) ....=

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۵/ رمضان/ ۶۶ھ۔

ابھی ہندوستان کے سابقہ حالات میں کوئی خصوصی تغیر نہیں ہوا ہے، نہ ابھی مکمل آزادی حاصل ہوئی ہے، اس لئے سابقہ ہی احکام ہیں، ہاں آئندہ آزادی ملنے پر دستورِ جدید کی رو سے ممکن ہے کوئی تغیر پیدا ہو جائے۔ فقط۔

سعید احمد غفرلہ، ۱۵/ رمضان/ ۶۶ھ۔

زکوٰۃ غیر مسلم کو دینا

سوال[۴۶۷۰]: زکوٰۃ کا مال یا غلہ وغیرہ میں سے ۴۰/ واں نکال کر کسی ہندو کو دیدیا جائے، اسی طرح صدقۃ الفطر اگر کسی ہندو کو دیدیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

ترجمۂ سوال: ''اور اسی تیسرے قول کو محققین نے ترجیح دی ہے اور اسی تقدیر پر بلا شبہ انگریز کا زیرِ تسلط علاقہ دارالحرب ہے، اھ''۔ (فتاویٰ عزیزیہ: ۱/ ۱۶)

''کافی میں لکھا ہے کہ دارالاسلام سے مراد وہ شہر ہیں جن میں امام المسلمین کا حکم جاری ہو اور اس کے قبضہ وتسلط میں ہوں، اور دارالحرب سے مراد وہ شہر ہیں جن میں ان کے بڑے (سردار کفار) کا حکم جاری ہو اور وہ اس کے تسلط میں ہوں انتہیٰ''۔

''اس شہر (دہلی) میں امام المسلمین کا حکم بالکل جاری نہیں اور رؤسائے نصاریٰ کا حکم بے کھٹکے جاری ہے اور احکامِ کفر کے جاری ہونے سے مراد یہ ہے کہ ملک داری اور رعایا کے بندوبست کے مقدمات ٹیکس اور اموالِ تجارت سے عشر وصول کرنے، چور اور ڈاکوؤں کے انتظام، لڑائی جھگڑوں کے فیصلہ کرنے اور جرائم کی سزا دینے میں کفار خود حاکم ہوں اگر چہ بعض احکامِ اسلام مثلاً جمعہ، عیدین، اذان، گائے ذبح کرنے سے تعرض نہ کرتے ہوں، لیکن اصل بات یہ ہے کہ یہ چیزیں ان کے نزدیک ہدر ہیں، اس لئے کہ مساجد کو بے تکلف منہدم کر دیتے ہیں اور کوئی مسلمان یا ذمی ان سے امن طلب کئے بغیر اس شہر (دہلی) اور اس کے اطراف میں داخل نہیں ہوسکتا، اپنی منفعت کی خاطر آنے والوں سے، مسافروں سے، تاجروں سے تعرض نہیں کرتے، دوسرے بڑے حضرات مثلاً: شجاع الملک اور ولایتی بیگم ان کے حکم کے بغیر ان شہروں میں داخل نہیں ہو سکتے اور اس شہر سے کلکتہ تک نصاریٰ کا عمل دخل پھیلا ہوا ہے، مگر دائیں بائیں مثلاً: حیدرآباد، لکھنؤ، رام پور میں احکام اس ملک کی اطاعت ومصالحت کی بناء پر جاری نہیں کئے''۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوٰۃ دینا ہندو کو نا جائز ہے، صدقۃ الفطر جائز ہے بشرطیکہ ہندو ذمی ہو: "لا یجوز دفع الزکوٰۃ إلی ذمي، وصح دفع غیر الزکاۃ من الصدقات: أی الذمی کصدقۃ الفطر"۔ زیلعی: ۱/۳۰۰ (۱)۔

مگر احتیاط یہ ہے کہ صدقۂ فطر بھی مسلم ہی کو دیا جائے گا کہ اس میں امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے وہ ناجائز فرماتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۸/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۱/۸۵ھ۔

حج کے لئے زکوٰۃ لینا

سوال [۴۶۷۱]: اگر کوئی حج کو جارہا ہے اور اس کے پاس پیسہ کم پڑ جائے تو اس کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کے پاس خرچ کم ہو اس کے لئے زکوٰۃ کا پیسہ لینا جائز نہیں (۳)، لیکن اگر پیسہ پورا تھا اور چلا گیا مگر راستہ میں کوئی حادثہ پیش آ گیا کہ روپیہ ضائع ہو گیا اور مکان سے منگانے کی کوئی صورت نہیں تو اس کو وہاں

---

(۱) (تبیین الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصرف، دار الکتب العلمیة، بیروت)

"ولا تدفع إلی ذمی لحدیث معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، وجاز دفع غیرها وغیر العشر والخراج إلیه أی الذمی ولو واجباً کنذر وکفارة وفطرة، خلافاً للثانی، وبقوله یفتی". (الدر المختار: ۲/۳۵۱، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۸۸، الباب السابع فی المصارف، مکتبه رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصرف، امدادیه)

(۲) (الدر المختار، المصدر السابق)

(۳) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''صاحبِ نصاب کا کسی کو پڑھانے کی نیت سے زکوٰۃ سے کھالینا''۔)

زکوٰۃ کا پیسہ بقدرِ ضرورت لے لینا درست ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفر لہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۸/ ۸۹ھ۔

زکوٰۃ سے میت کو کفن دینا

سوال[۴۶۷۲]: مسمیٰ رحمت اللہ کا انتقال ہوا جو بالکل مفلس تھا، مسمیٰ احمد حسن نے کفن دیا اور نیت کی کہ زکوٰۃ دے رہا ہوں یہ زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟ یہ پوچھنا ہے کہ زکوٰۃ کا وقت ابھی نہ تھا یعنی رمضان میں زکوٰۃ واجب ہوتی اور حسن نے نیت کی کہ آئندہ زکوٰۃ میں محسوب ہو جائے گا۔فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، نہ گذشتہ نہ آئندہ، ادائے زکوٰۃ کے لئے مصرف کو مالک بنانا ضروری ہے اور میت میں مالک بننے کی اہلیت نہیں(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

زکوۃ فطرہ سے کفنِ میت

سوال[۴۶۷۳]: بیت المال میں جو زکوۃ فطرہ کی رقم جمع ہوتی ہے اس میں سے کسی غریب میت کے کفن دفن کے لئے خرچ کرنا چاہیے یا نہیں؟

---

(۱) "﴿وفی سبیل اللہ﴾، وھو منقطع الغزاة، وقیل: الحاج". (الدرالمختار). "أی منقطع الحاج، قال فی المغرب: الحاج کالسامر بمعنی السمار فی قولہ تعالیٰ: ﴿سامراً تھجرون﴾. وھٰذا قول محمد، الخ". (ردالمحتار، کتاب الزکوة: ۲/۳۴۳، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۱٦، باب المصرف، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی المحیط البرھانی: ۲/۴۳۱، باب المصرف، غفاریہ)

(۲)"(ولا إلی کفن میت وقضاء دینہ)لعدم صحة التملیک منہ، الخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۳۴۴،باب المصرف، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۸۸، الباب السابع فی المصارف، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر: ۲/۲٦۷، باب من یجوز دفع الصدقة إلیہ ومن لایجوز، مصطفی البابی الحلبی مصر) .... =

الجواب حامداً ومصلياً:

رقمِ فطرہ وزکوۃ براہِ راست میت کے کفن دفن میں خرچ کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس میں تملیک نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۱/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۱/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: محمد جمیل الرحمٰن، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۱۱/۳۰ھ۔

رفاہِ عام کے کام میں زکوٰۃ صَرف کرنا

سوال [۴۶۷۴]: زکوٰۃ کی رقم رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جیسے کنواں بنا دینا، کاروان سرائے، طلباء کے رہنے کے لئے کمرہ وغیرہ۔

الجواب حامداً ومصلياً:

زکوٰۃ کی رقم مواقعِ مذکورہ میں صرف کرنا درست نہیں، اگر کسی مستحق کو زکوٰۃ دے دی جائے اور پھر وہ مواقعِ مذکورہ میں اپنی خوشی سے بعد قبضہ کے دیدے تو صرف کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۶۰/۶/۱۶ھ۔

= (وكذا في التاتار خانية: ۲/۲۷۲، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "(ولا إلى كفن ميت وقضاء دينه) لعدم صحة التمليك منه، الخ". (الدرالمختار، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۸، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، باب من يجوز دفع الصدقات إليه، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(وكذا في التاتارخانية، باب من توضع الزكاة فيه: ۲/۲۷۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً كما مر، لا يصرف إلى بناء نحو مسجد .... إن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمر بفعل هٰذه الأشياء، الخ". (الدرالمختار) .... =

قبرستان کے مقدمہ میں زکوٰۃ لگانا

سوال[۴۶۷۵]: حضرت مفتی صاحب! ضروری گذارش ہے کہ قبرستان پر غیر مسلموں نے قبضہ کر لیا ہے جس پر مقدمہ چل رہا ہے، چندہ ہورہا ہے، مگر بعض حضرات زکوٰۃ کی رقم دیتے ہیں تو مقدمہ کے اخراجات میں زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

قبرستان کے مقدمہ میں خرچ کرنے کے لئے بھی زکوٰۃ کی رقم دینا درست نہیں، کسی مستحق کو دیدی جائے وہ مالکانہ قبضہ کے بعد اگر دیدے تو یہاں بھی خرچ کرنا درست ہوگا (۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۹/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

قتل کے مقدمہ میں زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۷۶]: ایک مسلمان نے کسی کو عمداً قتل کردیا اور اس کو پھانسی کا حکم ہوگیا اس کے بھائی چاہتے ہیں کہ زکوٰۃ سے اس کی اپیل کریں اور پھانسی سے بچالیں تو قاتل کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ مستحقِ زکوٰۃ ہے اور اس کو زکوٰۃ کا روپیہ دیدیا جائے اور وہ اس روپیہ پر قبضہ کرکے اپنے مقدمہ میں خرچ کرے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی (۲) اگر زکوٰۃ کا روپیہ اس کو نہ دیا جائے بلکہ برادری جمع کرکے اس کے

= "(قوله: نحو مسجد) كبناء القناطر، والسقايات، وإصلاح الطرقات، و كرى الأنهار، والحج، والجهاد، و كل مالا تمليك فيه". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۲۰ باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۳، الفصل الثامن من توضع فيه الزكاة، غفاريه)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "رفاہ عام کے کام میں زکوٰۃ صرف کرنا"۔)

(۲) "إذا دفع الزكاة إلى الفقير لايتم الدفع مالم يقبضها، اهـ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۰، رشيديه) =

مقدمہ میں خرچ کرے تو اس سے زکوٰۃ ادانہیں ہوگی (۱)۔

قاتل جو ناحق قتل کرے وہ سخت گناہ گار ہے جیسا اور کبیرہ گناہ کرنے والے زانی وغیرہ کا حال ہے ویسا ہی اس کا حال ہے، دیندار کو اگر زکوٰۃ دی جائے تو اعلیٰ درجہ ہے اگرچہ گناہ گار کو دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور گناہ میں خرچ کرنیوالے کی اعانت گناہ ہے (۲)۔

زکوٰۃ فطرہ تعمیر مسجد وغیرہ میں صرف کرنا

سوال [۴۶۷۷]: ایک موضع میں قریب بارہ برس سے ایک مسجد تیار ہے مگر اس کی چہار دیواری اور دروازہ وغیرہ تیار نہ ہوسکا، علاوہ اس کے اب مسجد ہی منہدم ہو چکی ہے اور وہاں کے مسلمانوں کی مالی حالت نازک ہے جس کی وجہ سے وہ مسجد اب تک اسی حالت میں ہے، مالی حالت خراب ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کی ہمت پست ہوگئی ہے، اب رہا یہ کہ ان لوگوں کا مصمم ارادہ ہے کہ جو رقم مثلاً فطرہ وقربانی وزکوٰۃ وغیرہ کی ہو اس کو وہ مسجد میں لگانا چاہتے ہیں اور اس رقم سے مسجد کی مرمت، چہار دیواری اور دروازہ وغیرہ تیار کروانا چاہتے ہیں۔اب مفصل کیفیت سے مطلع فرمائیں کہ یہ رقم مسجد میں صَرف ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور عیدگاہ وغیرہ میں مرمت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور برادری کے مصرف کی چیزیں مثلاً فرش وسیع بنواسکتے ہیں یا نہیں؟ اور دیگر سامان بنواسکتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

رقومِ مذکورہ کا تصدق واجب ہے یعنی کسی غریب کو جو کہ سیّد نہ ہو مالک بنادینا ضروری ہے، بغیر مالک بنائے مسجد یا عیدگاہ یا برادری کے لئے فرش وغیرہ میں صرف کرنا ناجائز ہے، اگر کسی غریب کو بطور تملیک دیدی جائے اور اپنے قبضہ کے بعد خود مواقع مذکورہ کے لئے دیدے تو پھر مواقعِ مذکورہ میں صرف کرنا درست ہے:

"وكذا من عليه الزكوٰة لو أراد صرفها إلى بناء المسجد أو القنطرة، لا يجوز، فإن أراد الحيلة، فالحيلة أن يتصدق به المتولي على الفقراء، ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولي، ثم

= (وكذا في التاتار خانية، من توضع فيه الزكاة: ۲/۲۷۴، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني، من توضع فيه الزكاة: ۲/۴۳۴، غفاريه كوئٹه)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''رفاہ عام کے کام میں زکوٰۃ صرف کرنا'' حاشيه رقم: ۱)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿ولاتعاونوا على الإثم والعدوان﴾ الآية. [المائدة: ۲]

المتولی یصرف إلی ذلك كذا فی الذخیرة، اھ". عالمگیری: ۲/ ۴۷۳(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۲۶/۱۲/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۲۷/۱۲/ ۵۹ھ۔

مالکِ اراضی کے لئے زکوٰۃ لینا

سوال[۴۶۷۸]: ایک شخص جو نصابِ زکوٰۃ کا مالک نہیں، مقروض ہے، لیکن اراضی اور مالِ نامی از قسمِ جانوراں رکھتا ہے، لیکن وہ جانور نصاب کے برابر نہیں، البتہ ان کی قیمت نصابِ چاندی کے برابر ہے، اسی طرح اراضیٔ زرعی کی پیداوار فصلی بھی اس کو مکتفی نہیں، لیکن اس اراضی کی اگر قیمت کی جائے تو نصاب چاندی سے کئی گنا زیادہ ہے۔ کیا وہ شخص زکوٰۃ یا صدقۂ فطر یا چرمِ قربانی لے سکتا ہے یا نہیں جبکہ وہ غریب بالکل تنگدست اور مفلس ہے، قرضہ کا بوجھ رکھتا ہے؟

دوسری صورت وہ شخص جو اراضی اور مالِ نامی کا مالک ہے لیکن مقروض اور تنگدست ہے اس کو سرکاری نوکری سے تین چار سو روپے یا اس سے کچھ زیادہ ماہوار تنخواہ پاتا ہے، لیکن حالت نہایت تنگی کی ہے، کثیر العیال کی وجہ سے روزی اس کی پوری نہیں ہوتی، قرض دار رہتا ہے، نصاب سونا چاندی کی بھی کوئی چیز نہیں رکھتا۔ کیا وہ شرعاً زکوٰۃ یا صدقۂ فطر لے سکتا ہے یا نہیں؟

خلاصہ یہ کہ مفلس غریب آدمی کے لئے اس کی اراضی ملکیت اور تنخواہ معین اس کو استحقاق زکوٰۃ میں مانع ہے یا نہیں جبکہ وہ صاحبِ تنخواہ بالکل غریب اور تنگدست مقروض ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان دونوں شخصوں کو صدقہ، فطرہ، چرمِ قربانی کی قیمت لینا درست ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر الخ: ۲/ ۴۷۳، رشیدیه)

(وراجع للتفصیل عنوان: "جمعیت علماء اسلام کو زکوٰۃ دینا"۔)

(۲) "وكره إعطاء فقیر نصاباً أو أكثر، إلا إذا كان المدفوع إلیه مدیوناً أو كان صاحب عیال بحیث لو فرّقه علیهم لا یخص كلاً، أو لا یفضل بعد دَینه نصاب، فلایكره". (الدرالمختار: ۲/ ۳۵۳، باب المصرف، سعید) =

کیا زمیندار مستحق زکوٰۃ ہے؟

سوال[۴۶۷۹]: زید صاحبِ نصاب ہے لیکن قرضدار نہیں ہے، اگر وہ مدرسہ میں پڑھنا چاہے اپنے خرچ سے تو اس کو زمین بیچنی پڑے گی اور جو مال ہے اس میں اس کا تکفل نہیں ہوگا۔ اب زید کے لئے مدرسہ کا کھانا جائز ہوگا یا وہ زمین بیچ کر پڑھے گا، اس کے لئے کون سی صورت جائز ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس زمین کی پیداوار پر اس کا گذارہ ہے اس کے علاوہ کوئی آمدنی نہیں اور سال بھر کے خرچ کے بعد پیداوار اور مقدارِ نصاب نہیں بچتی لیکن اَور نصاب جداگانہ اس کے پاس رہتا ہے تو بھی زکوٰۃ کا کھانا مدرسہ سے لینا درست نہیں (۱)۔ فقط اللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ۔

جس کے پاس زمین ہو کیا وہ مستحقِ زکوٰۃ ہے؟

سوال[۴۶۸۰]: ایک شخص کی بہت سی زمین ہے مگر وہ آباد نہیں، تو اس شخص کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جبکہ ان زمینوں سے اس کی حوائج پوری نہیں ہوتیں اور وہ مالِ نامی بھی نہیں تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۹ھ۔

= (وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۳، باب في بيان أحكام المصارف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) " ولا إلى غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أيّ مال كان، الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۴۷، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۸۹، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۳، الفصل الثامن من توضع الزكوٰة فيه، مكتبه غفاريه)

(۲) "ولو كان له ضيعة قيمتها آلاف، ولا يحصل منه ما يكفي له ولعياله، اختلف فيه، قال ابن مقاتل: =

جو شخص صاحبِ نصاب نہ ہو لیکن مالکِ مکان ہو اس کے لئے زکوٰۃ لینے کا حکم

سوال[۴۶۸۱]: ایک شخص صاحبِ نصاب تو نہیں لیکن آسودہ اور فارغ البال ضرور ہے، ذاتی مکان بھی ہے اور کھانے وکپڑے وغیرہ کی کل ضروریات باآسانی پوری ہو جاتی ہیں۔ کیا ایسے شخص کو زکوٰۃ وصدقات دینا درست ہے؟ اگر ہے تو کیوں؟ جو شخص ایسے کو زکوٰۃ دے اس کی طرف سے ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی ایسے شخص کو تو سوال کرنا حرام ہے مگر مالکِ نصاب نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ لینا درست ہے اور خود اس کے ذمہ زکوٰۃ فرض نہیں، آسودہ ہونے کی وجہ سے سوال کرنا حرام ہے اور صاحب نصاب نہ ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ کا لینا درست ہے اور خود اس پر زکوٰۃ فرض نہیں:

"والأولىٰ أن يفسّر الفقير بمن له ما دون النصاب، كما في النقاية أخذاً من قولهم: يجوز دفع الزكوٰة إلىٰ من يملك ما دون النصاب، أو قدر نصاب غير نام، وهو مستغرق في الحاجة. اهـ". بحر: ۲۵۸/۲(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/۴/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

= يجوز صرف الزكاة إليه". (البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۸۵/۴، الثاني في المصرف، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۲۴۲/۱، الفصل الثامن في أداء الزكاة، امجد اكيڈمی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۸۹/۱، الباب الثالث في زكوٰة الذهب والفضة والعروض، رشيديه)

(۱) (البحر الرائق: ۴۱۹/۲، باب المصرف، رشيديه)

"ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحاً مكتسباً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۸۹/۱، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲۷۸/۲، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في البحر الرائق: ۴۲۸/۲، باب المصرف، رشيديه)

جس کی ضروریات پوری ہوجاتی ہیں کیا وہ مستحق زکوٰۃ ہے؟

سوال[۴۶۸۲]: خالد جو مستحق زکوٰۃ تھا زکوٰۃ لیتا تھا، اب اس کی آمدنی مسجد اور مدرسہ کی خدمت میں جو ہوتی ہے کس طرح پوری ہوسکتی ہے، اب اگر وہ مالِ زکوٰۃ لے کر اپنے استعمال میں نہیں لاسکتا ہے تو جولوگ اس کو دیتے ہیں وہ بلا مانگے دیتے ہیں اب وہ لے کر دوسرے مستحقینِ زکوٰۃ کو پہونچا سکتا ہے یا نہیں (یعنی جولوگ پہلے سے دیتے آئے ہیں وہ دیتے ہیں خالد لے کر اپنے استعمال میں نہیں لایا، دوسرے جو مستحق ہیں ان کو پہونچا دیا) ایسا کرنا خالد کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب بغیر زکوٰۃ لئے اس کی ضروریات پوری ہوجاتی ہیں تو اچھا ہے کہ زکوٰۃ دینے والوں سے کہہ دے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میری ضروریات اب پوری ہوجاتی ہیں آپ کسی ضرورت مند کو دے دیں (۱)۔ فقط. واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۵ھ۔

تعمیرِ اسکول میں زکوٰۃ

سوال[۴۶۸۳]: ایک پرائمری اسکول ہے جہاں اکثر یتیم وغریب بچے پڑھتے ہیں، سرکاری نصاب کے ساتھ دینی تعلیم بھی ہوتی ہے، حکومت کی طرف سے اس کی تعمیر کے لئے کوئی امداد نہیں ملتی۔ ایسے اسکول کی تعمیر کے لئے عشر وصدقات وغیرہ دینا اور خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر، إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً أو كان صاحب عيال، بحيث لو فرّقه عليهم لا يخص كلاً، أو لا يفضل بعد دَينه نصاب، فلايكره". (الدرالمختار: ۲/ ۳۵۳، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۸۸، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۳۳۳، باب في بيان أحكام المصارف، دارالكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقاتِ واجبہ کو براہِ راست تعمیر میں خرچ کرنا جائز نہیں (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی۔

صدقۂ جاریہ میں زکوۃ کا مصرف

سوال[۴۶۸۴]: مالِ زکوۃ اصل میں تو غریبوں اور حاجت مندوں کی اعانت کرنے کے لئے شریعت نے مالداروں کو مالکِ نصاب کو مجبور کیا ہے کہ بحسابِ شریعت زکوۃ دے کر ان کی حاجت روائی کریں۔ اب صدقۂ جاری ہیں، مال زکوۃ خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ اس میں اکثر غریبوں کے لڑکے پڑھتے ہیں اور راستہ اور سراؤں میں مسافر وغیرہ کے اندر صَرف ہوتے ہیں جیسے مکتب اور اسکول تیار کرتے ہی خرچ کرنا، یا مکتب اور اسکول میں خرچ کرنا، راستہ بنانا، پانی کے لئے کنواں کھدوانا وغیرہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ادائے زکوۃ کے لئے مستحق کو مالک بنادینا ضروری ہے، بغیر مالک بنائے زکوۃ ادا نہ ہوگی (۲)۔کنواں، راستہ، اسکول، مکتب میں مالک بننے کی صلاحیت نہیں، لہٰذا تعمیر کے لئے ان مواقع میں زکوۃ ادا نہیں ہوئی ہے، البتہ اگر غریب مستحق طلباء کو مالک بنادیا جائے خواہ روپیہ دے کر خواہ کتاب دے کر، خواہ کپڑوں وغیرہ دے کر تو ادا ہوجائے گی۔ اگر غریب مستحق کو بطورِ ملک زکوۃ دے دی جائے اور پھر وہ اپنی طرف سے مواقعِ مذکورہ میں

---

(۱) "لایجوز أن یبني بالزکوة؛ لأن التملیک شرطٌ فیها، ولم یوجد، وکذا لایبنی بها القناطیر والسقایات .... اهـ". (تبیین الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصرف، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی التاتارخانیه، باب من توضع الزکوة فیه: ۲/۲۷۴، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۲/۴۳۴، باب من توضع الزکوة فیه، غفاریه کوئٹه)

(۲) "ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً، کمامر". (الدرالمختار، کتاب الزکوة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/۴۶۲، باب المصرف، إمدادیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۲۱، باب المصرف، دارالکتب العلمیة بیروت)

صرف کردے تو درست ہے براہِ راست کی گئی تنخواہ اور معاوضہ میں دینا صحیح نہیں:

"زكوة هي تمليك مال مخصوص لشخص مخصوص، الخ". مراقي الفلاح، ص: ٤١٤(١)۔ "ولا يجوز أن يبنى بالزكوة المسجد، وكذا القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل مالا تمليك منه، الخ". فتاویٰ عالمگیری: ١/١٨٨(٢)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۷/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۷/۵۹ھ۔

☆......☆......☆......☆......☆

---

(١) (حاشية الطحطاوي، كتاب الزكوة، ص: ٧١٣، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الأول في تفسيرها .... ١/١٧٠، رشيديه)

(٢) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الزكوة، الباب السابع في المصارف: ١/١٨٨، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ١/٤٦٢، باب المصرف، إمداديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٢/١٢١، دار الكتب العلمية، بيروت)

"أن الحيلة أن يتصدق على فقير، ثم يأمر بفعل هذه الأشياء". (الدر المختار، كتاب الزكوة، باب المصرف: ٢/٣٤٥، سعيد)

فصل فی صرف الزکوٰۃ فی المدارس

(مدارس میں زکوٰۃ دینے کا بیان)

مدارس میں زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۸۵]: ۱......اہلِ مدارس، مدارس کے جملہ اخراجات کے لئے مدرسہ کے نام و پتہ کی چھپی ہوئی رسیدوں پر زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ وصول کرتے ہیں یہ ان کا خودساختہ نواں مصرف ہے۔

۲......رسید بک، پوسٹر، کتابچہ، چارٹ، کلینڈر، روداد، کارڈ کے سہارے زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی وصولی کا مروجہ طریقہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت نہیں ہے۔

۳......اس جدید اختراعی طریقۂ وصولی کو بروئے کار لانے کے لئے علماء وفقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا کہیں اجماع نہیں ہوا، اس پر عمل کرنے والے جو یہ نہیں جانتے کہ کس کی سنت ہے؟

۴......زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کا تعلیمی مشغلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۵......زکوٰۃ وصدقات واجبہ کے لئے طلبائے علمِ دین کی حیثیت بالکل غیر منصوص ہے۔

۶......مدارس ومکاتیب نہ بیت المال ہیں نہ مثلِ بیت المال اور نہ ان کے محصلین ”عاملین علیہا“ ہیں۔

۷......مدارس کے محصلین زکوٰۃ دہندگان پر مسلط کئے گئے وکیل ہوتے ہیں۔

۸......معطیانِ زکوٰۃ پر وکیل مسلط کرنا غیر شرعی ہے، یہ تجارتی نقطۂ نظر ہے۔

۹......رسید بک، پوسٹر، کتابچہ، چارٹ، کلینڈر، کارڈ، وغیرہ کی طباعت بھی تجارتی نقطۂ نظر سے کی جاتی ہے اور ان کی طباعت میں قوم کا ہزاروں روپیہ فضول خرچ کیا جاتا ہے۔

۱۰......زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی آدھی رقم مدارس کے مقررہ غیر شرعی وکیل اپنے خرچ میں لاتے ہیں۔

۱۱......یہی رقم مدرسین کی تنخواہوں میں، دارالاقامہ ومدارس کی تعمیر ومرمت میں کلینڈر، چارٹ، رسیدوں

وغیرہ کی طباعت میں مقدمات اور مہمان نوازی وغیرہ میں صَرف کی جاتی ہے، جب کہ شرعاً ممنوع ہے۔

۱۲......زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی رقوم کا بہ مشکل دسواں حصہ ہی غریب طلباء پر خرچ ہوتا ہے۔

۱۳......اہلِ مدارس اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرتے ہیں، مستحق طلباء کو مالک نہیں بناتے اور زکوٰۃ جب تک مستحق کی ملکیت میں نہیں دی جاتی، ادا نہیں ہوتی۔

۱۴......نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سونے سے پہلے تمام صدقات تقسیم فرما دیا کرتے تھے(۱) اہل مدارس زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقوم سالہا سال تحویل میں رکھتے ہیں، نہ جانے یہ کس کا طریقہ ہے؟

۱۵......کسی مستحق کو زکوٰۃ کی رقم اتنی دی جائے کہ وہ صاحبِ نصاب نہ بن جائے، اہلِ مدارس اتنی رقوم جمع کر لیتے ہیں کہ اگر وہ مستحق طلباء میں تقسیم کی جائے تو وہ سب ہی صاحب نصاب بن جائیں اور کثیر رقم بچ جائے۔

۱۶......ایک شہر کی زکوٰۃ دوسرے شہر کو بھیجنا مکروہ ہے، اہلِ مدارس دوردراز شہروں سے زکوٰۃ وصول کراتے ہیں۔

۱۷......اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہ گار اور مشرک وکافر کا بھی ایک دن کے لئے کھانا بند نہیں کرتے، لیکن اہلِ مدارس اِنہیں مہمانانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کھانا مہینوں بند رکھتے ہیں جب کہ وہ امتحان میں کم نمبر پاتے ہیں، جب کہ اُنہیں کا نام لے کر زکوٰۃ وصدقات وصول کرتے ہیں۔

۱۸......ان مدارس میں بعض ایسے محصّل بھی ہوتے ہیں جو وصول کم اور خرچ زیادہ کرتے ہیں، اپنے خرچ کی بقیہ رقم مدرسہ کی تحویل سے لیتے ہیں۔

۱۹......کلامِ الٰہی اتنا مطہّر ہے کہ مومن پاک ہونے پر بھی بلا وضو چھو نہیں سکتا، اس علمِ نبوت کے حاصل کرنے اور کرانے والے کے لئے میل کچیل کا استعمال علمِ مطہر کی توہین ہے۔

---

(۱) "عن ابن أبي ملكية أن عقبة بن الحارث حدثه قال: صلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم العصر فأسرع، ثم دخل البيت، فلم يلبث أن خرج، فقلت أو قيل له؟ فقال: "كنت خلّفت في البيت تبراً من الصدقة فكرهت أن أبيته فقسمته". (صحيح البخاري: ۱/۱۹۲، كتاب الزكوة، باب من أحب تعجيل الصدقة من يومها، قديمي)

۲۰......زکوۃ وصدقاتِ واجبہ کے مطلق آٹھ مصارف ہیں (سورۂ توبہ رکوع:۱۴)

۱-فقراء جن کے پاس کچھ نہ ہو۔۲-مساکین جن کو بقدرِ ضرورت میسر نہ ہو۔۳-عاملین علیھا جو اسلامی حکومت کی طرف سے تحصیل صدقات پر مامور ہوں۔

۴-مؤلفۂ قلوب جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ مصرف باقی نہیں رہا۔۵-رقاب یعنی غلاموں کو آزاد کرانے میں۔۶-غارمین یعنی وہ لوگ جن پر کوئی حادثہ آپڑا اور وہ مقروض ہوگئے۔۷-فی سبیل اللہ جہاد وغیرہ جانے والے کو۔۸-ابن السبیل وہ مسافر جو بحالتِ سفر مالکِ نصاب نہ ہو گو مکان پر دولت رکھتا ہو۔

محی الدین سنگاہی کھیری۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کی فرضیت قرآن کریم سے ثابت ہے، تقریباً بتیس آیات میں اقامتِ صلوۃ کے ساتھ ایتاء زکوۃ کا بھی حکم ہے(۱) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم ہے: ﴿خذ من أموالهم صدقةً﴾ (الآية)(۲)۔

زکوۃ کے مصارف بھی بتائے گئے ہیں: ﴿إنما الصدقات للفقراء﴾ (الآية)(۳)۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زکوۃ وصول کرنے کے لئے اپنی طرف سے آدمی مقرر کرکے بھیجے ہیں(۴)، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں جب لوگوں نے زکوۃ دینے سے انکار کیا تو

---

(۱) "قرنها بالصلوة من اثنين وثمانين موضعاً في التنزيل دليل على كمال الاتصال". (الدرالمختار).
"(قوله: في اثنين وثمانين موضعاً) كذا عزاه في البحر إلى مناقب البزازية، وتبعه في النهر والمنح. قال ح: وصوابه اثنين وثلاثين كما عده شيخنا السيد رحمه الله تعالىٰ". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/۲۵۶، سعيد)

(۲) (التوبة: ۱۰۳)

(۳) (التوبة: ۶۰)

(۴) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: بعث رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عمر على الصدقة فقيل: منع ابن جميل وخالد بن الوليد والعباس .... الخ". (مشكوة المصابيح: ۱/۱۵۶، كتاب الزكوة، الفصل الأول، قديمي)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے قتال کا عزم فرمایا جیسا کہ صحاح کی روایت میں موجود ہے(۱) زکوٰۃ کے لئے ترغیب دینا، آدمیوں کے ذریعے پیغام بھیجنا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اور خلفائے راشدین سے صاف صاف منقول ہے(۲)۔

دینی مدارس کے غیر مستطیع طلبہ جو کہ سید نہ ہوں وہ مستحقِ زکوٰۃ ہیں اور فقراء ومساکین میں داخل ہیں(۳) اس نوع کو نویں قسم قرار دینا غلط ہے، علم دین کی تحصیل کوئی جرم نہیں کہ جس کی وجہ سے فقر ومسکنت کے با

---

(۱) "عن أبی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: لما توفی رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم واستخلف أبو بكر بعده .... فقال أبوبكر: والله لأقاتلنّ من فرق بين الصلوة والزكاة، فإن الزكوة حق المال، والله لو منعونی عقالاً كانوا يؤدونه إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لقاتلتهم على منعه". (الصحيح لمسلم: ۱/۳۷، كتاب الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا: لا إله إلا الله محمد رسول الله، قديمی)

(۲) "عن أبی حميد الساعدی رضی الله تعالیٰ عنه قال: استعمل رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم رجلاً من الأسد على صدقات بنی سليم يُدعى ابن اللتبية، فلماجاء حاسبه". (صحيح البخاری: ۱/۲۰۳، باب قول الله تعالیٰ والعاملين عليها الخ، قديمی)

"أجمع المسلمون فی جميع الأعصار على وجوب الزكاة، واتفق الصحابة رضی الله تعالى عنهم على قتال مانعها، فمن أنكر فرضيتها كفر وارتد إن كان مسلماً، الخ". (الفقه الإسلامی وأدلته: ۳/۱۷۹۲، فرضية الزكاة، رشيديه)

(۳) "هی تمليک جزء مال عيّنه الشارع من مسلم فقير غير هاشمی ولا مولاه مع قطع المنفعة عن المملک من كل وجهٍ، الخ". (ردالمحتار على الدرالمختار: ۲/۲۵۸، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذافی البحرالرائق: ۲/۳۵۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

"ان طالب العلم يجو له أخذ الزكاة ولوغنياً إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب والحاجة واعية إلى مالا بدمنه". (الدرالمختار).

"وفی المبسوط لايجوز دفع الزكاة إلى من يملک نصابا إلا إلى طالب العلم والغازی ومنقطع الحج لقوله عليه الصلاة والسلام: "لايجوز دفع الزكاة لطالب العلم وإن كان له نفقة أربعين سنة" ...... =

وجود زکوۃ دینا منع ہو۔

معترض صاحب نے جو اپنے ہینڈ بل کے نمبر: ۲۰ میں تلقین کی ہے کہ ''کسی طالب علم کو دینے کا طریقہ یہ ہے کہ براہ راست دیجئے''۔ تو انہوں نے یہ نیا مصرف کہاں سے نکالا؟ نیز اسی ہینڈ بل میں نمبر: ۲۰ میں یہ بھی گلہ کیا ہے کہ ''طلباء پر رقم زکوۃ کی کم خرچ کی جاتی ہے اور ان کو مالک نہیں بنایا جاتا''، اگر یہ مصرف نیا اور نوا ں ہے جو کہ قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ہے پھر گلہ کیوں ہے؟ معترض صاحب کے ہینڈ بل کے نمبر: ۱۴ میں یہ لکھنا کہ ''نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سونے سے پہلے تمام صدقات تقسیم کر دیا کرتے تھے''(۱) اور اس کو کلیہ سمجھنا حدیث پاک اور سیرتِ مبارکہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عدمِ واقفیت پر مبنی ہے، بخاری شریف میں مذکور ہے کہ ''صدقہ کی حفاظت کے لئے ایک صحابی کو مقرر فرمایا، انہوں نے وہاں نماز کی نیت باندھ لی، رات کا وقت تھا، ایک چور آیا اس نے اس میں سے کچھ لیا، انہوں نے نیت توڑ کر اس کو پکڑ لیا کہ چل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس اس نے معذرت کی کہ آمدنی کم ہے اور عیال زیادہ اس لئے میں نے ایسا کیا آئندہ نہیں کروں گا، انہوں نے اس کو چھوڑ دیا، صبح کو جب حاضر خدمت ہوئے تو یہ واقعہ پیش ہوا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ جھوٹا ہے پھر آئے گا''۔ چنانچہ دوسری اور تیسری رات جب انہوں نے خدمت اقدس میں لے جانے پر زور دیا تب اس نے کہا کہ میں آپ کو ایسی چیز بتاتا ہوں کہ جہاں اس کو پڑھ دیں گے وہاں نہ آؤں گا اور اس نے آیت الکرسی بتلائی، پھر صبح کو خدمت اقدس میں حاضری ہوئی قصہ بتایا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''وہ جھوٹا مگر

= والمعنى أن الإنسان يحتاج إلى أشياء لاغنى له عنها، فحينئذٍ إذا لم يجزله قبول الزكاة مع عدم اكتسابه أنفق ماعنده ومكث محتاجاً، فينقطع عن الإفادة والاستفادة، فيضعف الدين لعدم من يتحمله .... قلت: وهو كذلك والأوجه تقييده بالفقير، ويكون طلب العلم مرخصاً لجواز سؤاله من الزكوة وغيرها وإن كان قادراً على الكسب إذ بدونه لايحل له السؤال". (ردالمحتار: ۲/۳۴۰، كتاب الزكوة، باب المصرف، سعيد)

(۱) "عن ابن أبي مليكة أن عقبة بن الحارث حدثه قال: صلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم العصر، فأسرع، ثم دخل البيت، فلم يلبث أن خرج، فقلت أو قيل له؟ فقال: "كنت خلّفت في البيت تبراً من الصدقة فكرهت أن أبيته فقسمته". (الصحيح البخاري: ۱/۱۹۲، كتاب الزكوة، باب من أحب تعجيل الصدقة من يومها، قديمي)

بات سچی بتا گیا، وہ شیطان تھا''(۱)۔

اگر تمام صدقات سونے سے پہلے تقسیم فرمادینے کا حتمی معمول تھا تو آخر اس کی نوبت کیوں آئی، نیز اہل عرینہ کا واقعہ بھی بخاری شریف اور دیگر صحاح میں مذکور ہے کہ ''ان کو مدینہ کا پانی موافق نہیں آیا مریض ہو گئے تو ان کو ایک جگہ بھیج دیا کہ ''وہاں صدقہ کے اونٹ چرتے ہیں، وہاں جاکے رہو سہو'' چنانچہ وہ گئے اور کچھ روز تک رہے تندرست ہو گئے، راعی کو قتل کیا، مثلہ کیا، اونٹوں کو بھگا لے گئے، جس وقت خبر پہنچی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو پکڑنے کے لئے آدمی بھیجے، وہ پکڑے ہوئے آئے''(۲) اگر سونے سے پہلے تمام صدقات تقسیم فرما دیتے تھے تو اتنے روز تک یہ صدقے کے اونٹ کیسے باقی رہے؟

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدقات واجب التملیک کی حفاظت کا مستقل انتظام فرما رکھا تھا، وقتاً فوقتاً حسب ضرورت ومصلحت مستحقین کو دیتے تھے (۳)۔ صحابہ کرام تمام امت سے افضل

---

(۱)''عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: وكلني رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بحفظ الزكاة رمضان، فأتاني آتٍ، فجعل يحثو من الطعام فأخذته، فقلت: لأرفعنك إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقصّ الحديث فقال إذا أويت إلى فراشک فاقرأ آية الكرسي لن يزال من الله حافظا ولا يقربک شيطان حتى تصبح وقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صدقک وهو كذوبٌ ذاک الشيطان''.
(صحيح البخاري: ۲/۷۴۹، فصل البقرة، قديمي)

(وجامع الترمذي: ۲/۱۱۵، باب ماجاء في سورة البقرة، وآية الكرسي، سعيد)

(۲)''عن قتادہ أن أنساً رضي الله تعالىٰ عنه حدثهم أن ناساًمن عكل وعرينه قدمواالمدينة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وتكلموا بالإسلام، فقالوا: يا نبي الله! إنا كنا أهل ضرع ولم نكن أهل ريف، واستوخموا المدينة، فأمرهم رسول الله بذود راعي، وأمرهم أن يخرجوا فيه فيشربوا من ألبانها وأبوالها فانطلقوا ناحية الحرة كفروا بعد إسلامهم وقتلوا راعي النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واستاقوا الذود فبلغ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فبعث الطلب في آثارهم فأمربهم فسمّروا أعينهم وقطعوا أيديهم وتركوا في ناحية الحرة حتى ماتوا على حالهم''. (صحيح البخاري: ۲/۶۰۲، باب قصة عكل وعرينة، قديمي)

(۳) ''وقد بلغ من عدل عمر أنه كان يحرص كل الحرص على دفع أعطيات المسلمين إليهم في مواعيدها لافرق بين عامة وخاصة .... وكذلک كان أحرص الناس على اموال المسلمين =

تھے(۱)، اصحاب صفہ کا ایک خاص مقام تھا کہ قرآن کریم اور علم دین حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کئے ہوئے تھے، اہل وسعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم صدقات ان کو دیا کرتے تھے(۲) تو قرآن کریم وعلم دین حاصل کرنے کے لئے آدمی کا طاہر ومطہر ہونا ضروری ہے تو یہ صدقات ایسے لوگوں کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے اور آپ کی ہدایت کے مطابق دوسرے صحابہ کی طرف سے کیوں دیئے جاتے تھے؟

= ومصالحهم، فكثيرما كان يرى وهويد هن إبل الصدقة وكان عمر رضى الله تعالىٰ عنه يعطيهم على قدر الحاجة، والفقه والفضل، والأخذبهذا فى زماننا أحسن، الخ". (ردالمحتار: ۲۱۹/۴،مصارف بيت المال، سعيد)

(۱) "عن عبدالله عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "خير أمتى قرنى، ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم".

قال النووى رحمه الله: اتفق العلماء على أن خير القرون قرنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم والمراد أصحابه، وقد قدمنا أن الصحيح الذى عليه الجمهور أن كل مسلم راى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولو ساعةً فهو من أصحابه. ورواية "خير الناس" على عمومها، والمراد منه جملة القرن". (الصحيح للإمام مسلم مع شرحه للإمام النووى: ۳۰۸/۲، ۳۰۹، كتاب الفضائل، باب فضل الصحابة ثم الذين يلونهم .... الخ، قديمى)

"قال القاضى: ويؤيد هذا ما قدمناه فى اول باب فضائل الصحابة عن الجمهور من تفضيل الصحابة كلهم على جميع من بعدهم". (شرح الصحيح لمسلم للنووى: ۳۱۰/۲، كتاب الفضائل، باب تحريم سب الصحابة، قديمى)

"والصحابة كلهم عدول مطلقاً لظواهر الكتاب والسنة وإجماع من يعتدبه".

"فى شرح السنة قال أبو منصور البغدادى: أصحابنا مجمعون على أن أفضلهم الخلفاء الأربعة على الترتيب المذكور، ثم تمام العشرة، ثم أهل بدر، ثم أحد، ثم بيعة الرضوان، ومن له مزية من أهل العقبتين من الأنصار، وكذلك السابقون الأولون". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح: ۳۵۵/۱، كتاب المناقب والفضائل، باب مناقب الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم اجمعين، حقانيه)

(۲) "قال عليه الصلوة والسلام: "أهل الصفة أضاف الإسلام: لايأوون على أهل ولامال ولا على أحد، إذا أتته صدقة بعث بها إليهم ولم يتناول منها شيئا، وإذا أتتة هدية أرسل إليهم وأصاب منها وأثرلهم فيها". =

ایک شہر سے دوسرے شہر کو زکوۃ بھیجنا یا منتقل کرانا اگر ہر صورت میں مکروہ ہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عامل بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے مختلف بستیوں میں جاتے تھے (۱) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کا انتظام فرمایا تھا کہ دوسرے شہروں میں سے زکوۃ منگوائی جاتی تھی (۲)، اگر اپنے عزیز رشتہ دار دوسرے شہر میں ہوں تو وہاں بھیجنا بھی مکروہ نہیں، اسی طرح زیادہ دیندار دوسری جگہ ہوں تو بھیجنا مکروہ

= قال الحافظ: "وتقدم فی "باب علامات النبوة" وغيره حديث عبد الرحمن بن أبی بكر أن أصحاب الصفة وكانوا ناساً فقراء وأن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم قال: "من كان عنده طعام اثنين فليذهب بثالث". (فتح الباری: ۱۱/ ۲۸۱ -۲۸۶، كتاب الرقاق، باب كيف كان عيش النبی وأصحابه، دارإحياء التراث العربی، بيروت)

(۱) "الحادی عشر: فی قوله "تؤخذ من أغنيائهم" دليل علی أن الإمام يرسل السُّعاة إلی أصحاب الأموال لقبض صدقاتهم، وقال ابن المنذر: أجمع أهل العلم علی أن الزكوة كانت ترفع إلی رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم وإلی رسله وعُمّاله وإلی من أمر بدفعها إليه". (عمدة القاری شرح صحيح البخاری: ۸/ ۳۴۳، كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة، رشيديه)

"وقال غيرهم: إنه يجوز مع كراهة لماعلم بالضرورة أن النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم كان يستدعی الصدقات من الأعراب إلی المدينة، ويصرفها فی فقراء المهاجرين والأنصار، كما أخرج النسائی من حديث عبدالله بن هلال الثقفی قال: جاء رجل إلی رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وآله وسلم فقال: كدت أقتل بعدک فی عناق أو شاة من الصدقة، فقال صلی الله تعالیٰ عليه وسلم: "لولا أنها تعطی فقراء المهاجرين ما أخذتها. ولِمَا أخرج البيهقی وعلّقه البخاری عن معاذ أنه قال لأهل اليمن: ائتونی بكل خميس وليس آخذه منكم مكان الصدقة، فإنه أرفق بكم وأنفع للمهاجرين والأنصار بالمدينة".
(نيل الأوطار: ۴/ ۲۱۵-۲۱۶، كتاب الزكوة، أبواب تفرقة الزكاة فی بلدها، دارالباز مكه مكرمه)

"ومن الثانی حديث محمد بن مسلمة أنه يعمل لصدقة فی عهد رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم، فكان يأمر الرجل إذا جاء بالفريضة أن يأتی بعقالها وقرانها". (حاشية سنن أبی داؤد: ۱/ ۲۲۷، كتاب الزكوة، رحمانيه)

(۲) "وقال ابن الأثير: قد جاء فی الحديث مايدل علی القولين، فمن الأول حديث عمر أنه أخّر الصدقة عام الرمادة، فلما أحيا الناس بعث عامله، فقال: اعقل منهم عقالين، فاقسم فيهم عقالاً وائتنی بالآخر يريد به =

نہیں، کتب فقہ، البحر الرائق (۱)، شامی (۲)، عالمگیری (۳)، مجمع الانہر (۴) میں یہ مسائل مذکور ہیں، تو اگر دور دراز سے لوگ دینی مدارس میں زکوۃ بھیجیں جن کے رشتہ دار پڑھتے ہیں اور جہاں زیادہ حاجت مند ہیں اور جہاں زیادہ اہل دین ہیں تو کوئی کراہت نہیں (۵)۔

= صدقة عاملين". (حاشية سنن أبي داؤد: ۱/۲۲۷، كتاب الزكوة، رحمانيه)

"عن سالم عن أبيه قال: كتب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كتاب الصدقة، فلم يخرجه إلى عماله حتى قُبض، فقرنه بسيفه، فعمل به أبوبكر حتى قبض، ثم عمل به عمر حتى قبض". (سنن أبي داؤد: ۱/۲۳۰، كتاب الزكوة، باب زكاة السائمة، رحمانيه)

"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال: جاء هلال أحدُ بني مُتعانَ إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعشور نحل له وكان سأله أن يحمي وادياً يقال له: سلبة، فحمى له رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ذلك الوادي. فلما وُلّي عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه، كتب سفيانُ بن وهب إلى عمر بن الخطاب يسأله عن ذلك، فكتب عمر: إن أدَّى إليك ما كان يؤدي إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من عشور نحله فأحِمْ له سلبة، وإلا فإنما هو ذباب غيث يأكله من يشاء". (سنن أبي داؤد: ۱/۲۳۳، كتاب الزكوة، باب زكاة العسل، امداديه ملتان)

(۱) "وعدم الكراهة في نقلها للقريب للجمع بين أجرى الصدقة والصلة وللأحوج؛ لأن المقصود منها سدّ خلة المحتاج، فمن كان أحوج كان أولى، وليس عدم الكراهة منحصراً في هاتين؛ لأنه لونقلها إلى فقير في بلد آخر أورع وأصلح كما فعل معاذ رضي الله عنه، لايكره، ولهذا قيل: التصدق على العالم الفقير أفضل، كذا في المعراج". (البحر الرائق، باب المصرف: ۲/۴۳۶، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، باب المصرف: ۲/۳۵۳، ۳۵۴، سعيد)

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۹۰، رشيديه)

(۴) (مجمع الأنهر، باب في بيان أحكام المصرف: ۱/۲۲۶، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۵) "وكره نقلها، إلا إلى قرابة أو أحوج أو أورع أو أنفع للمسلمين، أومن دارالحرب إلى دارالإسلام، أو إلى طالب علم أوإلى الزهاد، الخ". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۲/۳۵۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذافي مجمع الأنهر: ۱/۳۳۳، باب بيان أحكام المصارف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي البحر الرائق: ۲/۴۳۵، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۳، باب بيان أحكام المصارف، دارالكتب العلمية، بيروت)

البتہ زکوۃ کا مستحق کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے خواہ اس کو نقد دیا جائے یا اس کی ضرورت کے مطابق گرمی سردی کے کپڑے دیئے جائیں یا کتابیں دی جائیں یا ان کو کھانا دیا جائے، زکوۃ کا پیسہ تنخواہوں میں، تعمیر میں، کلینڈر، رسید وغیرہ طبع کرانے میں خرچ کرنا درست نہیں ہے(۱) جوار باب مدارس ایسا کرتے ہیں ان کو اس کا لحاظ رکھنا واجب ہے۔

اللہ پاک نے براہ راست ﴿آتوا الزکوۃ﴾(۲) کا خطاب فرمایا ہے پھر اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو زکوۃ وصول کرنے کے لئے حکم دیا یعنی مسلط فرمایا: ﴿خذ من أموالهم صدقةً﴾(۳) پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مسلط فرمایا، یمن کے دو ڈویژن تھے ایک پر حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور دوسرے پر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسلط فرمایا وغیرہ وغیرہ(۴) پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عاملین کو مقرر فرمادیا اور جنہوں نے ادائے زکوۃ سے انکار کیا، ان سے قتال کے لئے آمادہ ہو گئے پھر ان کے بعد دیگر خلفاء نے اس سلسلہ کو باقی رکھا(۵)۔

---

(۱) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً كما مرّ، لايصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت وقضاء دينه، الخ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴،باب المصرف، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸،الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(۲) (سوره البقرة: ۴۳)

(۳) (سورة التوبة: ۱۳)

(۴)" عن أبي بردة قال: بعث رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أبا موسى ومعاذ بن جبل رضى الله تعالىٰ عنهما اليمن، قال: بعث كل واحدمنها على مخلاف، -قال: واليمن مخلافان-، ثم قال:" يسّرا ولاتعسرا"......... فانطلق منهما إلى عمله". (صحيح البخاري: ۲/۶۲۲،باب بعث أبي موسى ومعاذبن جبل إلى اليمن، قديمى)

(والسنن لأبي داؤد: ۱/۲۲۲،باب زكاة السائمة، سعيد)

(وكذافي المحيط البرهاني: ۲/۴۴۱،الفصل الثامن من توضع الزكاة فيه،غفّاريه)

(۵) "عن سالم عن أبيه قال: كتب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم كتاب الصدقة، فلم يخرجه إلى عماله حتى قُبض، فقرنه بسيفه فعمل به أبوبكر حتى قبض ثم عمل به حتى قبض". (سنن أبي داؤد: ۱/۲۳۰، =

آج تسلیط کی قوت نہیں، ترغیب وترہیب کا وقت ہے یہ سلسلہ جاری ہے، جس طرح کسی آدمی کے ذریعہ زبانی پیغام دے کر زکوۃ وصول کی جاتی ہے اسی طرح خط، اشتہار وغیرہ کے ذریعہ ترغیب دی جاتی ہے، اس پر اعتراض کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ ریل اور جہاز میں سوار ہو کر حج کرنا کہاں سے ثابت ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو اونٹ پر سوار ہو کر مسافت طے فرمائی ہے، ریل اور جہاز سے سفر نہیں فرمایا؟ ظاہر ہے کہ یہ اعتراض بالکل ناسمجھی کا ہے۔

اگر تربیت وتہذیب کے لئے کوئی سزا مناسب تجویز کی جائے جو حدودِ شرع کے اندر ہو تو اس میں کیا مضائقہ ہے، یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کافر ومشرک کا کھانا بند نہیں کرتے تو مہمانانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کھانا کیوں بند کیا جاتا ہے؟ یہ بھی ناسمجھی پر مبنی ہے، کسی شخص سے زنا کا صدور ہو جائے اس کو سنگسار کیا جاتا ہے یا کوڑے مارے جاتے ہیں، اگر کوئی سوال کرنے لگے کہ کافر ومشرک کفر وشرک میں مبتلاء ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ نہ سنگسار کرتے ہیں نہ کوڑے مارتے ہیں تو مسلمان کو یہ سزا کیوں دی جاتی ہے۔ کوئی شخص تہذیب سکھانے کے لئے اپنے بچے کی کمر پر چپت ماردیتا ہے جس سے اس کی غلطی پر تنبیہ ہو اگر وہ بچہ مطالبہ کرے کہ جو غلطی میں نے کی اس سے بڑی غلطی کافر کرتا ہے اللہ تعالیٰ تو انہیں چپت نہیں مارتا، آپ نے مجھے چپت کیوں ماری؟ ظاہر ہے کہ اس کا قول ناسمجھی پر محمول کیا جائے گا، کیونکہ اس میں بات سمجھنے کی اہلیت وصلاحیت ہی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= كتاب الزكوة، باب في زكاة السائمة، رحمانيه)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: "لما توفي رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم واستخلف أبوبكر بعده، وكفر من كفر من العرب .... فقال أبوبكر: والله! لأقاتلن من فرق بين الصلوة والزكاة، فإن الزكاة حق المال، والله! لومنعوني عقالاً كانوا يؤدونه إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لقاتلتهم على منعه". (سنن أبي داؤد: ۱/۲۲۴، كتاب الزكوة، امداديه)

(والصحيح لمسلم: ۱/۳۷، كتاب الإيمان، باب الأمر بقتال الناس الخ، قديمي)

"فمن الأول حديث عمر أنه أخر الصدقة عام الرمادة، فلما أحيا الناس بعث عامله، فقال: اعقل منهم عقالين، فاقسم فيهم عقالاً وأتني بالآخر" يريد به صدقة عامين. وحديث معاوية: أنه بعث ابن رضية عمرو بن عتبة بن أبي سفيان على صدقات كلب". (حاشية سنن أبي داؤد: ۱/۲۲۷، كتاب الزكوة، رحمانيه)

زکوٰۃ وغیرہ مدارس میں دینا

سوال[۴۶۸۶]: کیا صدقۂ فطر،قربانی کی کھال اور زکوٰۃ وغیرہ دینی مدارس میں دے سکتے ہیں، اسی طرح کیا انہیں مساجد کی تعمیر وغیرہ میں خرچ کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداومصلیاً:

یہ چیزیں براہ راست مدرسہ یا مسجد وغیرہ کے کسی ملازم کی تنخواہ یا تعمیر وغیرہ میں خرچ کرنا درست نہیں، البتہ دینی مدارس کے مستحق طلباء پر صرف کرنا درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

زکوٰۃ وغیرہ مدرسہ میں دینا

سوال[۴۶۸۷]: ایک بہت بڑا موضع مسلمانوں نے آباد کیا ہے مگر وہاں کے لوگ بہت جاہل اور لاعلم ہیں، عام طور سے غیر مستطیع ۸۵/ فیصد ہیں، شرعی و مذہبی رسم ورواج سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ یہاں پر ایک مکتب جاری کیا گیا، بے حد کوشش کی گئی کہ مکتب میں کوئی رقم ماہانہ دی جائے لیکن لوگوں نے نہیں دیا،مکتب بار بار مع عمارت کے ختم ہوتا گیا لیکن لوگوں نے توجہ نہیں کی۔ یہاں کے لوگ وعظ و پند کی کوئی اہمیت نہیں رکھتے، مکرر،سہ کرر لوگوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی گئی لیکن برابر ناکامی رہی، یہ دیکھ کر ایک صاحب نے کوشش کر کے چالیسواں حصہ غلہ،فطرہ، زکوٰۃ، کچھ معمولی رقم بیرونی حضرات سے اعانت لے کر مدرسہ چلانا شروع کیا اور عمارت بھی بنوایا،ابھی بن رہا ہے۔

اب مدرسہ میں مدرسین ہیں، علاوہ دینیات کے ہندی اور جغرافیہ حساب وغیرہ کی بھی تعلیم ہوتی ہے، اب نادار طلبہ کو مدرسہ سے کتابیں دی جاتی ہیں مگر اب تک گاؤں کے لوگوں نے اس پر توجہ نہیں کی اور نہ کچھ مدد کرتے ہیں صرف چالیسواں غلہ سے کچھ مدد کر دیتے ہیں۔ یہاں کے لوگ عموماً جاہل اور بخیل ہیں، مذہبی قانون سے کچھ واسطہ نہیں رکھتے، یہاں مدرسہ اسلامیہ کا ہونا بہت ضروری ہے۔سوال یہ ہے کہ بحالتِ مجبوری ہر قسم کی

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''مدارس میں زکوٰۃ دینا''۔)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع في المصارف الزكاة، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۱۹۵۸، مصارف الزكاة، رشيديه)

رقوم سے مدرسین کی تنخواہ دے جاسکتی ہے یا نہیں؟ زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداومصلیاً:

جن رقوم (زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، قیمتِ چرمِ قربانی، نذر، کفارۂ یمین وصوم وغیرہ) میں تملیک ضروری ہے، ان کو تعمیر یا تنخواہ میں براہ راست صرف کرنا جائز نہیں (۱)، ایسا کرنے سے واجب ادا نہ ہوگا۔ غریب طلباء پر بصورتِ لباس، طعام وغیرہ تملیکاً صَرف کرنا ضروری ہے (۲)، البتہ نفلی خیرات وصدقات کو تعمیر وتنخواہ میں بھی صرف کیا جاسکتا ہے (۳)۔

جو حضرات اہلِ دین مدارس چلاتے ہیں اور طریق سے واقف ہیں، نیز اللہ پاک نے ان کو خشیت اور تقویٰ بھی عطا فرمایا ہے ان کے وعظ کرائیں اور ان سے مشورہ لیں، اپنی بستی کی حالت ان کو دکھائیں، وقتاً فوقتاً بستی کے لوگوں کو دیگر مقامات پر دینی مدارس کا معائنہ کرائیں، کہ کس طرح وہ مدارس چلاتے ہیں اور ان کی کیسی کیسی علمی وعملی واخلاقی ترقیات ہوتی ہیں اور ان سے مخلوق کو کس قدر ہدایت ہوئی ہے اور فیض پہونچتا ہے، اس سے ان کے دلوں میں بھی شوق اور علمِ دین کا جذبہ پیدا ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۳/۸۸ھ۔

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''زکوٰۃ وغیرہ مدارس میں دینا۔'')

(۲)''ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً، الخ''. (الدرالمختار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذافي التاتارخانية: ۲/۲۷۵، باب من توضع الزكاة، ادارة القرآن)

(وكذافي مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۱۹، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ دارالعلوم ديوبند: ۶/۲۳۳، باب المصرف، امداديه)

(۳) ''فأما الصدقة على وجه الصلة والتطوع فلا بأس به. وفي الفتاوىٰ العتابية: وكذالک يجوز النفل للغني الخ''. (التاتارخانية: ۲/۲۷۵، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۹، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(وكذافي النهر الفائق: ۱/۴۶۴، باب المصرف، امداديه)

بچیوں کے مدرسہ میں زکوٰۃ دینا

سوال[۴۶۸۸]: ایک بچیوں کا مدرسہ قائم ہوا جس میں دینی تعلیم ہورہی ہے لیکن اس کی مالی حالت کمزور ہے اس لئے دریافت طلب امر یہ کہ:

(الف)......کیا اس مدرسہ میں زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے؟ اور اگر دی جاسکتی ہے تو دینے والا کس کو دینے کی نیت کرے؟ کیونکہ معلوم ہوا ہے کہ زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے تو کیا غریب اور نابالغ بچیوں کی نیت سے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

(ب)......زکوٰۃ کی رقم مدرسہ کے ذمہ دار کو دی جائے گی اور وہ ذمہ دار بچیوں کو دے کر حیلۂ تملیک کرے گا تو کیا بچیاں اس سے مدرسین کی تنخواہیں ادا کرسکتی ہیں؟

(ج)......کیا بچیوں کو دے کر پھر اس رقم کو ان سے بطور فیس واپس لے کر مدرسہ کے حساب میں جمع کیا جاسکتا ہے اور پھر اس سے تنخواہیں دی جاسکتی ہیں؟

(د)......نیز اس طرح صدقات، خیرات، فطرہ، عید قربانی پر کھال کی قیمت، عقیقہ پر بکرے کی کھال کی قیمت، فدیہ وغیرہ بھی ان بچیوں کی نیت سے دیگر ذمہ دار مدرسہ بحیلۂ شرعی اس کو ان سے لے کر عطیہ میں جمع کر سکتے ہیں اور ان سے تنخواہیں وغیرہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر اس دینی مدرسہ کے اخراجات پورے کرنے کے لئے نہ کوئی وقف کی آمدنی ہے، نہ چندہ ہوتا ہے، نہ فیس وصول ہوتی ہے تو بدرجۂ مجبوری رقم واجب التملیک کو اس طرح صرف کرنا درست ہے کہ مستحق زکوٰۃ لڑکیوں کو تملیکاً دیدیں اور وہ مالک وقابض ہونے کے بعد مقررہ فیس میں ذمہ دار کو دیدیں، پھر ذمہ دار اس رقم کو تنخواہ یا دیگر ضروریات میں صرف کردے۔

لڑکیاں اگر چھوٹی ہوں اور ان کے اولیاء مستحق زکوٰۃ ہوں تو زکوٰۃ ان کے اولیاء کو بھی اس مقصد کے لئے دی جاسکتی ہے اور ذمہ دارِ مدرسہ، معلّمہ وغیرہ کو بھی دی جاسکتی ہے اس تشریح کے ساتھ کہ یہ زکوٰۃ ہے،

زکوۃ، فطرہ، قیمت چرمِ قربانی، نذر وغیرہ سب کا حکم یہی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۹/ ۱۳۸۸ھ۔

نیم سرکاری مدرسہ میں زکوۃ دینا

سوال[۴۶۸۹]: گنگوہ میں ایک مدرسہ اسلامی محض قرآن کی تعلیم نیز ضروری حساب واردو کی تعلیم کے لئے کھولا گیا تھا جس کے اخراجات کی یہ صورت تھی کہ مسلمانوں سے کسی قدر بطور چندہ لیا جاتا تھا، جب اس چندے سے مدرسہ کا خرچ نہ چلا تو زکوۃ کی مد سے نیز چرم قربانی کا روپیہ لوگوں سے حاصل کر کے بحیلہ جواز مدرسہ میں صَرف کرنے لگے، چند روز اسی طرح کاروائی کی گئی بعد میں سرکاری امداد بھی اس قدر امداد کا مطالبہ کیا، چنانچہ اس وقت تک سرکاری امداد بھی اس قدر مل رہی ہے جو اخراجاتِ مدرسہ کو کافی ہے یعنی مدرسہ ھٰذا میں چار مدرس ہیں ان کی تنخواہوں کو کافی ہے۔ رہا مدرسہ کا کرایہ یا سامان وغیرہ کا خرچ وہ بھی چندہ وغیرہ طلبہ سے وصول کر کے پورا کیا جاتا ہے کیوں کہ یہ مدرسہ مجبوری کی وجہ سے سرکاری ضابطہ کے ماتحت کاروائی کرنے پر مجبور ہو گیا جس میں جبریہ تعلیم کی زد سے بچوں کی تعلیم میں رخنہ اندازی بھی ہو رہی ہے۔

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ مدرسہ خالص اسلامی تو رہا نہیں سرکاری سرپرستی میں آ گیا پس اس مدرسہ میں بصورتِ متذکرہ بالا زکوۃ اور چرمِ قربانی کا روپیہ بحیلۂ جواز لگانا درست ہے یا نہیں جب کہ اس مدرسہ کا خرچ معلموں کی تنخواہ میں صرف ہوتا ہے؟ نیز مدرسہ کے روپیہ کو مہتمم اپنے ذاتی کام میں بطورِ قرض تصرف میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ جب مستحق کے پاس پہنچ گئی تو وہ ادا ہوگئی، اب اس نے جس کام کے لئے وہ روپیہ مدرسہ میں دیا

(۱)"یشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً، کمامرّ". (الدرالمختار). "وفی التملیک إشارة إلی أنه لایصرف إلی مجنون وصبی غیر مراهق إلا إذاقبض لهما من یجوز له قبضه کالأب والوصی وغیرهما".
(ردالمحتار: ۲/ ۳۴۴، باب المصرف، سعید)

(وکذافی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۱۹۰، الباب السابع فی مصارف الزکاة، رشیدیه)

(وکذافی المحیط البرهانی: ۲/ ۴۳۴، الفصل الثامن من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی: ۱/ ۲۴۲، الفصل الثامن فی أداء الزکاة، امجد اکیڈمی لاهور)

ہےاس کی ھدایت کےموافق خرچ کرنا درست ہےاور یہی حال قیمتِ قربانی کا ہے(۱)۔مدرسہ کا روپیہ مہتمم کے پاس امانت ہے اپنے ذاتی کام میں صَرف کرنا درست نہیں، اگر صرف کرے گا تو وہ قرض ہو جائے گا امانت نہ رہے گا یعنی اس کا تاوان واجب ہوگا (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۸/۵/۵۶ھ۔

جب مدرسہ کے مصارف دوسرے ذرائع سے پورے ہو جاتے ہیں تو زکوۃ کی رقم حیلہ کر کے خرچ نہ کرنی چاہیے اور اب چونکہ وہ نیم سرکاری مدرسہ ہو گیا ہے اس لئے غرباء اور طلبائے مدارسِ اسلامیہ اس کے مقابلہ میں زکوۃ کے زیادہ مستحق ہیں (۳)۔فقط۔

سعید احمد غفرلہ۔

صحیح:عبد اللطیف، ۸/ جمادی الاولیٰ/ ۵۶ھ۔

مدرسہ میں زکوۃ کا روپیہ دینا

سوال[۴۲۹۰]: دینی مدارس میں زکوۃ دینے والے مہتمم مدرسہ کو اس طرح دیتے ہیں کہ وہ صحیح

---

(۱) "لا یجوز الزکاۃ، إلا إذا قبضها الفقیر أو قبضها من یجوز قبضه له، لولایته علیه کالأب والوصی، الخ". (التاتار خانیة: ۲/۲۷۴، باب من توضع الزکاۃ فیه، إدارۃ القرآن کراچی)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۲/۳۳۴، باب من توضع الزکاۃ فیه، غفاریه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۰، الباب السابع فی المصارف، رشیدیه)

(۲) "الودیعة لاتودع ولاتعار ولاتوجر ولا ترهن، فإن فعل شیئاً منها ضمن". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الودیعة: ۴/۳۳۸، رشیدیه)

(۳) "التصدق علی الفقیر العالم أفضل من التصدق علی الجاهل". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السابع فی المصارف، کتاب الزکاۃ: ۱/۱۸۷، رشیدیه)

"وبهذا التعلیل یقوی مانسب للواقعات من أن طالب العلم یجوز له أخذ الزکاۃ ولو غنیاً إذا فرغ نفسه لإفادۃ العلم واستفادته لعجزه عن الکسب، والحاجة داعیة إلیٰ مالا بدمنه". (الدرالمختار، کتاب الزکاۃ: ۳/۳۳۵، رشیدیه)

مصرف میں خرچ کرے، گویا مہتمم صاحب وکیل ہوتے ہیں۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ طلباء کی خوراک پوشاک میں بایں طور دینا جائز ہے کہ نہیں کہ زکوٰۃ کے روپے کا گندم وسالن وغیرہ خرید کر عام مطبخوں کی طرح تیار کرا کے تقسیم کردیا جائے، یا روپیہ ہی کا طلباء کو مالک بنادیا جائے؟

عبداللطیف، مہتمم مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ، ضلع مظفرنگر، یوپی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ کے روپے سے غلہ خرید کر مطبخ میں کھانا پکا کر مستحقین طلباء کو کھانے کا مالک بنا کردینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اور نقد روپیہ دینے سے بھی ادا ہوجائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/ ۷/ ۹۳ھ۔

فی الحال زکوٰۃ کی ضرورت نہ ہونے پر بھی زکوٰۃ وصول کرنا

سوال[۴۶۹۱]: زکوٰۃ کے پیسوں کی فی الحال ضرورت نہیں ہے مگر مدرسہ کے اِبقاء اور ارتقاء اور استحکام کے پیشِ نظر بطورِ پیش بینی زکوٰۃ کی رقم لی جاتی ہے۔ تو کیا ایسا کرنا جائز ہے، مستحقین زکوٰۃ کی حق تلفی تو نہیں؟ اگر مہتمم مدرسہ زکوٰۃ وصول کرکے حیلۂ تملیک کرے اور پھر حسبِ مصالح صَرف کرتا ہے تو حیلۂ تملیک سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟ اگر مہتمم مدرسہ زکوٰۃ لینے سے انکار کردے تو وقت ضرورتِ زکوٰۃ ملنا دشوار ہے، ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مدرسہ کے بقاء وارتقاء اور استحکام کے لئے صورتِ مسئولہ اختیار کرنا درست ہے، تملیک سے زکوٰۃ فوراً

---

(۱) "هي تمليك، خرج الإباحة، فلو أطعم يتيماً ناوياًالزكاة لا يجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم، كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض إلا إذا حكم عليه بنفقتهم". (الدرالمختار: ۲/ ۲۵۶، ۲۵۷، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/ ۲۷۵، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذافي النهر الفائق: ۱/ ۴۱۲، كتاب الزكاة، امداديه)

اداہوجائے گی (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ

جس مدرسہ میں مصرفِ زکوۃ نہ ہو اور آئندہ امید ہو وہاں زکوۃ دینا

سوال[۴۲۹۲]: مدرسہ میں صرف ایک مدرّس ہیں، وہی مہتمم ہیں، بوجہ فقر مصرفِ زکوۃ ہیں، مدرسہ بہت خستہ حالت میں ہے، کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے، مدرسہ میں مقامی طلباء ہیں مگر گردونواح کے لڑکے بھی پڑھتے ہیں، بعض مصرف زکوۃ ہیں بعض نہیں ہیں لیکن مدرسہ سے امداد نہیں چاہتے۔تو اس صورت میں یہ مہتمم بحیثیتِ مہتمم ہونے کے بلا نیت اپنی تملیک کے محض مدرسہ کے واسطے زکوۃ کا روپیہ بقدرِ نصاب یا نصاب سے زیادہ بیک وقت کرسکتا ہے یا کہ نہیں؟ اس خیال سے کہ آئندہ کوئی مصرف زکوۃ طالب علم آجائے اور خود کو بھی ضرورت ہوگی، امدادی روپیہ بہت ہی کم آتا ہے۔برائے مہربانی جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جبکہ وہاں زکوۃ کا مصرف موجود نہیں، اگر ہے بھی تو زکوۃ لینے کے لئے آمادہ نہیں، تو محض اس خیال سے کہ شاید آئندہ کبھی کوئی مصرف زکوۃ آجائے اور وہ زکوۃ کے لئے آمادہ بھی ہوجائے، زکوۃ وصول کرنا اور اس کو محفوظ رکھنا بہت بڑی ذمہ داری کو سر رکھنا اور اہل (مستحقین) کو محروم کرنا ہے، اس لئے انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔مہتمم اگر حق الخدمت تصور کرتے ہوئے زکوۃ لیتا ہے تو یہ ناجائز ہے (۲)، اگر مصرفِ زکوۃ ہونے کی وجہ

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''بچیوں کے مدرسہ میں زکوۃ دینا''۔)

(۲)''لايجوز أن يبنى بالزكاة المسجد؛ لأن التمليك شرط فيها، ولم يوجد، كذا لا يبنى بها القناطير والسقايات ......والحيلة في هذه الأشياء أن يتصدق بها على الفقير، ثم يأمره أن يفعل هذه الأشياء، فيحصل له ثواب الصدقة، ويحصل للفقير ثواب هذه القرب''. (تبيين الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصرف، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في الهداية: ۱/۲۰۴، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لايجوز، شركة علميه ملتان)

(وكذا في التاتار خانية: ۲/۲۷۲، باب من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۳، باب من توضع الزكاة فيه، غفاريه كوئٹه)

سے لیتا ہے اور خدمت مدرسہ کے عوض تنخواہ لیتا ہے یا حسبۃً للہ خدمت کرتا ہے تو اس کے لئے درست ہے لیکن بقدر نصاب مالک ہونے کے بعد زکوٰۃ لینا درست نہیں اگرچہ آئندہ ضرورت پیش آنے کا گمان غالب ہو(۱)۔ یہ بات کہ وہ حق الخدمت تصور کرتے ہوئے زکوٰۃ لیتا ہے یا نہیں، اس طرح معلوم ہوسکتی ہے کہ اس کو زکوٰۃ بالکل نہ دی جائے پھر دیکھا جائے کہ وہ مدرسہ کی خدمت حسبِ سابق کرتا ہے یا نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مکتب میں زکوٰۃ اور قیمتِ چرمِ قربانی

سوال[۴۲۹۳]: ہمارے یہاں ایک مکتب اسلامیہ درجہ چہارم تک قائم ہے جس میں دو مدرسین کام کرتے ہیں، سڑک بورڈ ضلع میرٹھ سے مبلغ پندرہ روپیہ ماہوار بطور امداد مقرر ہے، تعداد طلبہ ۲۷/ ہے، مکتب مذکور ضلع کے خاص مکتبوں میں شمار کیا جاتا ہے، یہاں کے مسلمانوں کی حالت نہایت کمزور ہے، مکتب والے مالی امداد سے مجبور ہیں، طلباء سے فیس وغیرہ قطعاً نہیں لی جاتی اور غریب طلباء کے لئے کتابوں کا انتظام بمشکل چندہ سے کیا جاتا ہے۔ مکتب میں درجہ تین وچار میں فارسی بھی پڑھائی جاتی ہے، دینیات میں رسالہ ہائے تعلیم الاسلام مصنفہ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب پڑھائے جاتے ہیں، ایک حافظ قرآن کا اضافہ کرکے حفظ کلام جاری کرنے کا ارادہ ہے۔ ایسی صورت میں چرمِ قربانی، نیز زکوٰۃ کا روپیہ اس مکتب کی امداد میں صرف کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ اور چرمِ قربانی کو تعمیر یا تنخواہ میں یا وقفی کتب وقرآن شریف خریدنے میں صرف کرنا جائز نہیں،

---

(۱)" وکره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر، إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً، أو كان صاحب عيال، بحيث لو فرّقه عليهم لا يخص كلاً، أو لا يفضل بعد دينه نصاب، فلايكره". (الدرالمختار: ۲/۳۵۳، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۲۵، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۳۰، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۹، الفصل الثامن من توضع زكوٰة فيه، غفاريه)

البتہ مستحق طلبہ کے وظائف میں صرف کرنا درست ہے کہ ان طلباء کے کپڑے وغیرہ بنا دیئے جائیں۔ اگر مکتب متولی یا مہتمم غریب اور مستحق ہو اور مالکان زکوٰۃ یا قیمت چرم قربانی ان کو دیدیں اور مالک بنادیں تو اس کو از خود تنخواہ یا تعمیر وغیرہ میں صَرف کرنا درست ہوگا (۱)۔ اسی طرح اگر کسی غریب مستحق کو دیکر قبضہ کرادیں اور وہ اپنی طرف سے مکتب کے لئے دیدے، تب بھی مکتب کی جمیع ضروریات میں صرف کرنا درست ہے، یہ حکم ہے زکوٰۃ اور قیمت چرم قربانی کا (۲)۔ اگر مالکان قیمت نہیں بلکہ خود چرمِ قربانی کا مہتمم مکتب کو مالک بنادیں تو اس کے لئے مہتمم کا غریب اور مستحقِ زکوٰۃ ہونا ضروری نہیں، بلکہ وہ مالدار ہونے کی حالت میں بھی اس کو حسبِ ضرورت صرف کر

---

(۱) "ویشترط أن یکون الصرف تملیکاًالخ". (الدرالمختار: ۲/۳۴۴،باب المصرف، سعید)

(وکذافی التاتارخانیة: ۲/۲۷۵،باب من توضع الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

(وکذافی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴،کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۱۹، باب المصرف، رشیدیه)

(وکذا فی فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۶/۲۳۳،باب المصرف، امدادیه)

(۲) "(تملیکاًلا إباحة کما مرّ)، فلایکفی فیها الإطعام إلا بطریق التملیک، ولو أطعمه عنده ناویاًللزکاة لاتکفی الخ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴،باب المصرف، سعید)

(وکذافی التاتارخانیة: ۲/۲۷۵،من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذافی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴،کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۲۴،باب المصرف،رشیدیه)

اس کے لئے یہ صورت اختیار کی جائے کہ اوّل نقد روپیہ یا اجناس وغیرہ زکوٰۃ کی تملیک کرادی جائے، پھر اس کی طرف سے داخلِ مدرسہ کرکے مذکورہ کاموں کو کیا جائے:"وحیلة التکفین بها التصدق علی فقیر، ثم هو یکفن، فیکون الثواب لهما وکذافی تعمیر المسجد". (الدرالمختار: ۲/۲۷۱،کتاب الزکاة، سعید)

(وکذافی الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۳۹۲،الفصل الثالث فی مسائل الزکاة، رشیدیه)

(وکذا فی البحرالرائق: ۲/۴۲۴،باب المصرف، رشیدیه)

(وکذافی النهر الفائق: ۱/۴۶۲،باب المصرف، إمدادیه)

(وکذافی کفایة المفتی: ۴/۲۹۳،کتاب الزکاة، دارالاشاعت)

(وکذافی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۲۰۸،کتاب الزکاة)

سکتا ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور،۱۲/۵/۵۷ھ۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ،مفتی مظاہر علوم، صحیح:عبد اللطیف،۱۲/۵/۵۷ھ۔

مدارس میں زکوٰۃ کا مصرف

سوال[۴۲۹۴]: ۱......زکوٰۃ کے روپیہ سے غریب ونادار طلبہ کی رہائش کے لئے حجرے بنانا،آلات دستکاری خریدنا،مدرسہ کے کتب خانہ کیلئے کتابیں خرید کر ایک وقت مقررہ کے لئے طلبہ کو مستعار دینا جائز ہے یا ناجائز؟

۲......زکوٰۃ کے روپے سے اگر کوئی مکان اس لئے خریدا جائے کہ اس کی آمدنی سے غریب طلباء کو امدادی وظائف دیئے جائیں گے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

۳......زکوٰۃ کے روپیہ سے مدرسین اور معلمین دستکاری کو تنخواہیں دینا درست ہے یا نہیں؟

براہ کرم جملہ امور کا جواب بحوالۂ کتب مسلک احناف کے مطابق مرحمت فرمایا جاوے۔فقط والسلام۔

المستفتی: قاضی خلیق احمد،کنگ روڈ،ہرنا گڈ،کاٹھیاواڑ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......زکوٰۃ کے روپیہ کے لئے تملیک یعنی مستحق زکوٰۃ کو مالک بنانا شرط ہے،حجرے بنانے،آلات اور دستکاری خریدنے اور کتب خرید کر مستعار دینے میں تملیکِ مستحق نہیں،لہذا زکوٰۃ کا روپیہ ایسے مواقع میں صرف کرنا درست نہیں،البتہ اگر آلات اور کتب وغیرہ خرید کر بطورِ تملیک دیدیں تو درست ہے۔نیز کسی مستحق کو زکوٰۃ کا روپیہ دیدیا جائے اور وہ حجرے بنوادے یا کتب وغیرہ خرید کر مدرسہ میں وقف کردے تب بھی درست ہے اور زکوٰۃ ادا ہوجائے گی:

---

(۱) "يتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال أو جراب وقربة ودلو، أو يبدل بما ينتفع به باقياً .... فإن بيع اللحم أو الجلدبه أو بدراهم تصدق ثمنه، الخ". (الدر المختار: ۶/۳۲۸،باب الأضحية، سعيد)

(وكذافي الجوهرة النيرة: ۲/۲۷۱،كتاب الأضحية، قديمي)

(وكذافي البحر الرائق: ۸/۱۷۸،كتاب الأضحية، رشيديه)

"وحیلة التکفین بها التصدق علی فقیر ثم هو یکفن، فیکون الثواب لهما، وکذافی تعمیر المسجد". درمختار، ص ۱۳(۱)۔

۲......اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ تملیکِ مستحق نہیں پائی گئی، بعد تملیک مکان وغیرہ بنوانا درست ہے(۲)۔

۳......مدرسین اور معلمین دستکاری وغیرہ کی تنخواہ زکوٰۃ کے روپیہ سے دینا جائز نہیں البتہ اگر کسی غریب مستحق کو زکوٰۃ دیدی اور وہ مدرسہ میں دیدیں تو اس سے تنخواہ دینا درست ہوگا(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اُتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۸/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۹/شعبان/۵۳ھ۔

ایضاً

سوال[۴۶۹۵]: صدقۂ فطر، چرمِ قربانی، زکوٰۃ، صدقات اور عشر سے مندرجہ ذیل مصارف جائز ہیں یا ناجائز:

۱......طلباء کے لئے درجات: عالم، فاضل، درس نظامی وغیرہ کی کتابیں خرید کر طلباء کو مستعار دینا۔

۲......مدرسہ کی ملکیت میں جو کتب ہیں ان کی جلد بندی۔ ۳......عمارتِ مدرسہ کا کرایہ۔ ۴......غیر مستطیع طلباء جو امتحان عالم و فاضل، منشی وکامل میں شرکت کریں ان کی فیس اور کرایہ ریل آمد و رفت۔ ۵......مدرسہ کے لئے ضروری سامان چٹائی میز کرسی وغیرہ۔ ۶......طلباء کو بطورِ انعام از قسم نقد یا کتب۔ ۷......طلباء عربی کو وظیفہ علاوہ خوراک ولباس وغیرہ۔ ۸......معلم قرآن وتجوید وقرأۃ کی تنخواہ۔ ۹......اگر مدرسہ کی ذاتی عمارت نہ ہوتو مدرسہ کی تعمیر۔ ۱۰......مدرسہ عربیہ کی ملکیت میں کتب مذہبی وادب وغیرہ۔

محمد وسیم الحق چشم رحمت اورنٹیل کالج غازی پور۔

---

(۱) (الدر المختار، باب المصرف: ۲/۲۷۱، سعید)

(۲، ۳) (تقدم تخریجه تحت عنوان: "کتب میں زکوٰۃ اور قیمت چرمِ قربانی"۔)

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......ناجائز ہے، البتہ صدقاتِ نافلہ کو جمیع مصارف مذکورہ میں صرف کرنا درست ہے۔ ۲......ناجائز، ۳......ناجائز۔ ۴......اگر وہ طلباء سید نہ ہوں تو خود ان کو دیدینا جائز ہے۔ ۵......ناجائز۔ ۶......جائز ہے بشرطیکہ وہ مستحق ہوں اور سید نہ ہوں۔ ۷......جائز ہے بشرط مذکور۔ ۸......ناجائز ہے۔ ۹......ناجائز ہے۔ ۱۰......ناجائز ہے۔

اگر کسی غریب مستحق کو زکوٰۃ، صدقۂ فطر، چرم قربانی کی قیمت دیدی جاوے اور وہ خود اپنی طرف سے مدرسہ میں دیدے تو اس کو جمیع مصارف مذکورہ بالا میں صرف کرنا درست ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۱۹/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/ ذی قعدہ/۵۳ھ۔

طلباء کے لئے زکوٰۃ کی ادائیگی کی صورت

سوال[۴۶۹۶]: میں ایک ہندو محلّہ میں متوکلاً امام ہوں عرصہ بارہ سال سے، الحمد للہ میری گذر اوقات اچھی ہورہی ہے۔ کوئی ذاتی غرض نہیں ہے، محض مسجد کی آبادی کے لئے کچھ میرا خیال ہے کہ چند طلباء بیرونی رکھ لئے جائیں جو دین سیکھیں گے بصورتِ مدرسہ کے، ان کی سب ضروریات کے انتظام کا مالِ زکوٰۃ سے بعض احباب نے وعدہ کیا ہے، اس واسطے یہ مسائل دریافت کئے گئے ہیں، اگر مسئلہ کا جواب حوالہ جات سے تحریر فرمائیں تو نوازش ہوگی ورنہ ویسے بھی معتبر ہوں گے۔

عبدالعزیز امام مسجد نور، جالندھر شہر۔

---

(۱)"مصرف الزكاة .... هو فقير .... وفي سبيل الله............ قيل: طلبة العلم .... يصرف المزكي إلى كلهم أو إلى بعضهم .... ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة ....اهـ". (الدر المختار). "فلايكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك، الخ". (ردالمحتار: ۳۴۰، ۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذافي البحرالرائق: ۲/ ۴۱۹، ۴۲۳، باب المصرف، رشيديه)

(وكذافي التاتارخانية: ۲/ ۲۷۵، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۲۸۴، كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت) ....=

الجواب حامداومصلیاً:

مستحق طلباء کی ضروریات بصورتِ تملیک پوری کرنے کے لئے زکوٰۃ وغیرہ کا صرف کرنا شرعاً درست ہے اوراس سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے،اس میں کسی حیلہ کی ضرورت نہیں (۱)،جس جگہ حیلہ کی ضرورت ہواس کوتحریر کرکے دریافت کرلیا جائے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودعفی عنہ

الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ، صحیح:عبداللطیف،مدرسہ مظاہرعلوم سہانپور،۲۴/ ذیقعدہ/۶۲ھ۔

صاحبِ نصاب طلبہ کے لئے زکوٰۃ لینا

سوال[۴۶۹۷]: طلباء میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں جونصابِ شرعی کے مالک ہیں جن پر صدقۃ الفطر وقربانی واجب ہوتی ہے اورسوال کرنا حرام ہوتا ہے،مگراس کے باوجودطلبہ اپنا خرچ نہیں اٹھا سکتے اس وجہ سے دارالعلوم سے امداد لیتے ہیں،بعض دورانِ تعلیم مقروض ہوجاتے ہیں،لوگ صراحۃً زکوٰۃ کی رقم دیتے ہیں وہ لے کراپنا قرض ادا کرتے ہیں،کیا ایسے طلباء امداد لے سکتے ہیں اورزکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ لے کراپنی ضروریات لے کراپنی ضرویات قرض وغیرہ میں کام لا سکتے ہیں؟اوردینے والوں کی زکوٰۃ وصدقات ادا ہوجاتے ہیں اوراگر ادانہیں ہوتے توان طلبہ کی تکمیلِ تعلیم کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداومصلیاً:

جوطلبہ اپنے وطن میں صاحبِ نصاب ہیں اوریہاں نہیں اوراپنے وطن سے منگا بھی نہیں سکتے وہ زکوٰۃ،

= (وكذا في النهر الفائق: ۱/۱۱۴،كتاب الزكاة، إمداديه)

وراجع للتفصيل عنوان: "طلباء کویکجا بٹھا کرکھانا کھلانا"۔)

(۱) "مصرف الزكاة .... هو فقير .... وفي سبيل الله .... قيل: طلبة العلم .... يصرف المزكي إلى كلهم أوإلى بعضهم .... ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً .... اهـ". (الدرالمختار).

"فلايكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك، الخ". (ردالمحتار: ۳۴۰،۳۴۴،باب المصرف، سعيد)

(وكذافي البحر الرائق: ۲/۴۱۹،۴۲۳،باب المصرف، رشيديه)

(وكذافي التاتارخانية: ۲/۲۷۵،من توضع الزكوة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴،كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت) .... =

قیمتِ چرمِ قربانی، صدقۃ الفطر کے مصرف ہیں ان کو یہ چیزیں اگر دی جائیں اور یقیناً دی جائیں اور یقیناً دی جاتی ہیں تو واجب ادا ہوجاتا ہے (۱)۔ داخلہ کے وقت ان کے ساتھ اگر چہ ایک دن کھانے کی مقدار موجود ہو اور اس دن کے لئے ان کے لئے سوال کرنا ناجائز ہو، لیکن وہ صرف اس دن کے لئے سوال نہیں کرتے نہ ان کا سوال اس دن پورا کر دیا جاتا ہے بلکہ وہ تمام سال قیام کا ارادہ کرتے ہیں اور تمام سال کے مصارف ان کے ساتھ موجود نہیں اور کسی دوسری جگہ سے آمدنی کی توقع بھی نہیں، اس لئے ان کا حکم وہ نہیں جس کا شبہ ہوتا ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۶/ ۸۷ھ۔

طلبہ کو یکجا بٹھا کر زکوٰۃ سے کھلانا

سوال[۴۲۹۸]: جس مدرسے میں زکوٰۃ کے پیسے دیئے جاتے ہیں تو مستحق زکوٰۃ کو مطبخ سے جو کھانا کھلایا جاتا ہے وہ امیر غریب سب کو ساتھ بٹھا کر کھلانے میں زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی قباحت تو نہیں آئے گی؟

= (وكذا في النهر الفائق: ۱/ ۱ ۱ ۴، كتاب الزكاة، امداديه)

(۱) "وبهذا التعليل يقوى ما نسب للواقعات من أن طالب العلم يجوز له أخذ الزكاة ولو غنياً إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب، والحاجة داعية إلى مالا بد منه، الخ". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/ ۳۴۰، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۳۲۶، باب بيان أحكام المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/ ۱۹۵۹، مصارف الزكاة، رشيديه)

(۲) " ولايحل أن يسأل شيئاًمن القوت مَن له قوت يومه بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب، ولو سأل للكسوة أو لاشتغاله عن الكسب بالجهاد، أو طلب العلم جاز، أو محتاجاً". (الدرالمختار: ۲/ ۳۵۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذافي البحر الرائق: ۲/ ۴۳۷، باب المصرف، رشيديه)

(وكذافي النهر الفائق: ۱/ ۴۶۹، باب المصرف، امداديه)

(وكذا في الدرالمنتقى: ۱/ ۳۳۳، باب في بيان أحكام المصارف دارالكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداومصلیاً:

زکوٰۃ کا کھانا مستحق کوبطورِتملیک دینالازم ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہو کہ اتنی مقدار میری ملک ہے خواہ میں کھاؤں یا فروخت کروں یا کسی کو کھلاؤں (۱) اورایک ساتھ سب کو بٹھا کر کھلانے میں یہ بات نہیں ہوتی۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مطبخ سے بمدِ زکوٰۃ طلبہ کو کھانا دینا

سوال[۴۶۹۹]: حضرت مفتی صاحب زِیدَ مجدکم العالی! السلام علیکم

آپ کا مرسلہ جواب موصول ہوگیا، اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خوراکِ طلبہ کے سلسلہ کے دیگر اخراجات کی طرح تنخواہِ باورچی بھی ایک خرچ ہے یعنی تنخواہ باورچی کی نوعیت درج ذیل اخراجات سے مختلف مثلاً طلبہ کے لئے راشن لانے کا صرفہ، گندم کی پسائی، سوختہ کی خریداری اوراس کی چرائی وغیرہ، کیاان اخراجات کی نوعیت میں کچھ فرق ہے، اگر نہیں ہے تو ان سب کا مدِ زکوٰۃ سے دینا ناجائز ہوگا اوراگر ہے تو کیا اور کیوں؟ مدلل جواب کی ضرورت ہے۔ فقط زید۔

---

(۱)"(تملیکاً لاإباحةً کما مرّ) فلایکفی فیها الإطعام إلا بطریق التملیک، ولو أطعمه عنده ناویاًللزکاة لاتکفی، الخ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴،باب المصرف، سعید)

(وکذافی التاتارخانیة: ۲/۲۷۵،من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذافی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۲۴،باب المصرف،رشیدیه)

اس کی تدبیر یہ کی جائے کہ اوّل نقد روپیہ یا اجناس وغیرہ زکوٰۃ کی تملیک کرادی جائے پھراس کی طرف سے داخل مدرسہ کر کے کھانا طلبہ کو کھلایا جائے:"وحیلة التکفین بها التصدق علی فقیر، ثم هو یکفن، فیکون الثواب لهما، وکذافی تعمیر المسجد". (الدرالمختار ۲/۲۷۱، کتاب الزکاة، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۲۴، باب المصرف، رشیدیه)

(وکذافی النهرالفائق: ۱/۴۶۲،باب المصرف،امدادیه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

"(هی تمليك) خرج الإباحة (جزء مال) خرج المنفعة، فلو أسكن .... فقيراً داره سنةً ناوياً، لايجزيه، اهـ".

"(قوله: فلو أسكن) فی البحر إلى الكشف الكبير، وقال قبله: والمال صرح به أهل الأصول، يتمول ويدخر للحاجة وهو خاص بالأعيان فخرج تمليك المنافع، اهـ". در مختار وشامی(۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ادائے زکوٰۃ کے لئے تملیکِ مال ضروری ہے محض تملیکِ منافع سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، گندم پسائی اور سوختہ کی چرائی وغیرہ میں بھی مدِ زکوٰۃ سے صَرف کرنا درست نہیں، یہی حال تنخواہ باورچی کا ہے، ان مواقع پر صرف کرنے سے طلبہ کی ملک میں مال نہیں پہنچتا بلکہ ان کو منافع حاصل ہوتے ہیں، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

اگر جواز کی صورت مطلوب ہے تو اس طرح کیا جائے (کہ) مدرسہ اپنی طرف سے غلہ سوختہ وغیرہ خرید کر کھانا تیار کرائے اور اس میں مدِ زکوٰۃ سے صرف نہ کرے پھر تیار شدہ کھانے کی قیمت لگا کر یا طلبہ کے ہاتھ فروخت کرے اور طلبہ کو بصورتِ نقد مدِ زکوٰۃ سے وظیفہ دے کر کھانے کی قیمت ان سے وصول کرلے یا وہ تیار شدہ کھانا مدِ زکوٰۃ کے جمع شدہ روپیہ سے بدل کر مدرسہ اپنا خرچ شدہ روپیہ (جس میں پسائی، چرائی، تنخواہ باورچی وغیرہ سب داخل ہیں) وصول کرلے اور اس زکوٰۃ میں یہ کھانا طلبہ کو دیدے، اس صورت میں یہ نہیں ہوگا کہ مد زکوٰۃ کا روپیہ منافعِ طلبہ میں خرچ ہوا بلکہ تیار شدہ کھانا مدِ زکوٰۃ سے خرید کر (بدل کر) طلبہ کو دیا گیا ہے اور وہ کھانا دینا یقیناً تملیک المال ہے(۲) تملیک المنفعۃ نہیں، لہٰذا ادائے زکوٰۃ میں خلجان نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۲/۶۶ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/ ذی الحجہ/ ۶۶ھ۔

---

(۱) (الدر المختار: ۲/۲۵۷، کتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا فی الدر المنتقى فی شرح الملتقى: ۱/۲۸۴، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فی النهر الفائق: ۱/۴۱۲، كتاب الزكاة، امداديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "طلبہ کو یکجا بٹھا کر زکوٰۃ سے کھانا کھلانا"۔

غریب طلبہ کی کتابوں پر زکوٰۃ کو صرف کرنا

سوال[۴۷۰۰]: یہاں ایک مدرسہ اسلامیہ ہے جس کا خرچ آمد سے زیادہ ہے اس لئے چندہ کیا جاتا ہے، کچھ لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں، ویسے ہم خود زکوٰۃ کا روپیہ لینے سے احتیاط برتتے ہیں، تملیک کو ہم بہتر نہیں سمجھتے، اس لئے زکوٰۃ کم ہی آتی ہے۔ آپ ہمیں بتائیں کہ اگر اتفاق سے زکوٰۃ آجائے تو ہم اس کو کسی ایسے آدمی کے بچوں پر خرچ کر سکتے ہیں جو بظاہر صاحبِ نصاب نہیں ہے اور خود دار بھی ہے؟ اگر اس سے کہا جائے کہ تمہارے بچوں کے سلسلہ میں کتابوں کا روپیہ اتنا ہو گیا ہے وہ ادا کر دو اور وہ مجبوری ظاہر کرے، اس پر ہم اس سے کہیں کہ ہم ان کتابوں کا روپیہ زکوٰۃ کی مد سے ادا کر دیں تو وہ اپنی خودداری کی وجہ سے اس پر آمادہ بھی نہ ہو تو ہم بغیر اس پر ظاہر کئے اس کے بچوں کو ماہانہ وظیفہ مدرسہ سے دے سکتے ہیں یا مدرسہ کے نام پر آئی ہوئی زکوٰۃ کو بیواؤں لاچاروں وتنگ دست کو دے سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوٰۃ لینے سے جب آپ احتیاط کرتے ہیں تو بہتر یہی ہے کہ جو شخص دے اس کو بھی انکار کر دیں، تاہم نادار طالب علم کو زکوٰۃ کا پیسہ یا مدز کوٰۃ سے قاعدہ پارہ تملیکاً دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی جب کہ وہ طالب علم سمجھدار ہو اور مالکانہ قبضہ کی اہلیت رکھتا ہو بالکل چھوٹا ناسمجھ نہ ہو(۱)۔ مدرسہ میں خرچ کرنے کے لئے جو زکوٰۃ آئے اس کو بیواؤں اور مدرسہ سے غیر متعلق لاچاروں پر صرف کرنے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۷ھ۔

زکوٰۃ سے ملازمینِ مدرسہ کو تنخواہ دینا

سوال[۴۷۰۱]: ہمارے یہاں ایک مدرسہ عربیہ عرصہ سے قائم ہے جس میں دینی تعلیم دیجاتی ہے

---

(۱) "فی التملیک إشارة إلی أنه لا یصرف إلی مجنون وصبی غیر مراهق ......ویصرف إلی مراهق یعقل الأخذ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۰ الباب السابع فی المصارف، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۲۷۳، باب من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی) .... =

اورغریب ونادارطلبہ کے قیام وطعام لباس اوردیگرضروریات سے امدادواعانت کی جاتی ہے۔ مدرسہ مذکورہ میں کئی قسم کی آمدنیاں ہیں، قسم اول: منافعِ جائیدادموقوفہ، چندہ عمومی، خصوصی امدادِ سرکاری، صدقاتِ نافلہ۔ قسم دوم: صدقات مثلِ زکوٰۃ وقیمتِ کھال وغیرہ وغیرہ۔

آمدنی قسم اول تنخواہِ مدرسین وملازمین ودیگرمصارفِ دفتر وغیرہ میں صرف کی جاتی ہے اورقسمِ دوم خوراکِ طلبہ وپوشاک ودیگرضروریات طلبہ میں خرچ کی جاتی ہے کیونکہ آمدنی قسم اول مصارفِ قسم اول کے لئے ناکافی اوراراکینِ مدرسہ میں بعض ایسے خیال کے حضرات بھی ہیں جوحیلۂ شرعی کو پسندنہیں کرتے۔ اس لئے دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا آمدنی قسم دوم میں سے محصل ومحررومحاسب جواس مدرسہ میں بھی کام کررہے ہیں اوران کی اجرت یاتنخواہ بحصۂ ہنراس میں سے دے دیا جائے تو جائز ہے یانہیں؟

الجواب حامداومصلیاً:

صدقاتِ واجبہ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ ان کومصارف (فقراء وغیرہ) پربطورِ تملیک بلاعوض صَرف کیا جائے لہذا تنخواہ میں دینا جائز نہیں، اگر کارکنانِ مدرسہ بغیر شرعی حیلے کے تنخواہ میں دیں گےتو زکوٰۃ وغیرہ ادانہیں ہوگی (۱) اوراصل معطی کے حق میں یہ لوگ ضامن ہوں گے، ھکذافی کتب الفقہ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفااللہ عنہ۔

= (وكذا فی فتح القدير: ۲/ ۲۷۰، باب من يجوز دفع الصدقة إليه وما لايجوز، مصطفى البابی الحلبی مصر)

(۱) "(تملیکاً لا إباحة كما مرّ) فلايكفی فيها الإطعام إلا بطريق التمليك، ولو أطعمه عنده ناوياًللزكاة لاتكفی، الخ". (ردالمحتار: ۲/ ۳۴۴،باب المصرف، سعيد)

(وكذافی التاتارخانية: ۲/ ۲۷۵،من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی مجمع الأنهر: ۱/ ۲۸۴،كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فی البحرالرائق: ۲/ ۴۲۴، باب المصرف،رشيديه)

اس کی صورت یہ اختیار کی جائے کہ اوّل نقدروپیہ یااجناس وغیرہ زکوٰۃ کی تملیک کرادی جائے، پھراس کی طرف سے داخل مدرسہ کرکے کھانا طلبہ کوکھلایا جائے:"وحيلة التكفين بها التصدق علی فقير، ثم هو يكفن، فيكون =

زکوۃ سے مدرسین کی تنخواہ دینا

سوال[۴۷۰۲]: ایک مدرسہ ہے جس میں بیرونی طلبہ بہت کم ہیں، غریب مدرسہ ہے، اگر طلباء کو روپیہ دیدیں تو ممکن ہے کہ لے کر بھاگ جائیں، آخر مدرسین کی تنخواہ کس طرح دی جائے؟ مدرسین مالِ زکوۃ لیں یا نہ لیں؟ فقط۔

الجواب حامداومصلیاً:

صدقہ واجبہ اور زکوۃ کا غرباء پر تملیکاً صرف کرنا بلا معاوضہ ضروری ہے، مدرسین وغیرہ کی تنخواہ میں براہ راست دینا جائز نہیں، اس سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی (۱)، لڑکوں پر تعلیمی فیس تجویز کردی جائے اس سے ملازمین کی تنخواہ ادا کی جائے، جو لڑکے غریب ہوں ان کو زکوۃ سے وظیفہ دیا جائے وہ اس سے فیس دیدیا کریں، اس طرح زکوۃ بھی ادا ہوجائے گی اور تنخواہ کا انتظام بھی ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

زکوۃ سے تنخواہ دینا

سوال[۴۷۰۳]: قومی فنڈ جہاں عشر وصدقات وغیرہ جمع ہوتے ہیں اس سے بچوں اور طالب علموں کو پڑھانے والے استاد کو تنخواہ یا خرچ دینا درست ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں اور آج کل بڑے بڑے مدارس میں جہاں زکوۃ وغیرہ جمع ہوتی ہے، بغیر کسی حیلے کے اساتذہ کو تنخواہیں دیتے ہیں۔

= الثواب لهما، وكذا في تعمير المسجد". (الدر المختار: ۲/ ۲۷۱، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۳۹۲، الفصل الثالث في مسائل الزكاة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۴۲۴، باب المصرف، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/ ۴۶۲، باب المصرف، امداديه)

(وكذا في كفاية المفتي: ۴/ ۲۹۳، كتاب الزكاة، دار الإشاعت كراچى)

(وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند: ۶/ ۲۰۸، كتاب الزكاة، امداديه ملتان)

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "زکوۃ سے ملازمینِ مدرسہ کو تنخواہ دینا"۔)

الجواب حامداومصلیاً:

جورقوم واجب التملیک ہیں ان کو براہ راست اساتذہ کی تنخواہ میں دینا درست نہیں، پڑھنے والے مستحق طلبہ کی ضروریات طعام، لباس، کتاب وغیرہ کو اِن رقوم سے تملیکاً پورا کرنا درست ہے(۱)، اربابِ مدارس کو اس کا اہتمام وانتظام لازم ہے کہ وہ قوم کے امین ہیں اور مسائلِ شرعیہ پر عمل کے بڑے ذمہ دار ہیں۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

زکوۃ وعطیات کی مخلوط رقم سے تنخواہ دینا

سوال[۴۷۰۴]: جس ادارہ میں یہ نظم نہیں ہے کہ زکوۃ اور عطیات کی رقمیں علیحدہ ہوں بلکہ گڈمڈ ہوں اس سے مدرسین وملازمین کی تنخواہ دینا درست ہے یا نہیں؟ اور پھر زکوۃ کی رقموں میں تملیک نہیں ہوتی وہ زکوۃ کی رقمیں معطی کی طرف سے ادا ہوتی ہے یا نہیں؟

---

(۱) "(تـمـلـيكاًلا إباحة كما مرّ) فلايكفى فيها الإطعام إلا بطريق التمليك، ولو أطعمه عنده ناوياًللزكاة لاتكفى، الخ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴،باب المصرف، سعيد)

(وكذافى التاتارخانية: ۲/۲۷۵،من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچى)

(وكذافى مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴،كتاب الزكاة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فى البحرالرائق: ۲/۴۲۴، باب المصرف،رشيديه)

اس کی صورت یہ اختیار کی جائے کہ اوّل نقدروپیہ یا اجناس وغیرہ زکوٰۃ کی تملیک کرادی جائے پھر اس کی طرف سے داخلِ مدرسہ کرکے کھانا طلبہ کو کھلایا جائے:"وحيلة التكفين بها التصدق على فقير، ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما وكذافى تعمير المسجد". (الدرالمختار: ۲/۲۷۱،كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذافى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۹۲،الفصل الثالث فى مسائل الزكاة، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲/۴۲۴،باب المصرف، رشيديه)

(وكذافى النهر الفائق: ۱/۴۶۲،باب المصرف،امداديه)

(وكذافى كفاية المفتى: ۴/۲۹۳،كتاب الزكاة، دارالإشاعت كراچى)

(وكذافى فتاوىٰ دارالعلوم ديوبند: ۶/۲۰۸،كتاب الزكاة، امداديه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

زکوۃ کی رقم کا تنخواہ میں دینا جائز نہیں ہے، مخلوط میں سے جتنی زکوۃ کی تنخواہ میں دی گئی ہے اتنی مقدار زکوۃ ادا نہیں ہوئی ہے(۱)۔ معطی کو اطلاع کردی جائے کہ وہ اتنی زکوۃ خود ادا کرے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۱/۹۱ھ۔

مالِ زکوٰۃ سے مدرس کی تنخواہ اور کھانا

سوال[۴۷۰۵]: یہاں اکثر مدارس میں مدرسین کی تنخواہیں خوردونوش کے علاوہ متعین کی جاتی ہیں گویا کہ مکمل تنخواہ میں سے خوردونوش کی تنخواہ کاٹ لی جاتی ہے تو اب اگر مدرسہ میں بمدِ زکوٰۃ وصدقات کوئی مال آئے تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ اساتذہ کھانے کی قیمت ادا کررہے ہیں؟

---

(۱) "ولو دفعها المعلّم خليفته إن كان بحيث يعمل له لم يُعطِه، صح، وإلا لا". (الدرالمختار). "(قوله: إلا لا): أى لأن المدفوع يكون بمنزلة العوض، الخ". (ردالمحتار، باب المصرف: ۲/۳۵۶، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۰، الباب السابع فى المصارف، رشيديه)

"سئل عن معلّمٍ له خليفةٌ فى المكتب يعلّم الصبيان ويحفظهم ويكتب ألواحهم ولم يستأجره بشيئ معلومٍ وما اشترط شيئاً، والمعلّم يعطيه فى الأحايين دراهم بنية الزكاة، هل يجوز عن زكاة؟ قال: نعم، إلا أن يكون بحيث لولم يُعطِه، لم يعمل له ذالک فى مكتبه". (الفتاوىٰ التاتارخانية: ۲/۲۰۹، ۲۱۰، كتاب الزكوة، قديمى)

(۲) "أما إذا ظهر أنه غنيٌّ .... لا يجوز، وعليه أن يعيدها بالإجماع". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۰، الباب السابع فى المصارف، رشيديه)

"لولم يتحرّ ولم يشک فظهر أنه ليس مصرفاً، أعاد إجماعاً، الخ". (النهر الفائق: ۱/۴۶۷، باب المصرف، رشيديه)

"فى الحديث المذكور ثلاثة أشياء، فما وجه الترجمة فى التصدق على الغنى؟ قلت: على الغنى لايجوز على كل حال، حتى إذا أعطى زكاته لغنيٍّ يظنّه فقراً، ثم بان له أنه غنيٌّ، يُعيد زكاته، الخ". (عمدة القارى: ۸/۴۱۱، بابٌ: إذا تصدق على غنى وهو لايعلم، دارالكتب العلمية، بيروت)

الجواب حامداومصلیاً:

جتنی مقدار اساتذہ جزوِتنخواہ (حق الخدمت) کے طور پر کھائیں گے اتنی مقدار زکوٰۃ ادانہیں ہوگی، اس کا حساب رکھنا ضروری ہے، اسی طرح دیگر ملازمین وغیر مستحق پر صرف کرنے کا حال ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ادائے زکوٰۃ بغیرِ تملیک کے، زکوٰۃ کا پیسہ تنخواہ میں دینا

سوال[۴۷۰۶]: اگر مہتمم مدرسہ بغیر تملیک کے مدرسین کو تنخواہ دیتا ہے، جبکہ مہتمم سے کہہ دیا گیا ہو جو کہ بغیر تملیک کے زکوٰۃ کے مال کا صَرف کرنا جائز نہیں تو اس صورت میں مدرسین کے اوپر تو کوئی گناہ لازم نہیں آئے گا؟

الجواب حامداومصلیاً:

اگر مدرسین کو معلوم ہے کہ یہ زکوٰۃ کا روپیہ تنخواہ میں دیا جارہا ہے تو وہ لینے سے انکار کردیں، تاہم اگر لے لیں گے تو زکوٰۃ ادانہیں ہوگی اور مہتمم کے ذمہ ضمان لازم ہوگا (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۴/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۴/۹۲ھ۔

زکوٰۃ کے پیسے سے مدرسہ کا قرض ادا کرنا

سوال[۴۷۰۷]: ایک مدرسہ اسلامیہ مقروض ہے اور چندہ کے پیسہ سے چلتا ہے، اس کی مالی حالت بہت کمزور ہے، کیا زکوٰۃ کے پیسے سے مدرسہ کا قرضہ ادا کیا جاسکتا ہے جبکہ مدرسہ میں کوئی طالب علم یتیم نہیں ہے؟

---

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''زکوٰۃ سے تنخواہ دینا''۔)

(۲) زکوٰۃ کی ادائیگی میں تملیک بلاعوض شرط ہے، جبکہ ملازمینِ مدرسہ ومعلمین کو تنخواہ بطور معاوضہ کے دی جاتی ہے جو تملیک بلاعوض نہیں: ''ولو دفعها [أی الزکوة] المعلّم لخلیفته إن کان بحیث یعمل له لولم یعطه صح، وإلا لا''.

(الدرالمختار، کتاب الزکوٰۃ، باب المصرف: ۲/۳۵۲، سعید)

(وکذافی کفایة المفتی: ۴/۲۸۷، کتاب الزکاۃ، دارالإشاعت کراچی)

مدرسہ بہت قرض دار ہے۔

الجواب حامداومصلیاً:

زکوٰۃ ادا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ کسی غریب مستحق کو اس کا مالک بنادیا جائے (۱)، پس جو پیسہ مدرسہ میں زکوٰۃ کا دیا گیا ہے، اگر براہ راست اس سے مدرسہ کا قرض ادا کردیا جائے گا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس کا ضمان لازم ہوگا۔

نــــوٹ: زکوٰۃ کا پیسہ براہ راست تنخواہ وتعمیر میں خرچ کرنا بھی جائز نہیں (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(تملیکاً لا إباحةً کما مرّ) فلایکفی فیها الإ طعام إلا بطریق التملیک، ولو أطعمه عنده ناویاًللزکاة لاتکفی، الخ". (ردالمحتار: ۲/۳۴۴،باب المصرف، سعید)

(وکذافی التاتارخانیة: ۲/۲۷۵،من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذافی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴،کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی البحرالرائق: ۲/۴۲۴،باب المصرف،رشیدیه)

"وحیلة التکفین بها التصدق علی فقیر، ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما، وکذافی تعمیر المسجد". (الدرالمختار: ۲/۲۷۱،کتاب الزکاة، سعید)

(وکذافی الفتاویٰ العالمکیریة: ۶/۳۹۲،الفصل الثالث فی مسائل الزکاة، رشیدیه)

(وکذا فی البحرالرائق: ۲/۴۲۴،باب المصرف، رشیدیه)

(وکذافی النهر الفائق: ۱/۴۶۲،باب المصرف،امدادیه)

(۲) قال العلامة الحصکفی رحمه الله تعالیٰ: "ویشترط أن یکون الصرف (تملیکاً) لا إباحة کما مر (لا) یصرف (إلی بناء) نحو (مسجد) (الدرالمختار). "(قوله: نحو مسجد) کبناء القناطر والسقایات وإصلاح الطرقات وکری الأنهار والحج والجهاد وکل مالاتملیک فیه". (ردالمحتار، کتاب الزکوة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الزکوة، الباب السابع فی المصارف: ۱/۱۸۸، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الزکوة، باب المصرف: ۲/۱۲۰، دارالکتب العلمیة، بیروت)

مدارس کے طلبہ کی انجمنوں کو زکوٰۃ

سوال[۴۷۰۸]: دارالعلوم دیوبند میں جتنی بھی انجمنیں ہیں مثلاً پورنیہ والوں کی الگ ہے، چمپارن کی الگ ہے، ہر ضلع کی الگ الگ ہے۔ ان انجمنوں سے طالب علم مالی وکتابی ہر صورت کا فائدہ اٹھاتے ہیں جس کو آپ بخوبی جانتے ہوں گے، ایسی انجمنوں میں زکوٰۃ کا مال یا صدقۃ الفطر یا چرم قربانی یا صدقہ وغیرہ جتنے بھی ایسے مال ہوں جو صاحبِ نصاب پر واجب ہو رہے ہوں، ان مالوں کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی صورت کیا ہے؟ اور اگر ناجائز ہے تو کیوں؟

محمد سلیم الدین پورنوی۔

الجواب حامداومصلیاً:

زکوٰۃ، صدقۃ الفطر، قیمتِ چرمِ قربانی کا غریبوں پر صدقہ کر دینا واجب ہے، پس جو انجمن صحیح مصرف میں خرچ کرنے کا انتظام کرے اس کو دینا درست ہے، محض قرض دینے یا مستعار کتابیں دینے سے زکوٰۃ وغیرہ ادا نہ ہوگی، ایسے پیسہ سے غریب مستحق طلباء کو کھانا کپڑا دینا درست ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۱/۹۲ھ۔

اسکول میں زکوٰۃ وصدقۂ فطر

سوال[۴۷۰۹]: ۱...... یہاں ایک اردو اسکول مسلمانوں کی طرف سے جاری ہے جس کے اجراء کے وقت دینیات اور کلامِ مجید کی تعلیم کے لئے مسلمانوں کو اطمینان دیدیا گیا مگر عملاً دینیات اور کلام مجید کی تعلیم نفی کے برابر ہے اور اردو وانگریزی کی تعلیم گورنمنٹ نصاب کے مطابق دی جاتی ہے۔ اس اسکول میں غرباء اور یتیم بچوں کے قیام اور نان ونفقہ کا کوئی انتظام نہیں ہے اور مقامی بیوگان اور یتامیٰ ضرورت سے زیادہ حاجت مند

(۱) "ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً، الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۴۴، باب المصرف، سعید)

(وکذافی التاتارخانیة: ۲/۲۷۵، من توضع الزکاة، إدارة القرآن کراچی)

(وکذافی مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، کتاب الزکاة، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۴۱۹، باب المصرف، رشیدیه)

(وکذا فی فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۶/۲۳۳، باب المصرف، امدادیه)

ہیں۔ایسی صورت میں فطرہ،صدقہ،زکوٰۃ،خیرات، چرم قربانی وغیرہ اس اسکول میں دیاجانا جائز ہے یانہیں جب کہ اس اسکول کے لئے کافی ذرائع دیگر آمدنی کے ہوں؟

۲......موجودہ زمانہ میں ناخواندہ مسلمانوں کو دینیات سے باخبر کرنے کی غرض سے مدرسہ شبینہ جاری کر کے اردو پڑھانے پرخرچ کرنا مسلمانوں کا فرض ہے یا انگریزی تعلیم پرخرچ کرنا فرض ہے؟ چرم قربانی، زکوٰۃ، فطرہ کا بیت المال میں براہ راست استفادہ مقامی بیواگان و یتامی کرنا ثواب ہے یا انگریزی پر؟ امید ہے کہ مستفسرہ سوالات کے تمام وکمال شرعی احکام سے علماء کرام مطلع فرما کر داخل حسنات ہوں۔

الجواب حامداً وصلیاً:

۱......اگر ان یتیم وغریب مستحق بچوں کو زکوٰۃ،صدقہ،فطرہ، چرم قربانی کی قیمت دی جائے تو شرعاً درست ہے(۱) لیکن مدرسین کی تنخواہ یا مدرسہ کی تعمیر یا مدرسہ کی کسی اَورضرورت میں خرچ کرنا جائزنہیں (۲)۔ جبکہ اسکول کا خرچ دوسرے طریقے سے ملتا ہے اور یتیم بچوں کے لئے قیام اور نان ونفقہ کا کوئی انتظام نہیں تو پھر اسکول والے اس زکوٰۃ وغیرہ کو کس جگہ صرف کرتے ہیں، بظاہر صحیح مصرف میں نہ صرف کرتے ہوں گے اس لئے وہاں اس قسم کے روپیہ وغیرہ نہیں دینا چاہیے اور جبکہ مقامی بیوگان و یتامیٰ زیادہ حاجت مند ہیں تو پھر انہیں کو دینا

---

(۱)"یشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً کمامرّ". (الدرالمختار). "وفی التملیک إشارة إلی أنه لایصرف إلی مجنون وصبی غیرمراهق إلا إذاقبض لهمامن یجوزله قبضه کالأب والوصی وغیرهما".
(ردالمحتار: ۲/۳۴۴،باب المصرف،سعید)

(وکذافی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۰،الباب السابع فی مصارف الزکاة، رشیدیه)

(وکذافی المحیط البرهانی: ۲/۴۳۴،الفصل الثامن من توضع الزکاة فیه، إدارةالقرآن کراچی)

(وکذا فی خلاصة الفتاوی: ۱/۲۴۲،الفصل الثامن فی أداء الزکاة،امجد اکیڈمی لاهور)

(۲)"لایجوز أن یبنی بالزکاة المسجد؛ لأن التملیک شرط فیها، ولم یوجد، کذا لا یبنی بها القناطیر والسقایات ......والحیلة فی هٰذه الأ شیاء أن یتصدق بها علی الفقیر، ثم یأ مر ه أن یفعل هٰذه الأ شیاء، فیحصل له ثواب الصدقة، ویحصل للفقیر ثواب هٰذه القرب". (تبیین الحقائق: ۲/۱۲۰، باب المصرف، دارالکتب العلمیة، بیروت)

(وکذا فی الهدایة: ۱/۲۰۴، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه ومن لایجوز، شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی التاتار خانیة: ۲/۲۷۲، باب من توضع الزکاة فیه، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۲/۴۳۳، باب من توضع الزکاة فیه، غفاریه کوئٹه)

چاہیے اسکول میں نہیں دینا چاہیے(۱)۔

۲......مسلمان دینی معلومات حاصل کرنے کے لئے جس قدر روپیہ خرچ کریں گے سراسر عبادت اور ثواب ہے، اسی طرح دوسرے مسلمانوں کو دین سے واقف کرانے کے لئے خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے جتنا بھی مال صرف کریں اس میں اجر عظیم ہے خواہ یہ معلومات کی تحصیل عربی کے ذریعہ ہو یا فارسی، اردو کے ذریعہ ہو۔

موجودہ زمانہ میں انگریزی تعلیم کے نتائج مذہبی حیثیت سے بہت ہی خراب نکلتے ہیں جیسا کہ شب وروز مشاہدہ ہے اور جو کچھ مذہب سے ناواقفیت ہے وہ بھی ظاہر ہے، اس لئے اہل اسلام کے ذمہ فرض ہے کہ حتی الوسع خود بھی مذہب اسلام سے واقفیت پیدا کریں اور دوسروں کو بھی واقف بنائیں اور جب تک مذہب میں اعتقاداً وعملاً پختگی نہ ہو جائے اس وقت تک ہرگز انگریزی تعلیم کی طرف متوجہ نہ ہوں، جو شخص مذہب کی پوری واقفیت کے ساتھ پختگی رکھتا ہے اس کو کسی ضرورت سے انگریزی تعلیم حاصل کرنے میں مضائقہ نہیں، اس سے پہلے پہلے احتیاط واجتناب لازم ہے۔

جس تعلیم کے نتائج اس قدر خراب ہوں کہ عقائد واعمال سب کچھ بدل جاتے ہوں اور بگڑ جاتے ہوں اس کا حاصل کرنا اور اس پر روپیہ خرچ کرنا ناجائز ہے، چہ جائیکہ زکوٰۃ اور فطرہ کا ایسی جگہ خرچ کرنا، اس لئے مستحقین غرباء ویتامیٰ وبیوگان پر اس روپیہ کو صَرف کرنا واجب ہے۔ چرمِ قربانی مالدار کو بھی دینا درست ہے لیکن اگر اس کو فروخت کر دیا جائے تو قیمت کسی غریب کو دینا واجب ہے نہ تو خود رکھنا جائز ہے نہ مالدار کو دینا جائز ہے، پس اس کا حکم زکوٰۃ کا سا ہو جاتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور، ۱۵/ ۷/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم۔

---

(۱)"کره نقلها، إلا إلى قرابة ....أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين، الخ." (الدر المختار: ۲/ ۳۵۴، باب المصرف، سعید)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/ ۴۶۹ باب المصرف، امدادیه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۱۳۱، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/ ۲۸۱، من توضع الزكاة فيه، ادارة القرآن)

(۲) "فإن بيع اللحم أو الجلد به: أى بمستهلك أو بدراهم، تصدق ثمنه". (الدر المختار: ۶/ ۳۲۸، سعید)

"وهو مصرف أيضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذالك من الصدقات الواجبة". (ردالمحتار، باب المصرف: ۲/ ۳۳۹، سعید)

"ويتصدق بجلدها؛ لأنها جزء منها أو يعمل منه آلة تستعمل في البيت كالنطع والجراب والغربال". (الجوهرة النيرة: ۲/ ۲۷۱، كتاب الأضحية، قديمی)

باب صدقة الفطر ومصارفها

(صدقۂ فطراوراس کےمصارف کابیان)

نصاب صدقۃ الفطر

سوال[۴۷۱۰]: کیافرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مسئلہ ذیل میں کہ:

بہشتی زیور،ص:۳۶،تیسرا حصہ،حاشیہ اول میں ذکر کیا گیا ہے(۱) جس کا حوالہ مراقی الفلاح علیٰ حاشیۃ الطحطاوی،ص:۳۹۴ کہ:

"صدقة الفطر تجب علىٰ حر مسلم مكلف مالك لنصاب أو قيمته وإن لم يحل عليه الحول، عند طلوع فجر يوم الفطر، ولم يكن للتجارة، فارغ عن الدين، و حاجته الأصلية، وحوائج عياله. والمعتبر فيها الكفاية لاالتقدير، وهى مسكنه وأثا ثه وثيابه وفرسه وسلاحه وعبيده للخدمة "(۲)۔

تومضمون ہذا سے ہماری عقل میں بہت کم لوگوں پرصدقہ فطرواجب ہوگا۔

۱......ذیل میں جتنی اشیاء ذکر کی گئی ہیں وہ سب ہماری حوائج الاصلیہ اورحوائج عیالیہ ہیں:مسکنہ ثیابہ، اثاثة المنزل، فرسه، ودابة للركوب، سلاحه، كتابه. اس کے سواآبادکرنے کے لئے بیل یعنی ہل جوتنے کیلئے اوردودھ پینے کیلئے، بوجھ ڈھونے کیلئے، زمین، دھان، گیہوں وغیرہ، لہذا بہشتی زیورنمبر:۲کے مسئلہ کے اعتبار سے یہ ہرایک اگرچہ ہزاروں روپیہ کی قیمت کا ہوا اورضرورت سے زیادہ نہ ہوتو صدقۂ فطرہ واجب نہیں۔یہ صحیح ہے یانہیں؟

۲......ہمارے سامنے شریف الدین اورامیر الدین کے درمیان مخاصمت ہوئی،شریف الدین کہتا ہے

---

(۱)(بہشتی زیور،ص:۲۵۰،تیسرا حصہ،صدقہ فطرکابیان،المکتبۃ المدنیۃ،لاہور)

(۲) (مراقی الفلاح شرح نور الايضاح، ص: ۷۳۲، كتاب الزكوة، باب صدقة الفطر، قديمی)

کہ اوپر میں جو ذکر کیا گیا ہے حوائجِ اصلیہ اور حوائجِ عیالیہ اگر وہ سب اشیاء عید الفطر کے روز موجود نہ ہوں جتنا ہی قیمت کا ہو صدقہ فطر واجب ہوگا۔

امیر الدین کہتا ہے ہرگز نہیں، جتنا اشیاء اوپر میں ذکر کیا گیا ہے وہ سب ضروری اسباب ہیں اس کے سوا اگر کوئی اَور اسباب موجود ہوں جو نصاب تک ہو سکے جیسے کریم الدین کے پاس عید الفطر کے روز تین سو من دھان یا گیہوں موجود ہے، موسم فصل آتے وقت اس کو دو سو من دھان یا گیہوں کی ضرورت ہوتی ہے باقی ایک ایک سو من دھان یہ نصاب میں شامل ہوگا اور اسی کو فاضل عن الضرورۃ کہتا ہے۔

میں نے کہا کہ عید الفطر کے روز حوائجِ عیالیہ پر جتنے دھان یا گیہوں کی ضروورت ہوتی ہے باقی دھان حوائج عیالیہ یا حوائج اصلیہ نہیں۔ تو ان میں سے کس کی بات معتبر ہوگی؟

٣......زید مزدوری کر کے کھاتا ہے، ایک بیگہ زمین بھی نہیں صرف اس کے پاس ایک گائے موجود ہے اور گائے کا دودھ بچوں کو پلاتا ہے، اس کی طاقت نہیں کہ بازار سے دودھ خرید کر بچوں کو پلا دے حالانکہ اس کی قیمت سے نصاب پورا ہو جاتا ہے تو اس پر صدقہ فطر واجب ہوگا یا نہیں؟

٤......زکوۃ اور صدقہ کے نصاب میں کیا فرق ہے اور کس شخص پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، نیز زمین والا غریب جو یہاں لوگوں کو دھان یا روپیہ قرض دیتا ہے اور موسم فصل میں ادا کرتا ہے تو یہ زکوۃ کے نصاب میں شامل ہوگا یا نہیں؟

٥......صدقۂ فطر، قربانی کے چرم کی قیمت اور زکوۃ کا پیسہ مدرسہ میں حیلہ کر کے دینا جائز ہوگا یا نہیں؟

بینوا توجروا۔

خادم القوم محمد منصب، مہتمم مدرسہ قاسم العلوم، ساکن سندر کھاتہ، ڈاکخانہ کھوگا کھوڑی، باڑی، ضلع رنگپوت، پاکستان۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

١......مسئلہ اسی طرح ہے دیگر کتبِ فقہ بحر، بدائع وغیرہ میں بھی مذکور ہے، ایسے شخص پر صدقہ فطر واجب نہیں (١)۔

---

(١) (ردالمحتار: ٢/٣٥٨، باب صدقة الفطر، سعيد) .... =

۲......صرف عید الفطر کے روز کی حوائج کا اعتبار نہیں کہ اس روز کی حاجت سے جو زائد مقدار ہو اس پر صدقۂ فطر واجب کردیا جائے:

"وإن لم يكن النصاب نامياً وكدار لاتكون للسكنىٰ، ولا للتجارة، ولوكان له داروحاحدة يسكنها، وفضلت عن مسكنه يعتبر الفاضل إن كانت قيمته نصاباً، وكذا مافضل عن الثلاثة من الثياب للشتاء والصيف، وعن فرسين للغازى، وفرس وحمار للغير، وعن نسخة واحدة من مصنف من كتب الفقه لأهلها، واثنين من التفسير والحديث، الواحد من المصاحف. وفى الخلاصة: لوكانت له كتب، إن كانت كتب الطب والنجوم والأدب يعتبر نصاباً،.......... ولوكانت له دور وحوانيت للغلة، وهى لاتكفى عياله، فهو من الفقرآء على قول محمد، خلافاً لابى يوسف.......... ،ولايعتبر ماقيمته نصاب من قوت شهر بلاخلاف عندنا، وقال الشافعى: تجب على كل من يملك زيادة على قوة يومه لنفسه وعياله، اھ". مجمع الأنهر: ١/٢٢٦(١)-

۳......محض اس گائے کی وجہ سے صدقۃ الفطر واجب نہ ہوگا (۲)۔

۴......مقدارِ نصاب میں صدقۃ الفطر کے لئے نقدین کا ہونا ضروری نہیں بلکہ نقدین کے برابر کوئی اَور چیز قیمۃً ہو تب بھی صدقۃ الفطر واجب ہوگا اور زکوۃ جب واجب ہوگی کہ نقدین ہوں یا نقدین کے قائم مقام سوائم یا مالِ تجارت ہو، الحاصل مقدار تو برابر ہی ہے لیکن زکوۃ کے لئے نامی اور حولی ہونا ضروری ہے حولی ہونا یعنی سال بھر کا گزرنا (۳)۔

= (وكذا فى النهر الفائق: ٢/٤٧٠، باب صدقةالفطر، امداديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ٢/١٣٢، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ١/٢٢٦، ٢٢٧، باب صدقةالفطر، دارإحياء التراث العربى)

(١) (مجمع الأنهر: ١/٢٢٦، ٢٢٧، كتاب الزكوة، باب صدقةالفطر، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ٢/١٣٣، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

(٢) (راجع، ص: ٢١٤، رقم الحاشية: ١)

(٣) "تجب .... على كل حر مسلم و لو صغيراً مجنوناً ذى نصاب فارغ عن حاجته الأصلية كدينه وحوائج عياله وإن لم ينم كمامر، الخ". (الدرالمختار: ٢/٣٥٩، صدقةالفطر، سعيد) ....=

۵...... یہ چیزیں واجب التملیک ہیں، اگر مستحق کو تملیکاً دی جائیں اور پھر وہ اپنی طرف سے بلا کسی دباؤ کے بخوشی دیدے تو مصالحِ مدرسہ میں یعنی تعمیر وتنخواہ وغیرہ میں صَرف کرنا شرعاً درست ہے۔ بلا تملیک درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/ ذی الحجہ/ ۴۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶/ ذی الحجہ۔

مصرفِ فطرہ وفدیہ

سوال [۴۷۱۱]: استفتاء: مخدومی حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱...... صدقۂ فطر کے مصرف اور فدیہ کے مصرف میں قول راجح پر کوئی فرق ہے یا نہیں؟

۲...... کئی ایام کے فدیۂ صوم وصلوۃ کی رقم کسی ایک شخص کو ایک دم دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ درمختار سے مثل صدقۂ فطر حکم سمجھ میں نہیں آتا ہے، شامی کی عبارت سے تردد ہو گیا ہے، لہٰذا آپ سے قول راجح کی تحقیق مطلوب ہے۔ فقط۔

ابرار الحق، ۱۳/ رمضان/ ۷۰ھ۔

= (وكذا في النهر الفائق: ۱/ ۴۷۱، باب صدقة الفطر، إمداديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۱۳۲، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

"ولا تجب هذه الصدقة إلا على حر مسلم غني، والغني أن يملك نصاباً أو ما قيمته قيمة النصاب فاضلاً عن مسكنه، وإن كان يساوي مالاً عظيماً و ثيابه و أثاثه، الخ". (التاتارخانية: ۲/ ۴۱۸، باب صدقة الفطر، إدارة القرآن كراچي)

(۱) "و يشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً كما مر، لا يصرف إلى بناء نحو مسجد .... ان الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه الأشياء، الخ". (الدر المختار: ۲/ ۳۴۵، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/ ۲۷۲، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچي)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/ ۴۳۳، من توضع الزكاة فيه، غفاريه كوئٹه) ....=

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......دونوں کا مصرف ایک ہے(۱)۔

۲......کئی ایام کے صوم وصلوۃ کے فدیہ کی رقم شخص واحد کو دینا درست ہے اس میں تعدد شرط نہیں:

"فدية كل صلوة .... كصوم يوم، و هو الصحيح،........... ولا يشترط هنا تعدد المساكين". سكب الأنهر(۲)۔ "ثم إن شاء أعطىٰ فى أول رمضان، وإن شاء أعطى فى آخره، و لا يشترط فى المدفوع إليه العدد، اهـ". طحطاوى على مراقى الفلاح(۳)۔

شامی کی جس عبارت سے آپ کو تردد پیدا ہوا اس سے کچھ پہلے دیکھیے:

"وفدى لزوماً عنه: أى عن الميت وليّه الذى يتصرف فى ماله كالفطرة قدراً". درمختار۔ "(قوله: قدراً): أى التشبيه بالفطرة من حيث القدر، إذلا يشترط التمليك هنا، بل تكفى الإباحة بخلاف الفطرة، وكذا هى مثل الفطرة من حيث الجنس و جواز أداء القيمة. وقال القهستانى: وإطلاق كلامه يدل على أنه لو دفع إلى فقير جملةً جاز، و لم يشترط العدد و لا المقدار، لكن لودفع إليه أقل من نصف صاع لم يعتد به، و به يفتى، اهـ". شامى(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۵/ رمضان/ ۷۰ھ۔

= (وكذا فى البحر الرائق: ۴۲۴/۲، باب المصرف، رشيديه)

(۱) "و لو مات عليه صلوات فائتة وأوصى بالكفارة، يعطى لكل صلاة نصف صاع من بر كالفطرة". (الدرالمختار: ۷۲/۲، كتاب الصلوة باب قضاء الفوائت، سعيد)

"و مصرف الزكاة والعشر .... وهو أيضاً كصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلک من الصدقات الواجبة". (ردالمحتار: ۳۳۹/۲، باب المصرف، سعيد)

(وكذا فى الفقه الإسلامى وأدلته: ۲۰۴۸/۳، المبحث الخامس مصرفها و من يأخذها، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۴/۱، الباب الثامن فى صدقة الفطر، رشيديه)

(۲) (الدرالمنتقى فى شرح الملتقى المعروف بسكب الأنهر: ۲۵۰/۱، فصل: يباح الفطر لمريض، كتاب الصوم، دارإحياء التراث العربى، بيروت)

(۳) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص:۶۸۸، فصل فى العوارض، قديمى)

(۴) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۴۲۴/۲، فصل فى العوارض، سعيد)

صدقۃ الفطر کا حکم اور اس کی ادائیگی کی صورت

سوال[۴۷۱۲]: مایقول العلماء فی صدقة الفطر هل هو واجب أم غیره ؟وإن کا ن الأول فما صورة إعطا ئه ؟ورجل فی یوم الفطر تصدق بصدقة الفطر فی هذه الصورة: أعنی یطبخ الطعام واللحم کما هو دأب الفنجاب، وهو أن یعطوا الطعام کثیراً لاالرغیفین کما هو فی الهند أوفی بعض علاقة الفنجاب، فیأکلون ما هو فی قسمتهم، ثم یعطون بقیة إلی مالکه، فهذه الصورة لإ عطاء صدقة الفطر جائزأم لا؟ إن کان الأول فما معنیٰ التملیك؟ و کما ذکر فی کتب الفقه، و التملیك شرط حرروا بحوالة الکتب مع الصفحات بالصواب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقة الفطر واجبة صرح به الحصفکی فی الدرالمختار حیث قال:

"وصورة إعطاء ه أن یعطی نصف صاع من برأودقیقة أو سویقة أو صاع تمر أو زبیب أو شعیر إلی مصرف الزکوة، و یجوز دفع القیمة و هی أفضل عند وجدان ما یحتاجه؛ لأنها أسرع بقضاء حاجة الفقیر، وإن کان زمن شدة فالحنطة والشعیر وما یؤکل أفضل من الدراهم. و وقت الوجوب عند طلوع فجر یوم الفطر، و یستحب إخراجها قبل الخروج إلی المصلی، و صح لو قدّم أوأخّر والتأخیر مکروه. و یدفع کل شخص فطرته بغیر واحد، واختلف فی جواز تفریق فطرة واحدة علی أکثر من فقیر، و علی الجواز أکثر، و به جزم فی الخانیة والبدائع والزیلعی، فکان هو المذهب. و یجوز دفع ما علی،جماعة لواحد علی الصحیح ":۵۱۲/۲(۱)۔ وکذا فی مراقی الفلاح و حاشیتها للطحطاوی ،ص:۳۹۵ (۲) والصورة المسئولة صورة الإباحة لا التملیك۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) (الدرالمختار مع ردا لمحتار: ۳۶۴/۲، باب صدقة الفطر، سعید)

(۲) (مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی: ص:۷۲۴،باب صدقة الفطر، قدیمی)

(و کذا فی تبیین الحقائق: ۱۳۷/۲ ، صدقة الفطر، دار الکتب العلمیة بیروت) .... =

نصابِ صدقۃ الفطر کی مقدار میں مولانا عبدالشکور صاحب کا موقف

سوال[۴۷۱۳]: علم الفقہ مصنفہ مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ میں صدقہ فطر کے متعلق ایک روایت اٹھارہ چھٹانک کی بھی ہے، فتاویٰ دارالعلوم میں اس کی تغلیط کی ہے اور تحریر ہے کہ جس نے مذکورہ حساب سے ادا کیا اس کی ادائیگی صحیح نہیں ہوئی، مابقی کا نکالنا ضروری ہے۔ اس تعارض کے دفعیہ کے لئے علامہ کی تحریر کردہ روایت کی کیا توجیہ ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ احمر (رتی) دو قسم کی ہے: ایک عندالفقہاء، دوسری عندالاطباء، دونوں کے وزن میں تفاوت ہے، مولانا عبدالشکور لکھنویؒ نے ایک وزن کو معتبر مانا اور دیگر اکابر نے دوسرے وزن کو(۱)، مصنف علم الفقہ مولانا عبدالشکور صاحبؒ نے مولانا عبدالحئیؒ کا اتباع کیا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۰ھ۔

صاع کے وزن میں احتیاط پر عمل

سوال[۴۷۱۴]: کسی امام کے نزدیک صاع ۲۵۲ تولہ کا ہے جس کو مولانا روح الامین مرحوم نے

= (وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۲۳۳، من توضع الزكاة فيه، غفاريه كوئٹه)

(۱) ''صاع انگریزی سیر کے حساب سے جو کلدار اسی روپیہ کا ہوتا ہے، سوا دو سیر نو تولہ سات ماشہ کا ہوتا ہے، یا یوں کہا جائے کہ پانچ ماشہ کم دو سیر ڈیڑھ پاؤ ہوتا ہے۔ عرض کہ پانچ ماشہ کی کمی کوئی کمی نہیں، ایک صاع کو دو سیر ڈیڑھ پاؤ سمجھنا چاہیے، کیونکہ حسب تصریح محققین ایک صاع ایک ہزار چالیس درہم کا ہوتا ہے، اور ہر درم دو ماشہ ڈیڑھ رتی کا۔ پس صاع میں دو ہزار دو سو چھتر ماشے ہوئے اور ان ماشوں کے ایک سو نواسی تولے سات ماشے ہوئے، اور ان تولوں کے بحساب اسی تولہ فی سیر دو سیر ایک پاؤ نو تولے سات ماشے ہوئے''۔ (علم الفقہ، حصہ چہارم، زکوۃ، ص: ۴۸۰، دارالاشاعت، کراچی)

(۲) ''وأما الفضة فقد عرفت أن نصابه مائتا درهم، وكل درهم أربعة عشر قيراطاً يعني سبعين شعيرةً، فتحصل في درهم سبعة عشر ونصف أحمر، وهو ماهجتان وواحد ونصف من ذلك الأحمر، فيكون مقدار مائتي درهم ستاوثلثين تولجة ونصف الماهجة''. (عمدة القاري على هامش شرح الوقاية: ۱/۲۲۹، كتاب الزكوة، بيان نصاب الذهب والفضة، سعيد)

''واعتبر بأحمر الأطباء وهي أربعة شعيرات''. (العرف الشذي على هامش الترمذي: ۱/۲۰، كتاب الطهارة، باب الوضوء بالمد، سعيد)

اپنی فتاویٰ کی کتاب میں لکھا ہے مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی کتاب مطالعہ کی گئی اس میں ۲۷۰/تولہ کا حساب ہے۔ ۲۵۲/تولہ صاع نہیں ملا ہے۔۲۵۲/تولہ کے صاع کے حساب سے فطرہ ادا کرنے سے فطرہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صاع کے وزن کو جب تولہ اور سیر میں منتقل کیا جاتا ہے تو حساب سے کچھ فرق نکلتا ہے۔ چنانچہ بہشتی زیور اور فتاویٰ رشیدیہ، امداد الفتاویٰ ومظاہر حق کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے (۱) اس لئے احتیاطی پہلو یہ ہے کہ جو وزن زائد ہو اس کو اختیار کیا جائے۔ کیونکہ صاع بھی مختلف تھے اور سیر بھی مختلف تھے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۲۹ھ۔

فطرہ کس غلہ سے ادا کریں؟

سوال[۴۷۱۵]: ۱...... صدقۂ فطر ادا کرنے کے لئے کون سا اناج، یا کون سے اناج کی قیمت ادا کرنا چاہیے؟ ایک تو یہ کہ سرکاری اناج کی (کنٹرول) دوکانوں پر جو اناج مثلاً گیہوں جوار ملتا ہے وہ یا بازاری عام دکانوں کا اناج زیادہ بھاؤ کا ہوتا ہے اور سرکاری اناج کی کنٹرول دوکانوں کے اناج پر تو کبھی عام بازاری دوکان کا بھاؤ کم ہوتا ہے، لیکن روزانہ کا استعمال کبھی سرکاری دوکان کے اناج پر ہوتا ہے۔

۲...... فی الحال گیہوں نہ سرکاری اناج کی کنٹرول دکان پر ملتے ہیں اور نہ بازاری عام دوکانوں سے ملتے ہیں، ایسی حالت میں صدقۂ فطر ادا کرنے کے لئے کون سے دوکان کے اناج کی قیمت یا اس قیمت کا دوسرا اناج وغیرہ دینا چاہیے؟ آیا سرکاری اناج کی کنٹرول دوکان کے بھاؤ سے یا عام بازاری اناج کی دوکانوں کے بھاؤ سے ہونا چاہیے؟

---

(۱) راجع: (بهشتی زیور، تیسرا حصة، ص: ۳۶، صدقه فطر کا بیان، إمدادیه)

(وفتاویٰ رشیدیه، ص: ۴۴۶، صاع اور مُد ہندوستانی وزن سے کتنے کے ہیں)

(وامداد الفتاویٰ: ۲/۸۴، ۸۵، صاع کے وزن کی تحقیق، دارالعلوم کراچی)

(ومظاهر حق جدید: ۱/۲۰۵-۲۰۷، صدقۂ فطر کی مقدار، دارالاشاعت، کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... کنٹرول سے سب کی ضروریات پوری نہیں ہوتی مجبوراً عام بازاری شرح سے خرید کر پوری کی جاتی ہے اس لئے سلئے عام بازاری نرخ سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے گا، نصف صاع گیہوں کی قیمت کا کوئی اَور غلہ جوار، چنا وغیرہ بھی دے سکتے ہیں، اگر جو دینا چاہیں تو ایک صاع دیں (۱)۔

۲...... جو نرخ عام بازاروں میں ہے خواہ اس نرخ سے دیدیں خواہ قریب تر جگہ جہاں عام گیہوں ملتا ہے وہاں کی قیمت کا اعتبار کرلیں (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

صدقۂ فطر میں کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟

سوال[۴۷۱۶]: صدقۂ فطر بمقدار نصفِ صاع گیہوں ہوتا ہے، اب نصف صاع کی قیمت بعض

---

(۱) "یجب............ نصف صاع من بر أو دقيقة أو سويقة أو زبيب أو صاع تمر أو شعير و لو رديناً، ومالم ينص عليه كذرة و خبز، يعتبر فيه القيمة، ودفع القيمة: أى الدراهم أفضل من دفع العين على المذهب، أما فى الشدة فدفع العين أفضل، كما لا يخفى". (الدر المختار: ۲/۳۶۴، باب صدقة الفطر، سعيد)

(وكذافى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۱، الباب الثامن فى صدقة الفطر، رشيديه)

(وكذا فى الفقه الإسلامى وأدلته: ۳/۲۰۴۴، المبحث الثالث، جنس الواجب و صفته و مقداره، رشيديه)

(وكذا فى المحيط البرهانى: ۲/۵۹۰، الفصل الثالث عشر فى صدقة الفطر، غفاريه كوئٹه)

(۲) " و يقوّم العرض بالمصر الذى هوفيه حتى لو بعث عبداً للتجارة فى بلد آخر يقوم فى ذلك الذى فيه العبد، إن كان فى مفازة، تعتبر قيمته فى أقرب الأمصار إلى ذلك الموضع ". (البحر الرائق: ۲/۴۰۰، باب زكاة المال، رشيديه)

(وكذافى فتح القدير: ۲/۲۱۹، باب زكاة المال، مصطفى البابى الحلبى مصر)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۰، الفصل الثانى فى العروض، رشيديه)

شہر میں /۴ آنہ ہوتے ہیں اور بعض جگہ /۲ آنہ اور بعض جگہ /۶ آنے، اب جو اختلافِ اماکن کی وجہ سے قیمت میں فرق ہوگیا ہے، کس جگہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا، مخصوص کسی جگہ کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا یا ہر جگہ کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، یا جس جگہ کی پیداوار ہو اس جگہ کا اعتبار کیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جگہ صدقۂ فطر ادا کرنا ہے اس جگہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ ۷/ ۵۶ھ۔

فطرہ میں قیمت کہاں کی معتبر ہوگی؟

سوال [۴۷۱۷]: بری وغیرہ میں گیہوں کی پیداوار نہیں ہوتی اور گیہوں فروخت ہوتا ہے، البتہ بعض گھروں میں قدر قلیل آٹا اور آٹا اور میدہ بکثرت، نیز بسکٹ فروخت ہوتے ہیں، میدہ کی قیمت آٹا اور گیہوں سے بہت مہنگا لگتا ہے۔ ایسی صورت میں میدہ کی قیمت کے حساب سے کرکے دام دیئے جائیں یا ہندوستان سے گیہوں کے دام معلوم کرکے قیمت ادا کیا جاوے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گیہوں، میدہ، آٹا تینوں میں سے کسی ایک کے دینے سے صدقہ ادا ہوجائے گا: "الفطرة نصف صاع من بر أود قيق، الخ". هداية: ۱/ ۱۹۰ (۲).

گیہوں سے آٹا دینا افضل اور آٹا دینے سے قیمت دینا افضل ہے: "والدقيق أولى من البر،

(۱) "وتعتبر القيمة يوم الوجوب، و قالا: يوم الأداء .... و يقوّم في البلد الذى المال فيه، و لو في مفازة، ففي أقرب الأمصار إليه". (الدرالمختار: ۲/ ۲۸۶، باب زكاة الغنم، سعيد)

(وقد تقدم التفصيل تحت عنوان: ''فطرہ کس غلہ سے ادا کریں؟'')

(۲) (الهداية: ۱/ ۲۱۰، باب صدقة الفطر، شركة علميه ملتان)

(و كذا فى خلاصة الفتاوىٰ: ۱/ ۲۷۵، الفصل السابع فى صدقةالفطر، امجد اکیڈمی لاهور

(و كذا فى النهر الفائق: ۱/ ۴۷۴، باب صدقة الفطر، إمداديه)

والدراهم أولى من الدقيق". هداية: ١/١٩٠(١).

جس قریب کی جگہ گیہوں، آٹے کی فروخت ہوتی ہے وہاں کے نرخ سے قیمت لگائی جاوے(۲)، اور رمضان کے مہینہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا اور جب آپ کے یہاں میدہ کی خرید فروخت بکثرت ہے تو خود میدہ یا اس کی قیمت دینا چاہیے اگرچہ گیہوں سے زیادہ بیٹھے، ہندوستان سے گیہوں کا نرخ معلوم کرکے قیمت دینا کافی نہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

فدیہ اور فطرہ کس نرخ سے ادا کریں گے؟

سوال[۴۷۱۸]: بغرضِ ادائے فدیۂ روزہ اور فطرۂ عید نرخ بازار معتبر ہے یا کنٹرول ریٹ؟ جس کو دیا جانا مقصود ہے اس کو کنٹرول ریٹ سے گیہوں مل سکتا ہے بازار میں گیہوں گراں ملتا ہے، گوا تنا گراں عامۃً نہیں ملتا اگر دیہات سے منگایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جس نرخ سے اپنی ضروریات پوری کی جاتی ہیں اسی نرخ سے فطرہ اور فدیہ دیدیں، ظاہر ہے کہ آجکل کنٹرول سے عامۃً ضروریات پوری نہیں ہوتیں اس لئے بازاری نرخ سے دیں(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۵ھ۔

صدقۂ فطر کس نرخ سے ادا کیا جائے؟

سوال[۴۷۱۹]: کنٹرول کی حالت سب پر روشن ہے۔اگر دلّال لوگ خفیہ طور سے قیمتِ مقررہ سے زیادہ قیمت لے کر مال فروخت کردے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ (دلال اپنے پیسے سے مال خرید کر لایا ہے، صرف اتنی بات ہے کہ حکومت نے کتنی شرائطِ جبریہ مقرر کردی ہے نہ کہ مالک نے)۔اور کنٹرول ریٹ کے دام

---

(١) الهداية، باب صدقة الفطر: ١/٢١٠، مكتبه شركت علميه ملتان)

(٢) (راجع للتفصيل العنوان المتقدم: "فطرہ کس غلہ سے ادا کریں؟")

(٣) "ويقوّم في البلد الذي المال فيه، ولو في مفازة ففي أقرب الأمصار إليه". (الدر المختار مع ردالمحتار: ٢/٢٨٦، باب زكاة الغنم، سعيد)

سے فطرہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وعدہ خلافی اور دروغ گوئی کی نوبت نہ آئے نیز عزت اور نقصانِ مال کا خطرہ نہ ہو(۱) (جیسا کہ علم ہونے پر مقدمہ چلتا ہے اور جرمانہ ہوجاتا ہے) تو درست ہے(۲)۔ اگر اپنے اخراجات بھی کنٹرول نرخ سے لیتا ہے تو صدقۂ فطر بھی اس نرخ سے ادا کرنا درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ جمادی الاولیٰ/ ۶۷ھ۔

---

(۱) "والإسلام يحرم الغش والخداع بكل صورة من الصور، فى كل بيع وشراء، وفى سائر أنواع المعاملات الإنسانية. والمسلم مطالب بالتزام الصدق فى كل شؤنه، ونصيحة فى الدين أعلى من كل كسب دينوى.......... وكذلك كان سلف المسلمين يفعلون .... ولا يكذبون، وينصحون ولايغشون .... ونشتد الحرمة إذا أيد غشه بمبين كاذبة، وقد نهى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم التجار عن كثرة الحلف بعامة وعن الحلف الكاذب بخاصة. وقال: "الحلف منفقة للسلعة ممحقة للبركة". (الحلال والحرام فى الإسلام للشيخ يوسف القرضاوى، ص: ۲۱۴، ۲۱۵)

(۲) حکومت کے مقرر کردہ نرخ اگر ظالمانہ ہوں تو اس صورت میں اس سے بچنے کی تدابیر اختیار کرنے کی گنجائش ہے:

"نرى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حين غلا السعر على عهده، فقالوا: يارسول الله! سعّر لنا. قال: "إن الله هو المسعّرُ القابضُ الباسطُ الرازقُ، وإنى لأرجو أن ألقى الله وليس أحدٌ منكم بمظلمةٍ فى دمٍ ولامالٍ" .... فليس معنى الحديث السابق حظر كل تسعير، ولو كان من ورائه دفع ضرر أمنع ظلم فاحش، بل قرر المحققون من العلماء أن التسعير: منه ماهو ظلم محرم، ومنه ماهو عدل عاجز: إذا تضمّن ظلم الناس وإكراههم بغير حق على البيع بثمنٍ يرضونه، أو منهم مما أباح الله لهم، فهو حرام. وإذا تضمّن العدل بين الناس، مثل إكراههم على مايجب عليهم من المعاوضة بثمن المثل، ومنعهم مما يحرم عليهم من أخذ الزيادة على عوض المثل، وهو جائز، بل واجب. وفى القسم الأوّل جاء الحديث المذكور، فإذا كان الناس يبيعون سلعهم على الوجه المعروف من غير ظلم منهم، وقد ارتفع السعر، إما لقلّة الشئ أو لكثرة الخلق -إشارة إلى قانون العرض والطلب- فهذا إلى الله، فإلزام الناس أن يبيعوا بقيمة بعضها إكراه بغير حق. أما الثانى فمثل أن يمتنع أرباب السلع من بيعها مع ضرورة =

چاول وغیرہ سے صدقۂ فطر ادا کرنے کی صورت

سوال[۴۷۲۰]: چاول سے صدقۂ فطر ادا کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ برتقدیرِ ثانی سوال یہ ہے کہ ہمارے ملک میں گیہوں وجَو وغیرہ نہیں ہوتے اور نہ ان کی قیمت ہم کو معلوم ہوتی ہے، ہاں البتہ بڑے بڑے شہروں اور گیہوں والے ملکوں میں کسی کو بھیج کر یا خط کے ذریعے سے ان کی قیمت معلوم کی جا سکتی ہے اور اس میں کس قدر تکلیف ہے، وہ مخفی نہیں، اور نیز چاول بھی گیہوں اور جَو کی طرح طعام ہی ہے، پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ چاول سے صدقۂ فطر ادا نہیں کیا جا سکتا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

چاول سے صدقۂ فطر ادا کرنے کے متعلق کوئی نص موجود نہیں ہے، لہٰذا اس میں قیمت کا اعتبار ہوگا اس طرح اقرب مواضع میں گیہوں یا جَو کی قیمت معلوم کر کے اس قیمت کے موافق چاول دیدیئے جائیں:

"و ما لم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة، اهـ". درمختار۔ قال الشامي: "(قوله: وخبز) عدم جواز دفعه إلا باعتبار القيمة هو الصحيح، لعدم ورودالنص به، فكان كالذرة وغيرها من الحبوب التي لم يردبها نص وكالأ قطّ. بحر". ردالمحتار: ۲/۱۱۷(۱)۔

= الناس إليها لإلزامهم بقيمة المثل، والتسعير هنا إلزام بالعدل الذى ألزامهم الله به". (الحلال والحرام فى الإسلام للشيخ يوسف القرضاوى، ص: ۲۰۹، ۲۱۱)

"ولا يسعّر حاكم لقوله عليه السلام: "لاتسعّروا، فإن الله هو المسعِّر القابض الباسط الرازق، الخ" أقول: وفيه تأمل ؛ لأنه مثل ماقالوا فيمن صادره السلطان بمال، ولم يعين بيع ماله فصار يبيع أملاكه بنفسه ينفذ بيعه؛ لأنه غير مكروه على البيع، وهنا كذالک". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۶/۳۹۹، ۴۰۰، فصل فى البيع، سعيد)

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۳۶۴، ۳۶۵، باب صدقة الفطر، سعيد)

(وكذا فى بدائع الصنائع: ۲/۵۴۳، فصل فى بيان جنس الواجب، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۲/۱۳۸، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

جب گیہوں کی روٹی گیہوں پر قیاس کرنا درست نہیں تو چاول کو گیہوں یا جو پر قیاس کرنا کیسے درست ہوگا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود،۵/۱/۵۵ھ۔

صحیح:عبداللطیف،سعید احمد غفرلہ۔

چاول سے صدقۃ الفطر کی مقدار

سوال[۴۲۷۱]: اگر کوئی شخص فطرہ گیہوں کے چاول میں ادا کرے تو ادا ہوگا یا نہیں اور انگریزی تول کے حساب سے کتنے سیر گیہوں یا چاول دینے ہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ادا ہو جائیگا، گیہوں کی قیمت لگا کر اس کے عوض چاول جتنے بھی بازار میں فروخت ہوتے ہوں اس قدر چاول دیدے، وزن کے اعتبار سے گیہوں کے برابر نہ دے:" ومالم ينص عليه كذرة وخبز، يعتبر فيه القيمة، اهـ". در مختار:۲/ ۱۲۲(۱)۔

سہارنپور کی تول سے ایک صدقۃ الفطر کی مقدار ڈیڑھ سیر پختہ گیہوں ہے، احتیاطاً کچھ زائد پونے دو سیر دے دیئے جائیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

جہاں اشیائے منصوصہ نہ ہوں، وہاں صدقۃ الفطر کس طرح ادا کیا جائے؟

سوال[۴۲۷۲]: ماقولکم رحمکم اللہ! پوسٹ آفس وتھانہ بوسیدنگ، ضلع اکیاب ملک برما ہے، ہمارے ملک میں فطرہ کا جو اشیائے خمسہ منصوص علیہا ہے یہ کوئی چیز پیدا نہیں ہوتی ہے اور نہ ہماری غذا ہے اور نہ اس کا عین میسر ہوتا ہے اگر چہ شہر اکیاب اور بوسیدنگ میں گیہوں کا آٹا مل جاتا ہے، لیکن چاول سے جو ہماری

---

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/۳۶۴، باب صدقة الفطر، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۲، الباب الثامن في صدقة الفطر، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۳۸، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

غذا ہے آٹا کی قیمت ازحد گراں ہے اور ظاہر ہے کہ ایک چیز کا بھاؤ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا ہے مثلاً اس موسم میں آٹا کا بھاؤ اگر شہرا کیاب میں بحساب فی روپیہ چھ سیر ہے تو بوسیدنگ میں فی روپیہ چار سیر ہوتا ہے اور ہمارے چاول کا بھاؤ عام طور پر فی روپیہ انیس بیس سیر ہے اور گیہوں کا بھاؤ ہندوستان میں فی روپیہ بارہ تیرہ سیر ہے۔

اب غور کا مقام ہے کہ جو چیز ارزاں وآسان ہوتا ہے اس کی طرف لوگوں کا زیادہ میلان ہوتا ہے، لہذا گذشتہ زمانہ کی طرح دلیل پکڑتے ہیں کہ جیسا ہندوستانی وغیرہ کیلئے گیہوں عام طعام ہے اور ارزاں وآسان بھی ہے ویسا ہی ہمارے لئے چاول عام طعام اور ارزاں وآسان بھی ہے۔ پس اس صورت میں ہم لوگ حدیث:

"انه سمع أبا سعيد الخدری رضی الله تعالیٰ عنه يقول: كنا نخرج زكوة الفطر صاعاً من طعام أو صاعاً من شعير أو صاعاً من تمر أو صاعاً من أقط أو صاعاً من زبيب".(۱) پر عمل کر کے نصف صاع چاول سے یعنی صرف ڈھائی سیر چاول سے فطرۂ صوم ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

برتقدیر ثانی کیا اشیائے خمسہ منصوص علیہا کی قیمت دریافت کی بابت ہر اہل بلد اور ہر اہلِ قریہ کے لئے بلاد عام ہے یا خاص؟ اگر عام ہے تو صدقۂ فطر کے بارے میں جو عبارت منصوص علیہ ہے: "تدخرون فی بلادكم" آیا ہے۔ اس کی مراد کیا ہے؟

اگر خاص ہے تو صدقۂ فطر کی قیمت اشیائے منصوص علیہا کا جہاں اس کا پیداوار ہے (مثلاً ہندوستان) وہاں سے دریافت کیا جاوے یا ہمارے بلاد سے جہاں اس کا پیداوار نہیں اور "عبارت اقرب بلاد" کا اعتبار کیا جاوے آیا ہے، دلیل کتب معتبرہ میں کیا ہے؟ اور خصوصاً ہم اہلِ قریہ کے لئے سراغ بالا پر جو ترتیب وار خط کشیدہ جگہ کا نام نشان ہے اس میں سے خاص اقرب بلاد کا اعتبار کس پر معتبر ہوگا آیا تھانہ بوسیدنگ ہے؟ مگر اس میں اتنا آٹا میسر نہیں ہوسکتا، جو ہر اہل قریہ کو کفایت کر سکے اور اگر کفایت کرنا ضروری نہیں تو جو عبارت اشیائے خمسہ میں منصوص علیہ میں سے اتنی ہونی چاہیے جو اس کی اہل کفایت ہو سکے آیا ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اور اس کی

---

(۱) (صحيح البخاری: ۱/۲۰۴، كتاب الزكوة، باب صدقة الفطر صاع من طعام، قديمی)

(والصحيح لمسلم: ۱/۳۱۷، كتاب الزكوة، باب زكوة الفطر، قديمی)

(ومشكوة المصابيح: ۱/۱۶۰، كتاب الزكوة، باب صدقة الفطر، الفصل الأول، قديمی)

دلیل کتبِ معتبرہ میں کیا ہے؟ بحوالہ کتب حدیث وفقہ حنفیہ تحریر فرمائیں، مع تعین صفحہ جات واسامیٔ مطابع۔

بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ استدلال بہت ہی غلط اور لغو ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں: "صاعاً من طعام" ہے اور آپ اس پر عمل کرتے ہوئے نصفِ صاع چاول سے بری الذمہ ہونا چاہتے ہیں، لفظ "طعام" کے معنی میں عطا کے اقوال مختلف ہیں: ایک بڑی جماعت اس طرف گئی ہے کہ طعام سے مراد گیہوں ہے جس کو "قمح، حنطة، بر" بھی کہتے ہیں اور اس کی تائید میں لغت، عرف اور دیگر احادیث صریحہ پیش کرتے ہیں:

"اختلفوا فی المرادبالطعام فی هذا الحديث، والمعروف أن الطعام على الإطلاق يطلق على الحنطة، وفى المجمع: قال الخليل: إن الغالب فى كلام العرب أن الطعام هو البر، و حكى الخطابى أن المراد بالطعام ههنا الحنطة و هو اسم خاص له، قال: ويدل على ذلك ذكر الشعير و غيره من الأقوات، والحنطة أعلاها فلا بد أنه أرادها بذلك مكان ذكرها عند التفضيل كثيرة من الأقوات ولا سيما حيث عطفت عليها بحرف "أو" الفاصلة، و قال هو وغيره: و قد كانت لفظة" الطعام" تستعمل فى الحنطة عند الإطلاق حتى إذا قيل: اذهب إلى سوق الطعام منهم، منه سوق القمح، وإذا غلب العرف نزل اللفظ عليه، اهـ". أوجز المسالك ٣/٢٨٤ (١)۔ وفتح البارى: ٣/٢٩٠ (٢)۔ "قالوا: والطعام هو البر بدليل ذكر الشعير، غاية، اهـ". شلبى حاشيه زيلعى: ١/٣٠٨ (٣)۔

بعض علماء نے لفظ "طعام" کو عام کہا ہے کہ گیہوں اور دیگر غلہ جات سب کو شامل ہے حتیٰ کہ زبیب کو بھی شامل ہے لفظ "طعام" خواہ "حنطة" کے ساتھ مخصوص ہو یا سب کو شامل ہے، بہرکیف جن حضرات نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ پورا صاع واجب کہتے ہیں۔

---

(١) (أوجز المسالک: ٣/٢٨٣، زكوٰة الفطر، المكتبة اليحيوية سهارنپور)

(٢) (فتح البارى: ٣/٤٧٥، كتاب الزكوٰة، باب صدقة الفطر، قديمى)

(٣) (حاشية الشلبى على تبيين الحقائق: ٢/١٣٧، باب صدقة الفطر، دارالكتب العلمية، بيروت)

گیہوں میں بھی اور شعیر وغیرہ میں بھی اس حدیث سے استدلال کر کے نصف صاع واجب کسی نے نہیں کہا پھر اس حدیث سے جب کہ اس میں لفظ ''صاع'' موجود ہے نصف صاع کے ادا کرنے سے بری الذمہ ہو جانے پر کیسے استدلال درست ہے:

"صدقة الفطر نصف صاع من بر، أو دقيقة أوسويقة، أو زبيب، أو صاع من تمر، أو شعير. وقال الشافعي: من جميع ذلك صاع، و لا يجزى نصف صاع من بر لقول أبى سعيد الخدري:" كنا نخرج على عهد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم صاعاً من طعام، أو صاعاً من شعير، أو صاعاً من تمر، أو صاعاً من أقط، أوصاعاً من زبيب". و فى بعض طرقه: ذكر صاعاً من دقيق. و لنا قوله عليه السلام فى خطبته: "أدّوا عن كل حر أوعبد، صغير و كبير نصف صاع من بر، أو صاعاً من تمر أو صاعاً من شعير". الحديث ".تبيين الحقائق ١/٣٠٨(١)۔

"قال: روى الطحاوى أحاديث كثيرةً عن النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وعن أصحابه، وعن تابعيهم فى أن صدقة الفطر من الحنطة نصف صاع، و مما سوى الحنطة صاع، ثم قال: ما علمنا أحداً من أصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و لا من التابعين روى عنه خلاف ذلك، فلا ينبغى لأحد أن يخالف ذلك إذ كان قد صار إجماعاً فى زمن أبى بكر و عمر و عثمان و على رضى الله تعالىٰ عنهم أجمعين إلى رمن من ذكر نا من التابعين". أوجز:٣/٢٨٥)(٢)۔

اشیائے منصوصہ پر غیر منصوص کو قیاس کرنا درست نہیں بلکہ غیر منصوص میں قیمت کا اعتبار ہوگا: ''و ما لم ينص عليه كذرة و خبز، يعتبر فيه القيمة، اهـ". درمختار: ٢/١١٧(٣)۔

(١) (تبيين الحقائق: ٢/١٣٧، باب صدقة الفطر، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فى بدائع الصنائع: ٢/٥٤٠، فصل فى بيان جنس الواجب، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى التاتارخانية: ٢/٤١٩، باب صدقة الفطر، إدارة القرآن، كراچى)

(٢) (أوجزالمسالک: ٣/٢٧٥، زكوٰة الفطر، المكتبة اليحيوية)

(٣) (الدرالمختار مع ردالمحتار: ٢/٣٦٤، باب صدقة الفطر، سعيد) .... =

پس اگر غیر منصوص سے کوئی شخص ادا کرنا چاہے تو منصوص کی قیمت لگا کر دراہم یا دنانیر دیدے، یا اتنی قیمت کی کوئی اَور شئے ثوب وغیرہ دیدے:

"ودفع القيمة إلى الدراهم أفضل من دفع العين على المذهب المفتى به، و هذا في السعة، أما في الشدة، فدفع العين أفضل كما لا يخفى". درمختار۔ "(قوله: أي الدراهم) ربما يشعر أنها المراد بالقيمة مع أن القيمة تكون أيضاً من الفلوس والعروض، كما في البدائع والجوهرة، اهـ". ردمحتار(۱)۔

"قوله: أي الدراهم مثلها الفلوس والعروض كمافي المنح، اهـ". طحطاوی (۲)۔

اقرب بلاد کا اعتبار اس عبارت فقہ کی وجہ سے کیا جاتا ہے: "ويقوّم في البلد الذي المال فيه، و لو في مفازة، ففي أقرب الأمصار إليه". درمختار(۳)۔ جس روز صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے اس روز کی قیمت معتبر ہوگی: "و تعتبر القيمة يوم الوجوب، اهـ". درمختار: ۲/۳۳(٤)۔

مقامات خط کشیدہ میں سے جو مقام آپ کے زیادہ قریب ہو اور وہاں اشیائے منصوصہ ملتی ہوں وہیں کے نرخ کا اعتبار کرلیا جاوے۔ جملہ "تدخرون في بلاد كم "خط کشیدہ اور"مسئلہ کفایت" کس کتاب میں ہے؟ پورا حوالہ دیا جائے ﴿تدخرون في بيوتكم﴾ تو قرآن شریف میں بھی آیا ہے(۵)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۹/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

= (وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۵۴۳، فصل في بيان جنس الواجب، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۳۸، باب صدقة الفطر، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۱) (ردالمحتار على الدرالمختار: ۲/۳۶۶، مطلب في مقدار الفطرة بالمدالشامي، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۵۴۳، فصل في بيان جنس الواجب، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۲) (حاشيه الطحطاوي على الدرالمختار: ۱/۴۳۷، باب صدقه الفطر، دارالمعرفة، بيروت)

(۳) (ردالمحتار على الدرالمختار: ۲/۲۸۶، باب زكاة الغنم، سعيد)

(۴) (الدرالمختار، المصدر السابق آنفاً)

(۵) (ال عمران: ۴۹)

صدقۃ الفطر وغیرہ کیلئے بیت المال

سوال[۴۷۲۳]: ہماری بستی میں الحمدللہ بیت المال قائم ہے، ہم ہر سال عید الفطر پر صدقۂ فطر گھر گھر سے وصول کر لیتے ہیں اور عید کے بعد مجلسِ منتظمہ یہ طے کرتی ہے کہ بستی کے کن کن مستحقین کو کتنا روپیہ ماہانہ یکمشت دیدیا جائے۔ اس قسم کے نظم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا صدقۂ فطر یوم عید سے قبل وصول کیا جا سکتا ہے؟ کیا جمع شدہ صدقہ فطر نیز زکوۃ وغیرہ سال کے اندر یا بروقت ہی تقسیم کیا جانا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

صدقۃ الفطر کا ایسا انتظام کرنا کہ سبھی ادا کریں کوئی باقی نہ رہ جائے اور صحیح مصارف پر خرچ کیا جائے، بہت مناسب ہے مگر اس میں جبر کی صورت اختیار نہ کی جائے کہ ہر شخص صدقۂ فطر لازمی طور پر بیت المال ہی کو دے اور بیت المال کے لوگ اس پر جا کر مسلط ہو جائیں کیونکہ یہ بیت المال شرعی بیت المال نہیں بلکہ نام کا بیت المال ہے، اس لئے اموالِ ظاہرہ کی زکوۃ بھی جبراً وصول کرنے کا حق نہیں چہ جائیکہ صدقۃ الفطر، پھر اس کا وجوب عید الفطر کی صبح صادق پر ہوتا ہے حتی کہ شبِ عیدین میں اگر کوئی مر جائے تو صدقۃ الفطر واجب نہیں، اگر کسی سے پیشگی وصول کر لیا جائے اور مستحق کو دینے سے پہلے اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے ورثہ کی طرف اس کی واپسی لازم ہوگی۔ نیز صدقۃ الفطر میں مستحب یہ ہے کہ نماز عید سے پہلے ادا کر دیا جائے (۱)، اس کو وصول کر کے محبوس کر لینا کہ یہ سال بھر تک کسی وقت ادا کر دیا جائے اس کے خلاف ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۸/۸۹ھ۔

---

(۱) "ويستحب إخراجها قبل الخروج إلى المصلى بعد طلوع فجر عملاً بأمره و فعله عليه السلام، وصحّ أداؤها إذا قدّمه أو أخّره، الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۶۷، باب صدقة الفطر، سعيد)

(و كذافى النهر الفائق: ۲/۴۷۴، باب صدقة الفطر، امداديه ملتان)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۷، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "والواجب على الأئمة أن يوصلوا الحقوق إلى أربابها، و لا يحبسونها عنهم، و لا يحل للإمام وأعوانه من هذه الأحوال إلا ما يكفيهم و عائلتهم، و لا يجعلونها كنوزاً، و ما فضل من هذه الأحوال قسّم بين المسلمين، فإن قصر الأئمة فى ذلك فوَبالُه عليهم، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيريه: ۱/۱۹۱، فصل: ما يوضع فى بيت المال، رشيديه) ....=

فقیر، مسکین اور صدقہ فطر کا مصرف

سوال[۴۷۲۴] : ۱......فقیر، مسکین اور غریب کی شرعی تعریف فرماتے ہوئے یہ بتایئے کہ صدقۂ فطر کا شرعی مستحق کون ہے؟ یعنی قاضی یا مرشد یا استاذ ہی ہیں یا فقیر اور مسکین اور قریبی رشتہ دار (جن کی آمدنی خرچ کیلئے ناکافی ہے) بھی ہیں، افضلیت کس میں ہے؟

فطرہ کا مصرف ہمیشہ کیلئے متعین کرنا

سوال[۴۷۲۵] : ۲......قاضی یا مرشد (اس) کا مجاز ہے کہ اپنے تابعین سے بوجۂ غربت یہ کہدے کہ تم لوگ ہمیشہ (نسلاً بعد نسل) فی کس ۲۵، ۳۰/ روپیہ صدقۂ فطر میں دیدیں تو کافی ہے؟ کیا اس صورت میں پورا صدقہ ادا ہوجاویگا یا نہیں؟ بصورتِ ثانی کیا کہا جائیگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جس کی مِلک میں کچھ نہ ہو یا مقدار نصاب سے کم ہو اس کو اصطلاحِ شرع میں فقیر و مسکین کہتے ہیں، وہ زکوٰۃ اور فطرہ اور زکوۃ کا مستحق ہے(۱)، خواہ قاضی، مرشد استاذ بھی ہو یا کوئی اَور ہو مگر کسی کی خدمت کے معاوضہ میں دینا درست نہیں (۲)، اپنے عزیزوں کو اور ان میں بھی جو زیادہ دیندار ہوں ان کو دینا افضل ہے، مگر

= (وكذا في ردالمحتار: ۲۱۹/۴، مطلب في مصارف بيت المال، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۹۹/۵، باب العشر والجزية والخراج، رشيديه)

(۱) " هو فقير، وهو من له أدنى شيء: أي دون نصاب، أو قدر نصاب غير نام، مستغرق في الحاجة، ومسكين من لاشيء له على المذهب، الخ". (الدرالمختار: ۳۳۹/۲، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۲۶۱/۲، من يجوز دفع الصدقة اليه، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۸۷/۱، الباب السابع في المصارف، رشيديه)

(۲) " تمليك جزء مال عيّنه الشارع من مسلم فقير غيرهاشمي ولا مولاه، مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالىٰ". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۲۵۸/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۵۲/۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذافي النهر الفائق: ۴۱۱/۱، كتاب الزكاة، إمداديه)

جوعزیزمصرفِ زکوٰۃ نہیں جیسے والدین اوراولادوغیرہ ان کو نہ دیا جائے، کذافی ردالمحتار(۱)۔

۲...... یہ پابندی عائد کرنا غلط ہے اور مرشد کے منصب کے لئے بھی عیب کی چیز ہے اور صدقۃ الفطر حساب سے ادا کرنا لازم ہے(۲) کمی رہ جائے گی تو واجب باقی رہ جائے گا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودعفااللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/ ۸۹ھ۔

صدقۂ فطر کیا امام کا حق ہے؟

سوال[۴۷۲۶] : امام مسجد مسکین ہے مگر لوگ صدقۂ فطر سے امام مسجد کو کچھ نہیں دیتے بلکہ ہنود اور ایسے فقیروں کو جو کہ مالدار ہیں محض اس لئے کہ ان کا حق ہے بانٹ دیتے ہیں، امام مسجد کو صدقۂ فطر سے کچھ حصہ دینا چاہیے یا نہیں، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ امام مسجد کو مسکین ہوتے ہوئے کیا صدقۂ فطر سے کچھ نہ لینا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اکثر جگہ امام مسجد صدقۃ الفطر کو اپنا حق سمجھتا ہے اور دینے والے یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ نماز پڑھاتا ہے اس صورت میں امامت کا معاوضہ ہوجاتا ہے اس لئے امام کو نہیں دینا چاہیے۔غیر مسلم کو صدقۂ فطر نہیں دینا چاہیے بلکہ وہ مسلم مساکین وفقراء کا حق ہے:

"ولا تدفع (الزكوة) إلىٰ ذمي، وجاز دفع غيرها و غير العشر و الخراج إليه: أي الذمي

(۱) "ولا يجوز الدفع إلى أصوله: وهم الأبوان والأجداد والجدات من قِبل الأب والأم وإن علوا، و لا إلى فروعه: و هم الأولاد وأولاد الأولاد وإن سفلوا إلى آخر ما ذكر .... و كذا بين الزوجين .... و كذا جميع الصدقات كالكفارات و صدقة الفطر و النذور، الخ". (تبيين الحقائق: ۱۲۲/۲، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۴۳۲/۲، من توضع الزكاة فيه، غفاريه كوئٹه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳۸۴/۲، فصل الذى يرجع الى المؤدى اليه، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲)" نصف صاع من بر أو دقيقه أو سويقه أو زبيب، وجعلاه كالتمر أو صاع تمرٍ أو شعير، الخ".

(ردالمحتار: ۳۶۴/۲، باب صدقة الفطر، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۱/۱، صدقة الفطر، مكتبه رشيديه)

(وكذافي تبيين الحقائق: ۱۳۷/۲، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

ولـو واجباً كنذر و كفارة و فطر، خلافاً للثاني، و بقوله يفتى، حاوى القدسي، اهـ".

درمختار (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۰/۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/شوال/۶۷ھ۔

کیا پوتہ کا صدقہ فطر دادا پر ہے؟

سوال [۴۲۷۷]: زید صاحب نصاب ہے اور اس کے ایک لڑکا ہے اور زید کے ایک پوتا ہے جس کا باپ مر گیا اور زید اور اس کے لڑکے پوتہ کا خورد ونوش یکجائی ہے، پس اس صورت میں زید کے پوتہ کو زکوۃ دیجا سکتی ہے یا نہیں؟ نیز زید کے اوپر اس پوتے کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ زید کا پوتہ ابھی نابالغ ہے لیکن قریب البلوغ ہے اور زید کی کفالت میں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید اپنے پوتہ کو شرعاً اپنے مال سے زکوۃ نہیں دے سکتا: "ولا يدفع إلى أصله وإن علا، وفرعه وإن سفل، كذا فى الكافى، اه". عالمگیری: ۱/۱۸۸ (۲)۔

اگر زید کا پوتا صاحبِ نصاب ہے تو کوئی اَور شخص بھی زکوۃ نہیں دے سکتا لیکن اگر وہ صاحبِ نصاب نہیں تو دوسرے لوگ اس کو زکوۃ دے سکتے ہیں، زید کا صاحب نصاب ہونا پوتے کے لئے موجبِ غنا نہیں، جیسا کہ ماں کے غنی ہونے سے بیٹا غنی نہیں ہوتا کیونکہ دادا پر اصالۃً پوتے کا نفقہ واجب نہیں، هكذا يفهم ممافى باب المصرف وباب النفقة من كتب المذهب الحنفى.

---

(۱) (الدرالمختار: ۲/۳۵۱، باب المصرف، سعید)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع فى المصارف، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲/۴۲۳، باب المصرف، رشيديه)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۸۸، الباب السابع فى المصارف، رشيديه)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۲/۱۲۲، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى المبسوط: ۲/۱۴، باب عشر الارضين، دار الكتب العلمية بيروت)

ظاہر الروایہ میں دادا کے ذمہ پوتے کا صدقہ فطر واجب نہیں:

"و ليس على الجد أن يؤدى الصدقة عن أولاد ابنه المعسر إذاكان الأب حياً باتفاق الروايات، و كذا لو كان الأب ميتاً في ظاهر الروايات؛ لأن ولاية الجد يثبت بواسطة الأب، فكانت ناقصةً بعد وفات الأب دون حال حياته، و على الرجل أن يؤدى عن أولاده الكبار وإخوانه الصغار، و لا عن قرابته وإن كانوا في عياله و لا عن والديه وإن كانا في عياله، اهـ".

فتاوى قاضي خان على هامش هنديه: ۱/۲۲۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ ۷/ ۶۴ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۱/ رجب/ ۶۴ھ۔

جب تک جزئیہ نہ ملے، اصول کے مطابق دادا باپ کے حکم میں ہوتا ہے۔

سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

امام اور مولوی کیلئے صدقۂ فطر

سوال[۴۷۲۸]: ۱...... اگر کوئی مولوی یا امام مسجد مالدار ہے تو اس کیلئے صدقہ فطر لینا جائز ہے یا نہیں؟

۲...... صورت مذکورہ میں لینے والا دینے والا اور دینے والے کا حکم عند الشرع کیا ہے، نیز ایسے مولوی اور امام جو کہ مالدار ہیں ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

۳...... صورتِ بالا میں مولوی صاحب اور امام صاحب جو کہ مالدار ہیں اور صدقۂ فطر لیتے ہیں اور اگر

---

(۱) (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۲۸، فصل في صدقة الفطر، رشيديه)

" ولا يؤدى الجد عن نوافله الصغار وإن كانوا في عياله، و روى الحسن عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أن عليه الأداء عنهم بعد موت الأب، وهذه أربع مسائل يخالف الجد فيها الأب في ظاهر الرواية، ولا يخالف في رواية الحسن، الخ ". (المبسوط: ۲/۱۱۶، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلميه بيروت)

(و كذا في التاتارخانية: ۲/۴۲۳، باب صدقة الفطر، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۲، باب صدقة الفطر، رشيديه)

ان کوکوئی روکے کہ تمہارے لئے جائز نہیں ہے، جواب دیتے ہیں کہ ہم فقیر مسکین کو دیتے ہیں اور لوگ ان کو صدقۂ فطر کا مالک بنا کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر وہ لیکر فقیر مسکین کو دے بھی دیں تو دینے والے کا صدقہ فطر ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......ناجائز ہے: "وصدقة الفطر كالزكوة فى المصارف، اهـ". بحر: ۲/۲۵۶(۱)۔

۲...... لینے والا گناہگار ہے دینے والے کا صدقۂ فطر ادا نہیں ہوا، دوبارہ ادا کرنا چاہئے اگر دیتے وقت اس کا علم تھا کہ یہ مالدار ہے (۲)، اگر ایسے امام سے بہتر امامت کے لائق دوسرا آدمی موجود ہو تو دوسرے آدمی کو امام بنانا چاہئے اور ناحق صدقۂ فطر لینے والے کو امام بنانا مکروہ ہے (۳)۔

۳...... ایسی صورت میں صدقہ فطر ادا نہیں ہوتا یا لوگ خود کسی مسکین مستحق کو دیں (۴)، یا ان امام

---

(۱) (البحر الرائق: ۲/۴۴۶، باب صدقة الفطر، رشيديه)

(وكذا فى الدر المختار: ۲/۳۶۹، باب صدقة الفطر، سعيد)

(وكذا فى الفقه الإسلامى و أدلته: ۳/۲۰۴۸، المبحث الخامس مصرفها أو من يأخذها، رشيديه)

(۲) "مصرف الزكاة ...... هو فقير، وهو من له أدنى شئ .... ومسكن من لاشئ له". (الدر المختار: ۲/۳۳۹، باب المصرف، سعيد)

"وهى تمليك جزء مال عيّنه الشارع من مسلم فقير......اهـ. ولا [يصرف] إلى غنى يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أىّ مال كان، الخ". (الدر المختار، باب المصرف: ۲/۳۴۷، سعيد)

(۳) "(قوله: يكره إمامة عبد أو أعرابى أو فاسق): أى من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة، و لعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزانى و اكل الربا و نحوذلك". (ردالمحتار: ۱/۵۶۰، باب الإمامة، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۸۵، باب الإمامة، رشيديه)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۱/۱۶۳، فصل فى الجماعة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۴) "ويشرط أن يكون الصرف (تمليكاً) لا إباحةً، كمامر". (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعيد)

صاحب کو مالک نہ بنائیں، یہ کہہ کردیں کہ آپ کو وکیل بنایا ہے آپ یہ صدقۂ فطر کسی غریب مستحق کو دیدیں خود نہ رکھیں۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ۵/ ۵۹ھ۔

نابالغ کو فطرہ دینا

سوال[۴۷۲۹]: فطرہ غریب ویتیم مسکین نابالغ بچوں کو دینے سے ادا ہوا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر غریب کے بچے نابالغ ہوں تو ان کو صدقۂ فطر دینا جائز نہیں، البتہ ان کے لئے سرپرست کو دینا جائز ہے، اگر وہ بچے سمجھدار ہوں تو خود ان کو بھی دینا جائز ہے، اگر وہ بچے مالدار کے ہیں تو ان کو کسی طرح بھی دینا درست نہیں۔ فی الدر المختار: ۲/ ۱۲۷: "و صدقة الفطر كالزكوة فی المصارف"(۱)۔

"و يشترط أن يكون الصرف تمليكاً"۔ قال الشامی: "وفی التمليك إشارة إلى أنه لا يصرف إلى مجنون و صبی غير مراهق إلا إذا قبض لهما من يجوز له قبضه كالأب و الوصی وغيرهما، و يصرف إلى مراهق يعقل الأخذ". ۲/ ۱۵۵(۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۲۵/ ذی الحجہ/ ۵۱ھ۔

بندہ عبد الرحمٰن غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۷/ ۱۲/ ۵۱ھ۔

عید کے بعد صدقۂ فطر ادا کرنا ادا ہے یا قضاء؟

سوال[۴۷۳۰]: تعلیم الاسلام میں یہ مسئلہ تحریر ہے کہ عیدین کے دن نمازِ عید سے پہلے صدقۂ فطر ادا

(۱) (الدر المختار: ۲/ ۳۶۹، باب صدقة الفطر، سعيد)

(و أيضا تقدم تخريجه تحت عنوان "امام اور مولوی کے لئے صدقۃ الفطر"۔)

(۲) (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/ ۳۴۴، باب المصرف، سعيد)

(و كذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۹۰، باب المصرف، رشيديه)

(و كذا فی فتح القدير: ۲/ ۲۷۰، باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز، مصطفى البابی الحلبی مصر)

کرنا بہتر ہے، اگر نماز کے بعد ادا کرے تو بھی جائز ہے، جب تک ادا نہ کرے گا اس کے ذمہ واجب رہے گا، اگر کوئی شخص ایک سال دو سال میں ادا کرے تو بھی ٹھیک ہے، کیونکہ عبارت سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس وقت بھی ادا ہی شمار ہوگا قضا نہیں کہیں گے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۳/۹۵ھ۔

صدقۃ الفطر وزکوۃ غیر مسلم کو دینا

سوال [۴۷۳۱]: زکوۃ کا مال یا غلہ وغیرہ میں سے ۴۰/ واں نکال کر کسی ہندو کو دیدیا جائے اسی طرح صدقۃ الفطر اگر کسی ہندو کو دیدیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

زکوۃ دینا ہندو کو ناجائز ہے، صدقۃ الفطر جائز ہے بشرطیکہ ہندو ذمی ہو: " لا يجوز دفع الزكوة إلى ذمي، و صح دفع غير الزكوة من الصدقات إلى الذمي كصدقة الفطر". زيلعي: ۱/۲۰۰(۲)۔

مگر احتیاط یہ کہ صدقۂ فطر بھی مسلم ہی کو دیا جائے گا کہ اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے وہ ناجائز فرماتے ہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۱/۵۷ھ۔

---

(۱) "ويستحب إخراجها قبل الخروج إلى المصلى بعد طلوع فجر عملاً بأمره و فعله عليه السلام، وصحّ أداؤها إذا قدّمه أو أخّره، الخ". (الدرالمختار: ۲/۳۶۷، باب صدقة الفطر، سعيد)

(و كذافي النهر الفائق: ۲/۴۷۴، باب صدقة الفطر، امداديه ملتان)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۷، باب صدقة الفطر، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (تبيين الحقائق: ۲/۱۱۹، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وأيضاً راجع للتفصيل العنوان المتقدم: "صدقۃ الفطر کیا امام کا حق ہے؟")

(۳) "(قوله: وصح غيرها): أي صح دفع غير الزكاة إلى الذمي واجباً كان أو تطوعاً كصدقة الفطر =

فطرہ اور چرمِ قربانی تعلیم کے مشاہرہ میں دینا

سوال[۴۷۳۲]: زید کے گاؤں میں ایک سرکاری پرائمری اسکول قائم ہے اس میں خالص دینی تعلیم نہیں ہوتی ہے بلکہ سرکاری تعلیم ہوتی ہے، اس میں جو ایک شخص معلم ہیں وہ اس گاؤں کے پیش امام بھی مقرر ہیں، وہ معلم صاحب گورنمنٹ سے مشاہرہ پاتے ہیں اور پیش امام کا مشاہرہ گاؤں والے الگ دیتے ہیں تو زید نے پیش امام صاحب سے کہا کہ آپ ان بچوں کو ایک دو گھنٹے درسی تعلیم دیجئے آپ کو اس تعلیم کے عوض میں علیحدہ مشاہرہ دیا جائے گا، چنانچہ پیش امام صاحب اس کام کو انجام دے رہے ہیں تو زید صدقۂ فطر اور چرم قربانی کی رقم کو اسی مذکورہ گاؤں کے کسی یتیم وغریب سے تملیک کرکے اس پیش امام صاحب کو اس دینی تعلیم کے معاوضہ میں مشاہرہ دے رہا ہے تو یہ صورت از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

دینی تعلیم کا انتظام بہت ضروری ہے ماں باپ ہی اپنی اولاد کا دھیان رکھیں اور اجتماعی حیثیت سے بھی بچوں کے لئے تعلیم کا انتظام کیا جائے، جس طرح بچوں کے لئے کھانے کپڑے کا انتظام ضروری تصور کیا جاتا ہے اسی طرح ان کے لئے علم دین سکھانے کا انتظام بھی ضروری ہے، اس لئے آپس میں چندہ کیا جائے بچوں سے فیس لی جائے۔ اگر کوئی صورت ممکن نہ ہو تو مجبوراً زکوۃ وغیرہ کا پیسہ جمع کرکے بھی مدرس کو تملیک کے بعد دے سکتے ہیں، بلا شدید مجبوری کے یہ صورت اختیار نہ کی جائے، نابالغ سے تملیک کرانا غلط ہے بالغ سے درست ہے، مگر اس پر جبر یا دباؤ نہ ہونا چاہئے (۱)۔

= والكفارات والمنذور لقوله تعالىٰ ﴿لاينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين﴾ (الممتحنة: ٨) وخُصت الزكاة لحديث معاذ، وفيه خلاف أبي يوسف، ولايرد عليه العشر؛ لأن مصرفه مصرف الزكاة كما قد مناه فلا يدفع إلى ذمي والصرف في الكل إلى فقراء المسلمين أحب". البحر الرائق. "(قوله: خلاف أبي يوسف) أي في جواز دفع غير الزكاة إليه خلاف أبي يوسف. قال الرملي في الحاوي القدسي: وبه نأخذ". (منحة الخالق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ٢/٤٢٣، ٤٢٤، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ٢/٣٥١، ٣٥٢، سعيد)

(١) "ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً كما مر، لا يصرف إلى بناء نحو مسجد، و لا إلى كفن =

بہتر صورت یہ ہے کہ کسی غریب مستحقِ زکوۃ سے کہا جائے کہ مدرس کو تنخواہ کے لئے اتنے روپے کی ضرورت ہے تم دیدو، وہ کہے گا کہ میرے پاس نہیں ہے میں غریب ہوں، اس سے کہا جائے کہ اپنی ضروریات کے لئے بھی تو قرض لینے کی نوبت آتی ہے اب دینی ضرورت کے لئے کسی طرح انتظام کردو، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قرض ادا کرادیگا، وہ کسی سے قرض لاکر دیدے اس سے تنخواہ ادا کردی جائے، پھر کسی وقت زکوۃ کا پیسہ اس کو دیدیا جائے اس سے قرض ادا کردے۔فطرہ کا پیسہ بھی اسی طرح دیا جاسکتا ہے۔قربانی کرنے والے اگر اپنی قربانی کی کھال مدرسہ کے مہتمم (زید) کو دیکر مالک بنادیں اور وہ فروخت کردے تو اس قیمت میں مزید کسی تملیک کی حاجت نہیں، ہاں اگر وہ لوگ چرمِ قربانی کو فروخت کرکے اس کی قیمت زید کو دیدیں تو پھر وہ قیمت براہ راست مدرس کی تنخواہ میں نہ دے بلکہ تملیک کے بعد دے سکتا ہے (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= میت .... إن الحيلة أن يتصدق على الفقير، ثم يأمره بفعل هذه ألاشياء، وهل له أن يخالف أمره؟ لم أره، والظاهر نعم". (الدرالمختار: ٢/٣٤٤، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ١/٤٦٢، باب المصرف، إمداديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ٢/١٢١، باب المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(١) "(ويتصدق بجلدها أو يعمل منه نحو غربال وجراب)............ (أو يبدله بما ينتفع به باقياً)............ (فإن بيع اللحم أو الجلد به): أي بمستهلك (أو بدراهم تصدق بثمنه)". (الدرالمختار، كتاب الأضحية: ٦/٣٢٨، سعيد)

باب الصدقات النافلة

(صدقاتِ نافلہ کا بیان)

غنی کو صدقہ دینا

سوال[۴۷۳۳]: کسی صاحبِ استطاعت آدمی کو دونوں وقت برابر کھلانے میں اجر ملتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اجر تو ضرور ملتا ہے(۱) مگر صدقاتِ واجبہ اس سے ادا نہیں ہوتے (۲)، غریب و مسکین کو کھلانے کا اجر زیادہ ہے۔فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

صدقہ و خیرات میں فرق

سوال[۴۷۳۴]: صدقہ و خیرات میں کیا فرق ہے اور صدقہ کس کو کہتے ہیں، کیا کسی سید کو اس نیت سے کھانا دیا جا سکتا ہے کہ اس کا ثواب مُردوں کی روح تک پہنچے؟

---

(۱)" فاما الصدقة على وجه الصلة والتطوع، فلا بأس به، و كذالك يجوز النفل للغنى ". (التاتارخانية: ۲۷۵/۲، من توضع الزكاة فيه، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الفقه الإسلامى وأدلته: ۲۰۵۶/۳، المتصدق عليه، رشيديه)

(وكذا فى بدائع الصنائع: ۴۷۶/۲، فصل فى الذى يرجع إلى المؤدى إليه، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) "و لا إلى غنى يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية أىّ مال كان، كمن له نصاب سائمة لا تساوى مأة درهم الخ ". (الدرالمختار: ۳۴۷/۲، كتاب الزكاة، باب المصرف، سعيد)

(وكذا فى تبيين الحقائق: ۱۲۳/۲، باب المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى بدائع الصنائع: ۴۷۷/۲، فصل فى الذى يرجع إلى المؤدى إليه، دار الكتب، بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

صدقہ میں بھی ثواب کی نیت ہوتی ہے اور خیرات میں بھی اس میں دونوں برابر ہیں، البتہ صدقہ کبھی واجب ہوتا ہے مثلاً نذر مان لینے سے، یا میت کی طرف سے اس کے وصیت کرنے پر، یا کسی کے پاس حرام مال آجائے اور مالک تک، یا اس کے ورثاء تک پہونچانا متعذر ہوتو اس کا بھی صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے اور اس اخیر کی صورت کو نیت سے بھی مستثنیٰ کیا جاتا ہے یعنی اس میں ثواب کی نیت نہیں کی جاتی ہے کہ اللہ پاک اس مال حرام کے وبال سے مجھے بچائے، زکوۃ کو بھی صدقہ کہتے ہیں جو فرض ہے، اسی طرح صدقۂ فطر ہے جو کہ واجب ہے۔ خیرات کا اطلاق ہمارے عرف میں صدقۂ نافلہ پر ہوتا ہے، صدقۂ نافلہ سید کو دینا درست ہے اور صدقۂ واجبہ درست نہیں۔

اگر میت نے وصیت نہیں کی تھی بلکہ اپنی طرف سے سید کو کھانا کھلایا اور ثواب کی نیت میت کے واسطے کرلی تو درست ہے اور صدقۂ واجبہ درست نہیں، کفارہ واجب تھا یا نذر واجب تھی اور اس نے وصیت کی تو سید کو کھلانا درست نہیں:

"قوله: و بني هاشم و مواليهم، وقال المصنف في الكافي: و هذا في الواجبات كالزكوة والنذر والعشر والكفارة، أماالتطوع والوقف فيجوز الصرف إليهم، اهـ". بحر: ٢/٢٤٦(١)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۱۰/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

زکوۃ کے علاوہ صدقہ خیرات

سوال[۴۷۳۵]: آمدنی کا وہ حصہ جو زکوۃ دینے کے بعد بچ رہا، کیا اس رقم میں سے بھی دس فی صدی

(۱) (البحر الرائق: ۲/۴۳۰، باب المصرف، رشیدیه)

(و كذا في ردالمحتار: ۲/۳۵۱، باب المصرف، سعید)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۱، باب في بيان أحكام المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في المحيط البرهاني: ۲/۴۳۴، باب من توضع الزكاة فيه، غفاريه)

تناسب سے خیرات کرنا واجب یا سنت ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

واجب یا سنت مؤکدہ (جس کے ترک پر عقاب یا عتاب ہو) تو نہیں، مواقعِ ضرورت میں ایثار وہمدردی کے پیشِ نظر اپنے حوصلہ اور وسعت کے موافق خرچ کرنا مکارمِ اخلاق میں سے ہے(۱) دس فیصد ہو یا کم وبیش ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۵/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۵/ ۸۸ھ۔

کفارہ کی رقم، فقیر قاضی یا استاد کو یکبارگی دینا

سوال[۴۷۳۶]: اگر کوئی شخص کفارہ یا ساتھی کی جملہ رقم ایک دن ایک ہی وقت یا دن کے مختلف گھنٹوں میں کسی ایک فقیر یا قاضی یا استاذ یا مرشد کو دیدے تو پورا کفارہ ادا ہوجائے گا یا نہیں؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ کفارہ کا مستحق مرشد یا قاضی ہی ہے گو وہ صاحبِ نصاب ہی کیوں نہ ہو۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

کفارہ کا مستحق وہ ہے جو زکوۃ کا مستحق ہے (۲) جس کفارہ میں تعدد شرط ہے اس میں ایک دفعہ ایک

---

(۱) "صدقة التطوع مستحبة في جميع الأوقات، وسنة بدليل الكتاب والسنة، أما الكتاب، فقوله تعالیٰ: ﴿من ذا الذي يقرض الله قرضاً حسناً، فيضاعفه له أضعافاً كثيرةً﴾ [البقرة ۲۴۵] وأمر الله سبحانه بالصدقة في آيات كثيرة. وأما السنة فأحاديث عديدة منها .... "إن العبد إذا تصدق من طيب، تقبلها الله منه، وأخذها بيمينه، فربّاها كما يربي مُهره أو فصيله، الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/ ۲۰۵۱، حكم صدقة التطوع، رشيديه)

"اعلم أن الصدقة تستحب بفاضل عن كفايته و كفاية من يمونه .... والأفضل لمن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات؛ لأنها تصل إليهم و لا ينقص من أجره شئ". (ردالمحتار: ۲/ ۳۵۷، الأفضل على أن ينوي الصدقة لجميع المؤمنين والمؤمنات، سعيد)

(۲)" إذا لم يستطع المظاهر الصيام، أطعم ستين مسكيناً، .... الفقير والمسكين سواء فيها، .... ولا يجزيه أن يعطي من هذه الكفارة من لا يجزيه أن يعطيه من زكاة المال إلا فقراء أهل الذمة، فإنه =

شخص کو دینا کافی نہیں (۱) جس قسم کے کفارہ کے متعلق دریافت کرنا ہے اس کو تعیین کے ساتھ دریافت کیا جائے، فتاوی عالمگیری میں تفصیل مذکور ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۲۴ھ۔

للہ دی گئی اشیاء کا تنخواہ میں استعمال

سوال [۴۷۳۷]: صدقۂ نافلہ، کفارۂ قسم، کفارۂ ظہار کے نام سے جو رقمیں یا اشیاء موصول ہوں ان کو تنخواہوں میں دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کفارۂ قسم اور کفارۂ ظہار کی رقموں کا مستحق زکوۃ کو مالک بنادینا ضروری ہے، معلمین کی تنخواہوں میں دینا جائز نہیں ورنہ کفارہ ادا نہیں ہوگا، جو غلہ وغیرہ اس مد میں آئے اس کا بھی یہی حکم ہے (۲)، جو اشیاء محض تحصیلِ ثواب کے لئے دی جائیں کسی واجب کا ادا کرنا ان سے مقصود نہ ہو ان کو تنخواہ میں دینا بھی درست ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۳/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۳/۱۳ھ۔

= يعطيهم من هذه الكفارة في قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالىٰ الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۱۳/۱، كتاب الطلاق، الباب العاشر في الكفارة، رشيديه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار مع ردالمحتار: ۴۷۹/۳، باب الكفارة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۸۰/۴، كتاب الطهارة، فصل في الكفارة، رشيديه)

(۱) "كما جاز لو أطعم واحداً ستين يوماً لتجدد الحاجة، و لو أباحه كل الطعام في يوم وأحد دفعةً أجزأ عن يومه ذلك فقط اتفاقاً، وكذا إذا ملكه الطعام بدفعات في يوم واحد على الأصح، ذكره الزيلعي، لفقد التعدد حقيقةً وحكماً الخ". (الدر المختار: ۴۷۹/۳، كتاب الطلاق، باب الكفارة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۱۳/۱، كتاب الطلاق، الباب العاشر في الكفارة، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۱۸۴/۴، كتاب الطلاق، فصل في الكفارة، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "کیا کفارہ مفتی کا حق ہے؟" حاشیہ رقم: ۱)

(۳) "وهذا في الواجبات كالزكاة والنذر والعشر والكفارة، فأما التطوع، فيجوز الصرف إليهم". =

پیداوار میں سے زکوۃ سمجھ کر نکالا ہوا غلہ

سوال[۴۷۳۸]: چالیس من میں ایک من غلہ زکوۃ سمجھ کر دیتے ہیں اس غلہ کی رقم مدرسہ میں اور مدرس کی اجرت میں دینا درست ہے یا نہیں؟ کچھ عالم کہتے ہیں کہ یہ زکوۃ نہیں ہے، یہ صدقۂ نافلہ ہے اس رقم کو ہر کارِ خیر میں خرچ کر سکتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ صدقۂ نافلہ ہے ہر کارِ خیر میں خرچ کر سکتے ہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حرام مال کا صدقہ

سوال[۴۷۳۹]: زنا کار مرد وعورت نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، یا ناچ باجا، سارنگی طبلہ، ڈھولک، مجیرا، ہارمونیم سے کماتے ہیں اور اچھے کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حرام مال اللہ پاک کی بارگاہ میں قبول نہیں (۲)، بنیتِ ثواب حرام مال کو صدقہ کرنا بھی سخت گناہ اور خطرناک ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۱۸۹، کتاب الزکوة، الباب السابع فی المصارف، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲/ ۳۵۱، کتاب الزکوة، باب المصرف، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق: ۱/ ۴۶۶، کتاب الزکوة، باب المصرف، امدادیه ملتان)

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''اللہ دی گئی اشیاء کا تنخواہ میں استعمال''۔)

(۲) "قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ایها الناس، إنا الله طیب لا یقبل إلا طیبا". (مسند الإمام احمد بن حنبل، مسند أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه، (رقم الحدیث: ۸۱۴۸): ۲/ ۲۲۹، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(ومشکوة المصابیح، کتاب الزکوة، باب فضل الصدقة: ۱/ ۱۶۷، قدیمی)

(۳) "إنما یکفر إذا تصدق بالحرام القطعی: أی مع رجاء الثواب الناشی عن استحلاله کما مر، فافهم". =

پیشہ ور مانگنے والوں کوصدقہ وغیرہ دینا

سوال[۴۷۴۰]: اکثر فقیر اہلِ نصاب ہوتے ہوئے خیرات اور صدقات کو اپنا حق سمجھتے ہیں، اسی بناء پر وہ عیدالاضحیٰ میں قربانی بھی نہیں کرتے کہ ہمارے یہاں تو مانگنے میں کافی گوشت آجائے گا، صدقات، خیرات اور عید کی قربانی کا گوشت جب لوگ انہیں دیتے ہیں تو ان کی عادت میں اَور پختگی آتی ہے، اگر لوگ ایسے صاحبِ نصاب فقراء کو مصلحۃً اگر صدقات وخیرات اور عیدالاضحیٰ میں قربانیوں کا گوشت نہ دیں تو بری بات تو نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

ایسے لوگ صدقات کے مستحق نہیں، ایسے لوگوں کو سوال کرنا بھی ناجائز ہے (۱)، اگر کوئی شخص ایسے لوگوں کو صدقۂ فطر یا زکوۃ وغیرہ صدقاتِ واجبہ دے گا تو اس کی زکوۃ ادا نہیں ہوگی (۲)۔

قربانی کا گوشت امیر غریب سب کو دینا اور کھلانا شرعاً جائز ہے اس کے لئے غریب ہونا ضروری نہیں، البتہ جب وہ صاحب نصاب ہیں تو ان پر تو خود اپنی قربانی واجب ہے، اگر قربانی نہیں کریں گے تو گناہگار ہونگے (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۷/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۷/ رجب/۶۴ھ۔

= (الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/۲۹۲، باب زكاة الغنم، سعيد)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۲۰۵۸، التصدق من المال الحرام، رشيديه)

(۱) "و لا يحل أن يسأل شيئًا من القوت مَن له قوت يومه بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب، و يأثم معطيه إن علم بحاله لإعانته على المحرم". (الدرالمختار: ۲/۳۵۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۳۱، باب المصرف، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۳۳، في بيان أحكام المصرف، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "غنی کوصدقہ دینا۔")

(۳) "تجب الأضحية) على حر، مسلم، مقيم، موسر عن نفسه، الخ". (تبيين الحقائق: ۲/۴۷۳، كتاب الأضحية، رشيديه)

(وكذا في الدر المختا مع رد المحتار: ۶/۳۱۵، كتاب الأضحية، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/۴۷۷، فصل في الذي يرجع إلى المؤدى، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۲۹۲، كتاب الأضحية، رشيديه)

جنازہ کی چادر، چٹائی، چارپائی صدقہ کرنا

سوال [۴۷۴۱]: مردہ کے اوپر جو کپڑا بطورِ پردہ یا حفاظت کے دیا جاتا ہے وہ اور جو چٹائی اور چارپائی کے اوپر اور مردہ کے نیچے دی جاتی ہے وہ دونوں چیزیں مسجد میں دینا اَولیٰ ہے یا فقراء کو؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ دونوں چیزیں وارثوں کی ملک ہیں جہاں ان کا دل چاہے صرف کریں، اپنے مکان میں بھی اپنی ضرورت کے لئے استعمال کر سکتے ہیں، خاص کر جب کہ تنگ دستی ہو تو اپنے ہی استعمال میں لانا بہتر ہے، ان کا صدقہ کرنا لازم نہیں، غریبوں کو بھی دے سکتے ہیں، مسجد میں دے سکتے ہیں، لیکن اس کا خیال رہے کہ وارثوں میں کوئی نابالغ نہ ہو، نابالغ کا حصہ صدقہ کرنا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۷/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/ ۷/ ۸۹ھ۔

خیرات کے لئے چندہ کر کے خود کھالینا

سوال [۴۷۴۲]: بیماری کے اندر بستی میں کچھ خیرات کیلئے اکٹھا کیا۔ وہ پکا کر انہوں نے کھالیا وہ خیرات مشروع یا نامشروع؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ خیرات نہیں۔ بلکہ خیرات یہ ہے کہ غریب اور حاجتمند کو دیا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ۱۲/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مدرسہ ہذا، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

---

(۱) "وإن اتخذ طعاماً للفقراء كان حسناً إذا كانت الورثة بالغين، فإن كان في الورثة صغير لم يتخذوا ذلك من التركة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات: ۵/ ۳۴۴، رشيديه)

"يكره اتخاذ الضيافة من الطعام .... ولا سيما إذا كان في الورثة صغار أو غائب".

(الدرالمختار: ۲/ ۲۴۰، مطلب في كراهية الضيافة من أهل الميت، سعيد)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿إن تبدوا الصدقات فنعما هي، وإن تخفوها وتؤتوها الفقراء، فهو خير لكم﴾. (البقرة: ۲۷۱)=

مقروض کا نفلی چندہ دینا

سوال [۴۷۴۳]: ایک شخص سوروپیہ سے تجارت کررہا ہے اور چھ سوروپیہ کا مقروض ہے، کیا اس قرضہ کی صورت میں کسی مدرسہ یا مسجد وغیرہ کی کچھ امداد کرنا چاہے تو کرسکتا ہے یا نہیں۔ یا مقدم قرض کی ادائیگی ہے۔ اور امداد کی صورت میں ثواب کا مستحق ہے کہ نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ چندہ نفل کے درجہ میں ہے اور قرض ادا کرنا فرض ہے(۱) اگر قرض ذمہ میں باقی رہتے ہوئے کوئی شخص نفل پڑھتا ہے تو اس کو ثواب بھی ملتا ہے۔ اور قرض کی تاخیر پر باز پرس بھی ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ ثواب نہیں ملے گا، درست نہیں (۲) البتہ قرض کی ادائیگی کا اہتمام چاہئے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

کنواں بنانا صدقہ جاریہ ہے

سوال [۴۷۴۴]: ایک مسلمان شخص بسلسلہ چک بندی اپنے چک میں کنواں بنوانا چاہتا ہے اور نیت ومقصد خالص یہ ہے کہ اپنا بھی آب پاشی کا کام لیوے نیز اور دوسرے لوگ بھی جن کے کھیت ہیں آب پاشی

= "الهبة على الفقير صدقة، والصدقة يراد بها وجه الله، والصدقة على الغنى هبة". (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب الهبة، قبيل باب الرجوع فى الصدقة: ۶۹۸/۵، سعيد)

(۱) "عن أبى هريرة رضى الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "مطل الغنى ظلم". (مشكوٰة المصابيح، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، ص: ۲۵۱، قديمى)

قال القارى: "مطل الغنى": أى تأخيره أداء الدين من وقت إلى وقت". (مرقاة المفاتيح: ۱۱۹/۶، رشيديه)

(وصحيح البخارى، كتاب الإجارة، باب إذا استأجر فمات أحدهما: ۳۰۵/۱، قديمى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره﴾. (سورة الزلزال)

(۳) (راجع رقم الحاشية: ۱)

کریں کیونکہ ایک کنواں بہت دور ہے جس سے بہ مشکل آب پاشی ہوسکتی ہے، نیز عام لوگ اس سے ہر طرح کا فائدہ اٹھائیں تو آیا یہ کنواں صدقۂ جاریہ میں شمار ہوگا یا نہیں؟ اور صدقہ جاریہ کا ثواب ملے گا یا نہیں جب کہ عوام کو بہت زیادہ آب پاشی کا فائدہ ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یقیناً صدقہ جاریہ ہے اس سے ثواب ملے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

زکوۃ ذمہ میں رہتے ہوئے صدقۂ نفلیہ دینا

سوال [۴۷۴۵]: ایک شخص جس کے ذمہ زکوۃ واجبہ یا فرض روزہ باقی ہے اس کے باوجود وہ عطیہ یا نفلی روزہ رکھتا ہے تو اس کا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟ نیز اگر کسی نے ایسا کیا تو فرض میں وضع ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

عطیہ دینے سے ثواب ملے گا، نفلی روزہ سے بھی ثواب ملے گا لیکن فرض وواجب کی فکر نہ کرنا اور نفل میں مشغول ہونا ناسمجھی اور کم عقلی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "عن سعد بن عبادة رضي الله تعالىٰ عنه، أنه قال: يا رسول الله! ان أم سعد ماتت فأىّ الصدقة أفضل؟ قال: "الماء" قال: فحفر بيراً، وقال: هذه لأم سعد". (سنن أبى داؤد، كتاب الزكاة، باب فى فضل سقى الماء: ۱/۲۴۳، امداديه)

"عن أنس رضي الله تعالىٰ عنه قال:" قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "سبع يجرى للعبد أجرها بعد موته وهو فى قبره: مَن علم علماً، أو أجرى نهراً، أو حفر بئراً، أو غرس نخلاً، أو بنى مسجداً، أو ورث مصحفاً أو ترك ولداً يستغفر له بعد موته". (شرح الصدور فى أحوال الموتى والقبور للسيوطىؒ، باب ما ينفع الميت فى قبره ص: ۲۹۶، دار المرفة)

(۲) "و يستحب أن لا يتصدق مَن عليه دين، أو مَن تلزمه نفقة لنفسه أو عياله، حتى يؤدى ما عليه .... لأنه حق واجب، فلم يجز تركه بصدقة التطوع، فيقدم الدين؛ لأن أداء ه واجب، فيقدم على المسنون". (الفقه الإسلامى و أدلته: ۲۰۵۸/۳، صدقةالمديون و من عليه نفقة، رشيديه)

تنخواہ سے کچھ روپے زائد کٹوا کر صدقہ کرنا

سوال[۴۷۴۶] : زید نے پچاس روپے ماہوار اپنے کسی نیک کام کے لئے کٹوانا شروع کیا مقررہ مدت کے بعد زید کو اس رقم پر ۳۵/ فیصد روپے زائد ملے تو یہ روپے زید کے حق میں کیسے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب اصل تنخواہ میں سے ماہانہ کٹواتا ہے اور اس کو کسی نیک کام میں خرچ کرنے کی نیت ہے تو یہ زائد رقم ہی اپنے کام میں کیوں لاتا ہے اس کو بھی غرباء پر صدقہ کردے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

باب المتفرقات

زکوۃ کے صلہ میں ہدیہ دینا

سوال[۴۷۴۷]: زکوۃ کا مال اقرباءکو دینا افضل ہے، مگر اس کے صلہ میں وہ کوئی چیز چھپا کر یا ظاہر کر کے دے تو اس کے اندر کیا مسئلہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

معاوضۃ تو لینا ناجائز ہے، لیکن اگر قریب مصرفِ زکوۃ ہے اور اس کو زکوۃ دیتا ہے، پھر وہ کوئی شئ ہدیۃً اس زکوۃ دینے والے کو دیتا ہے تو اس کا لینا درست ہے: "هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملّك من كل وجهٍ لله تعالىٰ .... وأفاد بقوله: بشرط أن الدفع إلى أصوله وإن علوا وإلى فروعه وإن سفلوا وإلى زوجته وزوجها وإلى مكاتبه ليس بزكوة. وأشار إلى أن الدفع إلى كل قريب ليس بأصل ولافروع جائزٌ، وهو مقيّد بما في الولوالجية: رجلٌ يعون أخته أو أخاه أو عمّه فأراد أن يعطيه الزكوة، فإن لم يفرض القاضي عليه النفقة، جاز؛ لأن التمليك بصفة القربة يتحقق من كل وجهٍ، وإن فرض عليه النفقة لزمانته إنما لم يحتسب من نفقتهم، جاز، وإن كان يحتسب لايجوز، اهـ". بحر: ۲/۲۰۱، ۲۰۲(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۸/۱۱/۵۷ھ۔

زکوۃ میں مبیع کی قیمت کم کر دینا

سوال[۴۷۴۸]: صاحبِ نصاب شخص نے ایک غریب آدمی کو کوئی چیز فروخت کی جس کی قیمت تین

---

(۱) (البحر الرائق: ۲/۳۵۲، ۳۵۳، كتاب الزكوة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۱۷، ۱۸، كتاب الزكوة، دارالكتب العلمية، بيروت)

روپے ہوتی تھی، غریب آدمی نے اللہ واسطے اپنی غربت کی وجہ سے کچھ چھوٹ مانگی، اس شخص نے اللہ واسطے ایک روپیہ چھوڑ دیا صرف دوروپے لے لئے، اب وہ صاحب کیا اس ایک روپے کو زکوۃ میں شمار کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح زکوۃ میں شمار کرنا جائز نہیں (۱) بلکہ اس چیز کے دوحصے کرے ایک حصہ دوروپے میں فروخت کرے اور ایک حصہ جس کی قیمت ایک روپیہ ہے بلا قیمت لئے زکوۃ میں دیدے، یا وہ شئ تین روپے میں فروخت کرکے تین روپے وصول کرے اس کے بعد ایک روپیہ زکوۃ میں دیدے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

اپنی زکوۃ کو فقیر سے خریدنا

سوال [۴۷۴۹]: ایک عورت نے کتنے ہی سال سے اپنے زیور کی زکوۃ ادا نہیں کی، اکنوں سال بقیہ کی زکوۃ ادا کرنے سے دشواری ہوئی، لہٰذا ان کی بعض محبین نے ان سے کہا کہ آپ کی زیور میں سے کچھ زیور بنیتِ زکوۃ ان کو دیدیں وہ قبضہ کرکے نصف قیمت سے اس عورت کو بیچ ڈالا۔ اب اس صورت میں اس کی زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوۃ کے لئے ضروری ہے کہ معطی کی کوئی ذاتی منفعت بجز فریضہ کے نہ ہو، پس اگر اس شرط پر وہ اس عورت کو زکوۃ دیتا ہے کہ وہ شخص اس زیور کو اس عورت کے ہاتھ فروخت کردے تو یہ شرط باطل ہے اس کا پورا کرنا معطیٰ لہ کے ذمہ ضروری نہیں، تاہم اس شرط پر بھی مستحق کو دینے سے زکوۃ ادا ہوجائے گی، اس کے بعد معطیٰ لہ کو اختیار ہے خواہ اس عورت کے ہاتھ فروخت کرے یا نہ کرے:

---

(۱) "و شرط صحة أدائها نية مقارنة له: أى للأداء، ولو كانت المقارنة حكماً كما لو دفع بلا نية، ثم نوى والمال قائم في يد الفقير .... ولذا لو قال: هذا تطوع أو عن كفارتي، ثم نواه عن الزكاة قبل دفع الوكيل صح، الخ". (الدرالمختار: ۲۶۸/۲، كتاب الزكاة، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۳۶۸/۲، كتاب الزكاة، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲۹۰/۱، كتاب الزكاة، دار الكتب العلمية بيروت)

"هی: أی الزکوة تملیك جزء من المال معین شرعاً من فقیر مسلم غیرها شمی و لا مولاه مع قطع المنفعة عن المملِّك -بکسر اللام، وهوالدافع- من کل وجه لله تعالیٰ، اهـ". مجمع الأنهر: ۱/۱۹۲(۱)۔ "وهکذا هبة الصدقة والکتابة بشرط متعارف وغیر متعارف یصح، و یبطل الشرط اهـ". فتاوی عالمگیری: ۳/۴۹۷(۲)۔

اس کے بعد اس عورت کا اپنے دیئے ہوئے زیور کو نصف قیمت سے خریدنا منع ہے، اپنے دیئے ہوئے صدقہ کو خریدنے سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، کذا فی أبی داؤد: ۱/۲۲۵(۳)۔ اگر خرید لیا ہے تو بہتر ہے کہ قیمت پوری دے، بیع کا ختم کرنا واجب نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۸/۲/۵۲ھ، سعید احمد غفرلہ۔

تحفہ میں زکوۃ ہونے کا شک

سوال[۴۷۵۰]: تحفہ لینے والے کو شک تھا، کہ شاید مالِ زکوۃ ہے، اس صورت میں تحفہ تحائف میں کیا حکم ہے؟

---

(۱) (مجمع الأنهر: ۱/۲۸۴، کتاب الزکاة، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۳۵۲، کتاب الزکاة، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار: ۲/۲۵۶، کتاب الزکاة، سعید)

(۲) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۴/۳۹۶، الباب الثامن فی حکم الشرط فی الهبة، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۶/۹۲، کتاب الهبة، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۳) "عن عبدالله بن عمر رضی الله عنهما أن عمر بن الخطاب رضی الله عنه حمل علی فرس فی سبیل الله، فوجده یُبَاعُ، فأراد أن یبتاعه، فسأل رسولَ الله صلی الله علیه وسلم عن ذلک فقال: "لاتبتاعه، ولا تَعُدْ فی صدقتک". (سنن أبی داؤد، کتاب الزکوة، باب الرجل یبتاع صدقة: ۲/۲۳۲، رقم الحدیث: ۱۵۹۳، مکتبه امدادیه)

(وجامع الترمذی: ۱/۱۴۵، وباب ما جاء فی کراهیة العود فی الصدقة، سعید)

(وصحیح البخاری: ۱/۲۰۱، هل یشتری صدقة، قدیمی)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس کی عادت یا دیگر قرائن سے معلوم ہو کہ یہ تحفہ زکوۃ سے دیتا ہے اس کی تحقیق کر لی جائے ورنہ ضرورت نہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۹/ ۷/ ۹۵ھ۔

جو رقم بقصدِ زکوۃ الگ رکھدی گئی اس میں تصرف کا حکم

سوال[۴۷۵۱]: زکوۃ یا عشر کے لئے ایک رقم متعین کر کے الگ رکھدی اب اگر اس سے دوسرا سکہ بدلنا چاہے، یا چھوٹا سکہ ہے اس کے عوض بڑا رکھنا چاہے تو جائز ہے یا نہیں؟ منشاء یہ ہے کہ جو رقم الگ کی ہے بالتعیین اس کی علیحدگی تو ضروری نہیں ہے؟ فقط۔

نجم الحسن عفی عنہ از خیرآباد، ضلع سیتاپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

زکوۃ یا عشر کی رقم علیحدہ رکھدینے سے مِلک سے خارج نہیں ہوتی، لہذا اس میں تغیر وتبدل کا تصرف جائز ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ،۲/ رمضان/ ۶۷ھ۔

---

(۱) "(وافتراضها عمريٌّ): أى على التراخى، وصححه الباقانى وغيره. (وقيل: فوريٌّ): أى واجب على الفور (وعليه الفتوى)، كما فى شرح الوهبانية (فيأثم بتأخرها) بلا عذر". (الدر المختار).

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: فيأثم. بتأخيرها الخ) .... وقد يقال: المراد أن لايؤخر إلى العام القابل لما فى البدائع عن المنتقى -بالنون-: إذ لم يؤدحتى مضى حولان، فقد أساء وأثم، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الزكوة: ۲/ ۲۷۲، سعيد)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب الزكوة، فصل كيفية فرضية الزكاة: ۲/ ۷۷، رشيديه)

(وكذا فى الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الزكوة: ۲/ ۱۶۴، ۱۶۵، قديمى)